

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

جلد ۱۴

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاوی محمودیہ

فتاوی

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

کل صفحات	۶۵۸
تعداد	گیارہ سو

ناشر

ادارہ الفاروق کراچی



Graphix & Composing: Irfan Anwar Mughal



سن طباعت بار اول............۱۴۲۶ھ، مطابق ۲۰۰۵ء

سن طباعت بار دوم............۱۴۲۹ھ، مطابق ۲۰۰۸ء

ملنے کا پتہ

ادارہ الفاروق کراچی

جامعہ فاروقیہ، پوسٹ بکس نمبر 11009 شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر 75230

فون: 4599167, 4571132، ای میل: info@farooqia.com

www.farooqia.com

مطبع......القادر پرنٹنگ پریس

اجمالی فہرست

........☆........ كتاب الأيمان والنذور ....☆........

☆......☆......☆



﴿لا يؤاخذكم اللّٰه باللغو في

أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقّدتّم

الأيمان، فكفّارته إطعام عشرة

مساكين من أوسط ما تطعمون

أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة،

فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك

كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾

(المائدة:٨٩)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

کتاب الأیمان والنذور

باب الأیمان

قسم کھانے کا بیان

فصل فی کفارة الیمین

(قسم کے کفارہ کا بیان)

باب النذور

(نذر کا بیان)

کتاب الحدود والقصاص والشهادة

باب حدّ الزِنا ومايتعلق به

(حدِّ زنا کا بیان)

باب حدّ القذف

(حدِ قذف کا بیان)

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

فصل فی التعزیر بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

باب الحدّ بشرب الخمر

(شراب نوشی کی سزا کا بیان)

باب القصاص والدّیة

(قصاص اور دیت کا بیان)

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

كتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

كتاب الشركة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

بابٌ فی استبدال الوقف وبیعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

باب ولایة الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

الفصل الأول فی بناء المسجد وتعمیرہ

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

الفصل الثانی فی مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

الفصل الثالث فی المحراب والمنبر

(محراب اور منبر کا بیان)

الفصل الرابع فی بیع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

الفصل الخامس فی المسجد القدیم

(پرانی مسجد کا بیان)

الفصل السادس فی التوسیع فی المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

الفصل السابع فی التصرف والتعمیر فی المسجد

(مسجد میں تصرف اور تعمیر کرنے کا بیان)

الفصل الثامن فی السکونۃ فی المسجد

(مسجد میں رہائش اختیار کرنے کا بیان)

الفصل التاسع فی انتقال المسجد و أمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنے کا بیان)

الفصل العاشر فی إقامة المدرسة فی المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کا بیان)

الفصل الحادی عشر فی إجارة متاع المسجد

(مسجد کی چیزیں کرائے پر دینے کا بیان)

الفصل الثانی عشر فی استعمال أشیاء المسجد

(مسجد کی اشیاء کو استعمال کرنے کا بیان)



کتاب الأیمان والنذور

باب الأیمان

(قسم کھانے کا بیان)

قسم دینے کا حکم

سوال[۶۷۰۸]: کیا قسم دینے سے قسم پڑ جاتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس شخص کو قسم دے کر کوئی بات کہی تو اس سے اس کے ذمہ قسم لازم نہیں ہوتی (۱)، نہ وہ بات لازم ہوتی

---

(۱)"وفیه دلیل علی أن من أقسم غیره وقال: والله! لتفعلن کذا، ولم ینو شیأ، أو نوی أنه یفعل ذلک ولا بد، فهو حالف، فإن لم یفعل المخاطب، حنث. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، ولا شئ علی واحد منهما إذا لم یفعل". (إعلاء السنن: ۱۱/۴۵۶، کتاب الأیمان، بابٌ إذا حلف یمیناً واحدةً علی أشیاء کثیرة، فهی یمین واحدة، الخ .... إدارة القرآن کراچی)

"وإن قال: والله! لتفعلن کذا، ولا نیة له، فهذا حلف منه، إلا أن ینوی الاستحلاف، فلا یکون. وإذا لم ینو الحلف ولا الاستحلاف، فهو یمین". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴/۲۱۷، کتاب الأیمان، إدارة القرآن کراچی)

"وکذا لو قال: والله! لتفعلن کذا وکذا، ولم ینو شیئاً، فهو الحالف. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، ولا شئ علی واحد منهما". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۹، کتاب الأیمان، رشیدیه)

"ولو قال: والله! لتفعلن کذا وکذا، ولم ینو شیئاً، فهو الحالف. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، فلا شئ علی واحد منهما". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الثانی فیما یکون =

ہے، لیکن اس کے قسم دینے سے وہ بھی قسم کھالے تو قسم ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

بلاضرورت قسم کھانا.

سوال[۶۷۰۹]: سچی باتوں پر قسم کھاجانا اور حلف رکھ لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بلاضرورت سچی بات پر قسم کھانا اور قسم لینا شرعاً مذموم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

= یميناً ومالایکون یميناً: ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۸۴۸، كتاب الأيمان، سعيد)

(۱) "ولو قال: والله! لتفعلن كذا، فقال الآخر: نعم، فهو على خمسة أوجه: أحدها: أن ينوي كلٌّ من المبتدي والمجيب الحلفَ على نفسه، فهما حالفان، أما الأول فظاهر، وأما الثاني فلأن قوله: "نعم" يتضمن إعادة ماقبله، فكأنه قال: والله! لأفعلن كذا، فإذا لم يفعل، حنثا جميعاً". (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۸۴۹، سعيد)

(۲) "وذكر بعضهم أن كثرة الحلف مذمومة ولو في الحق، لِما فيها من الجرأة على اسمه جلّ شانه". (روح المعاني: ۲۹/۲۷، (سورة القلم: ۱۰)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"﴿ولا تجعلوا الله عُرضةً لأيمانكم﴾ الآية. وبهذه الآية ثبت أن الإكثار بالحلف مكروهٌ وأن الحلاف مجترئ على الله، لايكون براً متقياً". (التفسير المظهري (سورة البقرة: ۲۲۴): ۱/۲۸۶، حافظ كتب خانه)

"ان الإكثار بالحلف مكروه". (التفسير المظهري: ۱۰/۳۴، (سورة القلم: ۱۰)، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"﴿ولا تطع كل حلاف﴾ .... وكفى به مزجرةً لمن اعتاد الحلف". (تفسير القاسمي: ۹/۲۵۵، (سورة القلم: ۱۰)، دارالفكر بيروت) .... =

کیا قسم کھانا جھوٹا ہونے کی علامت ہے؟

سوال[۶۷۱۰]: کسی مسلمان کے قسم کھانے پر کسی مسلمان کو یقین کرنا چاہئے یا نہیں؟ مثلاً: ایک شخص بظاہر دیندار، نیک، حافظ قرآن نے ایک مولوی صاحب کے سامنے کسی بات پر خدا کی قسم کھائی، مگر اس پر مولوی صاحب نے ایک حدیث پڑھ کر فرمایا کہ جو قسم کھاتا ہے اس حدیث کی رو سے جھوٹا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی حدیث کی رو سے بظاہر ایک دیندار آدمی قسم کھانے پر جھوٹا ہوگا تو کسی مسلمان کے جھوٹا یا سچا ہونے کی کیا دلیلِ شرعی ہے اور اس کے معلوم کرنے کا شرعی کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بات بات پر قسم کھانا جھوٹے آدمی کی عادت ہوتی ہے(۱)، سچے آدمی کا یہ کام نہیں جیسا کہ شب وروز تجربہ اور مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن وہ حدیث جس کی رو سے مولوی صاحب قسم کھانے والے کو جھوٹا قرار دیتے ہیں آپ نے نہیں لکھی، بہتر ہوتا لکھ دیتے تا کہ اس کے متعلق تحقیق ہو جاتی۔ جب مسلمان کا ظاہر حال بتا تا ہے کہ وہ صالح دیندار ہے تو بغیر دلیلِ شرعی کے اس کی قسم کا اعتبار نہ کرنا اور اس کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں (۲)۔ جن

= "والأفضل في اليمين بالله تعالیٰ تقليلها .... وفي تكثير اليمين المضافة إلى المستقبل تعريض اسم الله للهتك. قلت: وعليه الصوفية. قال: فبالله لاتحلف وإن كنت صادقاً، ولاتكذبن يوماً وإن كنت هازلاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأيمان: ۲/۳۲۴، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "ان الإكثار بالحلف مكروه، وأن الحلاّف مجترئ على الله، لايكون براً متقياً". (التفسير المظهري، (سورة البقرة: ۲۲۴): ۱/۲۸۶، حافظ كتب خانه)

(۲) ﴿يأيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ الآية. يقول تعالى ناهياً عبادَه المؤمنين عن كثير من الظن وهو التهمة.......... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاث لازمات لأمتي: الطيرة، والحسد، وسوء الظن". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۷۳، (سورة الحجرات: ۱۲)، مكتبه دار الفيحاء، دمشق)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

مواقع میں قسم کا اعتبار نہ کرنا اور اس کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں، جن مواقع میں قسم پر معیار ہوتا ہے، وہاں ایسی قسم پر شرعاً فیصلہ کر دیا جاتا ہے:

”عن علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی عن أبیه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: جاء رجل من حضرموت ورجل من کندة إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فقال الحضرمی: یارسول اللّٰه! إن هذا غلبنی علی أرض لأبی، فقال الکندی: هی أرضی فی یدی، أزرعها، لیس له فیها حق، قال: فقال البنی صلی اللّٰه علیه وسلم للحضرمی: ”ألك بینةٌ“؟ قال: لا، قال: ”فلك بینة“. قال یارسول اللّٰه! إنه فاجر لایبالی ماحلف علیه، لیس یتورع من شیٔ. فقال رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ”لیس لك منه إلاذاك“. فانطلق، فلما أدبر، قال رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ”أَمَا! لَئِنْ حلف علی مال لیأکله ظالماً، لیلقینّ اللّٰه وهو عنه معرض، اهـ“. أبو داؤد شریف، ص ٤٦٢ (١)۔

(١) (سنن أبی داؤد، کتاب الأیمان، باب من لیقتطع بها مالاً: ١٠٨/٢، مکتبه رحمانیه ملتان)
(ومشکوٰة المصابیح، باب الأقضیة والشهادات، الفصل الأول، ص: ٣٢٧، قدیمی)

ترجمہ: علقمہ بن وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرموت اور ایک شخص کندہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، حضرمی نے کہا: یارسول اللہ! -صلی اللہ علیہ وسلم- بے شک یہ شخص مجھ پر میرے باپ کی زمین پر غالب آ گیا، کندی نے کہا: وہ میری زمین ہے، میرے قبضہ میں ہے، میں اس میں کھیتی کرتا ہوں، اس کا اس میں کوئی حق نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا: ”کیا تیرے پاس گواہ ہے“؟ اس نے کہا نہیں، ارشاد فرمایا: ”پس تیرے لئے اس کی قسم ہے“ اس نے کہا: یارسول اللہ! -صلی اللہ علیہ وسلم- یہ تو فاجر شخص ہے، یہ تو کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ کس چیز پر قسم کھا رہا ہے یہ تو کسی چیز سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تیرے لئے اس کی طرف سے اس کے سوا کچھ نہیں“۔ پس وہ شخص قسم کھانے کے لئے چلا، جب اس نے پشت پھیری، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”خبردار! اگر اس نے اس کا مال ظلماً کھانے کے لئے قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے اعراض کرنے والا ہوگا“ یعنی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے“۔

دیکھئے اس حدیث شریف میں باجود فاجر اور ظالم ہونے کے اس کی قسم پر مدار قرار دیا ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۴/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جھوٹی قسم کھانا

سوال[۶۷۱۱]: اگر کوئی شخص کسی سے مذاق کرے اور پھر اس مذاق میں پکڑا جائے اور پھر اس نے اقرار نہیں کیا اور جھوٹ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے قرآن شریف اٹھالیا تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس شخص کو کیا عذاب ہوتا ہے اور اس کے عذاب کم ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے(۱)، قرآن کریم ہاتھ میں لے کر جھوٹی قسم کھانا اَور بھی خطرناک ہے، عذابِ آخرت کے علاوہ بسا اوقات اس کا وبال دنیا میں بھی آجاتا ہے، اور جھوٹ ظاہر ہو کر بہت رسوائی اور ذلت ہوتی ہے، ان لوگوں کی نظروں میں بھی حقیر وذلیل ہوتا ہے جن کو یقین دلانے کے لئے قرآن شریف ہاتھ میں لیکر جھوٹی قسم کھائی اور اپنی عزت بچائی تھی۔ ایسے شخص کو خدا کے سامنے اپنی نالائق حرکت پر انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار ضروری ہے کہ کتابِ صادق جو کہ صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کو ہاتھ میں لے کر اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے(۲)۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، آمین!۔ جن لوگوں کو

---

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من حلف على يمين مصبورة كاذباً، فليتبوأ بوجهه مقعده من النار". (سن أبي داؤد: ۲/۱۰۶، ۱۰۷، كتاب الأيمان، باب التغليظ في اليمين الفاجرة، إمداديه ملتان)

"من الكبائر الإشراك بالله، وحقوق الوالدين، وقتل النفس واليمين الغموس". (إعلاء السنن: ۱۱/۳۴۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "أن لها ثلثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. وأصلها الندم وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي) =

غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے، ان کے ذہن کو بھی صاف کرنے کی کوشش کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹/۴/۹۰ھ۔

جھوٹا حلف

سوال [۶۷۱۲]: مسماۃ حلیمہ کے تین لڑکے: زید، بکر، عمر۔ خالد نے حلیمہ سے چار ہزار روپیہ مانگا اور کہا کہ ہم اینٹ کا بھٹہ چلا رہے ہیں، اس میں آپ کا چوتھائی حصہ رہے گا، اس بات کو مان کر حلیمہ وزید نے چار ہزار روپیہ خالد کو دیدیا اور کام بھٹہ کا ہوتا رہا۔ بھٹہ بند ہونے کے بعد جب حساب ہوا تو کافی نقصان معلوم ہوا، کئی روز تک حساب کی جانچ پڑتال ہوتی رہی، مگر نقصان ہی ملا۔ چنانچہ حلیمہ وزید، بکر، عمر نے چار ہزار روپیہ کے واسطے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ خالد روپیہ دینے کا برابر اقرار کرتا رہا، لیکن یہ کہتا تھا کہ جتنا روپیہ نقصان ہوا ہے، اس کے حساب سے چوتھائی منہا کر کے مجھ سے روپیہ لے لو۔ خالد کے پاس نقد روپیہ نہیں تھا، سرخطہ لکھنے کو تیار تھا، مگر حلیمہ وزید وبکر وعمر سرخطہ لکھوانے پر تیار نہیں تھے (۲)، تیار ہوتے تو اس پر کہ پورے چار ہزار کا سرخطہ لکھوائیں گے، اس بات پر خالد نے انکار کیا، اب جھگڑا بڑھا۔

= (وكذا في تفسير روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۹/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿قل يعبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۴)

(۱) "اليمين يمينان: يمين تكفّر، ويمين فيها الاستغفار، فاليمين التي تكفر فالرجل يقول: والله! لأفعلنّ. والتي فيها الاستغفار، فالذي يقول: والله! لقد فعلت". (كتاب الآثار، باب من حلف وهو مظلوم، ص: ۱۶۱، سعيد)

"قال عليه الصلوة والسلام: "اليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع: أي خالية، ولاتجب فيه الكفارة إلا التوبة والاستغفار". (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۴۲۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴۶۶/۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲۵۹/۲، رشيديه)

(۲) "سرخطہ: قبالہ، بیع نامہ، کرایہ نامہ، وہ کاغذ جس پر ملازمت کی تاریخ اور یادداشت لکھتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۸۷، فیروز سنز، لاهور)

خالد کہیں سے آرہا تھا کہ زید نے خالد کو پکڑ کر اپنے گھر میں قید کرلیا۔ یہ خبر تھانہ پر گئی، پولیس آگئی اور پولیس سب کو لے کر تھانہ پر گئی، وہاں جانے پر پنچایت ہونا طے پایا، حلیمہ اس پنچایت میں نہیں تھی۔ لوگوں نے خالد سے پوچھا، خالد نے کہا کہ اس سے پہلے جتنی پنچایتیں ہوئیں سب میں زید چوتھائی حصہ داری کا برابر اقرار کرتا آیا ہے، آج انکار کررہا ہے۔ پنچوں نے کہا کہ زید ہر پنچایت میں اقرار کرتا رہا۔ زید، عمر، بکر تینوں نے ہاتھ میں قرآن شریف لے کر کہہ دیا کہ حصہ داری نہیں تھی۔ چنانچہ چار ہزار روپے کا سرخطہ خالد سے داروغہ جی نے لکھوا کر زید کے حوالہ کر کے پنچایت برخاست کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جھوٹا حلف کیا ہے تو یہ کبیرہ گناہ ہے جو کہ شرک کے قریب ہے(۱)، توبہ واستغفار لازم ہے، ورنہ اس کا وبال بہت سخت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۱/ ۸/ ۸۸ھ۔

غیر اللہ کی قسم

سوال[۶۷۱۳]: سوائے خداعزوجل کے کسی اَور چیز کی قسم، یا کلام مجید کی مثل نصاریٰ بائبل ہاتھ میں لے کر، یا درمیان میں رکھ کر، یا سر پر رکھ کر کسی دنیوی معاملہ میں قسم یا حلف کا لینا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں، محض بغض وحسد عناد کی وجہ سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ قسم نہ کھائی جائے، اگر ضرورت پیش آئے تو اللہ کی یا اس کے کسی اسم وصفت کی، اسماء وصفات میں سے قسم کھانا جائز ہے، مگر تقلیل بہرحال اَولیٰ ہے۔ اور قرآن شریف کی قسم کھانا منع ہے، تاہم اگر کسی نے کھائی تو وہ منعقد ہوجائے گی:

---

(۱) (راجع، ص: ۳۳، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۳۳، رقم الحاشیة: ۲)

"الیمین باللّٰہ تعالیٰ لاتکرہ، ولکن تقلیلہ أولی من تکثیرہ". عالمگیری، ص: ٦٤٤(١)۔

"والقسم باللّٰہ تعالیٰ أوباسمٍ من أسمائہ کالرحمن والرحیم والحق، أوبصفۃٍ من صفاتہ تعالیٰ کعزۃ اللّٰہ وجلالہ وکبریائہ وعظمتہ وقدرتہ. ولا یقسم بغیر اللّٰہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبۃ. قال الکمال: ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً، وأما الحلف بکلام اللّٰہ تعالی فیدور مع العرف. وقال العینی: عندی أن المصحف یمینٌ لاسیما فی زماننا". درمختار مختصراً، ص: ٢٩١(٢)۔

اگر کسی گذشتہ فعل پر جھوٹی قسم کھائی تو گنہگار ہوگا(٣) اور آئندہ کے لئے قسم کھانے سے حنث پر کفارہ دینا ہوگا(٤)۔ بلاوجہ شرعی بغض رکھنا گناہ ہے(٥)، اس سے توبہ اور اجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢/٢/٥٣ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢/صفر/٥٣ھ۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الأیمان، قبیل الباب الثانی فیما یکون یمیناً ومالایکون یمیناً: ٢/٥٢، رشیدیہ)

"والیمین باللہ تعالیٰ لایکرہ، وتقلیلہ أولی". (ردالمحتار، کتاب الأیمان، مطلب فی حکم الحلف بغیرہ تعالیٰ: ٣/٧٠٥، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنھر، کتاب الأیمان: ٢/٢٦٠، غفاریہ)

(٢) (ردالمحتار: ٣/٧١٢، کتاب الأیمان، سعید)

"والیمین باللہ تعالیٰ والرحمن والرحیم وجلالہ .... لابعلمہ وغضبہ وسخطہ ورحمتہ والنبی والقرآن .... ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً کما ھو قول الأئمۃ الثلاثۃ". (البحرالرائق: ٤/٤٨٠-٤٨٢، کتاب الأیمان، رشیدیہ)

"والیمین باللہ وباسم من أسمائہ الرحمن والرحیم .... لا بغیر اللہ کالقرآن والنبی. قال فی المجمع: ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (مجمع الأنھر، کتاب الأیمان، فصل: ٢/٢٦٩، ٢٧٠، مکتبہ غفاریہ)

(٣) "حلفہ علی ماض کذباً عمداً غموسٌ، وظناً لغوٌ، وأثم فی الأُولی دون الثانیۃ یعنی یأثم فی الغموس". (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ٣/٤١٩، ٤٢٠، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(٤) "الیمین علی شئ سیأتی فی المستقبل منعقدۃٌ، وحکم ھذہ الیمین وجوب الکفارۃ عند الحنث". (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ٣/٤٢٢، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(٥) "عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إیاکم والظن،=

بُت خانہ کی قسم کھانا

سوال[۶۷۱۴]: زیداورعمر میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، جس کے فیصلے کے لئے دو چار ہندو بھائی اور کچھ مسلمان بھائی کسی مزار سے کچھ فاصلے پر بیٹھے۔ جب زید سے زبان بندی لی گئی تو زید کو جو کچھ کہنا تھا کہا، اور عمر سے زبان بندی لی گئی تو اس نے اس بت خانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں بالکل ٹھیک ہے، اس بت خانہ کی قسم۔ التجا یہ ہے کہ عمر نے ایک مسلمان ہوتے ہوئے ایسی جو قسم کھائی اس سے اس کے اسلام وایمان میں کوئی نقصان تو نہیں ہوا، یا ہوا تو کیا کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت پیش آنے پر اگر قسم کھائی جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھائی جائے، کسی غیر اللہ کی قسم کھانا اور وہ بھی بت خانہ کی قسم کھانا ہرگز جائز نہیں، سخت گناہ ہے، مذکورہ صورت میں زیادہ خطرہ ہے، اس لئے تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح کرادیا جائے (۱)۔ ندامت کے ساتھ توبہ کر کے آئندہ پوری احتیاط واجتناب

= فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسّسوا، ولا تجسسوا، ولاتناجشوا، ولاتحاسدوا، ولا تباغضوا". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمى)

(۱)"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى لله تعالىٰ عليه وسلم: "من حلف منكم، فقال فى حلفه: باللات، فليقل: لا إله إلا الله". (الصحيح لمسلم ، كتاب الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالىٰ: ۴۶/۲، قديمى)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حلف باللات والعزى، فليقل: لا إله إلا الله". ولم ينسبه إلى الكفر".

"عن ثابت بن الضحاك قال: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حلف بغير ملة الإسلام، فهو كما قال". (صحيح البخارى، كتاب الأيمان والنذور، باب من حلف بملّة سوى الإسلام: ۹۸۴/۲، قديمى)

"قال العبد الضعيف: هذا دليلٌ على أن من جرى على لسانه شئ من كلمات الكفر دون سهو وخطأ، إن يتعمد ذلک، فإنه لايكفر ذلک، ولكنه يؤمر بإعادة كلمة التوحيد والاستغفار والتعوذ". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأيمان، باب من حلف باللات والعزى: ۱۸۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

کا وعدہ کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

قرآن پاک کی قسم کھانا

سوال[۶۷۱۵]: قرآن پاک کی قسم کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہیے، لیکن اگر کھالے گا تو منعقد ہو جائے گی، اور اس پر قسم ہی کے احکام مرتب ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "لایقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "(قولہ: لایقسم بغیر اللہ تعالیٰ) عطف علی قولہ والقسم باللہ تعالیٰ: أی لاینعقد القسم بغیرہ تعالیٰ: أی غیر أسمائہ وصفاتہ ولو بطریق الکنایة کما مر، بل یحرم کما فی القھستانی، بل یخاف منہ الکفر". (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الأیمان، قبیل مطلب: فی القرآن: ۳/۷۱۲، سعید)

"من حلف بغیر اللہ لم یکن حالفاً کالنبی علیہ السلام والکعبة، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الثانی فیما یکون یمیناً ومالایکون یمیناً، الفصل الأول فی تحلیف الظلمة، الخ: ۲/۵۳، رشیدیہ)

(۲) "ولا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة، قال الکمال: ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (ردالمحتار، کتاب الأیمان: ۳/۷۱۲، سعید)

"ثم لایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً، کما هو قول الأئمة الثلاثة". (فتح القدیر، کتاب الأیمان، باب مایکون یمیناً ومالایکون یمیناً: ۵/۶۹، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"والیمین باللہ أو باسم من أسمائہ کالرحمن الرحیم والحق ولا یفتقر إلی نیة إلا فیما یسمی بہ غیرہ کالحکیم والعلیم أو بصفة من صفاتہ یحلف بها عرفاً کعزة اللہ وجلالہ وکبریائہ وعظمتہ وقدرتہ لابغیر اللہ کالقرآن والنبی. قال فی المجمع: ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (مجمع الأنهر، کتاب الأیمان: ۲/۲۶۷-۲۷۰، مکتبہ غفاریہ) .... =

قرآن اٹھا کرقسم کھانا

سوال[۶۷۱۶]: زید نے بکر سے کسی بات کا معاہدہ لینے کے لئے چاہا، بکر نے وعدہ کیا، زید نے اعتبار نہ کیا، بکر غصہ میں آکر کلام اللہ شریف اٹھالیا اور اسی طرح پر بکر نے زید سے کسی بات کا وعدہ لینا چاہا، زید نے بکر کے اطمینان کے لئے کلام اللہ شریف اٹھا کر اور خدا اور رسول کو بیچ میں دے کر وعدہ کرلیا۔ اب ان میں سے ایک نے اپنا وعدہ توڑ دیا تو اب دوسرا بھی اگر توڑ دے تو قابلِ گرفت تو نہیں یا ہے؟ برائے کرم تحریر کریں۔ فقط۔

عبدالحفیظ خاں، محلّہ سائیکا تکیہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جیسا قرآن شریف اٹھا کر وعدہ کیا ہے تو اگر قسم بھی کھائی ہے تو قسم جب تک موافقِ شرع ہو اس کو توڑنا درست نہیں، اگر خلافِ شرع ہے تو اس کا توڑنا واجب ہے(۱) اور کفارہ بھی واجب ہے(۲)۔ اگر ایک نے قسم

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً ومالايكون: ۲/۵۳، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۱/۳۷۲، كتاب الأيمان، باب لاتنعقد اليمين إذا حلف بغير الله عزوجل، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وحكمها وجوب الكفارة إن حنث. ومنها مايجب فيه البرّ كفعل الفرائض وترك المعاصي، ومنها مايجب فيه الحنث كفعل المعاصي وترك الواجبات. ومنها مايفضل فيه الحنث كهجران المسلم ونحوه، وماعدا ذلك يفضل فيه البر حفظاً لليمين. قال في المجمع: لقوله تعالىٰ: ﴿واحفظوا أيمانكم﴾: أي عن الحنث". (مجمع الأنهر: ۲/۲۶۴، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح الباري، بابٌ: ﴿لايؤاخذكم الله باللغو﴾: ۱۱/۶۳۹، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والله! لأن يستلج أحدكم في يمينه آثم له عند الله من أن يؤدي الكفارة التي فرض الله عليه". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، باب إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب الخ: ۱۱/۳۷۴، إدارة القرآن كراچي)

"والأصل في كفارة اليمين: الكتاب، والسنة، والإجماع، أما الكتاب: فقول الله تعالىٰ: ﴿لايؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من =

توڑ دی ہے تو اس کے ذمہ کفارہ واجب ہوگیا، اگر دوسرا توڑے گا تو اس کے ذمہ بھی کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر محض وعدہ کیا ہے، قسم نہیں کھائی تب بھی جہاں تک ہو سکے اس کو پورا کرنا چاہیے، اگر بلا وجہ وعدہ خلافی کرے گا تو گنہ گار ہوگا، کیونکہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا مکروہ ہے(۱)، البتہ اگر کوئی عارض پیش آ گیا کہ جس کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کرسکتا ہے تو مجبوری ہے، اس میں گناہ نہیں۔ ہاں! اگر وعدہ کرتے وقت خلاف کرنے کی نیت تھی تو یہ سخت گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

= أوسط ماتطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم، واحفظوا أيمانكم، كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تشكرون﴾. (المائدة: ۸۹).

وأما السنة، فقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيراً منها، فأت الذى هو خير، وكفر عن يمينك".

وأما الإجماع، وأجمع المسلمون على مشروعية الكفارة فى اليمين بالله تعالىٰ". (الفقه الإسلامى وأدلته، الباب السادس: الأيمان والنذور والكفارات، الفصل الثالث: الكفارات، كفارة اليمين: ۲۵۷۴/۴، رشيديه)

"وكفارته، هذه إضافة للشرط؛ لأن السبب عندنا الحنث تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين كمامر فى الظهار، أو كسوتهم بما يصلح للأوسط وينتفع به فوق ثلاثة أشهر ويستر عامة البدن .... صام ثلاثة أيام ولاء". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب: فى كفارة اليمين: ۳/۷۲۵-۷۲۷، سعيد)

(۱) "الخلف فى الوعد حرام". (الأشباه والنظائر: ۲۳۶/۳، الحظر والإباحة، إدارة القرآن كراچى)

"قال السبكى: ظاهر الأيات والسنة تقتضى وجوب الوفاء. وقال صاحب العقد الفريد فى التقليد: إنما يوصف بما ذكر: أى بأن خلف الوعد نفاق إذا قارن الوعد العزم على الخلف .... "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفى فلم يف، فلا إثم عليه". (غمز عيون البصائر مع الأشباه والنظائر، (رقم القاعدة: ۱۷۲۹): ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤ تمن خان". (صحيح البخارى، كتاب الأيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمى) .... =

قرآن پر ہاتھ رکھ کر بات کہنا

سوال[۶۷۱۷]: ماسٹر محمد بشیر ولد ناصر الدین اور چودھری عطا محمد کی بیوی نور جہاں کے درمیان کچھ جھگڑا تھا جس کی وجہ سے اسے کچھ شک تھا کہ اس نے میری بیوی کو جادو کئے ہیں، جس پر اس کا ایک شاہد یعنی ایک عورت۔ عورت نے قرآن اٹھا کر کہا کہ یہ کہی تھی کہ میں جادو کروں گی، جس پر ماسٹر محمد بشیر الدین نے کچھ لوگوں سے کہا کہ اب اُسے قرآن پر عہد کراؤ کہ مجھے جادو نہیں کرادے گی۔ اس پر نور جہاں نے کہا کہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں کہ نہ میں نے جادو کیا ہے، نہ آئندہ کروں گی۔ لیکن لوگوں نے کہا کہ ایسا مت کہو کہ وہ عورت قرآن اٹھائے، آپ جھوٹی ہیں۔

اس نے کہا ٹھیک ہے، اگر اس نے قرآن پاک اٹھا کر کہا ہے تو میں قرآن پاک کو چیلنج نہیں کروں گی، ٹھیک ہے مطابق ان کے قرآن اٹھانے کے میں جھوٹی ہوں اور آئندہ ایسا کام نہیں کروں گی۔ ماسٹر بشیر اب کہتا ہے کہ اس نے اب وہ قرآن پاک کا عہد توڑ دیا ہے، کیونکہ اس نے پھر جادو لکھوائے ہیں، جس پر وہ آدمی کہتے ہیں کہ اگر توڑا ہے تو خدا خود اُسے سزا دے گا۔ لہٰذا اب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا ثبوت کے کسی پر بہتان لگانا حرام ہے(۱)۔ قسم کھا کر اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے تو اس کے ذمہ کفارہ لازم ہوتا ہے، وہ یہ کہ دس غریبوں کو دو وقت کھانا کھلائے، یا ان کو ایک ایک جوڑا کپڑا دے۔ اور اگر اتنی حیثیت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے، لقوله تعالیٰ: ﴿فكفارته إطعام عشرة مساكين﴾ الآية(۲)۔

= "إذا وعد أحداً بخير في المستقبل أخلف: أي جعل الوعد خلافاً بأن لايفي به، لكن لو كان عازماً على الوفاء، فعرض مانع، فلا إثم عليه". (فيض القدير، رقم الحديث: ۲۵): ۱/۱۱۷، مكة المكرمة)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿من يكسب خطيئةً أو إثماً، ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً وإثماً مبيناً﴾. (سورة النساء: ۱۱۲)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لايؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مسٰكين من أوسط ما تطعمون أهليكم، أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

محض قرآن پر ہاتھ رکھنا قسم نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفی عنہ، چھتہ مسجد دار العلوم دیو بند، ۱۲/۱۰/۱۴۰۶ھ۔

قرآن شریف ہاتھ میں لے کر بات کہنا قسم نہیں

سوال[۶۷۱۸]: میں نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ"اگر میرا سوتیلا بھائی شریعت کے مطابق عمل کرے گا تو میں زندگی بھر اپنا حقیقی بھائی جانوں گا، اگر شریعت کے مطابق عمل نہ کرے گا تو دشمن"۔اب اگر ایسی حالت میں میرا سوتیلا بھائی اپنی ماں کے کہنے پر، یا اپنی مرضی سے میری کسی بات پر یقین نہیں کرتا، بلکہ والد کی حیات میں مجھے جائیداد میں جو حصہ ملا ہے اس میں حصہ لینا چاہے،اس پر ناجائز قابض ہونا چاہے تب میرے لئے کیا حکم ہے؟ جب کہ میں قسم کھا چکا ہوں،اگر قسم کے بموجب کرتا ہوں تو جائیداد جاتی ہے اور اگر نہیں کرتا تو دشمن ہوتا ہے۔

الجواب حامداًو مصلياً:

اگر وہ شریعت کے مطابق عمل نہ کرے تب بھی اس کو دشمن نہ سمجھے اور محض قرآن مجید ہاتھ میں لے کر بات کہنے سے قسم نہیں ہوجاتی جب تک لفظِ قسم نہ کہے(۲)۔اگر قسم ہوگی تو اس کے خلاف کرے، پھر قسم کا کفارہ ادا کردے اور بھائی سے دشمنی کا معاملہ نہ کرے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۴/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیو بند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) "وأما ركن اليمين بالله، فذكر اسم الله أو صفته. وأما ركن اليمين بغيره، فذكر شرط صالح وجزاء صالح". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۵۱، كتاب الأيمان، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في إمداد الأحكام: ۳/۴۰، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) **سوال**: "اگر کسے قرآن شریف برسر نہادہ خبرے کند ولفظ قسم بقرآن شریف یا بخدا نگوید، ایں را قسم گفتہ شود شرعاً یا نہ؟

الجواب: محض قرآن سر پر رکھنا جب تک لفظِ قسم زبان سے نہ کہے، قسم نہیں۔فقط واللہ اعلم"۔(إمداد الأحكام، كتاب الأيمان، عنوان مسئله: الفاظ قسم کے بغیر قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں: ۳/۴۰، دار العلوم كراچی)

(وكذا في فتاویٰ دار العلوم ديوبند، كتاب الأيمان، ہاتھ میں قرآن دے کر حلف دینے سے حلف ہوجاتا ہے: ۱۲/۴۱، باب اليمين، دار الإشاعت كراچی)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إياكم وسوء ذات =

قرآن کی قسم سچا نہ جاننے والے کا حکم

سوال[۶۷۱۹]: زید کہتا ہے کہ جو شخص قرآن شریف یا کعبہ شریف کی قسم کھائے، اس کا ضرور اعتبار کرنا چاہیے، جو نہیں کرے گا وہ کافر ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ سوائے خداوند قدوس کے اَور کسی چیز کی قسم کھانا ہی جائز نہیں تو اس کا کیسے اعتبار کیا جائے گا؟ کیا وہ جھوٹا سمجھا جائے گا؟

الجواب، حامداً ومصلیاً:

اتنی بات بکر کی صحیح ہے کہ خداوند قدوس (کی ذات وصفات) کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں (۱)، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی قسم کھانے سے بھی قسم صحیح ہو جاتی ہے، جیسا کہ فتح القدیر (۲)، بحر (۳) وغیرہ میں لکھا ہے، لیکن بلاوجہ کسی کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں (۴)۔ بلاضرورت بات بات پر قسم کھانا بھی شرعاً مذموم ہے (۵)۔ زید کا یہ کہنا ہے کہ ایسی قسم کھانے والے کا جو اعتبار نہ کرے وہ کافر ہے، یہ بھی غلط ہے۔ اگر

= البین، فإنها الحالقة". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۸، کتاب الأداب، باب ماینهی عنه من التهاجر، الفصل الثانی، قدیمی)

(۱) "عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أدرک عمر بن الخطاب -رضی الله تعالیٰ عنه- وهو یسیر فی رکب یحلف بأبیه، فقال: "ألا! إن الله ینهاکم أن تحلفوا بآبائکم، من کان حالفاً فلیحلف بالله أو لیصمت". (صحیح البخاری: ۹۸۳/۲، باب: لاتحلفوا بآبائکم، قدیمی)

(۲) "ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (فتح القدیر: ۶۹/۵، کتاب الأیمان، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (البحر الرائق: ۴۸۱/۴، کتاب الأیمان، رشیدیه)

(۴) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إیاکم والظن، فإن الظن أکذب الحدیث". الحدیث. (مشکوٰۃ المصابیح، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قدیمی)

(۵) "وذکر بعضهم أن کثرة الحلف مذمومة ولو فی الحق، لِمَا فیها من الجرأة علی اسمه تعالیٰ". =

قرائن ودلیل سے اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو، یا مشاہدہ کے خلاف کوئی قسم کھائے، چاہے اللہ تعالیٰ ہی کی قسم ہو، اس کا اعتبار نہ کرنے سے بھی آدمی کافر نہیں ہوتا، منافقین کی قسموں کا قرآن پاک میں تذکرہ ہے جن کو جھوٹا قرار دیا گیا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

قرآن پاک گود میں لے کر وعدہ کا حکم

سوال[۶۷۲۰]: میں قرآن پڑھ رہا ہوں، گود میں قرآن ہے اور کسی سے کچھ وعدہ کر لیتا ہوں کہ فلاں کام کرلوں گا اور احساس یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے وعدہ کر رہا ہوں اور بعد میں اگر اس سے یہ کہوں کہ میں وہ کام نہیں کر سکا، مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن پاک پڑھنے کے لئے گود میں لئے ہوئے وعدہ کرنے سے قسم نہیں ہوتی (۲)، جو وعدہ خالی گود کیا ہو، اس کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی جائے، کوئی عذر پیش آجائے تو دوسری بات ہے (۳)۔ وعدہ کرتے وقت یہ نیت کرنا کہ پورا نہیں کروں گا، نفاق کی علامت ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (روح المعانی: ۲۹/ ۲۷، (سورة القلم: ۱۰)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ویحلفون بالله إنهم لمنکم، وماهم منکم، ولکنهم قوم یفرقون﴾ (سورة التوبة: ۵۶)

(۲) "وأما رکن الیمین بالله فذکر اسم الله وصفته، وأما رکن الیمین بغیره، فذکر شرط صالح وجزاء صالح". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الأول: ۲/ ۵۱، رشیدیه)

(وکذا فی إمداد الأکام، کتاب الأیمان، عنوان مسئله: الفاظ قسم کے بغیر محض قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں: ۳/ ۴۰، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۳) "عن زید بن أرقم رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نیته أن یفی له، فلم یف، ولم یجئ للمیعاد، فلا إثم علیه". (مشکوة المصابیح، ص: ۴۱۷، باب الوعد، قدیمی)

(۴) قال علی القاری "قوله: "فلم یف": أی بعذر "یجئ للمیعاد": أی لمانع. "فلا إثم علیه" ....

ومفهومه أن من وعد ولیس من نیته أن یفی، فعلیه الإثم، سواء وفیٰ به أولم یف، فإنه من أخلاق =

مسجد میں نہ جانے کی قسم

سوال[۶۷۲۱]: چندلوگ مسجد میں خرافات کی باتیں کررہے تھے، میں نے ان کو منع کیا تو وہ لڑنے لگے، جس پر میں نے قسم کھالی کہ میں مسجد میں نہیں آؤں گا۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ مسجد میں جانے سے قسم ٹوٹ جائے گی یا کفارہ دینا ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ نے غلطی کی جوایسی قسم کھالی، آپ مسجد میں جائیں، پھراپنی قسم کا کفارہ اداکریں (۱)، کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دووقت شکم سیر کھانا کھلائیں، یادس غریبوں کو کپڑا دیں۔ اگراتنی وسعت نہ ہوتو تین روزے مسلسل رکھیں (۲) اور آئندہ اس قسم کی چیز نہ کریں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= المنافقين". (مرقاة المفاتيح: ۲۱۵/۸، باب الوعد، قديمي)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والله! لأن يستلج أحدكم في يمينه آثمٌ له عند الله من أن يؤدي الكفارة التي فرض الله عليه". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، بابٌ: إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب، وجب الحنث وكفارة اليمين: ۳۷۴/۱۱، إدارة القرآن، كراچي)

"ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع أبويه.......... وجب الحنث والتكفير".

(الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۷۲۸/۳، سعيد)

"من حلف على معصية، ينبغي أن يحنث ويكفّر: أي يجب عليه أن يحنث". (تبيين الحقائق: ۴۳۴/۳، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴۸۸/۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتّم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم، أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

(۳) ﴿ولاتجعلوا الله عرضةً لأيمانكم﴾ الآية. فمعناه: لاتجعلوا أيمانكم بالله مانعةً لكم من البر والتقوى". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، بابٌ: إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب، وجب الحنث وكفارة اليمين: ۳۷۵/۱۱، إدارة القرآن، كراچي)

قسم کھائی کہ "عمر کی چیز نہیں کھائے گا" پھر اس نے ہبہ کی تو کیا حکم ہے؟

سوال[۶۷۲۲]: زید نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں عمر کی کوئی چیز نہ کھاؤں گا۔ اب اگر عمر نے زید کو اپنی چیز ہبہ کردی، یا زید نے عمر سے کوئی چیز بطورِ قرض لے کر استعمال کرلیا اور کھالیا، یا خرید کر کھالیا تو کیا زید اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اَیمان کا مبنیٰ ودار مدار عرف پر ہوتا ہے(۱)، عرف میں جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی کوئی چیز نہ کھاؤں گا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اگر ہبہ کرکے مجھے دیدے گا اور اپنی ملک ختم کردے گا تب بھی نہیں کھاؤں گا، بغیر اس کی اجازت کے بھی اس کی چیز نہیں کھاؤں گا۔ لیکن اگر اس سے قرض لے لے یا خرید لے(۲) تو عرفاً یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کی چیز کھائی ہے، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں حانث نہیں ہوگا، ہبہ والی صورت میں حانث ہوجائے گا۔ جہاں کا یہ عرف نہ ہو، وہاں کا حکم بھی دوسرا ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "صرح الزيلعي وغيره بأن الأيمان مبنيةٌ على العرف، لاعلى الحقائق اللغوية". (الحموی شرح الأشباه والنظائر، النوع الأول، القاعدة السادسة، فصل فی تعارض العرف مع اللغة، (رقم القاعدة: ۶۵۵): ۱/۲۷۶، الباب الخامس، إدارة القرآن كراچی)

"ومبنى الأيمان على العرف". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۸۳، الباب الخامس، رشيديه)

"إعلم أن الأيمان عندنا مبنية على العرف". (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۴۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"الأصل أن الأيمان مبنية عند الشافعي على الحقيقة اللغوية، وعند مالك على الاستعمال القرآني، وعند أحمد على النية، وعندنا على العرف مالم ينوما يحتمله اللفظ، فلاحنث في: "لايهدم" إلابالنية". (الدر المختار، باب اليمين في الدخول: ۳/۷۴۳، سعيد)

(۲) "رجل حلف أن لايأكل من طعام فلان ولانية له، فاشترى الحالف منه الطعام وأكل، لايحنث في يمينه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الخامس: ۲/۸۹، رشيديه)

(۳) "لايأكل طعاماً لفلان يبيعه له أو يهديه فيأكله". (الأشباه). وقال الحموي: "قوله: لايأكل طعاماً =

اگر فلاں کام کروں تو امت سے خارج

سوال[۶۷۲۳]: کسی نے کہا کہ ''اگر میں فلاں کام کروں تو امت سے خارج ہوں''۔ یہ یمین ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ یمین نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

قسم کھائی کہ فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا پھر وہ مرگیا

سوال[۶۷۲۴]: ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم نہیں ہمارے یہاں آؤ گے ہم بھی تمہارے یہاں نہیں آئیں گے، جس کی بابت قسم کھائی تھی وہ مرگیا لیکن جس نے قسم کھائی تھی وہ موجود ہے اسکے

= لفلان الخ. یعني ثم بدأ له أن یأکله، فالحیلة في عدم الحنث أن یبیع المحلوف علیه من الحالف، فلا یحنث. وکذلک لو أهداه المحلوف علیه للحالف، فأکل، لایحنث؛ لأن الطعام صار ملکاً للحالف بالبیع والإهداء، فکأن الحالف أکل طعام نفسه". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی: ۲۴۲/۲، التاسع في الأیمان، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) عرف میں ''امت سے خارج ہوں'' کا مطلب یہ ہے کہ اسلام سے اور مسلمانوں سے بیزار ہوں، اور اس قسم کے الفاظ کو شرط پر معلق کرنے سے قسم ہوجاتی ہے:

"ولو قال: أنا بریئ من المؤمنین، قالوا: یکون یمیناً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵۴/۲، کتاب الأیمان، الباب الثاني فیما یکون یمیناً ومالایکون یمیناً، الفصل الأول، رشیدیه)

"وبری من الإسلام أو القبلة أو صوم رمضان أو الصلوة أومن المؤمنین أو أعبد الصلیب یمینٌ؛ لأنه کفرٌ، وتعلیق الکفر بالشرط یمین، وسیجیئ أنه إن اعتقدالکفر به یکفر، وإلایکفر". (الدرالمختار، کتاب الأیمان: ۷۱۳/۳، ۷۱۴، سعید)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان: ۴۲۰/۴، إدارة القرآن، کراچی)

لئے کیا ہونا چاہیئے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر اس کے گھر جائیگا تو اب قسم نہیں ٹوٹے گی، وہ گھر اس کا نہیں رہا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۶/۸۸ھ۔

''اگر فلاں چیز کھاؤں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں''۔نعوذ باللہ۔ کہنے کا حکم

سوال[۶۷۲۵]: زید نے ان الفاظ میں قسم کھائی کہ ''میں اگر زندگی بھر میں سویاں کھاؤں یا پیوں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں'' (نعوذ باللہ)۔اور اسی طرح کی قسم بکر نے بھی کھائی کہ ''اگر میں زید سے کلام کروں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں'' (نعوذ باللہ)۔تو ایسی قسمیں کھانا اوران پر جمے رہنا کیسا ہے؟

---

(۱) "إذا قال: إن دخلت دار فلان فكذا، فمات فلان، فدخل داره، فهذاعلى وجهين: إن لم يكن على صاحب الدار دين أصلاً، أوكان عليه دين غير مستغرق، فإنه لايحنث بلاخلاف. وإن كان عليه مستغرق، قال محمد بن مسلمة: يحنث، وقال الفقية أبو الليث: لايحنث . قال الصدر الشهيد: والفتوى على قول أبي الليث". (الفتاوى التاتار خانية ۴/۵۷۴، كتاب الأيمان، ادارة القران)

"وإن دخلت دار فلا ن فأنت كذا، فمات، فدخلت الدار، إن لم يكن على فلان دين مستغرق لايحنث لانتقال الملك، وإن كا ن فالفتوى على أنه، لايحنث أيضاً". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۲۱، رشيديه)

"رجل حلف وقال لامرأته طالق إن دخلت دار فلان، فمات صاحب الدار، فدخلت، إن لم يكن على الميت دين مستغرق لايحنث؛ لأنها انتقلت إلى الورثة. وإن كا ن عليه دين مستغرق، قال محمد بن مسلمة: يحنث في يمينه، وقال الفقيه أبو الليث: لايحنث في يمينه، وعليه الفتوى". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۸۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۵۱۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی قسم کھانا انتہائی جہالت اورقساوت کی نشانی ہے، اس کو چاہیے کہ اپنی قسم کے خلاف کرے (۱) یعنی سویاں کھا، پی لے اوراپنے نفس کوسزادینے کے لئے دس غریبوں کودووقت شکم سیر کھانا کھلائے، اسی طرح زید سے کلام کرے اوراپنے نفس کوسزائے مذکورہ دے اورآئندہ کبھی بھی ایسی جرأت نہ کرے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۵ھ۔

تحریم الحلال یمین

سوال[۶۷۲۶]: بیوی نے کہا: ''میں نے اس کام (جماع) سے قسم کھارکھی ہے''۔مرد نے کہا: ''اگرتم نے قسم کھارکھی ہے تو میں نے بھی یہ کام حرام کرلیاہے''۔مرد نے کہا کہ میں نے غصہ میں ایسا کہہ دیاتھا، میری نیت طلاق کی نہ تھی۔مطلع فرمائیں کہ طلاق ہوئی یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ یمین منعقد ہوگئی، اب اگر جماع کرے گا تو کفارۂ یمین

---

(۱)مذکورہ الفاظ اگرچہ حقیقۃً قسم کے نہیں ہیں، لیکن فقہی قاعدہ ہے کہ حلال چیز کوحرام کرنا، یاحرام کوحلال کرنا قسم ہےاور یہ ظاہر ہے کہ انسان کا گوشت پھرخصوصاً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے گوشت کھانے کی حرمت مؤبد ہے، لہذا مذکورہ صورت بھی قسم کی ہے۔واللہ اعلم۔

"فکل ماحرم مؤبداً، فاستحلاله معلقاً بالشرط یکون یمیناً، ومالافلا". (ردالمحتار، کتاب الأیمان، قبیل مطلب: حروف القسم: ۳/ ۷۲۱،سعید)

"والحاصل أن کل شیئ هو حرام حرمةً مؤبدةً، بحیث لاتسقط حرمته بحال من الأحوال کالکفر وأشباه ذلک، فاستحلاله معلقاً بالشرط یکون یمیناً". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان، الفصل الثانی فی ألفاظ الیمین: ۴/۴۲۳، إدارة القرآن، کراچی)

"قالوا:لیخرج مالوکان المیت نبیاً، فإنه لایحل أکله للمضطر؛ لأن حرمته أعظم فی نظر الشرع من مهجة المضطر". (شرح الأشباه النظائر: ۱/ ۲۵۲، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر یزال، إدارة القرآن کراچی)

لازم ہوگا۔عورت نے چونکہ قسم کھارکھی ہے تو جماع کی صورت میں اس کے ذمہ بھی مستقل کفارہ لازم ہوگا۔اگر اس طرح کہتا ہے کہ "میں نے عورت کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے" تو طلاق واقع ہوجاتی ہے(۱): "تحریم الحلال یمین". درمختار: ۹٦/۳(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

استاذ کا قسم کھاکر پھر توڑنا

سوال[٦٧٢٧]: ایک لڑکے نے بدتمیزی کی جبراً،استاذ نے قسم کھالی کہ "میں تمہیں کبھی نہیں پڑھاؤں گا"۔دیگر بچوں کی تعلیم جاری ہے اور جس کے نہ پڑھانے کی قسم کھالی ہے اس کی تعلیم بھی بند نہیں ہے، وہ دوسرے استاذ سے تعلیم پارہا ہے۔اب وہ لڑکا استاذ سے معافی مانگ رہا ہے اور مولوی صاحب سے پڑھنا چاہتا ہے تو اس صورت میں مولوی (استاذ) صاحب کا قسم توڑنا اور لڑکے کو پڑھانا کیسا ہے اور اس کو تعلیم دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوسکتا ہو تو اس کی سچی توبہ کے بعد اپنی قسم کا توڑ دینا اور پھر کفارہ ادا کرنا

---

(۱) "قال لامرأته: أنت عليّ حرام .... ويفتى بأنه طلاق بائن وإن لم ينوه، لغلبة العرف".
(الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الإيلاء: ۴۳۳/۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) العبارة بتمامها: "من حرم شيئاً ثم فعله، كفّر ليمينه، لِما تقرر أن تحريم الحلال يمين". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۷۳۰/۳،سعيد)

"ولو حرم طعاماً أو نحوه، فهو يمين". (التاتارخانية، ۴۲۱/۴،كتاب الأيمان، إدارة القرآن، كراچی)

"ومن حرم ملكه لايحرم، وإن استباحه أو شيئاً منه، فعليه الكفاره". (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان، فصل: ۲۷۳/۲، مكتبه غفاريه)

"ومن حرم ملكه، لم يحرم: أى من حرم شيئاً على نفسه ممايملكه بأن يقول: مالي عليّ حرام.......... وإن استباحه، كفر". (تبيين الحقائق: ۴۳٦/۳، كتاب الأيمان، قبيل باب اليمين في الدخول والخروج الخ، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأيمان: ۴۹۱/۴، كتاب الأيمان، سعيد)

ضروری ہوجاتا ہے، لیکن اب جبکہ اس کی تعلیم کا دوسرا انتظام موجود ہے تو قسم توڑنا واجب نہیں، تاہم اخلاقِ کریمانہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے، حق تعالیٰ اس کو سچی توبہ نصیب فرمائے:

﴿ولیعفوا ولیصفحوا، ألاتحبون أن یغفر الله لکم﴾ الآیة(۱)۔ "المحلوف علیه أنواع: فعل معصیة أو ترك فرض، فالحنث واجب .... الثانی أن یکون المحلوف علیه شیئاً أو غیره أولی منه کالحلف علی ترك وطء زوجته شهراً ونحوه، فالحنث أفضل؛ لأن الرفق أیمن"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۵/۱۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۵/۱۷ھ۔

نکاح کی قسم کھا کر اس کے خلاف کرنا

سوال[۶۷۲۸]: ایک شخص نے کہا کہ "میں آپ کی لڑکی انوارہ سے شادی کروں گا، میں اللہ سے اقرار کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ انوارہ کو چھوڑ کر کسی اَور سے شادی نہیں کروں گا"۔ اب اگر کسی دوسری لڑکی سے وہ شخص شادی کرلے تو کیا حکم ہے؟

---

(۱) (سورة النور: ۲۲)

(۲) (البحر الرائق: ۴/۴۹۰، کتاب الأیمان، رشیدیه)

"وحکمها وجوب الکفارة إن حنث. ومنها ما یجب فیه البر کفعل الفرائض وترك المعاصی، ومنها ما یجب فیه الحنث کهجران المسلم ونحوه، لقوله علیه الصلوة والسلام.......... "من حلف علی یمین ورأی غیرها خیراً منها، فلیأت بالذی هو خیر، ثم لیکفّر عن یمینه". (مجمع الأنهر: ۲/۲۶۲، ۲۶۴، کتاب الأیمان، غفاریه کوئٹة)

"واعلم أن المحلوف علیه أنواع: فعل معصیة، أوترك فرض، فالحنث واجب، أو شئ غیره أولی منه کالحلف علی ترك وطء زوجته شهراً ونحوه، فإنّ الحنث أفضل؛ لأن الرفق أیمن". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۳/۴۳۵، کتاب الأیمان، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دوسری لڑکی سے شادی کرے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

کسی کے کھانے کو سور کے ساتھ تشبیہ دینا کیا قسم ہے؟

سوال [۶۷۲۹]: زید نے بکر کو بحالتِ غیظ وغضب کہا کہ ''اگر میں تمہارے گھر کا کھانا کھاؤں تو ایسا کھاؤں جیسا کہ سور خنزیر کھاؤں''۔ اب زید اگر توبہ کر کے بکر کے گھر کا کھانا کھالیوے تو اس کی حرمت کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورت مسئولہ میں اگر زید توبہ کر کے بکر کے گھر کا کھانا کھالیوے گا تو وہ حرام نہ ہوگا: ''التعلیق بماتسقط حرمته بحالٍ مّاکالمیتة والخمر والخنزیر لایکون یمیناً''. بحر: ۲۰۷/۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) ''ومنعقدةٌ: وهیَ حلفه علی فعل أو ترک فی المستقبل، وحکمها وجوب الکفاره إن حنث''.
(ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۶۱/۲، کتاب الأیمان، غفاریه کوئٹه)

''وعلی آتٍ منعقدةٌ، وفیه کفارة فقط: أی الیمین علی شئ سیأتی فی المستقبل منعقدةٌ، وحکم هذه الیمین وجوب الکفارة عند الحنث''. (تبیین الحقائق: ۴۲۲/۳، کتاب الأیمان، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق: ۵۰/۳، کتاب الأیمان، امدادیه ملتان)

(وکذا فی الهدایة: ۴۷۸/۲، کتاب الأیمان، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) (البحر الرائق، ۴۸۳/۴، کتاب الأیمان، رشیدیه)

''ولوقال: هو یأکل المیتة إن فعل کذا، لایکون یمیناً .... والحاصل أن کل شئی هو حرام حرمةً مؤبدةً، بحیث لاتسقط حرمته بحالٍ من الأحوال کالکفر وأشباه ذلک. فاستحلاله معلقاً بالشرط یکون یمیناً. وکل شئ هو حرام بحیث تسقط حرمته بحالٍ کالمیتة والخمر وأشباه ذلک، فاستحلاله معلقاً بالشرط لایکون یمیناً''. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان، الفصل الثانی فی ألفاظ الیمین: ۴۲۳/۴، إدارة القرآن کراچی)

''فکل ماحرم مؤبداً، فاستحلاله معلقاً بالشرط یکون یمیناً، ومالا فلا''. (ردالمحتار: ۷۲۱/۳، کتاب الأیمان، قبیل مطلب فی حرف القسم، سعید)

فصل فی کفارة الیمین

(قسم کے کفارہ کا بیان)

وعدہ خلافی اور قسم کا کفارہ

سوال[۶۷۳۰]: دو شخص مل کر آپس میں کاروبار کرتے تھے، دونوں نے زبانی طور پر اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہم دونوں مل کر ہمیشہ کاروبار کریں گے، مگر کچھ دنوں بعد دونوں میں پھوٹ پیدا ہوگئی۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے اقرار کو توڑ دیا تو بتلایئے کہ اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قسم نہیں کھائی تھی صرف وعدہ کیا تھا اور بلا وجہ وعدہ توڑ دیا تو اس سے گناہ ہوا، اگر کوئی وجہ پیش آئی تو وعدہ توڑنے سے گناہ نہیں ہوا، کذافی شرح الأشباہ والنظائر (۱)۔ اگر قسم کھائی تھی پھر اس کے خلاف کیا تو اس کے ذمہ کفارہ لازم ہے۔ دس غریبوں کو دووقت شکم سیر کھانا کھلائے، یا ان کو کپڑا پہنائے، اگر اتنی

---

(۱) "الخلف في الوعد حرام. وفي القنية: وعده أن يأتيه فلم يأته، لا يأثم. قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين. والثاني على ما إذانوى الوفاء وعرض مانع".
(الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن، كراچي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث: إذاحدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". "عن زيد بن أرقم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا وعد الرجل وينوى أن يفي به، فلم يف، فلاجناح عليه". (سنن الترمذي: ۹۱/۲، أبواب الأيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الأيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

وسعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے، کذافی ردالمحتار(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/۹۰ھ۔

ایضاً

سوال[۶۷۳۱]: زید عمر سے ایک بڑے کام کا معاملہ کرتا ہے، عمر اس کے کہنے پر کام کرتا رہتا ہے، مگر ایک حصہ کام کا ہو جانے کے بعد زید معاملہ ختم کر دیتا ہے، اس ختم معاملہ میں عمر کا کوئی دخل نہیں ہے۔ عمر کہتا ہے کہ جتنا کام کر چکا ہوں اس کا معاوضہ ادا کر دو، زید یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ معاملہ اس کی طرف سے ختم ہوا ہے اور معاوضہ واجب ہے، ادائیگیٔ معاوضہ میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا ہے۔ عمر عاجز آکر حلف یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اپنا حق معاف کروں گا۔ اس صورت میں:

۱...... جو معاوضہ زید عمر کو دے چکا ہے زید کو اس کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟

۲...... یا معاوضہ جو عمر نے چھوڑ دیا ہے، زید کے ذمہ عند اللہ اس کی ادائیگی ہے یا نہیں؟

۳...... عمر اگر قسم کا کفارہ ادا کر دے تو پھر زید سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حلف کی بناء پر زید کو یہ بھی حق نہیں کہ اس کے ذمہ وعدہ اور معاملہ کی وجہ سے عمر کا جو کچھ مطالبہ واجب الاداء ہے اس کو روک لے، چہ جائیکہ جو کچھ اس حلف سے پہلے ادا کر چکا ہے اس کو واپس لے۔ عمر کو یہ حق ہے کہ زید سے واجب الاداء مطالبہ (معاوضہ) وصول کر لے، مگر قسم کی وجہ سے اس صورت میں اس پر کفارہ واجب ہوگا، کذافی شرح الأشباہ والنظائر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۳ھ۔

---

(۱) "وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم؛ وإن عجز عنها وقت الأداء، صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب كفارة اليمين: ۷۲۵/۳، ۷۲۷، سعيد)

(۲) "الخلف في الوعد حرام. قال السبكي: ظاهر الأيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء". (الأشباه والنظائر، ۲۳۶/۳، الحظر والإباحة، إدارة القرآن، كراچی) ....=

کفارۂ قسم

سوال[۶۷۳۲]: ایک شخص تمبا کو کھاتا ہے اور بہت عادی ہے، پھر اس کو نفرت ہوگئی اور اس نے چھوڑ دیا اور قسم کھائی کہ اب نہ کبھی کھاؤں گا، چند روز کے بعد کھالیا۔ تو اب اس شخص کے لئے کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے ذمہ کفارہ لازم ہے اور وہ یہ کہ دس غریبوں بھوکوں کو صبح وشام دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس غریبوں کو کپڑا دے، اگر ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کی قدرت نہ ہو تو تین روزے لگاتار رکھے، بیچ میں ناغہ نہ کرے، اگر بیچ میں ناغہ کرے گا تو پھر شروع سے تین روزے رکھنے پڑیں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: قال الله تعالیٰ: "ثلثة أنا خصمهم یوم القیمة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجیراً فاستوفی منه ولم یعطه أجره". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الأول، قدیمی)

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أعطوا الأجیر أجره قبل أن یجفّ عرقه". (مشكوة المصابیح، ص. ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الثانی، قدیمی)

"وحكمها وجوب الكفارة إن حنث لقوله: ﴿ولكن یؤاخذكم بما عقدتم الأیمان﴾ (مجمع الأنهر، كتاب الأیمان: ۲/۲۶۳، مكتبه غفاریه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿لایؤاخذكم الله باللغو فی أیمانكم ولكن یؤاخذكم بما عقدتم الأیمان، فكفارته إطعام عشرة مساكین من أوسط ماتطعمون أهلیكم أو كسوتهم أو تحریر رقبة، فمن لم یجد فصیام ثلثة أیام، ذلك كفارة أیمانكم إذاحلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

"فكفارته تحریر رقبة أو إطعام عشرة مساكین". (الدرالمختار). "وفی الإطعام إما التملیك أو الإباحة، فیعشیهم ویغدیهم .... وإن عجز عنها وقت الأداء، صام ثلاثة أیام ولاءً، ویبطل بالحیض". (ردالمحتار: ۳/۷۲۵ - ۷۲۷، كتاب الأیمان، سعید)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الأیمان: ۲/۲۶۴، مكتبه غفاریه كوئٹه) .... =

یمینِ غموس میں کفارہ نہیں

سوال[۶۷۳۳]: زید نے عمر کی ایک چیز اٹھا کر اپنے بکس میں رکھ دیا، درحقیقت وہ شئی بکر کی تھی، تھوڑی دیر بعد زید اپنے بکس میں سے اس شئے کو تلاش کر رہا تھا کہ اس وقت دوسرے آدمی نے کہا کہ وہ چیز بکر اٹھا کر لے گیا ہے، زید نے کہا کہ خیر اچھا ہوا کہ وہ اپنی چیز لے گیا۔ پھر دوسرے دن عمر نے آ کے زید سے مطالبہ کیا، زید نے اپنی روک کیلئے اس آدمی کے کہنے کے مطابق قسم کھالی کہ بکر نے وہ چیز لے لی۔ تو اس مسئلہ میں زید حانث ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں اگر جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائی ہے تو گناہ ہے کفارہ نہیں، کفارہ یمینِ منعقدہ میں ہوتا ہے اور یہ صورت غموس کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۳۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في الكفارة: ۲/۶۱، رشيديه)

(۱) "رجل قال: والله! إن الأمر كذا، وهو كاذب، فهو غموس لا كفارة فيها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في ألفاظ اليمين: ۴/۴۱۶، إدارة القرآن كراچي)

"وهي ثلاث: غموس: وهي حلفه على أمر ماض أو حال كذباً عمداً. وحكمها الإثم، ولا كفارة فيها إلا التوبة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، مكتبه غفاريه)

"حلفه على ماض كذباً عمداً غموسٌ، وظناً لغوٌ، أثم في الأولى دون الثانية، ولاتجب فيها الكفارة إلا التوبة والاستغفار". (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۲۰، سعيد)

نوٹ: لیکن سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت یمینِ غموس کی نہیں، بلکہ یمینِ لغو کی ہے، کیونکہ دوسرے شخص کے بتانے سے زید نے حلفاً کہا کہ "بکر وہ چیز لے گئے ہیں"۔ حسبِ ظن صدق پر قسم اٹھانا جب کہ خلافِ واقع ہو یمینِ لغو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولغو وهي حلفه على أمر ماض أو حالٍ يظنه كما قال، والحال هو خلافه". (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۲ مكتبه غفاريه)

بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے کفارہ

سوال[۶۷۳۴]: اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چائے نہیں پیوں گا، اگر وہ اپنی قسم بھول گیا اور چائے پی لی، بعد میں اس کو یاد آیا کہ اس نے قسم کھائی تھی۔ کیا اس کی قسم ٹوٹ گئی اور اس قسم کا کفارہ دینا پڑے گا؟ یا روزہ جس طرح بھول کر کھانے اور پینے سے نہیں ٹوٹتا کیا قسم بھی نہیں ٹوٹے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی، کفارہ لازم ہوگا:

"ولا فرق فی وجوب الکفارة بین العامد والناسی والمکره فی الحلف والحنث". سکب الأنهر: ۱/ ۵۴۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

اصلاح کا عہد کرکے توڑ دینا

سوال[۶۷۳۵]: ہماری قوم میں چند رسمیں غلط چل رہی تھیں، مثلاً: بیاہ شادی میں سب مل کر جاتے تھے، اس میں بے عزتی ہوتی تھی، یا چوتھی کی رسم کرتے تھے۔ بہر حال ان رسومات پر عہد لیا گیا کہ کوئی نہیں کرے

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۲/۲۶۴ کتاب الأیمان، مکتبه غفاریه کوئٹة)

"المکره والطائع والناسی فی الحلف والحنث سواء". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان، قبیل الفصل الرابع: ۴/۴۳۶، إدارة القرآن، کراچی)

"تجب الکفارة ولو کان حلف مکرهاً أو ناسیاً، أو حنث مکرهاً أو ناسیاً، بأن فعل المحلوف علیه مکرهاً أو ناسیاً". (تبیین الحقائق: ۳/۴۲۳، کتاب الأیمان، دار الکتب العلمیة بیروت)

"ومنعقدةٌ: وهی حلفٌ علی آتٍ، وفیه الکفارة فقط إن حنث .... ولو الحالف مکرهاً أو ناسیاً فی الیمین أو الحنث". (الدرالمختار، کتاب الأیمان: ۳/۷۰۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الأیمان: ۴/۴۷۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الأول، رشیدیه)

گا، نہ شریک ہوگا۔ اب اگر اس کو توڑ دیا تو کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

غلط طریقہ تو بہر حال غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے، پھر عہد کر کے توڑ دینا گناہ در گناہ ہے، ہر گز ایسا نہ کیا جائے (۱)، اس سے سب نظام اصلاح درہم برہم ہوتا ہے، اس کا وبال عہد توڑنے والوں پر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ توبہ کریں اور عہد (حلف توڑنے) کا کفارہ ادا کریں، ایک حلف کا کفارہ دس غریبوں کو کھانا کھلانا ہے دووقت شکم سیر ہو کر، یا ان کو کپڑے پہنانا ہے۔ اگر اتنی استطاعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھنا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔



---

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "اٰیة المنافق ثلاث وإذا وعد أخلف". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۱۷، کتاب الإیمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فكفارته إطعام عشرة مساكین من أوسط ماتطعمون أهلیكم أو كسوتهم أو تحریر رقبة، فمن لم یجد فصیام ثلثة أیام﴾. (المائدة: ۸۹)

"والأصل فی كفارة الیمین، الكتاب والسنة والإجماع. أما الكتاب، فقول الله تعالیٰ: ﴿لایؤاخذكم الله باللغو فی أیمانكم، ولكن یؤاخذكم بما عقدتم الأیمان، فكفارته إطعام عشرة مساكین من أوسط ماتطعمون أهلیكم، أو كسوتهم، أو تحریر رقبة، فمن لم یحد فصیام ثلاثة أیام، ذلک كفارة أیمانكم إذا حلفتم، واحفظوا أیمانكم﴾ [المائدة: ۸۹]

"وأما السنة: فقول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا حلفت علی یمین، فرأیت غیرها خیراً منها، فأت الذی هو خیر، وكفر من یمینک". [سنن النسائی: ۲/۱۴۴]

"وأما الإجماع وأجمع المسلمون علی مشروعیة الكفارة فی الیمین بالله تعالیٰ". (الفقه الإسلامی، الباب السادس: الأیمان والنذور والكفارات، كفارات الیمین: ۴/۲۵۷۴، رشیدیه)

"كفارة الیمین، فهی مرتبة مخیّرة إطعام عشرة مساكین، أو كسوتهم، أو تحریر رقبة مؤمنة، فإن عجز عن ذلک وجب صوم ثلاثة أیام". (الفقه الإسلامی، المصدر السابق)

باب النذور

(نذر کا بیان)

نذر کس طرح منعقد ہوتی ہے؟

سوال[۶۷۳۶]: کسی نے نیت کرلی، یا زبان سے لکھ دیا کہ "اس جانور کو شیرینی کروں گا" (۱)۔ اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو ذبح کر کے کچھ حصہ مسجد میں دوں گا اور باقی اہلِ محلّہ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤں گا، یا صرف گھر میں کھالوں گا، جیسے رواج سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے تناول میں صاحبِ نصاب اور خود بھی پرہیز نہیں کرتے۔ کیا یہ نذر ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نذر کے لئے صیغۂ التزام ضروری ہے (۲)، نیتِ مذکورہ اور الفاظِ مذکورہ سے لزوم نہیں ہوتا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۹/۵/۶۷ھ۔

---

(۱) "شیرنی کرنا: شیرنی، مٹھائی حلاوت، مٹھاس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۵۴، فیروز سنز لاهور)

(۲) "فركن النذر هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانه عليّ كذا، أو عليّ كذا، أو هذا هدى، أوهذا صدقة، أومالي صدقة". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، قبيل فصل في شرائط الركن: ۶/۳۳۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال العلامة ابن العربي: حقيقة النذر التزام الفعل بالقول ممايكون طاعةً لله عزوجل، ومن الأعمال قربة، ولايلزم نذر المباح". (أحكام القرآن: ۱۸/۲، (سورة آل عمران: ۳۵)، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في معارف القرآن: ۶/۲۵۹، تفسير سورة الحج، إدارة المعارف كراچی)

(۳) "رجل قال: إن برئتُ من مرضي هذا، ذبحت شاةً، فبرأ، لايلزمه شئ، إلا أن يقول: لله عليّ أن أذبح =

نذر کی تحقیق کرنا

سوال[٦٧٣٧]: اگر جمعہ کے دن کسی قسم کی مٹھائی کوئی لاکر تقسیم کرے اور لوگ اس کو بغیر دریافت کئے کہ کیسی ہے؟ کس کے نام کی ہے اور کس قسم کی؟ تو کیا ایسی مٹھائی کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی کہے کہ میرا بیٹا اگر اس بیماری سے اچھا ہو جائے تو میں مسجد میں مٹھائی تقسیم کروں گا۔ تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شبہ ہو تو تحقیق کرے کہ یہ مٹھائی کیسی ہے، اگر شبہ نہ ہو تو بلاوجہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے، دل چاہے لے، نہ دل چاہے نہ لے: "دع ما يريبك إلى مالا يريبك". الحديث(۱)۔ بیٹے کے اچھے ہونے پر مٹھائی خدا کے واسطے تقسیم کرنے کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے تو یہ نذر ہے(۲) اور نذر کے مستحق غرباء ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

= شاةً. وفي الملتقط: إذا قال: لله عليّ شاة أذبحها، لا شئ عليه، حتى يقول: أذبحها وأتصدق بها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور: ۴۲/۴، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) (فيض القدير: ۳۲۴۵/۶، (رقم الحديث: ۴۲۱۱)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(والإمام مسند أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۱۷۲۵): ۳۲۹/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"أخبرني أبو عبد الله الأسدي، قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتقوا دعوة المظلوم، وإن كان كافراً، فإنه ليس دونها حجاب".

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "دع مايريبک إلى مالايريبک". (مسند أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۱۲۱۴۰): ۶۲۳/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط يريده كأن قدم فلان .... ووجد، لزمه الوفاء". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأيمان، قبيل باب اليمين في الدخول والخروج، الخ: ۲۷۴/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "والنذر لله عزوجل، وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه.......... إذ مصرف =

میلاد شریف پڑھوانے کی نذر باطل ہے

سوال[۶۷۳۸]: اگر کوئی شخص اس بات پر نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں مسجد میں میلاد شریف پڑھواؤں گا۔ اب اس نذر کو پورا کرنا ہوگا یا نہیں اور مسجد میں میلاد پڑھانا جائز ہے یا نہیں، آیا نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ نذر باطل ہے: "أقبح منه النذر بقراءة المولد". شامی: ۲/۲۰۶(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۶۷۳۹]: اگر کسی شخص نے مولود پڑھانے کی نذر کی تو اس کو اس کا پورا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بطریقِ مروجہ مجلسِ میلاد منعقد کرنا شرعاً بے اصل، بدعت ہے اور ناجائز ہے، گو نفسِ ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا موجبِ خیر، باعثِ برکت اور قربت ہے، خواہ ذکرِ ولادت، خواہ ذکرِ وفات وعبادات ومعاملات وغیرہ ہو(۲)، لیکن انعقادِ نذر کے لئے منذور بہ کا قربتِ مقصودہ ہونا ضروری ہے اور مجلسِ میلاد قربت مقصودہ نہیں ہے، پس صورتِ مسئولہ میں نذر منعقد نہیں ہوئی، لہذا ایفاء بھی واجب نہیں:

"ومنها أن يكون قربةً، فلايصح بماليس بقربة رأساً كالنذر بالمعاصي، ومنها أن يكون

= النذر الفقراء، وقد وجد، ولايجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۲۱، كتاب الصوم، فصل في النذر، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۴۴۰، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للاموات الخ، سعيد)

(۲) "ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے۔ قال الشاعر:

ذكرك للمشتاق خير شراب وكل شراب دونه كسراب".

(إمدادالفتاوى: ۵/۲۴۹، كتاب البدعات، عنوان مسئله: محفل مولود شریف، مكتبه دارالعلوم كراچی)

قربةً مقصودةً، فلا يصح النذر بعيادة المريض وتشييع الجنائز والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والأذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذلك وإن كانت قربةً؛ لأنها ليست بقربة مقصودة، اهـ". بدائع الصنائع: ۸۲/۵(۱)۔

"وأقبح منه النذر بقراءة المولد في المنابر مع اشتماله على الغناء واللعب وإيهاب ثواب ذلك إلى حضرة المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم". ردالمحتار: ۱۲۸/۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۷/۱/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/محرم/۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حضرت سیدہؓ کی کہانی سننے کی نذر ماننا

سوال[۶۷۴۰]: اس سوال کیساتھ (☆) ایک کتابچہ بھی جناب سیدہؓ کی کہانی سے منسلک ہے، بعض علاقوں میں یہ "کتاب جناب سیدہ کی کہانی" جو صاحب لے کر پہونچے، انہوں نے اس کتاب کے فوائد کو

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۳۳۳/۶، کتاب النذر، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط، وكان من جنسه واجب، وهو عبادة مقصودة.......... ولم يلزم ماليس من جنسه فرض كعيادة مريض وتشييع جنازة ودخول مسجد". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۷۳۵/۳، ۷۳۶، سعيد)

قال بن النجيمؒ: "واعلم بأنهم صرحوا بأن شرط لزوم النذر ثلاثة: كون المنذور ليس بمعصية، وكونه من جنسه واجب، وكون الواجب مقصوداً لنفسه". (البحر الرائق: ۵۱۴/۲، كتاب الصوم، فصل في النذر، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۴۰۵/۱۱، كتاب الأيمان، باب وجوب إيفاء النذر إذا كان طاعةً، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس في النذر: ۲۰۸/۱، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۴۴۰/۲، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ، سعيد)

(☆) اصل نسخہ سے محولہ سوال کا پتہ نہیں چل سکا کہ کون سا سوال ہے، اصل نسخہ میں بھی اسی طرح ہی ہے۔ (نور الدین غفرلہ)

ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ: اگر کسی کی کوئی حاجت پوری نہ ہوتی ہو تو وہ یہ نذر کرلے کہ جب میری فلاں حاجت پوری ہوگی تو جناب سیدہ کی کہانی سنوں گی، اس سے اس کی وہ مراد پوری ہوگی۔ خصوصاً عورتوں میں یہ بات بیان کر کے اس کی ترغیب دی گئی۔

اور پھر اس کتاب میں کہانی ایسی ہی ہے جس کی وجہ سے عورتوں پر ایک خاص اثر ہوا اور سب نے نذر ماننا شروع کردیا کہ میری فلاں حاجت پوری ہوگئی تو جناب سیدہ کی کہانی سنوں گی، اگر اتفاق سے کوئی حاجت برآئی ہے تو نذر کو کتاب کو اس طریقہ سے سن کر پوری کی ہے، جیسا کہ اس کتاب میں طریقہ مذکور ہے۔ تو اس قسم کی نذر ماننے کی وجہ سے یا نذر پوری کرنے کی وجہ سے نکاح وغیرہ پر کسی قسم کی خرابی نہیں پڑے گی، نیز اس قسم کی نذر ماننا کیسا ہے، اس کتاب کی روایت کہیں منقول ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

کتاب ''جناب سیدہ کی کہانی'' بے اصل باتوں پر مشتمل ہے، اہل سنت والجماعت کے کسی مخالف نے مسلمان مَردوں کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً گمراہ کرنے کیلئے یہ لکھی ہے۔ اس کے سننے کی نذر ماننا لغو(۱) اور اس کا سننا اضاعتِ وقت ہونے کے ساتھ غلط باتوں کا ذہن نشین کرنا ہے، عورتوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہ اس کی باتوں

---

(۱) "ومنها: أن يكون قربةً، فلايصح النذر بماليس بقربة رأساً كالنذر بالمعاصي". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن: ۸۲/۵، سعيد)

"ولم يلزم الناذرَ ما ليس من جنسه فرض كعيادة مريض، وتشييع جنازة، ودخول مسجد......... أن لايكون معصيةً لذاته". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۷۳۶/۳، سعيد)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لانذر إلا في مايبتغي به وجه الله، ولايمين في قطيعة رحم". (إعلاء السنن: ۴۸۳/۱۱، كتاب الأيمان، باب اشتراط كون المنذور عبادةً مقصودةً، إدارة القرآن، كراچی)

"النذر إن كان في المباح أو في المعصية، فلايلزمه كما إذا قال: لله عليّ أن أذهب إلى السوق، أو اشتمه أو أضربه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور: ۴۰/۵، إدارة القرآن كراچی)

پر یقین نہ کریں (۱)۔ جناب سیدہ کے صحیح فضائل اور حالات معتبر کتابوں میں موجود ہیں، ان کو پڑھنے اور سننے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس کی کہانی کا حکم یہ ہے کہ جو بھی اس کے سننے کی نذر مانے اس کو توبہ لازم ہے، نہ نذر مانیں اور نہ سنیں۔ نکاح کسی کا نہیں ٹوٹا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۷/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۷/۲۱ھ۔

گیہوں تقسیم کرنے کی نذر

سوال [۶۷۴۱]: زید نے نیت کی کہ اگر میری بیوی کو بیماری سے شفا ہو جائے تو اتنے من گیہوں اور روپے اس کے ہاتھ سے غریبوں کو تقسیم کروادوں گا۔ وہ شفایاب ہوگئی، اب زید کا ارادہ ہے کہ مذکورہ گیہوں کی قیمت اور روپے کسی مدرسہ میں دیدے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

---

(۱) وہ کتابیں جن سے ذہن مشوش اور عقائد متزلزل ہوتے ہیں، دیکھنا جائز نہیں: "قال الشيخ الإمام صدر الإسلام، أبواليسر: نظرتُ في الكتب التي صنفها المتقدمون في علم التوحيد............ وجدت أيضاً تصانيف كثيرةً في هذا الفن للمعتزلة، فلا يجوز إمساك تلك الكتب والنظر فيها، كيلا تحدث الشكوك، فلايتمكن الوهن في العقائد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، المتفرقات: ۵/۳۷۷، رشيديه)

(۲) "رجل قال: إن نجوت من هذا الغم، فللّٰه على أن أتصدق بهذه الدراهم خبزاً، ثم أراد أن يتصدق بالقيمة لابالخبز، جاز". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، فصل في النذر: ۱/۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور: ۵/۴۱، إدارة القرآن كراچی)

"نذر أن يتصدق بعشرة الدراهم من الخبز، فتصدق بغيره، جاز إن ساوى العشرة كتصدقة بثمنه". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۴۱، سعيد) .... =

نذر کے جانور میں قربانی کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[٦٧٤٢]: ہماری شریعتِ مصطفویہ کے مفتیانِ عظام سے استفسار یہ کہ شاۃ منذورہ یا بقرہ سال و برس میں قربانی کے لائق ضرورت ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو، اسامی کتب و تعیینِ صفحہ بنقلِ عبارات جواب شافی عنایت فرما کر مسعود دارین ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاۃ منذورہ کی نذر اگر بصورتِ اضحیہ کی ہے یعنی اس طرح نذر کی ہے "للّٰہ عليّ أن أضحی شاةً" تو اس میں تمام شرائطِ اضحیہ کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ ایسی نذر سے تضحیۂ شاۃ اس کے ذمہ واجب ہے، ایامِ نحر میں ایسی شاۃ کی قربانی کرے جس کی اضحیہ شرعاً درست ہے۔

اگر بصورتِ ہدی نذر کی ہے تو اس کو حرم میں بھیج کر قربانی کرائے۔ اگر ہدی اور اضحیہ کے طور پر نذر نہیں کی بلکہ مطلقاً شاۃِ حیہ کو تصدق کرنے یا ذبح کر کے اس کا لحم صدقہ کرنے کی نذر کی ہے تب بھی اس کی عمر اتنی ہی ضروری ہے جس کی قربانی درست ہے، کیونکہ عرفاً شرعاً ایسی شاۃ کو شاۃ کہا جاتا ہے۔ اگر کسی شاۃ معینہ مشارٌ الیہا کی نذر کی ہے تو اس میں یہ شرط نہیں بلکہ جس عمر کی بھی ہو اس سے نذر پوری ہو سکتی ہے اور ان ہر دو صورت میں ایامِ نحر یا حدودِ حرم کی بھی قید نہیں۔ اخیر کی صورت بالکل ایسی ہی ہے جیسے شاۃ کے علاوہ کوئی دوسری شی متعین کر کے اس کے تصدق کی نذر کرے:

"الأضحية اسم لِمَا يذبح في وقت مخصوصٍ لم يكن فيها إلغاء الوقت، فإذا نذرها يلزم فعلها فيه، وإلا لم يكن اتياً بالمنذور؛ لأنها بعدها لاتسمى أضحيةً، ولذا يتصدق بها حيةً إذا خرج وقتها، بخلاف ماإذا نذر ذبح شاة في وقت كذا، يلغو ذكر الوقت؛ لأنه وصف زائد على مسمى الشاة، ولذا ألغى علماؤنا تعيين الزمان والمكان بخلاف الأضحية، فإن الوقت قدجعل جزءاً من مفهومها، فلزم اعتباره. ونظيرذلك مالونذر هدى شاة، فإنهم قالوا: إنما يخرجه عن العهدة ذبحها في الحرم والتصدق بها هناك .... وماذاك إلالكون الهدى اسماً لمايهدى إلى

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الأيمان، الباب الثاني في يكون يميناً ومالا يكون يميناً، الفصل الثاني في الكفارة: ٢/٦٦، رشيديه)

مكة، ويتصدق به فيها، فقد جعل المكان جزءاً من مفهومه كالزمان فی الأضحية، فإذاتصدق به فی غير مكة، لم يأت بمانذره". شامی:٥/٢٣٤(١)۔

قال الكاسانی بعد نذر الأضحية والهدی: "لايجوز فيه إلامايجوز فی الأضاحی، وهو الثنیُّ من الإبل والبقروالجذع من الضأن إذاكان ضخماً". بدائع:٥/٨٥(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

گائے کوذبح کرکے دعوت ولیمہ میں کھلانے کی نذر ماننا

سوال[٦٧٤٣]: زید نے اپنی سالی کی شادی کے لئے اس نیت سے بقر خریدا کہ بطورِ نیاز فی سبیل اللہ دعوتِ ولیمہ میں یا محض دعوتِ ولیمہ میں اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت صَرف کیا جائے۔ کسی وجہ سے لڑکی والے نے عقد شرعی سے انکار کر دیا، چندروز بعد لڑکے والے لڑکی مذکور کو اپنے یہاں بھگا لے گئے اور بغیر عقد شرعی رکھا اور اعلان کر دیا کہ ہمارے ہاں نیاز ہے اور بقر مذکور کو ذبح کے لئے تیار ہو گئے۔ بکر کہتا ہے کہ بغیر عقد شرعی بقر مذکورہ کا ذبح کرنا ناجائز ہے، زید تسلیم نہیں کرتا، لہٰذا دو امر دریافت طلب ہیں:

---

(١) (ردالمختار: ٦/٣٣٣، كتاب الأضحية، سعيد)

(٢) (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن: ٦/٣٤٢، دارالكتب العلمية بيروت)

"لوقال: للهعلیّ هدیً، يجب عليه مايجزئ عليه فی الأضحية من الضأن والمعز أوالإبل أو البقرة، إلا أن ينوی بعيراً أو بقرةً فيلزمه ذلك، وأن لايذبح إلافی الحرم". (التفسير المظهری: ٦/٣٠٢، (سورة الحج:٢٨)، حافظ كتب خانه)

"ولو قال: لله علیّ أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه، فذبح مكانه سبع شياه، جاز، ووجهه لايخفی". (الدرالمختار). "(قوله: وجهه لايخفی) وهو السبع تقوم مقامه فی الضحايا والهدايا". (ردالمختار: ٣/٧٤٠، كتاب الأيمان، مطلب فی أحكام النذر، سعيد)

"وإنما تعين المكان فی نذر الهدی، والزمان فی نذر الأضحية؛ لأن كلا منهما اسم خاص معين، فالهدی: مايهدی للحرم، والأضحية: مايذبح فی أيامها، حتی لولم يكن كذلك لم يوجد الاسم". (الدرالمختار: ٣/٧٤١، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لايختص بزمان، سعيد)

۱......کیااس نیاز کے سلسلے میں ذبیحہ کا دعوت ولیمہ میں صَرف کرنا جائز ہے؟

۲......کیابغیرعذرشرعی بقرمذکور(مشروط بنیت ولیمہ)ذبح کیا جاسکتا ہے؟

سیدابن حسن مبلغ محلّہ شیران سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......اگرمنت مانی بطور نیاز ذبح کرنے کی تواس کو نیاز ہی کے طور پر ذبح کرنا چاہیے جس کے مستحق غرباء اور مساکین ہیں (۱)۔ اور ولیمہ میں خصوصیت غرباء کی نہیں ہوتی اور ولیمہ عقدشرعی اور زفاف کے بعد ہوتاہے(۲) اور صورت مسئولہ میں نہ ولیمہ ہے نہ نیاز۔ البتہ اگر غرباء کی خصوصیت کردی جائے تو نیاز کی صورت ہوسکتی ہے۔ اگر عقد شرعی اور زفاف کے بعد محض فقراء کو ذبیحہ کھلایا جاوے تو دونوں ممکن ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی غفرلہ،۲۳/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح:عبداللطیف عفااللہ عنہ،مظاہرعلوم سہارنپور،۲۳/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

نذرِ معلق کی پیشگی ادائیگی

سوال[٦٧٤٤]: کسی شخص نے نذر کی کہ فلاں کام ہوجائے تو تین روزے رکھوں گا۔اس نے قبل

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغرمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ٦٠)

"مصر ف الزكوة ....وهو أيضاً مصرف لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغيرذلك من الصدقات الواجبة". (الدرالمختار: ٣٣٩/٢، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

"نذر التصدق على الأغنياء، لم يصح مالم ينوى أبناء السبيل". (الدرالمختار). "قلت: وينبغي أن يصح إذا نوىٰ أبناء السبيل؛ لأنهم محل الزكوٰة". (ردالمحتار: ٧٣٨/٣، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر، سعيد)

(۲) "وحديث أنس رضي الله تعالىٰ عنه في هذا الباب صريح في أنها: أي الوليمة بعد الدخول، لقوله: "أصبح عروساً بزينب، فدعا القوم". (إعلاء السنن: ١١/١١، كتاب النكاح، باب استحباب كون الوليمة وكون وقته بعد الدخول، إدارة القرآن كراچي)

کام ہونے کے نذر پوری کرلی، اس کے بعد کام بھی حاصل ہوگیا۔ تو کیا اس کو دوبارہ نذر پوری کرنا چاہیے، یا پہلے روزے کافی ہیں، اور مسئلۂ یمین بعینہ اس طریق پر ہے یا فرق ہے؟

خلیل الرحمٰن چاٹگامی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں وہ روزے کافی نہیں، کیونکہ روزوں کو معلق کیا تھا کام پورا ہونے پر اور جب تک کام پورا نہیں ہوا تو ان کا وجوب ہی نہیں ہوا، لہٰذا وہ نفل ہوگئے، اب مستقل روزے شرط کے موافق رکھنے ضروری ہے۔ مسئلۂ یمین میں بھی کفارہ قبل الحنث واجب اور کافی نہیں:

"وإن كان (أى النذر) معلقاً بشرط: نحو أن يقول: إن شفى الله مريضى، أو إن قدم فلان الغائب، فلله علىّ أن أصوم شهراً، أو أصلى ركعتين، أو أتصدق بدرهم، ونحو ذلك، فوقته وقت الشرط، فمالم يوجد الشرط، لايجب بالإجماع. ولوفعل ذلك قبل وجود الشرط، يكون نفلاً، اهـ". بدائع: ۹۳/۵(۱)۔ "لايصح التكفير قبل الحنث فى اليمين، سواء كان بالمال أو بالصوم، الخ". بحر: ۹۳/۴(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۰/ رجب/۵۳ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۳۵۸/۶، كتاب النذر، فصل فى حكم النذر، دارالكتب العلمية بيروت)

"أجمع أصحابنا أن النذر بالعبادات إذا كان معلقاً بالشرط، وأدّاها قبل وجودها، لايجوز، سواء كانت العبادة بدنيةً أومالية". (الفتاوى التاتارخانية: ۵۰/۵، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون فى النذور، إدارة القرآن كراچى)

"بخلاف النذر المعلق، فإنه لايجوز تعجيله قبل وجود الشرط". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر ۷۳۵/۳، سعيد)

"إذاعلق النذر بالصوم، وأداه قبل وجوده، لايجوز بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس فى النذر: ۲۱۰/۱، رشيديه)

(وكذا فى البحرالرائق: ۵۲۰/۲، كتاب الصوم، فصل فى النذر، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، ۴۸۹/۴، كتاب الأيمان، رشيديه)

بیمار کی صحت کے لئے جانور صدقہ کیا جائے تو اس کی کیا شرط ہے؟

سوال[۶۷۴۵]: جو جانور بیمار وغیرہ کی طرف سے صدقہ کیا جاتا ہے اس میں کیا کیا شرطیں ہیں، کیا قربانی کے جانور کی تمام شرطیں عمر وغیرہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں کوئی نذر نہیں کی تھی تو جو جانور جیسا چاہے صدقہ کردے، اگر نذر مان لی تھی تو وہ واجب ہوگئی، اس میں وہی شرائط معتبر ہوں گی، جو قربانی کے جانور میں معتبر ہوتی ہیں (۱)۔ اگر نذر میں کسی خاص جانور کی تخصیص کردی مثلاً: یہ کہ ایک گائے مستقل نذر مانی تو پوری گائے لازم ہے (۲)، ساتواں حصہ کافی نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ذی قعدہ/۵۵ھ۔

سہولتِ ولادت کی نذر

سوال[۶۷۴۶]: زید نے بیوی کے حاملہ ہونے پر یہ نذر مانی کہ: اگر ولادت خیر وخوبی کے ساتھ ہوگئی تو اس خوشی میں ایک ہنسلی دوں گا (۳)۔ بعینہ یہی نذر زید کی ساس نے بھی مان لی۔ زید کی بیوی کو تولد بغیر

---

(۱) "ولو قال: لله علی أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه، فذبح مکانه شیاه، جاز، ووجهه لایخفی". (الدر المختار). "وهو أن السبع تقوم مقامه فی الضحایا والهدایا". (ردالمحتار، کتاب الأیمان، مطلب فی أحکام النذر: ۳/۷۴۰، سعید)

"وإذا أوجب علی نفسه الهدی، فهو بالخیار بین الأشیاء الثلاثة: إن شاء أهدی شاةً، وإن شاء بقرةً، وإن شاء إبلاً، وأفضلُها أعظمُها. ولو أوجب جزوراً، فعلیه الإبل خاصةً؛ لأن اسم الجزور یقع علیه خاصةً، ولایجوز فیهما إلا مایجوز فی الأضاحی، وهو الثنیُّ من الإبل والبقر، والجذعُ من الضأن، إذا کان ضخماً". (بدائع الصنائع: ۵/۸۵، کتاب النذر، فصل: وأما شرائط الرکن، سعید)

(۲) "تصدق بها حیة ناذر لمعیّنة ولو فقیراً، لو ذبحها تصدق بلحمها". (الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۰، سعید)

(۳) "ہنسلی: وہ ہڈی جو گردن کے نیچے ہوتی ہے، ایک قسم کا زیور جو گلے میں پہنا جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۱)

کسی خطرہ کے ہوگیا۔ نذر زید پوری کرے، یا زید کی ساس یا دونوں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دونوں کونذر پوری کرنا لازم ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿وليوفوا نذورهم﴾(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

سہولتِ ولادت کے لئے ختمِ قرآن کروانے کی نذر

سوال[۶۷۴۷]: بیوی کو دردِزہ میں مبتلا دیکھ کر شوہر یا دیگر رشتہ دار نے کہا کہ: اگر اللہ میاں اس مصیبت سے نجات دے تو ختمِ قرآن کراؤں گا۔ یا یوں کہا کہ: اس مصیبت میں اللہ کے واسطے کچھ کرانا چاہئے، اس پر کسی نے کہا: ختمِ یونس پڑھالو، اس پر سب راضی ہوگئے، اتنے میں بچہ پیدا ہوگیا۔ اب مذکورہ دونوں صورتوں

---

(۱) (سورة الحج: ۲۹)

"ثم إن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي، يوفي وجوباً إن وجد الشرط". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۷۳۸/۳، سعيد)

"وقد قال عليه الصلوة والسلام: "من نذر أن يطيع الله تعالى، فليطعه". قال عليه الصلوة والسلام: "من نذر وسمى، فعليه وفائه بماسمى". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما حكم النذر: ۹۰/۵، سعيد)

"عائشة رضي الله تعالى عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من نذر أن يطع الله، فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه". (إعلاء السنن: ۴۲۳/۱۱، كتاب الأيمان، باب من نذر نذراً في معصية أو فيما لايطيقه فكفارتهما كفارة يمين، إدارة القرآن، كراچی)

"وإن علق النذر بشرط، فوجد الشرط، فعليه الوفاء بنفس النذر لإطلاق الحديث". (فتح القدير: ۹۲/۵، فصل في الكفارة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲۷۵/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مذکورہ بالا عبارات کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی کام پر کئی اشخاص نذر مانیں تو ہر ایک پر مستقل طور پر ایفائے نذر لازم ہے۔

میں ایفاء واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہو تو اجرت لے کر پڑھنے والے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نذر ایسی چیز کی صحیح ہوتی ہے جو عبادتِ مقصودہ اور جنسِ واجب سے ہو، چنانچہ قرآن کریم بھی ایسی ہی عبادت ہے، نماز میں اس کا پڑھنا ضروری ہے (۱)۔ فقہاء نے اعتکاف کی نذر کو صحیح تسلیم کیا ہے، جس کی حقیقت "لبث فی المسجد برائے عبادت ہے"۔ اور اس کا مأخذ یہ تجویز کیا ہے کہ نماز میں قعدہ ضروری ہے جو کہ سنت ہے (۲)، اسی طرح اگر کہا جائے کہ نماز میں قرأت فرض ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿فاقرأوا ما تيسر من القرآن﴾ (۳) تو قرأتِ قرآن کی نذر بھی صحیح ہوگی:

"واعلم بأنهم صرحوا بأن شرط لزوم النذر ثلثة: كون المنذور ليس بمعصية، وكونه من جنسه واجب، وكون الواجب مقصوداً لنفسه .... وأما الاعتكاف و هو "اللبث في مكان"

---

(۱) "(و منها القرأة): أى قرأة آيةٍ من القرآن، وهى فرض عمليّ فى جميع ركعات النفل والوتر، وفى ركعتين من الفرض، الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۶، سعيد)

"(قوله: لم يلزمه) وكذا لو نذر قراء ة القرآن، قلت: وهومشكل، فإن القراء ة عبادة مقصودة، ومن جنسها واجب، وكذا الطواف، فإنه عبادة مقصودة أيضاً". (ردالمحتار: ۳/۷۳۸، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر، سعيد)

"فلايلزم الوضوء بنذره، ولاقراء ة القرآن". (مراقى الفلاح). قال العلامة الطحطاوى: "(قوله: لاقراء ة القرآن) كذا فى كبيره، وفيه أن القراء ة من جنسها فرض، وواجب، وتُقصد لذاتها، وليست واجبة قبل. وعلل عدم الوجوب فى القهستانى بأن لزومها للصلوة لالعينها". (حاشية الطحطاوى، ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، قديمى)

(۲) "ويصح النذر بالعتق، والاعتكاف؛ لأن من جنسه واجباً، وهو القعدة الأخيرة فى الصلوة، فأصل المكث بهذه الصفة له نظيرٌ فى الشرع". (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۴، سعيد)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر ؛ ۳/۷۳۴، سعيد)

(۳) (سورة المزمل : ۲۰)

من جنسه واجب وهوالقعدة الأخيرة فى الصلوٰة". بحر: ۲/۲۹۴ ، كتاب الصوم(۱)۔

جتنا قرآن نذر ماننے والا خود پڑھ سکے خود ہی پڑھے، کسی سے اجرت دے کر نہ پڑھوائے، جیسے کوئی شخص بڑی رقم صدقہ کرنے کی نذر مان لے جو کہ اس کے پاس موجود نہ ہو، تو وہ دوسرے سے رقم لے کر صدقہ کرنے کا ذمہ دار نہیں، بلکہ جتنی رقم اس کے پاس ہو اس کو صدقہ کردے، اگر دوسرے کے مال کو صدقہ کرنے کی نذر کرتا ہے تو وہ نذر منعقد نہیں ہوتی۔ غیر سے اجرت پر قرآن ختم کرانا بھی معصیت ہے(۲) اس سے پورا پرہیز کیا جائے:

"فى الخلاصة: لوالتزم بالنذر أكثر مما يملكه، لزمه ما يملكه، هوالمختار، كما إذا قال: إن فعلت كذا فألف درهم من مالى صدقةٌ، ففعل و هو لا يملك إلا مأةً، لا يلزمه إلا مأة

---

(۱) (البحر الرائق ، كتاب الصوم ، فصل فى النذر : ۲/۵۱۴، ۵۱۵، رشيديه)

(و كذا فى رد المحتار ، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر : ۳/۷۳۵ ، ۷۳۶، سعيد)

(۲) "و قد أطنب فى رده صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة، فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة فى شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى. وقال العينى فى شرح الهداية : و يمنع القارى للدنيا، و الآخذ والمعطى آثمان ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة : ۶/ ۵۶ ، سعيد)

"الآخذ والمعطى آثمان، فالحاصل أن ماشاع فى زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للأمر، والقرأة لأجل المال فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولا الأجرة ماقرأ أحد لأحد فى هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون". (البناية شرح الهداية، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۳/۷۷، مكتبه حقانيه ملتان)

"وأما استيجار قومٍ لأن يقرأوا القرآن ويُهدواثوابه للميت، فهذا لم يفعله أحد من السلف، ولاأمر به أحد من أئمة الدين، ولارخص فيه. فإن الثواب إنما يصل إلى الميت إذا كان العمل خالصاً لوجه الله، وهذه التلاوة لم تقع خالصةً لله، فلا يكون للتالى من الثواب شئ حتى يهديه إلى الميت".

(شرح العقيدة الطحاوية، لايوجد شئ من غير مشيئة الله وعلمه وقضائه وقدره، قبيل: مذهب أهل البدعة فى إيصال الثواب، ص: ۱۹۱، زمزم پبلشرز كراچى)

.... لو قال: لله عليّ أن أهدي هذه الشاة و هي ملك الغير، لا يصح النذر". البحر: ٤/٢٩٦، كتاب الأيمان(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مہینہ کے روزہ کی نذر ماننے میں تسلسل ضروری ہے

سوال[۶۷۴۸]: ا......زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو ایک ماہ روزہ رکھوں گا۔ تو یہ ایک ماہ کے روزے مسلسل رکھے یا وقفہ سے بھی رکھ سکتا ہے؟

پانچ سو روپے مسجد میں دینے کی نذر کرنے سے ایک ہی مسجد میں دے یا الگ الگ میں؟

سوال[۶۷۴۹]: ۲......زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ۵۰۰/ روپے مسجد میں دوں گا تو کیا یہ ۵۰۰/ روپے اکٹھے ادا کرے، یا سو سو روپے پانچ مسجد میں دیدے، اپنی ہی مسجد میں دیدے، یا متفرق زیر تعمیر مسجد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......ایک ماہ کے مسلسل روزے رکھے، درمیان میں وقفہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ مہینہ مسلسل ہی

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الأيمان، مسائل النذر: ۴/۴۹۸، رشيديه)

"وإذا قال: إن فعلت كذا، فألف درهم من مالي صدقةٌ، ففعل، وهو لايملك إلامأة درهم، فإنه يلزمه التصدق بما ملك، وهو قدر مأة، لاغير.......... وإذا قال: لله عليّ أن أهدي هذه الشاة، وهي مملوكة للغير، لايصح النذر، ولايلزمه شئ". (الفتاوى التاتارخانية: ۵/۴۲، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور، إدارة القرآن، كراچي)

"وإذا قال: إن فعلت كذا، فألف درهم من مالي صدقةٌ، ففعل، وهو لايملك إلامأة درهم، فإنه يلزم التصدق ممايملك وهو قدر مأة، لاغير. ولله عليّ أهدي هذه الشاة، وهو مملوكة للغير، لايصح ولايلزمه شئ". (المحيط البرهاني في المذهب النعماني: ۵/۱۱۰، كتاب الأيمان والنذور، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، ومما يتصل بذلك مسائل النذر: ۲/۶۵، رشيديه)

ہوتا ہے(۱)۔

۲......اس کو اختیار ہے کہ ایک دم ۵۰۰/ روپیہ دیدے، یا تاخیر سے دے، مسجد کی تعیین لازم نہیں، جس مسجد میں چاہے دیدے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) سائل نے مطلق ایک مہینہ روزے رکھنے کی نذر مانی ہے، اس لئے تسلسل سے اس کو روزے رکھنا لازم نہیں ہے، لگاتار روزے رکھنا اس صورت میں لازم ہے، جب ایک مہینہ متعینہ مثلاً شعبان کی نذر مانی جائے، لیکن اس صورت میں اگر ایک دو روزے نہ رکھ سکے تو صرف ان روزوں کی قضاء ضروری ہے ترتیب لازم نہیں ہے:

"نذر صوم شهر معين لزمه متتابعاً، لكن إن أفطر فيه يوماً قضاه وحده". (الدرالمختار). "أى قضىٰ ذلك اليوم فقط، لئلايقع كل الصوم فى غير الوقت.......... وأما إذا كان الشهر غير معين، فإن شاء تابعه، وإن شاء فرقه، إلا إذا شرط التتابع، فيلزمه". (ردالمختار، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر، ۳/ ۷۴۱، سعيد)

"ولو نذر صوم شهر غير معين متتابع". (الدرالمختار). "(قوله: متتابعاً) أفاد لزوم التتابع إن صرح به، وكذا إذا كان نواه. أما إذا لم يذكر ولم ينوه، إن شاء تابع، وإن شاء فرق، وهذا فى المطلق. أما صوم شهر بعينه أو أيام بعينها، فيلزم التتابع، وإن لم يذكره". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب فى صوم الست من شوال: ۲/ ۴۳۵، سعيد)

"لو قال: لله علىّ أن أصوم شهراً متتابعاً، لزمه التتابع. وإن أطلق، يخيّر. وإن عيّن الشهر، فأفطر يوماً، قضّاه، ولايستقبل. وإن أفطر كله، يخيّر فى القضاء بين التفرق والتتابع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، البا ب السادس فى النذر: ۲/ ۲۰۹ رشيديه)

(۲) "نذر لفقراء مكة، جاز الصرف لفقراء غيرها". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر: ۳/ ۷۴۰، سعيد)

"نذر أن يتصدق بهذه المأة الدرهم يوم كذا على فلان، فتصدق بمأة أخرى قبل مجئ ذلك اليوم على مسكين آخر، جاز". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون فى النذور: ۵/ ۴۳، إدارة القرآن كراچى)

"رحل قال: مالى صدقة على فقراء مكة إن فعلت كذا، فحنث وتصدق على فقراء بلخ أو بلدة =

امتحان میں پاس ہونے کی نذر ماننا

سوال[۶۷۵۰]: میری بچی نے ہائی اسکول کا امتحان دیا، اوراس سلسلہ میں مَیں نے نذر مانی تھی کہ: اگر پاس ہوگئی تو گیارہ فقیروں کو کھانا کھلاؤں گی۔ آیا کھانا کھلانا ضروری ہے یانہیں؟ بچی پاس ہوگئی ہے۔ اور یہ نذر بھی مانی تھی کہ: پاس ہونے پر روزے رکھوں گی۔ آیا روزے رکھنا ضروری ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پاس ہونے پر گیارہ فقیروں کو کھانا کھلایا جائے، یاان کونقد دیدیا جائے، ہرایک کو بقدرِ صدقۃ الفطر دیا جائے (۱)۔ نذر کے روزے بھی رکھے جائیں (۲)، اگرکسی کوروزے رکھنے پرقدرت نہیں ہے تو ہرروزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کے برابر نقد یاغلہ دیدیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۸ھ۔

= أخرى، جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۶۵، كتاب الأيمان، ومما يتصل بذلك مسائل النذر، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/۸۶، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن، سعيد)

"نذر بالتصدق على ألف مسكين، فتصدق على مسكين بالقدر الذي ألزم، يخرج عن العهدة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كاتب الأيمان، ومما يتصل بذلك مسائل النذر: ۲/۶۶، رشيديه)

سوال: "اگرکوئی شخص چندروزے رکھنے کی نذر مانے تو کیاان میں تسلسل ضروری ہے، یاجب چاہے مختلف اوقات میں رکھ کر پورے کرسکتا ہے؟

الجواب: اگرپےدرپے روزوں کی نیت نہیں کی ہوتو نذر کے روزے رکھنے میں تسلسل ضروری نہیں ورنہ تسلسل کا خیال رکھنالازمی ہے"۔(فتاویٰ حقانیہ، کتاب الأیمان والنذر، عنوان مسئلہ: نذر کے روزوں میں تسلسل کاحکم: ۵/۴۴، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان)

"ولو قال لله علي أن أصوم شهراً متتابعاً، لزمه التتابع، وإن أطلق يخير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس في النذر: ۱/۲۱۰، رشيديه)

(۱) "رجل قال: إن نجوت من هذ الغم، فللّٰه عليّ أن أتصدق بهذه الدراهم خبزاً، ثم أراد أن يتصدق =

....

= بالقيمة لابالخبز، جاز". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٢٦٩، كتاب الزكوة، فصل فى النذر، رشيديه)

"رجل قال: إن نجوت من هذا الغم الذى أنا فيه، فعليّ أن أتصدق بعشرة دراهم، فاشترى بعشرة دراهم خبزاً، فتصدق بعين الخبز، أو ثمن الخبز، يجزيه". (الفتاوى التاتارخانية: ٥/٤١، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون فى النذور، إدارة القرآن، كراچى)

"نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز، فتصدق بغيره، جاز إن ساوى العشرة، كتصدقه بثمنه". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر: ٣/٧٤١، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثانى فيما يكون يميناً ومالايكون يميناً، الفصل الثانى فى الكفارة: ٢/٦٦، رشيديه)

(٢) "ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط وكان من جنسه واجب: أى فرض .... وهو عبادة مقصودة .... ووجد الشرط المعلق به، لزم الناذر لحديث: "من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى" كصوم وصلاة وصدقة". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ووجد الشرط) معطوف على قوله: وكان من جنسه عبادة. وهذا إن كان معلقاً بشرط، وإلا لزم فى الحال. والمراد الشرط الذى يريد كونه كما يأتى تصحيحه. (قوله: لزم الناذر): أى لزمه الوفاء به، والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التى التزمها لابكل صف التزمه". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر: ٣/٧٣٥، سعيد)

"ويصح النذر بالصلوة، والصوم، والحج، والعمرة، والإحرام بهما .... لأنها قرب مقصودة، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم : "من نذر أن يطيع الله تعالىٰ فليطعه". وقال صلى الله عليه وسلم : "من نذر وسمى، فعليه وفاؤه بما سمى". إلا أنه خص منه المسمى الذى ليس بقربة أصلاً، والذى ليس بقربة مقصودة، فيجب العمل بعمومه فيما وراءه". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل فى شرائط ركن النذر: ٦/٣٣٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) "لو أخّر القضاء حتى صار شيخاً فانياً، أوكان نذر بصيام الأبد، فعجز لذلك، أو باشتغاله بالمعيشة، لكون صناعته شاقةً، له أن يفطر وأن يطعم لكل يوم مسكيناً على ماتقدم". (فتح القدير، كتاب الصوم، فصل فيما يوجبه على نفسه: ٢/٣٨٦، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر) .... =

گناہ کے ترک کا عہد، پھر اس کے خلاف کرنے پر روزہ کی نیت کرنا

سوال[۶۷۵۱]: زید سے گناہ کبیرہ صادر ہو رہا ہے، وہ بہت کوشش کرتا ہے کہ اس گناہ سے نجات مل جائے، توبہ بھی کرتا ہے اور پختہ ارادہ بھی کرتا ہے، کہ اب نہیں کرے گا، مگر وہ گناہ پھر بھی اس سے صادر ہو جاتا ہے، لہذا اس نے ایک تدبیر سوچی کہ جب اس سے یہ گناہ صادر ہوگا تو وہ ایک ہفتہ روزہ رکھے گا، تاکہ نفسِ امارہ روزہ کی وجہ سے مرجائے، مگر پھر بھی اس سے گناہ صادر ہوا، لہذا اس نے ایک ہفتہ کا روزہ رکھ لیا، مگر جب بہت مرتبہ صادر ہوتا رہا تو کیا پے در پے اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھے، یا فصل کر کے رکھے اور کس وقت رکھے اور کتنے روزے رکھے؟

محمد عرفان، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے صرف دل میں سوچا ہے اور اپنے اوپر بطور نذر و یمین کے لازم نہیں کیا ہے تو اس کے ذمہ ایسے روزوں کا رکھنا لازم نہیں (۱)، البتہ گناہوں کا چھوڑنا اور توبہ کرنا اور توبہ پر پختہ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے

= "إذا قال: لله عليّ أن أصوم أبداً فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة، كان له أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع من الحنطة". (الفتاوی التاتارخانية، كتا ب الصوم، الفصل الحادی عشر فی النذور: ۲/۴۰۹، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس فی النذر: ۱/۲۰۹، رشيديه)

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إن الله تجاوز عن أمتی ما حدثت به أنفسها ما لم تعمل أو تكلّم". (صحيح البخاری: ۲/۷۹۴، كتاب الطلاق، باب الطلاق فی الإغلاق والكره، الخ، قديمی)

(والصحيح لمسلم: ۱/۷۸، كتاب الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالیٰ عن حديث النفس والخواطر بالقلب الخ، قديمی)

(وسنن أبی داؤد: ۱/۳۰۱، كتاب الطلاق، باب فی الوسوسة بالطلاق، سعيد)

"حقيقة النذر التزام الفعل بالقول ممايكون طاعةً لله عزوجل". (أحكام القرآن للتهانوی: ۲/۱۸، سورة آل عمران: ۳۵، إدارة القرآن كراچی)

مدد مانگنا ضروری ہے، اور توبہ کرتے وقت پختہ عہد چاہیے کہ آئندہ نہیں کریگا(۱)، پھر اگر صدور ہو جائے تو پھر توبہ کرے، مایوس کبھی نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔



= "فركن النذر هو الصيغة الدالّة عليه، وهو قوله: لله عزوجل عليّ كذا". (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً، عسى ربكم أن يكفّر عنكم سيئاتكم﴾ (سورة التحريم: ۸)

قال النووي: "التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع من المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً .... وركنها الأعظم الندم". (روح المعاني (سورة التحريم: ۸): ۱۵۸/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل يعبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾. (سورة الزمر: ۵۴)

کتاب الحدود والقصاص والشهادة

باب حدّ الزِنا ومایتعلق به

(حدِّ زنا کا بیان)

زنا کی شرعی سزا کے لئے شرط

سوال[۶۷۵۲]: بکر نے اپنی بہو سے زنا کیا فرنگی کے بدبخت عہد میں۔ اس پر کیا تعزیر لگائیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شرعی حدود قائم کرنے کا حق امیر المومنین کو ہے(۱)، صورت مسئولہ میں ہر دو سے توبہ کرانی چاہئے اور اس نوع کے تعلق کو منقطع کردیا جائے اور اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے ترکِ موالات کردیں (۲)۔ باپ اگر بیٹے

---

(۱) "فیشترط الإمام لاستیفاء الحدود". (ردالمحتار، کتاب الجنایات، مبحث شریف: ۵۴۹/۶، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، الباب الأول فی تفسیره شرعاً و رکنه و شرطه و حکمه: ۱۴۳/۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود، فصل فی کیفیة الحد و إقامته: ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود: ۱۳۳/۳، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الحدود، فصل فی شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) قال الإمام البخاری رحمه الله تعالیٰ: "باب ما یجوز من الهجران لمن عصی". وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ فیه: "أراد بهذه الترجمة بیان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهی مخصوصٌ بمن =

کی بیوی سے زنا کرے تو وہ بیٹے پر حرام ہو جائے گی، پس اگر شرعی شہادت موجود ہے، یا بیٹے کو اس واقعہ کا یقین ہے تو بیٹے پر اپنی زوجہ سے متارکت واجب ہے:

"تحرم المزنیُّ بها علی آباء الزانی وأجداده وإن علوا، وعلی أبنائه وإن سفلوا، كذا فی فتح القدیر". فتاوی عالمگیری: ۱/ ۲۷۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶/ رجب المرجب/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ رجب المرجب/ ۶۱ھ۔

زنا کی سزا جب کہ امامِ وقت نہ ہو

سوال [۶۷۵۳]: جب کہ امامِ وقت نہ ہو، اس شہر یا قصبہ یا محلّہ کے لوگوں کا زانی، زانیہ کے لئے کوئی

= لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباری، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/ ۲۰۹، قديمی)

(وكذا فی شرح صحيح البخاری لابن بطال رحمه الله تعالیٰ، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/ ۲۷۲، مكتبه الرشد الرياض)

(وكذا فی مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۸/ ۷۵۸، رشيديه)

(وكذا فی تكملة فتح الملهم للمفتی محمد تقی العثمانی، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعی: ۵/ ۳۵۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث فی بيان المحرمات وهی تسعة أقسام، القسم الثانی: المحرمات بالصهرية: ۱/ ۲۷۴، رشيديه)

(وكذا فی رد المحتار، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات: ۳/ ۳۲، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات: ۳/ ۱۷۹، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات، ۲/ ۴۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

سزا دینا مثلاً بائیکاٹ یا جرمانہ کر دینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مال کا جرمانہ ناجائز ہے(۱)، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو بائیکاٹ وغیرہ کی سزا دینا درست ہے(۲)، اگر مال کا جرمانہ کیا ہو تو اس کو واپس کر دیا جائے، کذا فی البحر: ۴۱/۵ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، ۲/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''زنا کی شرعی سزا کے لئے شرط'')

(۳) "لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... و الحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق ، كتاب الحدود ، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵ ، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الحدود ، باب التعزير ، مطلب في التعزير بأخذ المال : ۶۱/۴، ۶۲ ،سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ،فصل في التعزير: ۱۶۷/۲ ، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق : كتاب الحدود : ۱۶۵/۳ ، إمداديه ملتان)

ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آجائے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم ، و يردّونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه".

(رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع : ۳۸۵/۶، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق ، كتاب الكراهية ، فصل في البيع : ۳۶۹/۸، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية ، فصل في البيع : ۶۰/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب : ۳۴۹/۵، رشيديه)

زنا کس ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے؟

سوال[۶۷۵۴]: ۱......انہیں دونوں مسئلوں کے تحت ضمیر مذکورہ کو امام بنانا مکروہ ہے یا نہیں (☆)؟ عیدین کی نماز اذان تکبیر، جنازہ کی نماز سب مکروہ ہے یا نہیں؟

۲......کون سا ثبوت ہونے سے زنا کاروں کے پیچھے نماز درست نہیں ہے؟

۳......خواہ کسی قسم کا معاملہ ہو، معاملہ بغیر ثبوت کے ہو تو کیا شریعت کے اعتبار سے مدعیٰ علیہ کو قسم کھلا کر، ہاتھوں میں قرآن دے کر معاملہ کی تحقیق کی جائے، یا مدعیٰ علیہ قسم یا ہاتھوں میں قرآن لینے سے انکار کرے اور کہے کہ اگر میں قصوروار ہوں تو دلیل پیش کریں مجرم ہوں گا، اور دوسروں کے کہنے سے قسم نہیں کھاؤں گا تو کیا قسم نہ کھانے سے مدعیٰ علیہ کو مجرم گردانا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......محض کسی عورت کے کہنے سے ضمیر کو زانی اور مجرم کہنا درست نہیں، اس کی اذان، امامت، نمازِ جنازہ وغیرہ سب درست ہے۔

۲......زنا کے گواہ موجود ہوں یا وہ خود اقرارِ زنا کرے (۱) تب اس کی امامت مکروہ ہوگی جب تک سچی

(☆) اصل نسخہ سے پتہ نہ چل سکا کہ محولہ ''دو مسئلے'' اور ''ضمیر مذکور'' کون سے اور کیا ہیں، لہٰذا جس طرح اصل میں ہے، اسی طرح سوال وجواب نقل کیا گیا۔ (فخرالدین)

(۱) "(ويثبت بشهادة أربعة) رجال (في مجلس واحد) ....(بـ) لفظ (الزنا، لا) مجرد لفظ (الوطء والجماع) .... (فيسألهم الإمام عنه: ماهو): أي عن ذاته، وهو الإيلاج، عيني. (وكيف هو، وأين هو، ومتى زنى، وبمن زنى؟) لجواز كونه مكرهاً أو بدار الحراب أو في صباه أو بأمة ابنه .... (فإن بينوه وقالوا: رأيناه وطئها في فرجها كالميل في المكحلة) .... (وعُدّلوا سراً وعَلناً) .... (حكم به) وجوباً .... (ويثبت) أيضاً (بإقراره) صريحاً صاحياً، ولم يكذبه الآخر، ولا ظهر كذبه بجبه أو رتقها، ولا أقر بزناه بخرساء أوهي بأخرس لجواز إبداء ما يسقط الحد......... (أربعاً في مجالسه): أي المقر (الأربعة، كلما أقرّ ردّه) بحيث لا يراه (وسأله كما مر) حتى عن المزنيّ بها لجواز بيانه بأمة ابنه، نهر. (فإن بينه) كما حق (حُدّ)". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۷، ۹، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود: ۵/۲۱۳، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي بمصر) .... =

توبہ نہ کرے(۱)۔

۳......اگر معاملہ قاضی کے پاس عدالت میں یا شرعی پنچایت میں فیصلہ کے لئے جائے تب مدعی ثبوت پیش کرے، اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی (۲)۔ ہر شخص کو قسم لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۲ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۷،۱۲ رشيديه)

(۱) "ويكره تقديم العبد؛ لأنه لايتفرغ للتعلم، والأعرابي؛ لأن الغالب فيهم الجهل، والفاسق؛ لأنه لايهتم لأمر دينه". (الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الخامس بالإمامة، الفصل الثالث في بيان مايصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، ۸۶، رشيديه)

"أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمة بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "سأل القاضي الخصم عنها، فإن أقرّ حكم عليه، وإن أنكر سأل المدعي البينة، فإن أقامها، وإلا حلف الخصم إن طلبه خصمه ليس لك إلا هذا شاهداك أو يمينه". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الدعوىٰ: ۳/۳۴۷، غفاريه كوئٹه)

"فإن صحت الدعوى سأل المدعى عليه عنها، فإن أقر أو أنكر فبرهن المدعي، قضى عليه، وإلا حلف بطلبه، كذا في كنز الدقائق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الدعوىٰ، الباب الثالث في اليمين، الفصل الأول في الاستحلاف والكنول: ۴/۱۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الدعوى، باب اليمين: ۲/۴۲۰، رشيديه)

"ولزوم اليمين على المنكر". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الدعوىٰ: ۵/۳۰۵، رشيديه)

بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کا حکم

سوال[۶۷۵۵]: اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو کسی مسلم یا غیر مسلم سے زنا کراتے دیکھا، تو غصہ میں آکر اپنی زوجہ وزانی کو قتل کر دیا، تو اس قاتل پر شریعت میں کیا حکم ہے، جب کہ شرع میں حاکمِ وقت کو فیصلہ دینے کا حق ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں ظاہر ہے کہ شرع کے مطابق فیصلہ نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں تفصیل ہے جو کہ فتاویٰ عالم گیری:۲/۲۳۶، میں مذکور ہے: "سئل الهندواني عن رجل جامع امرأته رجلٌ، هل له القتل؟ قال: إن كان يعلم أنه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب بمادون السلاح، لا يحل. وإن علم أنه لا ينزجر إلا بالقتل، حل له القتل. وإن طاوعته المرأة حل له قتلها أيضاً، كذا في النهاية"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۳ھ۔

زانی کی سزا، کیا زنا حقوق العباد سے ہے؟

سوال[۶۷۵۶]: ۱......مریم کی لڑکی صابرہ کا عقد نکاح عبداللہ کے ساتھ ہوا، صابرہ کے بطن سے عبداللہ کے دو بچے: ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ صابرہ کی عمر ۳۵/ سال اور عبداللہ کی عمر ۴۳/ سال ہے۔ زید کی پہلی بیوی مریم کے انتقال کے بعد زید نے دوسری شادی عائشہ سے کی، اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام خالدہ ہے۔ خالدہ کا نکاح عمر سے ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ خالدہ بعد بلوغت کے عمر نابالغ کے گھر آئی۔ عمر اور خالدہ سے شب باشی نہیں ہوئی۔ دوسرے دن دوپہر کو عمر موقع پاکر خالدہ کی چارپائی پر بیٹھا صرف گفتگو ہوئی، شرم کی وجہ

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود ،فصل فی التعزیر : ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الحدود ، باب التعزیر، مطلب: یکون التعزیر بالقتل : ۴/۶۲، ۶۳،سعید)

(کذا فی البحرالرائق ، کتاب الحدود ، فصل فی التعزیر : ۵/۶۹، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق : کتاب الحدود ، فصل فی التعزیر : ۳/۱۶۵، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب الحدود ، نوع مشترکة بین الحدود والجنایات : ۶/۴۳۰، رشیدیه)

سے ہمبستری نہیں ہوئی۔

خالدہ سے بچپن سے جوانی تک کوئی گناہ سرزدنہیں ہوااس کے بعد خالدہ اپنے میکہ واپس آگئی۔خالدہ کے والدانتقال کرگئے۔اپریل ۱۹۵۸ء میں خالدہ اپنی سسرال دوبارہ گئی۔عمراس وقت بالغ ہوچکا تھا،اپنی بیوی خالدہ سے ہمبستر بھی ہوا،خالدہ اس وقت تک پاکدامن رہی۔پھر خالدہ اپنے میکہ واپس آئی۔پھر ماہ نومبر ۱۹۵۸ء میں خالدہ اپنی سسرال آئی اورفروری ۵۹ء میں میکہ واپس آئی۔پھر خالدہ اپریل کے شروع میں سسرال آئی،جولائی ۵۹ء تک ساتھ رہی،اس وقت تک خالدہ سے کوئی حرکت سرزدنہیں ہوئی۔

پھر ۱۹۵۹ء ماہِ اکتوبر میں اپنے خاوندعمر کے گھر گئی،اس سفر میں خالدہ نے عبداللہ کی شکایت عمر کی ماں سے کی کہ اب میں اپنے میکہ کبھی نہیں جاؤں گی،اورنہ آج تک گئی۔عمرکواپنی بیوی کی لغزش کا پتہ امسال ۱۹۷۵ء میں ہوا۔خالدہ اپنی ماں عائشہ کے پاس سوئی تھی،رات کوقضائے حاجت کے لئے گئی تو عبداللہ-اس کا بہنوئی-چارپائی پرسورہاہے،عبداللہ کی چارپائی سے ۱۸/ قدم کی دوری پراپنی حاجت پوری کی،بعدحاجت پوری کرنے کے جب خالدہ واپس ہوئی تو دیکھا عبداللہ اس کے پیچھے آرہاہے اور خالدہ کو پکڑ کر دالان میں زمین پرٹپک کر اسے مجبورولاچارکردیا،جب وہاں سے موقع ملا،غصہ ہوکر خالدہ بھاگی۔

خالدہ یہ بیان دے رہی ہے ایسی شکل میں شریعت عبداللہ کوکیا سزادیتی ہےاورخالدہ کوکیا سزادیتی ہے، خالدہ بَری ہے یانہیں؟

۲......عبداللہ وخالدہ کااپنااپنا نکاح باقی رہایاٹوٹ گیا؟

۳......زناحقوق اللہ ہے یاحقوق العباد ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......زنا کی شرعی سزادینے کے لئے نہ یہاں شرائط موجود ہیں،نہ اتنابیان کافی ہے(۱)۔اگرواقعہ اسی

---

(۱) "فیشترط الإمام لاستیفاء الحدود". (ردالمحتار،کتاب الجنایات،مبحث شریف: ۶/۵۴۹،سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، الباب الأول فی تفسیرہ شرعاً و رکنہ و شرطہ و حکمہ: ۲/۱۴۳، رشیدیہ) ...... =

طرح ہے تو عبداللہ کی یہ حرکت نہایت کمینہ اور خلافِ شرع حرکت ہوئی (۱)، اس کو توبہ کرنا ضروری ہے (۲)، خالدہ سے بھی معافی مانگے اور اس کے شوہر سے بھی (۳)۔ اور ہمیشہ کے لئے ان دونوں میں پردہ کرایا جائے،

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته : ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود : ۳/۱۳۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها : ۹/۲۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وسآء سبيلا﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "يقول الله تعالىٰ ناهياً عباده عن الزنا، وعن مقاربته ومخالطة أسبابه ودواعيه: ﴿و لا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً﴾. (تفسير ابن كثير: ۳/۵۵، مكتبه دارالفيحاء دمشق)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يعمل سوءً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (سورة النساء: ۱۱۰)۔

وقال الله تعالىٰ: ﴿إلا من تاب و اٰمن وعمل صالحاً، فأولٰئك يدخلون الجنة و لا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم : ۶۰)

"و عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : " إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح : باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قديمي)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ الآية (سورة النساء: ۱۱۰)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۳) " وإن كانت عما يتعلق بالعباد ، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة توبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالىٰ على الخروج عن عهدة الأموال و إرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم ، أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث .... و أما إن كانت المظالم في =

کبھی ایک جگہ دونوں تنہائی میں جمع نہ ہونے پائیں، نہ ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ خالدہ کا قصور بھی ہے کہ اس نے عبداللہ سے پردہ نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں تک نوبت آئی۔ اور عبداللہ سے بچنے کے لئے اگر کوشش وتدبر میں کمی کی، مثلاً: اپنی ماں کو فوراً آواز نہیں دی جو کہ قریب ہی تھی تو یہ بھی اس کا قصور ہے۔

۲......اس سب حرکت کے باوجود خالدہ کا نکاح اپنے شوہر سے اور عبداللہ کا نکاح اپنی بیوی سے فسخ نہیں ہوا، بلکہ بدستور باقی ہے۔

۳......جس عورت کی عزت کو خراب کیا جائے جس کی وجہ سے اس کے شوہر کی بھی عزت خراب ہوئی، ان دونوں سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۵ھ۔

زنا کی سزا

سوال[۶۷۵۷]: زید نے بکر پر تہمت لگا کر دو گواہ بمعہ اپنے پیش کئے، دو گواہوں کی شہادت لے کر بکر پر بکرا، یا نقد روپیہ جرمانہ بطورِ کفارہ لگا کر فیصلہ دیا۔ التماس ہے کہ تہمتِ زنا کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی نہیں، یا شرعی طور پر مذکورہ کفارہ ہوسکتا ہے، اگر دو گواہ..........کافی نہیں تو گواہوں کے لئے کیا حکم ہے؟ اور جو مال تہمتِ زنا والے سے لیا گیا وہ کھانا حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہوا، ثبوتِ زنا کے لئے دو گواہ کافی نہیں، چار عینی گواہ ضروری ہیں۔ اگر چار عینی گواہ موجود نہ ہوں تو تہمت لگانے والے اور گواہی دینے والوں پر دارالاسلام میں حاکمِ اسلام حدِ قذف جاری کرے گا۔ اگر شرعی شہادت سے زنا کا ثبوت ہوجائے تو حاکم اسلام دارالاسلام میں حدِ زنا جاری کرے گا:

"ویثبت (الزنا) بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد بلفظ "زنا" لا مجرد لفظ الوطء والجماع، فيسألهم الإمام عنه: ما هو، كيف هو، وأين هو، ومتى زنى؟ فإن بينوه وقالوا: رأيناه

= الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم، الخ". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۸، ۱۵۹، قديمي)

وطئهـا فـي فـرجهـا كـالـميـل فـي الـمـكـحلة، وعُـدّلوا سراً و علانيةً، حكم بـه، اهـ". در مختار: ۲/۲۱۹(۱)۔

"و لـو شهـدوا بـالـزنـا و لـكن هم عميان، أو محدودون في قذف، أو ثلاثةٌ، أو أحدهـم كـذلك بـعـد إقـامة الحد، حُدّوا للقذف إن طلبه المقذوف: أي دون المشهود عليه، لعدم أهلية الشهادة فيهم، أو عدم النصاب، فلا يثبت الزنا، اهـ". درمختار و شامي: ٤/٤٤٦(۲)۔

نیز مال کا جرمانہ شرعاً ناجائز ہے خواہ وہ مال نقد روپیہ ہو یا بکرا وغیرہ کوئی جانور ہو، جو کچھ بھی لیا ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "والـحـاصـل أن الـمـذهـب عـدم التـعـزيـر بـأخذ المال، اهـ". درمختار: ۲/۲٦٥(۳)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۷، ۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۷، ۸، ۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثاني في الزنا: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود: ۲/۵۰٦، ۵۰۷، شركة علميه، ملتان)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۴/۳۳، سعيد)

(وكـذا فـي الـفتـاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، الباب الثاني في الزنا: ۲/۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۵/۳۷، رشيديه)

و(وكذا في النهر الفائق، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۳/۱۴۵، إمداديه ملتان)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/٦۱، ٦۲، سعيد)

"لا يـجـوز لأحـد مـن الـمسـلـميـن أخـذ مال أحد بغير سبب شرعي .... و الحاصل أن الـمـذهـب عـدم التـعـزيـر بـأخـذ المال". (البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/٦۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعز بأخذ المال: ۴/٦۱، ٦۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱٦۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: كتاب الحدود: ۳/۱٦۵، إمداديه ملتان) .... =

ہمارے ملک میں حدود جاری کرنے کی شرائط متحقق نہیں اس لئے حدِ زنا یا حد قذف کا جاری کرنا دشوار ہے(۱)، پس گواہوں کو ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے زنا کی گواہی دی، ان کے سامنے توبہ کریں اور معافی

= ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آجائے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم، و يردّونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه".

(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع : ۳۸۵/۶، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع : ۳۶۹/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع : ۶۰/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب : ۳۴۹/۵، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ حدود قائم کرنے کے لئے دار الاسلام اور امام المسلمین کا ہونا ضروری ہے، جب کہ ہندوستان بعض اہلِ علم کے ہاں دار الاسلام بھی نہیں اور حاکم وقت مسلمان بھی نہیں: "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف : ۵۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه : ۱۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته : ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود : ۱۳۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها : ۲۵۰/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

وقال الحصكفي: "لأنه لا حد في دارالحرب". (الدرالمختار، كتاب الحدود : ۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه : ۲۹/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۱۴۰/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵۱۷/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

چاہئیں۔اسی طرح تہمت لگانے والے کے ذمہ بھی واجب ہے توبہ کرے اور معاف کرائے (۱)۔اور فیصلہ کرنے والے کے ذمہ لازم ہے کہ جو کچھ جرمانہ لیا ہے اس کو واپس کرے (۲)۔اور یہ سب لوگ آئندہ کو ایسی گواہی، تہمت اور فیصلہ سے پختہ عہد کریں۔اور جو شخص اس توبہ کیلئے تیار نہ ہوں اس کو مناسب سزا دی جائے، مثلاً ترکِ تعلق کردیا جائے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرے (۳)۔اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کو بھی چاہیے کہ اپنے طرزِ عمل کو بدل دے، یعنی کسی سے اس قسم کا تعلق اور معاملہ نہ رکھے جس سے دوسروں کو بدگمانی، تہمت کا موقع ملے (۴)، اگر واقعۃً اس سے یہ فعل صادر ہوا ہے تو خدا تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع : أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان ويطلب الرضى عنه حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كماسبق في حقوق الله تعالىٰ". (شرح الملا على القاري على الفقة الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(۲) (راجع رقم الحاشية :۳)

(۳) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدعة واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۸/۷۵۹، رشيديه)

(۴) "اتقوا مواضع التهم" ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه : لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتُّهم". و رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التُّهم فلا يؤمن مَن أساء الظن به". و روى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلايؤمّن من أساء به الظن". (كشف الخفاء، ۱/۴۵، موسسة الرسالة بيروت)

ایضاً

سوال [۶۷۵۸]: حدیث شریف میں لکھا ہے کہ: اگر زناکار مرد اور عورت سات سمندر میں غسل کرے تب بھی پاک نہیں ہوسکتا اور اس کے غسل کے چھینٹوں سے شیاطین پیدا ہو کر زناکاری کرتے ہیں اور یہ سب زانی کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ اگر وہ یہ کام کر کے پھر توبہ کرے تو اس کی عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟ اور اگر زناکار کنوارہ ہے تو سو دُرّے اور اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے گا۔ یہ سزا تو دنیا کی ہے اور آخرت میں کیا سزا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اور عبادت کو قبول کرتے ہیں اور گناہ کو معاف فرماتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچاتے ہیں (۱)۔ زانی کے غسل اور اس کے چھینٹوں سے شیاطین کا پیدا ہونا، جو ہمیشہ زنا کرتے رہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں، البتہ رجم اور دُرّوں کی سزا ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (سورة النساء: ١١٠)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إلا من تاب و اٰمن وعمل صالحاً، فأولٰئک يدخلون الجنة و لا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم: ٦٠)

"و عن علي رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح: باب الاستغفار والتوبة، ص: ٢٠٦، قديمى)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة﴾ الآية (سورة النور: ٢)

"عن عبدالله بن عباس رضى الله تعالى عنهما أن عمر يعني ابن الخطاب خطب فقال: إن الله بعث محمداً بالحق وأنزل عليه الكتاب، فكان فيما أنزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها، ورجم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ورجمنا من بعده. وإني خشيت أن طال بالناس الزمان أن يقول =

ایضاً

سوال[۶۷۵۹]: زنا کا کفارہ کیا ہونا چاہئے، لڑکی اور لڑکے کو الگ الگ ادا کرنا ہوگا یا صرف لڑکے کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کی سزا بہت سخت ہے، وہ یہ کہ شادی شدہ سے اگر یہ حرکت ہو جائے تو سنگسار کر دیا جائے یعنی پتھروں سے مار مار کر بالکل ختم کر دیا جائے، غیر شادی شدہ اگر زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں (۱)۔ لیکن یہ سزا دینے کا ہر ایک کو اختیار نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے جو شرائط ہیں ان میں یہ بھی شرط ہے کہ بادشاہ مسلمان ہو (۲)، اس کے

= قائل: ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله، فالرجم حق على من زنى من الرجال والنساء إذا كان محصناً إذا قامت البينة، أو كان حمل أو اعتراف، وأيم الله! لولا أن يقول الناس: زاد عمر في كتاب الله، لكتبتها". (سنن أبي داؤد، كتاب الحدود، باب في الرجم: ۲۵۸/۲، امداديه)

"و يرجم محصن في فضاء حتى يموت .... و غير المحصن يجلد مأةً". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۱۰/۴، ۱۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود: ۱۳/۵، ۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثالث في كيفية الحد و إقامته: ۱۴۵/۲، ۱۴۶، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۹۱، رقم الحاشيه: ۲)

(۲) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۵۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۱۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۱۳۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

حکم سے شرعی ثبوت کے بعد یہ سزا دی جاسکتی ہے(۱)، اس لئے یہاں اب یہ سزا نہیں دی جاسکتی (۲)۔ مالی کفارہ اس کی سزا نہیں، لہذا مالی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اب توبہ واستغفار کریں اور آئندہ پورا عہد کرلیں کہ کبھی ایسا کام نہیں کریں گے، روزے رکھے، صدقہ دیں، ازخود اپنے نفس کی اصلاح کے لئے، لازمی حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً زنا کی وجہ سے حد

سوال[۶۷۶۰]: زید کے گھر میں فوج کے لباس میں دو مرد داخل ہوئے، اس سے زید سمجھا کہ فوج آگئی اور گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ان دونوں شخصوں نے اس کی عورت کے ساتھ زنا کیا۔ تو ایسی صورت میں عورت

---

(۱) "(ویثبت بشهادة أربعة) رجال (فی مجلس واحد) ....(بـ) لفظ (الزنا، لا) مجرد لفظ (الوطء والجماع) .... (فیسألهم الإمام عنه: ماهو): أی عن ذاته، وهو الإیلاج، عینی. (وکیف هو، وأین هو، ومتی زنی، وبمن زنی؟) لجواز کونه مکرهاً أو بدار الحراب أو فی صباه أو بأمة ابنه ....(فإن بینوه وقالوا: رأیناه وطئها فی فرجها کالمیل فی المکحلة) ....(وعُدّلوا سراً وعَلناً) ....(حکم به) وجوباً ....(ویثبت) أیضاً (بإقراره) صریحاً صاحیاً، ولم یکذبه الآخر، ولاظهر کذبه بجبه أو رتقها، و لا أقر بزناه بخرساء أوهی بأخرس لجواز إبداء ما یسقط الحد.......... (أربعاً فی مجالسه): أی المقر (الأربعة، کلما أقرّ ردّه) بحیث لا یراه (و سأله کما مر) حتی عن المزنیّ بها لجواز بیانه بأمة ابنه، نهر. (فإن بینه) کما حق (حُدّ)". (الدرالمختار، کتاب الحدود: ۷/۴، ۹، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود: ۲۱۳/۵، ۲۲۲، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود: ۷/۵، ۱۲، رشیدیه)

(۲) "وفی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۶۱/۴، سعید)

(رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۶۱/۴، ۶۲، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۱۶۵/۳، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

پر کوئی حد آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شریعت کی طرف سے اس عورت پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی، اس واسطے کہ وہ عورت مُکرہ تھی اور مُکرَہ پر حد نہیں آتی، کذا فی الهداية أخيرين: ۲/۳۳۵، وفتح القدير، ص: ۳۰۶:

"بخلاف المرأة، فإنها محل الفعل ومع الخوف يتحقق التمكين منها، فلايكون التمكين دليل الطواعية، انتهى"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۸ھ۔

جو شخص لڑکی سے زنا پر اصرار کرے اس کی ہلاکت کی تدبیر کا حکم

سوال[۶۷۶۱]: زید اپنی حقیقی لڑکی سے زنا بالجبر کرنا چاہتا ہے اور اس کی لڑکی اور اس کی بیوی دونوں اس بات کے لئے قطعاً آمادہ نہیں ہیں، جس کی وجہ سے وہ اپنی لڑکی اور بیوی کو ہر وقت مارتا پیٹتا ہے۔ اب زید کی بیوی چونکہ اپنے بداطوار شوہر سے بالکل تنگ آچکی ہے جس کی وجہ سے چاہتی ہے کہ یہ کسی طرح مرجائے تاکہ اس قسم کی بدنامی اور گناہ کبیرہ سے نجات مل جائے۔ تو اس شوہر کو قتل کرنے کے لئے کیا اس کی بیوی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی ہلاکت کی یا اپنی ہلاکت کی کوئی تدبیر کرے، مثلاً: خفیہ طور پر زہر وغیرہ کھالینا، یا دیدینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اب اس پریشانی کی حالت میں اس کی بیوی کیا کرے؟

اگر شوہر کے کردار کی لوگوں کو اطلاع دیتی ہے تو اس کی جان کا بھی خطرہ ہے۔ اور زید کے اس اصرار کی وجہ سے اس کے ایمان میں کوئی فتور آیا یا نہیں؟

---

(۱) "لم أجد في فتح القدير، وبلفظه في العناية: كتاب الإكراه، فصل: ۹/۲۴۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في هامش الهداية، كتاب الإكراه، فصل، رقم الحاشية: ۱۸/۳/۳۴۸، إمداديه ملتان)

الجواب حامداًومصلیاً:

بیوی کو نہ خودزہر کھانے کی اجازت ہے(۱)، نہ اس کمینہ شوہرکوزہرکھلانے کی اجازت ہے(۲)، بلکہ شوہر سے لڑکی کوعلیحدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ قابونہ پاسکے،اس کی بہترصورت یہ ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے خاندان میں اس کا نکاح کردیا جائے، اگر چہ والد رضامند نہ ہو۔ زید اس بے حیائی اور بدترین معصیت پر اصرارکررہاہےتو نہایت خطرناک حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے۔ اگر زید خدانخواستہ ایسی حرکت کرگزرے گا، یا لڑکی کوشہوت سے بوس وکنار کرلےتو اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۰/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۰/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم : "من تردّی من جبل فقتل نفسه، فهو فی نارجهنم يتردی فيها خالداً مخلداً فيها أبداً. ومن تحسی سمًّا، فقتل نفسه، فسمه فی يده يتحساه فی نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً. ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته فی يده يتوجأ بها فی بطنه فی نارجهنم خالداً مخلداً فيها أبداً" متفق عليه .... قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم : "الذی يخنق نفسه يخنقها فی النار، والذي يطعنها يطعنها فی النار". رواه البخاری". (مشكاة المصابيح، كتاب القصاص ، الفصل الأول، ص: ۲۹۹، قديمی)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأنی رسول الله إلا بإحدی ثلث : النفس بالنفس ، والثيب الزانی، والمارق لدينه التارک للجماعة". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب القصاص ، الفصل الأول، ص: ۲۹۹، قديمی)

(۳) "(و) حرم أيضاً بالصهرية (أصل مزنيته) .... (و) أصل (ممسوسته بشهوة)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات : ۳۲/۳، سعيد)

"و من مسته امرأةٌ بشهوة، حرمت عليه أمها و بنتها". (الهداية، كتاب النكاح ، فصل فی بيان المحرمات: ۳۰۹/۲، مكتبه شركة علميه ملتان) ....=

زنا کی معافی کی صورت

سوال[۶۷۶۲]: اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوتو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کونسا ایسا کام کرے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ نہ ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سچے دل سے توبہ کرے، خداوند تعالیٰ کے سامنے روئے، معافی مانگے، آئندہ کو بچنے کا پختہ عہد کرے، انشاء اللہ تعالیٰ توبہ قبول ہوگی: ﴿و من يعمل سوءاً أويظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ الآية(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ۔

طلاق کے بعد عورت کو رکھنے کی سزا

سوال[۶۷۶۳]: اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے اور عدت گزارنے کے بعد بلا نکاح اپنے یہاں رکھے اور عورت رہے تو شرع شریف میں ایسے مرد وعورت کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جانا چاہئے؟

پیر جی مجیب الرحمٰن، معرفت سب پوسٹ ماسٹر، قصبہ جھنجھانہ، ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر حکومتِ اسلامیہ ہو اور قواعدِ شرعیہ کے موافق ان دونوں کا جماع کرنا ثابت ہوجائے تو چونکہ یہ

= "لو أيقظ زوجته أو أيقظته لجماعها فوقعت يده على بنته المشتهاة أو يدها على ابنه من غيرها، حرمت عليه زوجته حرمةً مؤبدةً، كذا في الفتح. وقيد بابنه من غيرها ليعلم ما إذاكان منها بالأولى".
(النهر الفائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۹۲/۲، إمداديه ملتان)

(۱) (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جآء وك، فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول، لوَجدوا الله تواباً رحيماً﴾ (سورة النساء: ۶۴)

"عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : =

زنا ہے(۱) اس لئے حدِ زنا (رجم یا جلد) جاری کی جائے (۲)۔ اگر جماع کرنا ثابت نہ ہو، ان پر تعزیر ہوگی۔ اور حکومتِ اسلامیہ نہ ہونے کی صورت میں ان سے عام مسلمین کو قطعِ تعلق کر دینا چاہئے تا کہ وہ تنگ

= "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح : باب الاستغفار و التوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمى)

(۱)" والزنا وطء مكلفٍ ناطق طائع فى قُبل مشتهاة خال عِن ملكه و شبهته فى دار الإسلام، أو تمكينه من ذلك أو تمكينها ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الحدود : ۴/۴، ۵، ۶، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الحدود : ۵/۶، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ، الباب الثانى فى الزنا: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۵/۲۴۸. مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں کوڑے لگائے جائیں گے:

قال الله تعالىٰ: ﴿الزانية والزانى فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة﴾ الآية (سورة النور: ۲)

"عن عبدالله بن عباس رضى الله تعالى عنهما أن عمر يعنى ابن الخطاب خطب فقال: إن الله بعث محمداً بالحق وأنزل عليه الكتاب، فكان فيما أنزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها، ورجم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ورجمنا من بعده. وإنى خشيت أن طال بالناس الزمان أن يقول قائل: ما نجد آية الرجم فى كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله، فالرجم حق على من زنى من الرجال والنساء إذا كان محصناً إذا قامت البينة، أو كان حمل أو اعتراف، وأيم الله! لولا أن يقول الناس: زاد عمر فى كتاب الله، لكتبتها". (سنن أبى داؤد، كتاب الحدود، باب فى الرجم: ۲/۲۵۸، امداديه)

"و يرجم محصن فى فضاء حتى يموت .... و غير المحصن يجلد مأةً". (الدرالمختار، كتاب الحدود : ۴/۱۰، ۱۳، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق ، كتاب الحدود : ۵/۱۳، ۱۴، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ،الباب الثالث فى كيفية الحد و إقامته : ۲/۱۴۵، ۱۴۶، رشيديه)

آ کر توبہ کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زنا کا اقرار اپنے حق میں معتبر ہے

سوال[۶۷۶۴]: مسجد کی کمیٹی کے دو اَراکین نے پہلے ہندہ کی بدچلنی اور اس کا کسی اَور سے تعلقات کا ذکر بکر سے کیا تھا (مگر بعد میں بکر سے نکاح کرنے کے لئے دو اَراکین نے بھی جوق در جوق حصہ لیا) ہندہ کوئی کنواری بالغہ نہیں بلکہ بیوہ اور تین بچوں کی ماں ہے، جو گھر سے باہر رہ کر مزدوری کرتی ہے اس کے سب سے بڑے لڑکے کی عمر ۱۳/ اور ۱۴/ سال کے مابین ہے۔ کیا ایسی حالت میں مطابقِ شریعتِ اسلامیہ ہندہ کا بیان قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں صرف کنواری بالغہ کا بیان قابلِ اعتبار سمجھا جاسکتا ہے، بیوہ کا نہیں۔ بتایئے ان اصحاب کی رائے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ اپنے حق میں زنا کا اقرار کرلے تو وہ معتبر ہوگا، لیکن بکر یا کسی اَور کے متعلق اقرار کرے تو محض اس کے اقرار سے بکر یا کسی اَور کو زانی قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک شرعی ثبوت موجود نہ ہو، کذا فی البحر الرائق (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

محض عورت کے بیان سے مرد کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا

سوال[۶۷۶۵]: بکر کی ہندہ سے مباشرت کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہے، کیا ایسی حالت میں مذکورہ ہندہ کا بیان قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہرگز نہیں، کذا فی البحر الرائق (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "ویثبت بشهادة أربعة بالزنا .... وبإقراره أربعاً فی مجالسه الأربعة .... معطوف علی "بالبینة": أی یثبت الزنا بإقراره". (البحر الرائق، کتاب الحدود: ۵/۷-۱۰، رشیدیه)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

کفارۂ زنا

سوال[۶۷۶۶]: رحمت ایک غیر شادی شدہ لڑکی تھی، جب وہ سنِ بلوغ کو پہونچی، ابھی اس کا شوہر بالغ نہیں ہوا تھا کہ اس کا خالد کے لڑکے بکر کے ساتھ محبت کا تعلق استوار ہوگیا اور ناجائز طور پر ایک دوسرے کا اختلاط ہونے لگا۔ جب سرپرستوں کو اس کا علم ہوا، اور اس لڑکی کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے بکر سے ملنا جلنا ترک کردیا۔ اس مذکورہ واقعہ کے دَوران جب کہ خلط ملط ہوتے تو باہمی جنسی پیاس بھی بجھتی رہی۔ اب وہ لڑکا بھی شادی کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سنگسار کرنا یا دوسال کے لئے شہر بدر کرنا ممکن نہیں ہے تو کفارہ اس گناہ کا کیا ہے، کیا فقیروں کو کھانا کھلا پلا دیں یا روزہ رکھیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنسی ناجائز تعلق کی سزا بہت سخت ہے(۱) اور شرائط بھی سخت ہیں، مگر وہ شرائط آج کے دَور میں یہاں موجود نہیں، اس لئے وہ سزا نہیں دی جاسکتی (۲)۔ روزہ یا کھانا کھلانا اس کی سزا نہیں، اب تو بس یہی ہے کہ خدا کے سامنے رو کر انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کریں (۳)، تطہیرِ نفس کے لئے روزہ رکھیں تو یہ بھی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة، ولاتأخذكم بهما رأفة في دين الله إن كنتم تومنون بالله واليوم الآخر، وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين﴾ (سورة النور: ۲)

(۲) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۳۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿قل يٰعبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب =

مفید ہے، مگر یہ شرعی حکم نہیں، جس قدر روزے رکھیں زیادہ فائدہ ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔



= جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۳)

"أن لها ثلثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل عن صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم . واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يامعشر الشباب من استطاع منكم الباءة، فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲/۲٦۷، قديمي)

"فالمعنى أن الصوم يقطع الشهوة ويدفع شر المني كالوجاء . قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: وكان الظاهر أن يقول: فعليه بالجوع وقلة مايزيد في الشهوة وطغيان الماء من الطعام، فعدل إلى الصوم؛ إذ ماجاء لمعنى عبادة هي برأسها مطلوبة، وليؤذن بأن المطلوب من نفسي الصوم الجوع وكسر الشهوة، وكم من صائم يمتلي معي، اهـ. ويحتمل أن يكون الصوم فيه هذا السر والنفع لهذا المرض، ولو أكل وشرب كثيراً إذا كانت فيه صحيحة، ولأن الجوع في بعض الأوقات والشبع في بعضها ليس كالشبع المستمر في تقوية الجماع، والله أعلم". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۰۸۰): ٦/۲٦۲، رشيديه)

باب حد القذف

(حدِ قذف کا بیان)

کسی کو "حرام زادہ" کہنا

سوال[۶۷۶۷]: کسی مسلمان کو شرعاً حرام زادہ کہنا کیسا ہے اور کہنے والے پر کیا حکم عائد ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گناہ ہے(۱)، اگر تمام شرائط متحقق ہوں تو کہنے والے پر حدِ قذف جاری کی جائے گی:

"ولو قال: یاولد الزنا، أو قال: یا ابن الزنا!، وأمه محصنة، حُدّ؛ لأنه قذفها بالزنا، کذافی التمرتاشی". فتاوی هندیة، کتاب الحدود،الباب السابع فی حد القذف والتعزیر(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۵۹/۲/۱۹ھ۔

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "سباب المسلم فسوق، وقتاله کفر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم من کتاب الأداب، ص: ۴۱۱، قدیمی)

"وعن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "أربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق، حتی یَدَعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث کذب، و إذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص:۱۷، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۶۲/۲، رشیدیه) .... =

بلاثبوت کسی کو ''زانی'' اور ''سارق'' کہنا

سوال[۶۷۶۸]: زید ایک زبردست عالم وفاضل ہے، دسیوں ادارے چلاتا ہے، ہزاروں لوگ اس کے مرید ہیں، منکرات کی مجالس میں شرکت نہیں کرتا ہے، کسی کی دعوت قبول نہیں کرتا، حلال کی کمائی کھاتا ہے۔ اب بعض لوگ بغیر کسی ثبوت کے اس کو زانی، بدکار اور چور کہتے ہیں، تو ان کہنے والوں کی شرعاً کیا سزا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

بغیر شرعی ثبوت کے کسی کو زانی کہنا سخت جرم ہے جس کی سزا حدِ قذف (اسّی کوڑے) ہے(۱) اور دوسرے جھوٹے الزام لگانا بھی کبیرہ گناہ ہے(۲)، مگر حدِ قذف جاری کرنے کی شرائط یہاں موجود نہیں، اس

= (وكذا في فتح القدير للحافظ ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۳۲۲/۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل: و أما الذي يرجع إلى المقذوف به فنوعان: ۴۲/۷، سعيد)

(۱) "هو (أي القذف) لغةً الرمي، و شرعاً الرمي بالزنا، و هو من الكبائر بالإجماع .... هو (حدّ القذف) كحد الشرب كميّةً و ثبوتاً". (الدرالمختار). "(قوله: كميةً): أى قدراً، وهو ثمانون سوطاً".

(ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴۴/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴۸/۵، ۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۱۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب في حد القذف: ۱۵۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵۲۹/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يكسب خطيئةً أو إثماً، ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً و إثماً مبيناً﴾ (سورة النسآء: ۱۱۲)

لئے جاری نہیں کی جاتی (۱)۔ جس پر تہمت لگائی ہے، اس سے معافی مانگنا (۲) اور توبہ کرنا ضروری ہے (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) "فیشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۵۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۱۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۱۳۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إنى قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذى قال عليه البهتان ويطلب الرضى عنه حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كماسبق في حقوق الله تعالىٰ". (شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يعمل سوءاً أويظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إلا من تاب و اٰمن وعمل صالحاً، فأولئك يدخلون الجنة و لا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم: ۶۰)

"و عن على رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح: باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قديمى)

جھوٹا الزام لگانے کی سزا

سوال[۶۷۶۹]: اگر کوئی مسلمان بیجا طور پر کسی مسلمان پر جھوٹا الزام قائم کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ از روئے قرآن وحدیث بحوالہ کتب دلائل بیان فرمائیں۔

مستفتی: حکیم مولوی محمد سلیمان صاحب، رام گڑھ، ضلع گیا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے شخص کو ضروری ہے کہ جس شخص پر جھوٹا الزام لگایا ہے اس سے معافی چاہے(۱)، اگر وہ معاف کردے اور یہ آئندہ ایسی حرکت سے صدقِ دل سے توبہ کرلے تو خیر، ورنہ اس کو ترکِ تعلقات وغیرہ کی سزا دی جائے حتی کہ تنگ آکر توبہ کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

افتراء اور بہتان کی سزا

سوال[۶۷۷۰]: افتراء پرداز واتہام طراز کی شرعی کیا سزا ہے؟

---

(۱) (راجع، ص: ۱۰۳، رقم الحاشية: ۲)

(۲) قال الإمام البخاری رحمه الله تعالیٰ: "باب ما يجوز من الهجران لمن عصى". وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ فيه: "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهی مخصوصٌ بمن لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباری: كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمی)

(وكذا فی شرح صحيح البخاری لابن بطال رحمه الله تعالیٰ، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبه الرشد الرياض)

(وكذا فی مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا فی تكملة فتح الملهم للمفتی محمد تقی العثمانی، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعی: ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتان کی سزا، اس کی نوعیت اور سزا دینے والوں کی قدرت کے اعتبار سے مختلف ہے، جس پر بہتان لگایا جاوے تو اس کی حیثیت کا خیال ہوتا ہے، کلی حکم علی الاطلاق دشوار ہے، جیسا کہ باب التعزیر میں ہے(۱)، اس لئے اس کا گناہ کبیرہ ہونا ظاہر ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

شبہ کی بنا پر تہمت لگانا

سوال[۶۷۷۱]: ایک شخص کے متعلق لوگ کہتے ہیں شبہ کی بنا پر یعنی (زنا کرنے کا) اور زنا کرتے کسی نے نہیں دیکھا اور دس آدمی شبہ کرتے ہیں، اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے، اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض شبہ سے اس کو زنا کی تہمت لگانا حرام ہے(۳) اور اس کو تہمت کی جگہ سے بچنا واجب ہے(۴)،

---

(۱) "هو (أی التعزیر) تأدیب دون الحد أکثر تسعة وثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة". (الدرالمختار). "(قوله: أکثره تسعة وثلاثون سوطاً) .... فکأنه یری أن مادونها لایقع به الزجر، ولیس کذلک بل یختلف ذلک باختلاف الأشخاص .... فیکون مفوّضا إلی رأی القاضی یقیمه بقدر مایری المصلحة فیه .... فلو رأی أنه ینزجر بسوط واحد، اکتفی به". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۰، سعید)

(۲) (راجع الحاشیة الآتیة)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿و من یکسب خطیئةً أو إثماً ثم یرم به بریئاً، فقد احتمل بهتاناً و إثماً مبیناً﴾ (النساء: ۱۱۲)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات" قالوا: یا رسول الله! وما هن؟ قال: "الشرک بالله و السحر .... و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر و علامات النفاق، الفصل الأول، ص:۱۷، قدیمی)

(۴) "اتقوا مواضع التهم" ذکره فی الإحیاء. وقال العراقی فی تخریج أحادیثه: لم أجد له أ لکنه بمعنی قول عمر: "من سلک مسالک الظن اتُّهم". و رواه الخرائطی فی مکارم مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التُّهم فلا یؤمن مَن أساء الظن به". و روی الخطیب ف

اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زوالِ بکارت کی وجہ سے تہمت

سوال[۶۷۷۲]: زید نے نئی شادی کی باکرہ لڑکی سے، تو زید جب اول شب میں اس لڑکی کے پاس ہمبستری کے واسطے جاتا ہے تو اس کی بکارت کو زائل پاتا ہے۔ تو شریعت کی رو سے اس پر کیا گمان کرنا چاہئے، یعنی کس قدر فرج کی کشادگی محل بدگمانی ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی وجہ سے اس باکرہ کو قطعی طور پر تو بدکار نہیں کہا جاسکتا (۱)۔ زوالِ بکارت کے بعد کشادگی کی

= والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلايؤمّن من أساء به الظن". (كشف الخفاء للعلامة العجلوني: ۱/۴۵، موسسة الرسالة بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين امنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ الآية (سورة الحجرات: ۱۲)

قال الحافظ عماد الدين: "يقول تعالىٰ ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن و هو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غيرمحله؛ لأن بعض ذلك يكون إثماً محضاً، فليجتنب كثيراً منه احتياطاً". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

وقال أبو بكر الجصاص: "وأما الظن المحظور، فهو سوء الظن بالله تعالىٰ .... وكذلك سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهرُهم العدالةُ محظورٌ مزجورٌ عنه، وهو من الظن المحظور المنهيّ عنه .... عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث". فهذا من الظن المحظور و هو ظنه بالمسلم سوءاً". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۰۵، ۴۰۶، دار الكتب العربي بيروت)

مقدار کوئی متعین نہیں جس سے اس کو متہم ہی کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

بہو کو سخت لفظ کہنے پر حد

سوال[۶۷۷۳]: مسمی ایوب شاہ نے روبرو دو آدمیوں کے اپنی حقیقی بہو اور اپنے حقیقی بھتیجے کی عورت کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا کہ میں قبل ازاں ان کو نصیحت کرتا رہا کہ پردہ کیا کرو، لیکن انہوں نے میری نصیحت پر عمل نہیں کیا، اب میں بجائے نصیحت کے ان بہوؤں پر پیشاب کروں گا۔ تو کیا ایسے شخص پر حد واجب ہوگی، ایسے شخص کے متعلق ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے الفاظ کا استعمال کرنا سخت مذموم وناپسند ہے(۱)، آئندہ ہرگز ایسے الفاظ نہ کہیں، استغفار کریں، کوئی حد ان کو نہ لگائی جائے کہ حد واجب نہیں (۲)۔ البتہ بہوؤں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ کرنے کی تاکید کی جائے اور ان کو بھی تاکید کی جائے کہ وہ شریعت کے مطابق پردہ کا اہتمام رکھیں، بے پردگی میں بہت

---

(۱) "عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتالہ کفر". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر: ۱/۵۸، قدیمی)

"عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول، ص: ۱۲، قدیمی)

"وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من لسانہ": أی: بالشتم واللعن والغیبة والبهتان والنمیمة، الخ". (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۱۴۳، رشیدیہ)

(۲) "الحد عقوبة مقدرة وجبت حقاً للہ تعالیٰ". (الدرالمختار). "(قولہ: مقدرة): أی مبیّنة بالکتاب أو السنة أو الإجماع، قهستانی. أو المراد لها قدر خاص". (رد المحتار، کتاب الحدود: ۴/۳، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود: ۵/۳، رشیدیہ)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود. ۳/۱۲۴، رشیدیہ)

فتنے ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اپنے ولدالحرام ہونے کا اقرار

سوال[۶۷۷۴]: ایک شخص کہتا ہے کہ میں ولدالحرام ہوں، یہ گناہ میرے اوپر ہے یا کہ میری والدہ پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا اس کہنے والے کو تحقیق ہے کہ وہ ولدالحرام ہے، اگر تحقیق کر چکا ہے اور والدہ نے زنا کا اقرار کر کے اس کو بتایا ہے تب تو والدہ گنہگار ہے(۲)، اگر تحقیق نہیں کیا تو کہنے والا خود گنہگار ہے کہ اپنی والدہ پر زنا کا الزام

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وقل للمؤمنٰت يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن، ولا يبدين زينتهن إلا ماظهر منها، وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ (سورة النور: ۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وقرن في بيوتكن، ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۴)

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن المرأة تقبل في صورة شيطان، وتدبر في صورة الشيطان". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۲/۲۶۸، قديمى)

"وعنه (ابن مسعود) : عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المرأة عورة فإذا خرجت، استشر فها الشيطان". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثانى: ۲/۲۶۹، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ:﴿ و لا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وسآء سبيلا﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "يقول الله تعالىٰ ناهياً عباده عن الزنا، وعن مقاربته ومخالطة أسبابه ودواعيه: ﴿و لا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً﴾. (تفسير ابن كثير: ۳/۵۵، مكتبه دار الفيحاء دمشق)

لگاتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۸/۴/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔



(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و من يكسب خطيئةً أو إثماً، ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً و إثماً مبيناً﴾ الآية (سورة النساء: ۱۱۲)

"وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يا رسول الله! وما هن؟ قال: "الشرك بالله والسحر .... و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات". متفق عليه".

(مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان ، باب الكبائر و علامات النفاق، ص: ۱۷، قديمی)

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

گالی دینے کی سزا

سوال[۶۷۷۵]: مسمی احمد یاسین نے اپنی ماں، اپنی بہن، اپنی بھانجی اور اپنے بہنوئی کو گالیاں دی ہیں جس کے گواہ موجود ہیں۔ ایسے شخص کی کیا سزا ہے تاکہ اس کو برادری شرعی سزا دے سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گالی دینا بہت بُری بات ہے، فسق ہے(۱)، اس کی عادت ڈالنا منافق کی علامت ہے(۲)، گالی دینے والے کو لازم ہے کہ ایسی عادت سے باز آئے، توبہ کرے، جس کو گالی دی ہے اس سے معافی مانگے(۳)، آئندہ

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله کفر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم من کتاب الأداب، ص: ۴۱۱، قدیمی)

(۲) "وعن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق، حتی یدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث کذب، و إذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص:۱۷، قدیمی)

(۳) "وأما إذا کانت المظالم فی الأعراض کالقذف والغیبة، فیجب فی التوبة فیها مع ماقدمناه فی حقوق الله أن یخبر أصحابها بماقال من ذلک و یتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم یکن ذلک فیه، فإنه یحتاج إلی التوبة فی ثلاثة مواضع: أحدها: أن یرجع إلی القوم الذین تکلم بالبهتان عندهم، فیقول: إنی قد ذکرت عندکم بکذا وکذا، فاعلموا أنی کنت کاذباً فی ذلک. والثانی: أن یذهب إلی الذی قال علیه البهتان ویطلب الرضی عنه حتی یجعل فی حل منه. والثالث: أن یتوب کماسبق فی حقوق الله =

کو عہد کرے کہ آئندہ کبھی گالی نہیں دوں گا، جس کا جس قدر شریعت نے احترام لازم قرار دیا ہے، برابر احترام ملحوظ رکھے(۱)۔

بعض گالی ایسی ہیں کہ جس پر تعزیر آتی ہے(۲) جو کہ قاضی شرعی کا حق ہے کہ جتنے کوڑے مناسب سمجھے لگائے، حد کے کوڑے تک نہ پہونچے(۳)۔ بعض گالی ایسی ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے حد لازم آتی ہے(۴)

= تعالیٰ". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قدیمی)

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أنها قالت: أمرنا رسولُ الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أن ننزل الناس منازلهم". (مقدمة الصحیح لمسلم: ۱/۴، قدیمی)

(۲) "(وعزر) الشاتم (بیا کافر، یا خبیث، یا سارق، یا فاجر، یا مخنث، یا خائن، یا لوطی، یازندیق)".
(الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۹، سعید)

(و کذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۵/۷۱، رشیدیه)

(و کذا فی النهر الفائق: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۳/۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹ إمدادیه ملتان)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۸، رشیدیه)

(۳) "هو (أی التعزیر) تأدیب دون الحد، أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة". (الدرالمختار).
"(قوله: أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً) لحدیث: "من بلغ حداً فی غیر حد، فهو من المعتدین". و حد الرقیق أربعون، فنقص عنه سوطاً .... (وقوله: ثلاثة): أی أقل التعزیر ثلاث جلدات، وهکذا ذکره القدوری. فکأنه یری أن ما دونها لا یقع به الزجر، ولیس کذلک، بل یختلف ذلک باختلاف الأشخاص، فلا معنی لتقدیره مع حصول المقصود بدونه، فیکون مفوّضاً إلی رأی القاضی یقیمه بقدر ما یری المصلحة فیه .... فلو رآی أنه ینزجر بسوطٍ واحد، اکتفی به". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۰، سعید)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۳۴۵، مصطفی البابی الحلبی مصر)

((و کذا فی منحة الخالق حاشیة البحرالرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۶۹، رشیدیه)

(۴) "و یحد الحر أو العبد قاذف المسلم الحر البالغ العاقل العفیف بصریح الزنا، أو بزنأت فی الجبل، أو لست لأبیک، أو لست بابن فلان لأبیه و أمه محصنة فی غضب". (الدرالمختار، کتاب الحدود، =

جس کا حق امام اعظم سلطان، وقت کو ہوتا ہے، اَوروں کونہیں ہوتا، اس لئے ایسی سزا اس ملک میں دشوار ہے(۱)۔ نیز اس کے لئے شرائطِ ثبوت بھی ہیں کہ بغیر ان کے تحقق کے ثبوت نہیں ہوسکتا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱/۱۵ھ۔

= باب حد القذف : ۴/۴۵، ۴۶، ۴۷، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود ، باب حد القذف : ۵/۳۱۶، ۳۲۰، ۳۲۱، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ، الباب السابع في حد القذف والتعزير : ۲/۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ حدود قائم کرنے کے لئے دارالاسلام اور امام المسلمین کا ہونا ضروری ہے، جب کہ ہندوستان بعض اہل علم کے ہاں دارالاسلام نہیں اور حاکم وقت مسلمان بھی نہیں: "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات ،مبحث شريف : ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه : ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود ، فصل في كيفية الحد و إقامته : ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود : ۳/۱۳۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود ، فصل في شرائط جواز إقامتها : ۹/۲۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

وقال الحصكفي: "لأنه لا حد في دارالحرب". (الدرالمختار، كتاب الحدود : ۴/۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق ، كتاب الحدود ، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه : ۵/۲۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۳/۱۴۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود ، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۲/۵۱۷، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۲) "و يثبت بإقراره مرةً واحدةً، وبشهادة رجلين، كما في سائر الحقوق .... و لا يثبت بشهادة =

گالی دینا

سوال[۶۷۷۶]: ہماری برادری میں ایک شادی غیر شرعی رسوم اور ڈھول باجوں کے ساتھ ہوئی، اب ایسے رشتہ کی وجہ سے چار بھائی: محمد بشیر، گلاب الدین، عبدالخالق، محمد صادق ولد ناصر الدین ایک دوسرے کو گالی گلوچ ماں باپ کو دیتے ہیں۔ ان میں سرفہرست ہیں: محمد صادق گالی دیتا ہے عبدالخالق کی بیوی کو اور عبدالخالق گالی دیتا ہے محمد صادق کی بیوی کو۔ گلاب الدین کی رپورٹ ہے کہ میں ان سب کا بڑا بھائی ہوں جو کہ باپ کی جگہ ہے۔ ماسٹر محمد بشیر صاحب جب کوئی بات کہتا ہے تو کہتا ہے کہ تیرے منہ میں پیشاب کروں۔ لہٰذا ایسے آدمیوں کے لئے قرآن وحدیث میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گالی دینا اور کسی کی بیوی پر بہتان لگانا خاص کر بڑے بھائی کو گالی دینا شرعاً نہایت بُرا ہے، اس کی معافی مانگنا ضروری ہے(۱)، آئندہ کو پورا پرہیز کریں۔ احادیث میں آتا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے(۲)

= النسآء مع الرجال، ولا بالشهادة على الشهادة، ولا بكتاب القاضي إلى القاضي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۱۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴۴/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴۹/۵، رشيديه)

(۱) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان ويطلب الرضى عنه حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كماسبق في حقوق الله تعالىٰ". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر .... الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سباب لمسلم فسوق وقتاله كفر: ۵۸/۱، قديمي)

اور یہ منافق کی علامت ہے، کذا فی مسلم(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفی عنہ، چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۴۰۶ھ۔

کسی کو شیطان کہنا

سوال[۶۷۷۷]: کسی شخص کو شیطان کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص شیطانی کام کرتا ہے تب بھی اس کو شیطان نہیں کہنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا شرعی قوانین عالمِ دین پر بھی لاگو ہیں؟

سوال[۶۷۷۸]: کیا عالمِ دین پر شرعِ اسلامی کے قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرعِ اسلامی کے قوانین سب کے لئے ہیں، عالمِ دین مستثنیٰ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها: إذا حدث کذب، وإذا عاهد غدر، وإذا وعد أخلف، وإذا خاصم فجر". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تنابزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإیمان، ومن لم یتب، فأولئک هم الظّٰلمون﴾ (الحجرات: ۱۱)

و قال الحافظ عماد الدین رحمه الله تعالیٰ: "و قوله تعالیٰ: ﴿و لا تنابزوا بالألقاب﴾: أی لا تدعوا بالألقاب، وهی التی یسوء الشخص سماعها". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۱۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳) چونکہ خطاباتِ شرع کا مکلّف ہر ذی عقل ہے، لہٰذا اس میں عالم وغیر عالم سب برابر ہیں، کما قال العلامة التفتازانی: "ولا یصل العبد مادام عاقلاً بالغاً إلی حیث یسقط عنه الأمر والنهی، لعموم الخطابات الواردة =

بدعہدی کرنے والے کا حکم

سوال[۶۷۷۹]: ایسے شخص کے لئے شریعت نے کیا سزا تجویز فرمائی ہے جو کسی شرعی فیصلہ پر عمل کرنے کا عہد کرنے کے بعد بدعہدی کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عہد کرکے اس کے خلاف کرنا بلا عذر شرعی گناہ ہے(۱)، اگر عہد میں الفاظِ یمین تھے تو قسم کا کفارہ بھی ادا کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وطی بہیمہ

سوال[۶۷۸۰]: زید نے حیوان سے ارتکابِ زنا کیا اور حدیث شریف میں وارد ہے: "من أتى

= فی التکالیف، وإجماع المجتهدین علی ذلک". (شرح العقائد النسفیة، ص:۱۶۶، مبحث: لا یبلغ ولی درجة الأنبیاء، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲۵۹/۴، مطلب فی معنی درویش درویشان، سعید)

(وکذافی النبراس، اختلفوا أن نبوة النبی أفضل أم ولایة ولی، ص:۵۶۲)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و أوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا﴾ الآیة (سورة الإسراء: ۳۴)

"وعن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قلّما خطَبَنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلا قال: "لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لاعهد له". (مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الثانی، ص:۱۵، قدیمی)

(۲) "وحکم الیمین بالله تعالیٰ عند الحنث وجوب الکفارة". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الأیمان: ۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الأول فی تفسیر ها شرعاً و رکنها، الخ: ۵۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الأیمان: ۷۰۸/۳ سعید)

البهيمة فاقتلوه واقتلوا البهيمة"(۱)۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حیوان موطوءہ سے انتفاع وغیرہ حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہ؟ اور زید سے بحکم شرع شریف کیا معاملہ کیا جاوے گا؟ تمام شقوں کو مبرہن بحوالہ کتب وصفحہ تحریر فرمادیں۔ اور معنی حدیث موصوف بھی واضح کیا جاوے اور حیوان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

"ولايُحد بوطى بهيمة بل يعزر، وتذبح، ثم تحرق، ويكره الانتفاع بها حيةً وميتةً، مجتبى. وفى النهر: الظاهر أنه يطالب ندباً لقولهم: تضمن بالقيمة، اهـ". در مختار(۲)۔

"وما روى عن عمر رضى الله تعالىٰ عنه أنه أتِىَ برجل وقع فى بهيمة، فعزر الرجل وأمر البهيمة فأحرقت، كان لقطع التحدث به؛ لأنه ما دامت باقيةً يتحدث الناس به، فيحرقه بالنار بذلك، لا لأن الإحراق واجب. ثم إن كانت الدابة مما لا يوكل لحمها، تذبح وتحرق، لماذكرنا. وإن كانت مما يوكل لحمها تذبح و توكل عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، و قالا: تحرق هذه أيضاً. هذا إن كانت البهيمة للفاعل، وإن كانت لغيره، يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بقيمتها، ثم تذبح، هكذا ذكروا، ولا يعرف ذلك إلا اسماعاً، فيعمل عليه، اهـ". زيلعى(۳)۔

---

(۱) (سنن أبى داؤد، كتاب الحدود، باب من أتى البهيمة: ۲/۲۶۵، امداديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۴/۲۶، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۵/۲۸ رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۵/۲۶۵، مصطفى البابى الحلبى بمصر)

(۳) (تبيين الحقائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۳/۵۸۰، دارالكتب بيروت)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ۳/۱۴۰، رشيديه) .... =

"قال الإتقانی: وقال شمس الأئمة السرخسی: الإحراق جائز و لیس بواجب، فإن کانت الدابة مما یوکل لحمها، تذبح وتوکل ولا تحرق بالنار علی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: تحرق بالنار، اهـ". شلبی(۱)۔

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ زید پر حدِ زنا تو واجب نہیں، البتہ مستحقِ تعزیر ہے، حیوانِ مذکور اگر ماکول اللحم ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا ذبح کرنا اور کھانا شرعاً درست ہے۔ اگر غیر ماکول اللحم ہے اور وہ خود زید کا ہے تو زید کو چاہئے کہ اس کو ذبح کر کے جلادے، لیکن یہ جلانا واجب نہیں بلکہ جائز یا مستحب ہے، جس کی بعض مصالح زیلعی سے منقول ہوئیں۔ اگر زید کا نہیں بلکہ کسی اَور کا ہے تو اس سے قیمت لے کر جلادے اور اس مالک پر جبر کرنا درست نہیں، بلکہ مالک کو مستحب ہے کہ زید کو دیدے۔

حدیث مذکور کی شرح میں لکھا ہے:

"قیل: إنما أمر بقتلها لئلا یتولد منه حیوان علی صورة إنسان أو إنسان علی صورة حیوان. وقیل: کراهیة أن یلحق صاحبها خزی فی إبقائها. وقیل: یقتل و یحرق. وذهب الأئمة الأربعة أن من أتی بهیمةً، یعزر و لا یقتل، والحدیث محمول علی الزجر والتشدید، اهـ". بذل المجهود شرح أبی داؤد شریف: ۱۵۳/۵(۲)۔

"قال صاحب العنایة: وماروی أن "من أتی بهیمةً فاقتلوه" شاذٌّ، و لو ثبت فتأویله: مستحل ذلك الفعل. وقال ابن الهمام بعد الکلام علی تضعیف الحدیث: وضعّفه أبو داؤد بطریق اٰخر، وهو أنه روی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما موقوفاً علیه: "لیس علی الذی

= (وکذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۲۶/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق لابن نجیم، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۲۸/۵ رشیدیه)

(۱) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۸۰/۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (بذل المجهود، کتاب الحدود، باب فیمن أتی بهیمة: ۱۵۳/۵، معهد الخلیل الإسلامی کراچی)

أتی البهيمة حد" وهو الذي روى عنه الرفع عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقتلها، ومحال أن يرفع عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم القتل ثم يخالفه. وكذا أخرجه الترمذي، والنسائي، وقال الترمذي: هذا أصح من الأول". الكوكب الدرى: ۱/۴۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

بیوی سے وطی فی الدبر کی سزا

سوال[۱۷۶۸۱]: ایک شخص نے اپنی منکوحہ بالغہ اور زوجہ کی بہن نابالغہ سے اغلام کا قبیح گناہ کیا، تو اس کی سزا کیا ہے (لیکن قانون سرکاری کی رو سے باہر ہو) نکاح بھی ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اس گندے فعل کے کرنے اور تائب ہونے کے دو سال بعد یہ نکاح کس طرح سے ہوسکتا ہے؟ دوسرے مرد سے نکاح ہوسکتا ہے یا اسی شوہر سے نکاح درست ہے؟ ایسی صورت میں طلاق کا حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں، آیا طلاق پڑ جائے گی یا نہیں؟ شوہر، زوجہ، سالی، تینوں سزا کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اور تائب ہونے کی صورت میں سزائے عقبیٰ سے محفوظ رہنے کی کیا سبیل ہے؟

احقر محمد ایوب خان افغانی، مورخہ ۱۲/ جنوری/ ۱۹۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے شخص کی سزا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک "امام" یعنی حاکمِ وقت کی رائے پر ہے کہ خواہ اس کو حبسِ دوام کی سزا دیوے، خواہ کوڑے لگائے، خواہ کسی بلند جگہ سے گرا کر اس پر پتھر مارے، خواہ اس کے اوپر دیوار گرادے، خواہ اس کو آگ میں جلادے۔ اور اگر یہ فعل اس کی عادت بن گیا ہو تو اس کو قتل کر ڈالے۔ نابالغہ پر سزا کچھ نہیں، البتہ ایسے فعل سے بچنا ضروری ہے۔ اور زوجہ نے اگر خوشی سے یہ فعل کرایا ہے، یا باوجود قدرت

(۱) (الكوكب الدرى، باب المرأة استكرهت على الزنا: ۲/۳۸۵، إدارة القرآن كراچی)

کے اس سے بچنے کی کوشش نہیں کی تو اس کی بھی یہی سزا ہے۔ اگر اس کے ساتھ جبراً ایسا کیا گیا ہے تو پھر اس کے لئے یہ سزا نہیں۔

اس سے نکاح نہیں ٹوٹا، بلکہ بدستور باقی ہے، اگر طلاق دیدے گا تو بعد عدت دوسرے شخص سے نکاح درست ہوگا، ورنہ دوسرے سے نکاح درست نہیں (۱)۔ صدقِ دل سے توبہ کر لینے کے بعد سزائے عقبٰی سے محفوظ رہنے کی توقع ہے (۲)۔

"(لا يحد) بوطء دبر، قالا: إن فعل في الأجانب حُدّ، وإن في عبده أو أمته أو زوجته فلا حدّ إجماعاً، بل يعزر. قال: في الدرر بنحو الإحراق بالنار و هدم الجدار أو التنكيس من محل مرتفع بإتباع الأحجار. وفي الحاوي: والجلد أصح. وفي الفتح: يعزر و يسجن حتى يموت أو يتوب. ولو اعتاد اللواطة، قتله الإمام سياسةً. قلت: و في النهر معزياً للبحر: التقييد بالإمام يفهم أن القاضي ليس له الحكم بالسياسة". درمختار، ص: ۲٤٠ (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهٰتكم .... والمحصنٰت من النساء﴾ الآية (النساء: ۲۳، ۲۴)

"لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ إلا من تاب و اٰمن وعمل صالحاً، فأولٰئك يدخلون الجنة و لا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم: ۶۰)

"و عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح: باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۴/۲۶، ۲۷، سعيد) =

یہ سزا شرعی قانون کی رو سے ہے، اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اس سزا کو جاری نہ کیا جاسکتا ہوتو پھر ایسے شخص سے تعلقات ترک کئے جائیں تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۰/۵۳ھ۔

صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/شوال/۵۳ھ۔

بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی عضو کو معطل کردینا

سوال[۶۷۸۲]: ایک شریف خاندان کی لڑکی آوارہ اور سخت بدچلن ہوگئی ہے، بہرچند روک تھام کی جاتی ہے، مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ایسی صورت میں کسی دوا سے یا کسی عمل سے لڑکی مذکورہ کے جسم کے کسی حصہ کو بےحس وحرکت بنادینا جائز ہوگا یا نہیں؟فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے جس سے صاف طور پر مطلب حل نہیں ہوتا، اگر یہ مقصود ہے کہ کسی عضو کو معطل کردیا جائے یا قطع کردیا جائے تاکہ اس کی بدچلنی موقوف ہوجائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں، حضور اکرم صلی اللہ

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۲۶۲/۵، ۲۶۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۱۳۹/۳، ۱۴۰، إمداديه ملتان)

(۱) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوق ذلك إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك ....فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۶۰۹/۱۰، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۲۷۲/۹، مكتبة الرشد الرياض)

تعالیٰ علیہ وسلم نے اختصاء کی اجازت نہیں دی: "وأما خصاء الآدمی فحرام، اھـ". درمختار: ۲۷۵/۵(۱)۔

"عن أبی هریرة قال: قلت: یا رسول الله! -صلی الله تعالیٰ علیه وسلم- إنی رجل شاب، وأنا أخاف علی نفسی العنت، ولا أجد ما أتزوج به النساء -کأنه یستأذنه فی اختصاء- قال: فسکت عنی، ثم قلت: مثل ذلك، فسکت عنی، ثم قلت مثل ذلك، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "یاأبا هریرة! جف القلم بما أنت لاق، فاختص علی ذلك أو ذر". رواه البخاری، اھـ". مشکوة، ص: ۲۰(۲)۔

"قوله: "فاختص علی ذلك أو ذر" لیس هذا إذناً فی اختصاء بل توبیخٌ و لومٌ علی الاستیذان فی قطع عضو بلافائدة، اھـ". مرقاة حاشیة مشکوة، ص: ۲۰(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

غیر مسلم کے ساتھ کھانا کھانے کی سزا

سوال[۶۷۸۳]: ہم لوگ کریشر میں کام کرنے گئے تھے۔ ایک روز چند مسلمانوں اور غیر مسلموں نے مل کر کھانا کھایا، میں نے پہلے کھایا۔ بعد میں سب نے کہا کہ یہ تو چماروں کا کھانا تھا۔ میری برادری نے حقہ

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۸/۶، سعید)

"ویکره الخصاء فی بنی آدم". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الکراهیة، فصل فی الختان: ۴۰۹/۳، رشیدیه)

"ویکره استخدام الخصیان؛ لأن الرغبة فی استخدامهم حث الناس علی هذا الصنیع، وهو مثلةٌ محرم". (الهدایة، کتاب الکراهیة، مسائل متفرقة: ۴۷۲/۴، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب الکراهیة، التاسع فی المتفرقات: ۳۷۱/۶، رشیدیه)

(۲) (مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، ص: ۲۰، قدیمی)

(۳) (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، (رقم الحدیث: ۸۸): ۲۷۸/۱، رشیدیه)

پانی بند کردیا ہے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ چمار ہیں۔ میرا ایمان باقی رہا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلطی سے ناواقفیت کی بنا پر اگر خدانخواستہ ناپاک یا مردہ کھالے تب بھی ایمان ضائع نہیں ہوتا ہے(۱) ہاں معلوم ہونے پر توبہ استغفار کرے(۲)۔ اگر ناپاک یا مُردار نہیں تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ برادری کو چاہیے کہ حقہ پانی بند نہ کرے بلکہ بلا کراہت اپنے ساتھ رکھے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) زوالِ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ کسی منافیٔ ایمان کام یا لفظ کا قصداً وارادۃً صدور ہوجائے، جب تک کسی ایسے کام کا صدور نہ ہو اس وقت تک ایمان کے سلب ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، خصوصاً لاعلمی کی صورت میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا:

"وفی جامع الفصولین: روی الطحاوی عن أصحابنا: لایخرج الرجل من الإیمان إلا جحود ما أدخله فیه. ثم ماتیقن أنه ردة، یحکم بها، وما یشک أنه ردة لایحکم بها؛ إذ الإسلام الثابت لایزول بشک مع أن الإسلام یعلو .... وفی الفتاویٰ الصغریٰ: الکفر شئ عظیم فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدت روایةً أنه لایکفر". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۹، ۲۱۰، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحریم: ۸)

"أن لها ثلثة أرکان: الإقلاع، والندم علی فعل تلک المعصیة، والعزم علی أن لایعود إلیها أبداً، فإن کانت المعصیة لحق آدمی، فلها رکن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلک الحق، وأصلها الندم، وهو رکنها الأعظم. واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، و أنها واجبة علی الفور، لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وکذا فی روح المعانی، (سورة التحریم: ۸) : ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تطرد الذین یدعون ربّهم بالغداة والعشی یریدون وجهه، ماعلیک من حسابهم من شئ﴾ (سورة الأنعام: ۵۲)

"عن أبی أیوب الانصاری قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لایحل للرجل أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا، وخیرهما الذی یبدأ بالسلام". متفق علیه".=

اغوا کرنیوالے کی سزا برادری سے ترک تعلق

سوال[۶۷۸۴]: **الاستفتاء** : شکر اللہ کی بیوی کو ممتاز علی درزی نے بھگالیا، کچھ دن ادھرادھر بھاگا پھرا۔ جب یہ لوگ گھر واپس آئے تو شکر اللہ نے زوجہ کو طلاق دیدی، عدت کے بعد ممتاز علی نے اس عورت سے اپنا نکاح پڑھوالیا۔ اب جولاہے کے چودھری نے گاؤں کے تمام مسلمانوں کو منع کردیا کہ تمام درزیوں سے کوئی بات چیت نہ کرے، سلام دعاء تک بند کرادی۔ صحیح راستہ پر کون ہے اور میں کس کے ساتھ رہوں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دوسرے کی عورت کو بھگالیجانا اور عورت کا غیر مرد کے ساتھ بھاگ جانا عقلاً وعرفاً سخت معیوب اور شرعاً سخت گناہ اور معصیت ہے(۱)۔ شکر اللہ نے اس کو طلاق دیدی، اچھا کیا(۲)، بعد عدت ممتاز علی درزی نے اس سے نکاح کرلیا تو وہ جائز ہوگیا(۳)۔ اب جولاہوں کے چودھری کا حکم کہ درزی لوگوں سے کوئی بات چیت نہ

= (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۴۲۷/۲، قديمى)

(۱) "لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا يخلونّ رجل بامرأة ليس منها سبيل، فإن ثالثهما الشيطان" والمراد إذا لم تكن محرماً". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل فى النظر واللمس: ۳۵۶/۸، رشيديه)

"الخلوة بالأجنبية حرام". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر واللمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

(۲) "وإيقاعه مباح .... بل يستحب لو مؤذيةً". (الدرالمختار). "(قوله: مؤذيةً) أطلقه فشمل المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، قبيل مطلب: طلاق الدور: ۲۲۷/۳-۲۲۹، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۴۱۴/۳، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الطلاق: ۳۱۰/۲، إمداديه ملتان)

(۳) "ولايجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الثامن فى بيان مايجوز من الأنكحة ومالايجوز: ۸/۳، قديمى)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴۸۴/۲، إمداديه ملتان) .... =

کرے، غلط ہے، تمام درزیوں کی کیا خطا ہے، جس نے ناجائز کام کیا اس کی خطا تھی، اس سے تعلقات ترک کرنے کا حکم نہیں دیا، جب اس نے شریعت کے موافق نکاح پڑھالیا تب حکم دیا، وہ بھی سب سے ترکِ تعلقات کا۔ اس لئے یہ حکم غلط ہے، چودھری کو چاہئے کہ اپنا یہ حکم واپس لے لے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلموں سے تعلق رکھنے پر ترکِ تعلق کی سزا

سوال[۶۷۸۵]: ایسے مسلمانوں کے ساتھ جو غیر مسلموں کے ہر ایک کام میں حصہ لیتے ہیں یا حصہ لے رہے ہیں، کیا ان کے ساتھ ترکِ تعلقات کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خوش ہو کر حصہ لیتے ہیں تو ان کو سمجھایا جائے کہ کتنی خطرناک بات ہے، مگر ہر شخص خود سمجھانے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲۴۹/۴، رشيديه)

(۱) چونکہ ترکِ تعلق اس شخص سے کیا جاتا ہے جو کہ شرعاً مجرم ہو، لیکن یہاں سب لوگ مجرم نہیں، لہٰذا سب سے ترکِ تعلق درست نہیں:

"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

"قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوق ذلك إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك ....فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۶۰۹/۱۰، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۲۷۲/۹، مكتبة الرشد الرياض)

کا ارادہ نہ کرے بلکہ کسی بزرگ یا عالم کے ذریعہ فہمائش کرادی جائے۔ آج کل عموماً ترکِ تعلقات سے اصلاح نہیں ہوتی نہ اس کا نباہ ہوتا ہے، بلکہ آہستہ آہستہ لوگ ملنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ترکِ تعلق کرنے والوں ہی سے لوگ کٹ جاتے ہیں، ہاں! اگر کسی جگہ اصلاح مظنون ہو تو ترکِ تعلق کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲/ ۸/ ۹۰ھ۔

بیوی کو خطا پر سزا دینا

سوال[۶۷۸۶]: اپنی بیوی کو کس کس کام کے لئے مارنا جائز ہے اور کس جگہ جائز ہے اور کس جگہ ناجائز ہے؟ اگر مارے تو شریعت شریف میں کیا حکم ہے؟ مرد اپنی بیوی سے کیا کیا خدمت لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ زوجہ اپنے شوہر کی بے حرمتی کرے، یا کسی اجنبی کے سامنے چہرہ کھولے اور اس سے ہنسی مذاق کرے، یا چھوٹے بچے کو رونے کی وجہ سے مارے، یا شوہر کے حقوق میں حکمِ عدولی کرے، یا کوئی ایسا گناہ کرے جس پر شرعاً حد مقرر نہیں ہے، تو ان سب صورتوں میں مارنا جائز ہے، اور جب شوہر ناحق مارے گا تو گنہگار ہوگا، والبسط فی البحر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۷/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۲۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "ويلحق بذلك مالو ضربت ولدها الصغير عند بكائه أو ضربت جارية زوجها غيرةً و لا تتعظ بوعظه، فله ضربها، كذا في القنية . و ينبغي أن يلحق به ما إذا ضربت الولد الذى لا يعقل عند بكائه؛ لأن ضرب الدابة إذا كان ممنوعاً، فهذا أولى. ومنه ما إذا شتمته، أو مزّقت ثيابه، أو أخذت لحيته، أو قالت له: ياحمار، يا أبله، أو لعنته ، سواء شتمها أو لا على قول العامة. ومنه ما إذا شتمت أجنبياً. و منه إذا كشفت وجهها لغيرمحرم، أو كلمت أجنبياً، أو تكلمت عامداً مع الزوج، أو شاغبت معه ليسمع صوتها الأجنبيُّ .... و منه ما إذا ادّعت عليه .... و المعنى الجامع للكل أنها إذا ارتكبت معصيةً ليس =

شوہر کو حقِ تعزیر

سوال[۶۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے بہشتی زیور میں بچہ کو دودھ پلانا عورت پر واجب کہتے ہیں اور عورت کے انکار پر مرد کو جبر کرنے کا حکم نہیں تو اس لئے جب واجب پر جبر کرنے کا حکم نہیں؟ تو نماز، روزہ فرض ہے اس پر عمل کرانے میں کیا حکم ہے اور عورت کہنے سے عمل نہ کرے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں عبارتیں بحوالہ حصہ وصفحہ تحریر کریں۔ نماز، روزہ اگر ترک کرے تو مرد کو حق ہے کہ اس کو مناسب سزا دے، ایسے ہی ہر معصیت پر جس میں کہ حد مقرر نہیں، کذا فی البحر الرائق: ۵/۵۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بچوں کو تادیباً مارنا

سوال[۶۷۸۸]: بچوں کو جو حضرات تعلیم دیتے ہیں وہ ان کو مارتے بھی ہیں، مرغا بناتے ہیں تو اس

= فيها حدٌّ مقدر، فإن للزوج أن يعزرها ، اهـ .... إذا ضربها بغير حق، وجب عليه التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حدّ القذف ، فصل في التعزير : ۸۲/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار ، كتاب الحدود ، باب التعزير ، ۷۷/۴، ۷۸، ۷۹ ، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق ، كتاب الحدود ، باب حد القذف ، فصل في التعزير : ۱۷۲/۳، ۱۷۳، رشيديه)

(۱) "و ظهر به أيضاً أن له ضربها في أربعة مواضع، لكن وقع الاختلاف في جواز ضربها على ترك الصلاة، فذكر هنا تبعاً لكثير أنه يجوز .... إذا ارتكبت معصيةً ليس فيها حدّ مقدر، فإن للزوج أن يعزرها ، اهـ .... إذا ضربها بغير حق، وجب عليه التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف ، فصل في التعزير : ۸۲/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار ، كتاب الحدود ، باب التعزير ، ۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق ، كتاب الحدود ، باب حد القذف ، فصل في التعزير : ۱۷۲/۳ ، رشيديه)

"و يجب في جناية ليست موجبة للحد". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الحدود ، فصل في التعزير : ۱۶۷/۲ ، رشيديه)

میں کس قدر گنجائش ہے اور اگر کسی کو مارا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بے خطا ہے تو کیا صورت تلافی کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بچوں کے اولیاء کی اجازت سے بضرورتِ تعلیم مارنا، سزا دینا شرعاً درست ہے، مگر بچوں کے تحمل سے زائد نہیں، ایک دفعہ میں تین ضربات سے زیادہ نہ مارے، لکڑی وغیرہ سے نہ مارے، کذا فی ردالمحتار: ٥/٤٤٥، قبیل إحیاء الموات(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الاول/ ٦٤ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲٦/ ربیع الاول/ ٦٤ھ۔

بچوں کو سزا دینے کی حد

سوال[٦٧٨٩]: اساتذہ تلامذہ کو لکڑی سے مارتے ہیں اور بعض حضرات تو بڑی بے رحمی سے مارتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں، شرعی حکم کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"(هی فرض عین علی کل مکلف ....) وإن وجب ضرب ابن عشر علیها بید لا بخشبة بحدیث: "مروا أولادکم بالصلوة و هم أبناء سبع، و اضربوهم علیها و هم أبناء عشر، اهـ". درمختار۔ قال الشامی فی (قوله: بید): "أی و لا یجاوز الثلاث، و کذلك المعلم لیس له أن یجاوزها، قال علیه السلام لمرداس المعلم: "إیاك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت

---

(١) "أما المعلم فله ضربه؛ لأن المأمور یضربه نیابةً عن الأب لمصلحته، والمعلم یضربه بحکم الملك بتملیك أبیه لمصلحة التعلیم .... والنقل فی کتاب الصلاة یضرب الصغیر بالید لا بالخشبة، ولا یزید علی ثلاث ضربات". (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ٦/٤٣٠، سعید)

قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ: "یجوز للمعلم أن یضربه بإذن أبیه نحو ثلاث ضربات ضرباً و سطاً سلیماً .... لا بخشبة، فلأن الضرب بها ورد فی جنایة صادرة عن المکلف و لاجنایة عن الصغیر". (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلاة، ١/١٧٠، دار المعرفة بیروت)

فوق الثلاث، اقتص اللّٰه منك، اهـ". وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلوة أيضاً. (قوله: لا بخشبة): أى عصا. و مقتضىٰ (قوله: بيد) أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها و من السوط، أفاده ط. (قوله: لحديث، الخ) استدلالٌ على الضرب المطلق، و أما كونه لا بخشبة، فلأن الضرب بها ورد في جناية المكلف، اهـ". ردالمحتار: ۱/۲۳۵(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے امر مسئول کا حکم بالتفصیل معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بچوں کو سزا دینے کی حد

سوال[۶۷۹۰]: تعلیم و تربیت دونوں کے لئے بسا اوقات تضریب کی ضرورت پڑتی ہے، تو کیا اس پر عنداللہ مواخذہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بقدرِ ضرورت ایک دو تین چپت تحمل کے موافق گردن اور کمر پر مارنے کی گنجائش ہے، لکڑی یا کوڑے یا جوتے وغیرہ سے اجازت نہیں، حق سے زائد مارنے پر یہ بچے قیامت میں قصاص لیں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۱۴۰۶ھ۔

استاد شاگرد کو کتنا مار سکتا ہے؟

سوال[۶۷۹۱]: استاذ اپنے شاگرد کو کتنا مار سکتا ہے، کیا شریعت نے اس کی کوئی حد مقرر کی ہے؟ ایک مولوی صاحب فرما رہے تھے کہ استاذ اپنے شاگرد کو تین چھڑی سے زائد نہیں مار سکتا، اگر مارا تو یہ ظلم ہوگا۔ احقر کہتا ہے کہ اگر طالب علم تین چھڑی کھانے کے باوجود سبق یاد نہ کرتا ہو، شرارت سے باز نہ آتا ہو تو اس صورت

---

(۱) (رد المحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الصلوة، سعيد)

(وأيضاً راجع باب التعزير، كتاب الحدود: ۶/۴۳۰، فصل في البيع، قبيل كتاب إحياء الموات، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة: ۱/۱۷۰، دار المعرفة بيروت)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

میں استاذ اگر اپنے شاگرد کو نیک نیتی سے اور اس کی خیر خواہی کی خاطر اور اس کی اصلاح کی خاطر اور اس کو سبق یاد ہونے کی خاطر اور طالب علم اپنی شرارت سے باز آنے کی خاطر اپنے شاگرد کو تین چھڑی سے زائد مارے تو کیا یہ جور وظلم ہوگا اور عند اللہ ظالم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چھوٹے بچوں کو بغیر چھڑی وغیرہ کے صرف ہاتھ سے وہ بھی ان کے تحمل کے موافق تین چپت تک مار سکتا ہے، وہ بھی سر اور چہرہ کو چھوڑ کر یعنی گردن اور کمر پر، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں، ورنہ بچے قیامت میں قصاص لیں گے۔ بچوں پر نرمی اور شفقت کی جائے۔ اب پیٹنے کا دَور تقریباً ختم ہوگیا، اس کے اثرات اچھے نہیں ہوتے۔ بچے بے حیا اور نڈر ہوجاتے ہیں، مار کھانے کے عادی ہوکر یاد نہیں کرتے، بلکہ اکثر تو پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ شامی میں یہ مسئلہ مذکور ہے، اس سلسلہ میں حدیث بھی نقل کی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) "(هي فرض عين على كل مكلف ....) وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة بحديث: "مروا أولادكم بالصلوة و هم أبناء سبع، و اضربوهم عليها و هم أبناء عشر، اهـ". (درمختار). قال الشامي في (قوله: بيد): "أي و لا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها، قال عليه السلام لمرداس المعلم: "إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت فوق الثلاث، اقتص الله منك، اهـ". وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلوة أيضاً. (قوله: لا بخشبة): أي عصا. و مقتضىٰ (قوله: بيد) أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها و من السوط، أفاده ط. (قوله: لحديث، الخ) استدلالٌ على الضرب المطلق، و أما كونه لابخشبة، فلأن الضرب بها ورد في جناية المكلف، اهـ". (ردالمحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الصلوة، سعيد)

(وأيضاً راجع باب التعزير، كتاب الحدود: ۶/۴۳۰، فصل في البيع، قبيل كتاب إحياء الموات، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة: ۱/۱۷۰، دار المعرفة بيروت)

شرک وبدعت کی سزا

سوال[۶۷۹۲]: جان بوجھ کرشرک وبدعت کرنے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ جوابات مع حوالہ اقوال نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سند ونص صریح سے عنایت فرمائیں۔ نیز کسی کے منع کرنے پر جواب دیتے ہیں کہ بُرا ضرور ہے، منع ہے، مگر باپ دادا کے وقت سے ہوتا آتا ہے، کیسے چھوڑا جائے، چھوڑنے پر لوگ ندامت بنائیں گے اور باپ دادا کا نام مٹ جائے گا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

شرک سب سے بڑا گناہ ہے(۱)، اس کی عدمِ مغفرت کی قرآن کریم میں وعید ہے(۲)، اگر اسلامی حکومت ہو اور کوئی مسلمان شرک یا کفر کرے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو جائے اور توبہ نہ کرے بلکہ اپنے ارتداد پر باوجودِ فہمائش کے جمارہے تو حکومتِ اسلامی اس کو قتل کرادے گی۔ اور بدعت اگر شرک وکفر تک نہ پہونچی ہو تو اس کے مرتکب کو تعزیر کرے گی۔ اب جب کہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ دشوار ہے تو مشرک سے بالکل تعلق قطع کر دیا جائے، رشتہ داری، سلام کلام، میل جول، سب کچھ اس سے ترک کر دیا جائے، لقولہ تعالیٰ: ﴿فأعرض عمن تولی عن ذکرنا﴾ الآیة(۳)۔

ولقولہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین امنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم أولیاء تلقون إلیهم بالمودة، وقد کفروا بما جاء کم من الحق﴾. الآیة(۴)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الشرک لظلم عظیم﴾ الآیة (سورة لقمٰن: ۱۳)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: یا رسول اللہ! وما هن؟ قال:" الشرک باللہ، الخ". (مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر و علامات النفاق، ص:۱۷، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ لا یغفر أن یشرک به و یغفر ما دون ذلک لمن یشآء﴾ (النسآء: ۴۸)

(۳) (سورة النجم: ۲۹)

(۴) (سورة الممتحنة: ۱)

"عن الحسن رحمه اللہ تعالیٰ: لاتجالس صاحب هوی فیقذف فی قلبک ماتتبعه علیه =

حدیث شریف میں آتا ہے: "من بدل دینه، فاقتلوه". رواه البخاری(۱)۔

بحرالرائق میں ہے: "یعرض الإسلام علی المرتد، وتکشف شبهته، ویحبس ثلثة أیام، فإن أسلم، وإلاقتل"، بحر: ۱۲۵/۵(۲)۔ "وکل مرتکب معصیة لاحد فیها، فیها التعزیر". درمختار: ۲۸۱/۳(۳)۔

اور بدعتی سے بھی قطع تعلق کردیا جائے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۱/ جمادی الاولیٰ/۵۴ھ، سعید احمد غفرلہ۔

= فتهلک، أو تخالفه فیمرض قلبک .... عن أبی قلابة، لاتجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإنی لاآمن أن یغمسوکم فی ضلالتهم .... ما ابتدع رجل بدعةً إلا استحل السیف .... وعن إبراهیم: لاتکلموهم، إنی أخاف أن ترتد قلوبکم. ....وعن یحیی بن أبی کثیر قال: إذا لقیت صاحب بدعة فی طریق، فخذ فی طریق آخر". (الاعتصام للشاطبی، باب فی ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۵، ۶۶، دارالمعرفة، بیروت)

(۱) (صحیح البخاری، کتاب استتابة المعاندین والمرتدین، باب حکم المرتد والمرتدة: ۱۰۲۳/۲، قدیمی)

(۲) (البحرالرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۱۰/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۲۵/۴، ۲۲۶، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین: ۲۵۳/۲، رشیدیه)

(۳) (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۶۷/۴، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۷۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(۴) "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولایجوز فوق ذلک، إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله، فیجوز فوق ذلک ....فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، بابماینهی عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشیدیه) .... =

انتقام کی صورت

سوال[۶۷۹۳]: بدلہ لینا بموجب تفسیر بیان القرآن محض زبانی الفاظ سے ہے(۱)، یا دستی زدوکوب سے بھی جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظالم نے زبان سے کچھ کہا تو اس کا انتقام زبان سے درست ہے بشرطیکہ وہ لفظ کہنا حرام نہ ہو، مثلاً ایک نے ماں باپ کی گالی دی اور زانی کہا تو اس کے عوض میں اس کے ماں باپ کو زانی کہنا درست نہیں، اگر اس نے کاذب کہا اور واقع میں وہ کاذب نہیں ہیں تو عوض میں اس کو بھی کاذب کہنا درست نہیں (۲)۔ اگر ہاتھ سے ظلم کیا ہے تو اس کو بھی اسی طرح اسی قدر ہاتھ سے بھی انتقام درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۶۰ھ۔

= (وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبة الرشد الرياض)

(۱) (بيان القرآن، تحت قوله تعالىٰ: ﴿وجزاء سيئة﴾ الخ، سورة الشورى: ۲۵/۲۲، مركز اشرف العلوم ديوبند)

(۲) قال العلامة القرطبي رحمه الله تحت قوله تعالىٰ: ﴿وجزاء سيئة سيئة مثلها﴾: هذا في المجروح ينتقم من الجارح بالقصاص دون غيره من سب أو شتم .... وإذا قال: أخزاه الله أو لعنه الله أن يقول مثله، ولا يقابل القذف بقذف ولا الكذب بكذب .... وسمى الجزاء سيئةً؛ لأنه في مقابلتها، فالأول ساء هذا في مال أو بدن، وهذا الاقتصاص يسوء ه بمثل ذلک أيضاً". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۶/۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(والبسط في التفسير المظهري: ۸/۳۹۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وبيان القرآن: ۲۵/۲۲، مركز اشرف العلوم ديوبند)

(۳) "والمعنى أنه يجب إذا قوبلت الإساء ة أن تقابل بمثلها من غير زيادة". (تفسير المدارك: ۲/۵۱۴، قديمي) ....=

انتقام کی صورت

سوال[۶۷۹۴]: وہ کون سا گناہ ہے جو برابر کا بدلہ لیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مثلاً کسی نے آپ کا ایک روپیہ چھین لیا تو آپ بھی اس کا کسی طرح ایک روپیہ وصول کر لیجئے اگر چہ اس میں تعریضاً کذب کی نوبت آئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲/۲/۶۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (راجع للبسط التفسير الحازن: ۱۰۵/۴، حافظ کتب خانه)

(والتفسير المظهرى: ۳۲۹/۸، حافظ کتب خانه)

(۱) "استدل الشافعي رحمه الله بحديث الباب على مذهبه في أن الدائن إن ظفر بشئ من مال المديون المماطل، جاز له استيفاء دينه من ذلك المال، سواء كان المال من جنس حقه، أو غيره .... غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسئلة بمذهب الشافعي". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأقضية، باب قضية هند: ۵۷۸/۲، دارالعلوم كراچى)

"وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس للمجانسة في المالية". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس): أى من النقود أو العروض ... النقود يجوز أخذها عندنا على ماقررناه آنفاً.

وقال القهستاني: وفيه إيماء إلى أن له أن يأخذ من خلاف جنسه عند المجانسة في المالية، وهذا أوسع، فيجوز الأخذ به وإن لم يكن مذهبنا، فإن الإنسان يعذر في العمل به عند الضرورة كما في الزاهدي .... والفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أى مال كان لاسيماً في ديارنا لمداومتهم للعقوق".

عفاء على هذا الزمان فإنه زمان عقوق لازمان حقوق
وكل رفيق فيه غير مرافق وكل صديق فيه غير صدوق

(رد المحتار كتاب الحدود، مطلب: يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة: ۹۵/۴، سعيد)

(والجامع لأحكام القرآن للقرطبي رحمه الله: ۲۷/۱۶، دارالكتب العلمية بيروت)

فصل فی التعزیر بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

گناہ پر مالی جرمانہ

سوال[۶۷۹۵]: اگر کسی مسلمان سے گناہ کبیرہ یا صغیرہ صادر ہو جائے تو توبہ شرعی کے بجائے تاوان یا جرمانہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ جرمانہ شریعت کے اندر ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح احادیثِ نبویہ وقدسیہ وکتبِ فتاوی سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کے اندر جرمانہ نہیں، بلکہ گناہ کی جزا صرف توبہ اور قصاص کے بدلہ قصاص ہے۔ اور اگر کسی کو توبہ کے بجائے جرمانہ عائد کیا جائے، مثلاً: کسی نے زنا کیا، یا نماز وغیرہ کو ترک کردیا تو ایسے فاسق آدمی پر جرمانہ عائد کیا جائے، بدونِ توبہ شرعی کے تو اس جرمانہ کے روپیہ کو کہاں خرچ کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر اپنے ماتحت پر گناہوں کی وجہ سے حسبِ حال کی جاسکتی ہے(۱)۔ مالی جرمانہ درست نہیں، ابتدا میں مالی جرمانہ تھا، پھر منسوخ ہوگیا:

---

(۱) "(و) التعزیر (لیس فیه تقدیر بل هو مفوض إلی رأی القاضی)؛ لأن المقصود منه الزجر، وأحوال الناس فیه مختلفة .... و کل مرتکب معصیة لا حدّ فیها، فیها التعزیر .... (یعزر المولی عبدَه والزوج زوجته) .... (والأب یعزر الابن).......... للولی ضرب ابن سبع علی الصلاة. .... وله ضرب الیتیم فیما یضرب ولده". (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، ۶۲/۴، ۶۷، ۷۷، ۷۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵، ۷۱، ۸۲، ۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۱۶۶/۳، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، رشیدیه)

"فی المجتبیٰ: کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ، الخ". درمختار۔ "والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال، الخ". شامی(۱)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث: "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". کو ناسخ بتایا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مالی جرمانہ لینا اور اس کو مسجد میں صرف کرنا

سوال[۶۷۹۶]: ایک برادری میں چند قوانین مقرر ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی سے سیاسۃً بطورِ جرمانہ کچھ رقم وصول کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقم مذکورہ کو مصارفِ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جوابِ سوال تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہب معتمد علیہ یہ ہے کہ ایسا جرمانہ ناجائز ہے، اگر کچھ رقم بطورِ جرمانہ وصول کرلی ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں:

"قال فی الفتح: وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز، ومثله فی المعراج، وظاهره أن ذلك روایة عن أبی یوسفؒ. قال فی الشرنبلالیة: ولا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظَّلَمة علی أخذ المال للناس فیما یأکلون، اهـ. ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان. وأفاد فی البزازیة أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساك شیء من ماله عنده مدةً لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۳/۱۶۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیه)

(۲) لم أظفر علی مأخذه

بنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبیٰ: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". ردالمحتار: ۲/۲۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ جمادی الثانیہ/۶۰ھ۔

مالی جرمانہ

سوال[۶۷۹۷]: کیا تعزیر باخذ المال جائز ہے؟ اور "و يعزر كل مرتكب منكر، الخ". سے کونسی تعزیر مراد ہے، مالی یا بدنی؟ کیا علاقہ کے قاضی کو تعزیر کے طریقہ پر کچھ مال لے لینے کا اختیار ہے؟ ہمارے یہاں پر معمول ہے کہ اگر کسی سے کوئی حرکت خلاف ہو جائے تو مولوی، پیر یا سید اس کو تعزیر لگاتے ہیں، مثلاً یک صد کی روٹی یا روٹی مقرر کر کے اس کے حساب سے نقد دام وصول کر کے یا تو بذات خود خرچ کر دیتے ہیں، یا کسی مکتب مدرسہ میں داخل کر دیتے ہیں اور سوائے اس کے اَور کوئی طریقہ اس کے لئے چارۂ کار نہیں ہوسکتا۔ اگر تعزیر مالی نہ کیا جائے تو بہت کم عبرت ہوتی ہے۔ کیا طریقۂ مسئولہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر کے متعلق درمختار میں ہے:" لا يأخذ مال في المذهب، بحر"۔ یعنی تعزیر ضرب، حبس، فرکِ اذن وغیرہ سے ہے، تعزیر باَخذ المال جائز نہیں۔ آگے فرماتے ہیں : "وفيه عن البزازية: وقيل: يجوز،

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دارالمعرفة، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

ومعناه أن يمسكه مدةً لينزجر، ثم يعيده له، فإن أيس عن توبته صرفه إلى ما يرى. وفي المجتبى: أنه كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ". ۲/۱۰ ٤(۱)۔

مجتبیٰ کی عبارت بتلاتی ہے کہ تعزیر باخذ المال ابتدائے اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی، قال الطحطاوی تحت قول الدر: (ثم نسخ): "لئلا يكون ذريعةً إلى أخذ الظَّلَمة أموال الناس بغير حق". ۲/۱۱ ٤(۲)۔

صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرعی قاضی اوروالی کے لئے تعزیراً اخذ المال جائز ہے، وہ بھی جب کہ بعد توبہ مال واپس کردیا جائے، اَورکسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ فتاوی عالم گیری میں ہے:۲/۷۷۸:

"عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، كذافي فتح القدير. و معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق"(۳)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دار المعرفة،بيروت)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

اگر اس اطراف کے قاضی، سید، پیر، مولوی شرعی قاضی اور والی کا تسلط اور حکم رکھتے ہیں تو ان کے لئے صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعزیراً اخذ المال جائز ہے شرعی طور پر، بشرطیکہ مرتکبِ فعلِ شنیع کا مال اس کے توبہ کرنے کے بعد واپس کردیں، یا اگر وہ توبہ نہ کرے تو وہ مال اپنے کام میں نہ لاویں بلکہ صرف مصرفِ خیر پر خرچ کردیں (۱)، ورنہ تعزیراً اخذ المال جائز نہیں۔ قاضی شرعی کے شرائط پر نظر کرتے ہوئے ہرگز توقع نہیں کہ وہاں کے سید اور پیر قاضی شرعی کا حکم رکھتے ہیں، لہذا تعزیراً اخذ المال ان کے لئے جائز نہیں اور تعزیر میں مال لے کر اپنے خرچ میں لانا کسی کے نزدیک کسی کے لئے جائز نہیں۔ اگر تنبیہ کی ضرورت ہو تو مقاطعہ اور ترکِ موالات سے کرنا چاہئے (۲)۔ "و یعزر كل مرتكب منكر" کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اس سے کونسی

---

(۱) "ان معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنه مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كمايتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى".

(الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۹، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، (رقم الحديث: ۵۰۲۷) : ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأدب باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۴۹۷، دار المعرفة،بيروت)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبه الرشد الرياض)

(وكذا في تكملة فتح الملهم للمفتي محمد تقي العثماني، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعي: ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم كراچی)

تعزیر مراد ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، عبدالرحمٰن عفی عنہ، ۲/۱۱/۵۱ھ۔

مالی جرمانہ کا دینی کام میں صَرف کرنا

سوال[۶۷۹۸]: زید کی بیوی اور بکر میں ناجائز تعلق پیدا ہوگیا، گاؤں والوں نے بکر پر کچھ روپیہ جرمانہ کے طور پر عائد کیا، بکر نے وہ روپیہ دیدیا تو کیا وہ روپیہ دین کے کام میں لگایا جاسکتا ہے، مثلاً: مسجد کی تعمیر یا بچوں کے معلم کی تنخواہ میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مالی جرمانہ درست نہیں، جو لیا ہے واپس کردیا جائے، کسی اَور کام میں خرچ نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مالی جرمانہ اور اس کا مصرف

سوال[۶۷۹۹]: گاؤں میں جو پنچایت کے ذریعہ زانی، مجرم، ظالم، موذی پر جرمانہ کیا جاتا ہے، یہ جرمانہ کرنا اور تاوان لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ رقمیں کہاں اور کن کاموں میں صرف کرنا چاہئے، یا انہی لوگوں کو واپس کردینا چاہئے؟ اس صورت میں پنچایت کی کوئی وقعت نہیں رہے گی اور نہ انہیں کوئی خوف دامن گیر ہوگا۔ بتلایئے ان لوگوں کا کیا کیا جائے جو یہ راہ راست پر آجائیں، پھر کسی برائی پر آمادہ نہ ہوں؟

محمد علی، مدرس اعلیٰ ٹاؤن ہال اسکول، بردوان، ۴/جنوری/۵۱ء۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مالی جرمانہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں، منسوخ ہے، اگر لیا ہو تو اس کی واپسی

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

لازم ہے(۱)۔ انسدادِ جرائم کے لئے ارشاد، تذکیر، تزکیۂ باطن کی ضرورت ہے تا کہ دل میں خوف وخشیت پیدا ہو، جنت و دوزخ کا استحضار، قبر، قیامت، حشر، حساب، کتاب، خدائے قہار کی عظمت اور اس کے انعامات کا مراقبہ لازم ہے، تا کہ اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کی رغبت ہو، ورنہ محض سختی سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

مالی جرمانہ

سوال[۶۸۰۰]: مجرم پر مالی جرمانہ کرنا کیسا ہے اور اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مال کا جرمانہ شرعاً ناجائز ہے (۳)۔ اگر مجرم کے ذمہ حقوق العباد ہے تو ان کو ادا کرے یا معاف

---

(۱) (راجع، ص: ۱۳۷، رقم الحاشیه: ۱، ۲، ۳)

(۲) "قال الإمام البخاري رحمه الله تعالیٰ: "باب ما يجوز من الهجران لمن عصى". وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوص بمن لم يكن لهجره سببٌ مشروعٌ، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۴۹۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالیٰ، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبه الرشد الرياض)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في تكملة فتح الملهم للمفتي محمد تقي العثماني، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعي: ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبة دارالعلوم كراچي)

(۳) "قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما =

کرائے (۱) اور خدا کے سامنے صدقِ دل سے توبہ کرے، امید ہے کہ قصور معاف ہو جائے گا (۲)۔ اگر آئندہ بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس کو ترکِ تعلقات کی سزا دی جائے (۳)۔

= وبـاقـي الأئـمة لا يـجـوز، ومثلـه فـي الـمـعـراج، وظاهره أن ذلک رواية عن أبي يوسفؒ. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظَّلَمة على أخذ المال للناس فيما يأكلون، اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم بنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأ حد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبىٰ: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/ ۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/ ۴۱۱، دارالمعرفة،بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/ ۱۶۵، رشيديه)

(۱) " وإن كانت عما يتعلق بالعباد ، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة توبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالىٰ على الخروج عن عهدة الأموال و إرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم ، أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث .... و أما إن كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلک و يتحلل منهم، الخ". (شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص:۱۵۸، ۱۵۹، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ الآية (سورة النساء: ۱۱۰)

"عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمى)

(۳) "قال الخطابى: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوق ذلک إلا إذا =

"و فی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". رد المحتار: ٣/٢٤٦ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف بقلم خود، یکم/ ذی الحجہ/۵۴ھ، 　　الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۶۸۰۱]: قومی پنچایت میں یہ قانون سرپنچ اور دیگر اشخاص نے مقرر کیا کہ جس شخص سے کوئی خطا سرزد ہو تو اس کی سزا روپیہ کا جرمانہ ہوگی۔ لہذا یہ جرمانہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال کا جرمانہ ناجائز ہے (۲)، احکامِ شرعیہ کی پابندی کے لئے کوئی دوسری سزا ترکِ تعلقات وغیرہ کی دی جائے (۳):

"و فرك الأذن، و بالكلام العنيف، و ينظر القاضي له بوجه عبوس، و يشتم غير القذف، لا بأخذ مال في المذهب". تنویر۔ "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ

= كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك ....فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ٧٥٨/٨، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ١٠/٦٠٩، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابنِ بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ٩/٢٧٢، مكتبة الرشد الرياض)

(١) (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٤/٦١، ٦٢، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٣/١٦٥، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٥/٦٨، رشيديه)

(٢) (راجع، ص: ١٤١، رقم الحاشية: ١)

(٣) (راجع، ص: ١٤١، رقم الحاشية: ٣)

المال". شامی، ص: ۳۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/۵۵ھ۔

ایضاً

سوال [۲۸۰۲]: یہاں پر بعض برادریوں میں ایسا ہے کہ اگر کسی شخص سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس سے کچھ روپیہ بطورِ کفارہ کے لیتے ہیں، اور اس کے اوپر یہ بھی لازم کر دیتے ہیں کہ مثلاً فلاں جامع مسجد میں پانی بھرو کچھ دنوں تک۔ مجھے روپے لینے پر اشکال تھا اور اسے تعزیر بالمال سمجھتا تھا اور تعزیر بالمال حنفیہ کے نزدیک حرام ہے، آج ہی فتاویٰ مولانا عبد الحی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھ رہا تھا تو مولانا جلد ثلاث، ص: ۴۸ میں لکھتے ہیں "تنبیہ کے لئے یہ جرمانہ لینا جائز ہے" (۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر زجر و توبیخ ہی کے لئے ہوتی ہے، خواہ چپت مار کر ہو یا کان پکڑوا کر ہو (۳)، اسی مقصد کے لئے روپیہ لیا جاتا ہے، اس کی اجازت نہیں۔ جو سزا شریعت کی حد کی طرح متعین نہ ہو وہی تعزیر ہے (۴) اور اس سے

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۲، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۳/۱۶۴، ۱۶۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیه)

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ (مترجم) لمولانا عبد الحی اللکنوی، کتاب القضاء، استفساء نمبر: ۲، عنوان: اہل پنچایت کسی کو پنچایت سے خارج کرتے ہیں تو پھر جرمانہ لے کر اسے پنچوں میں شامل کرتے ہیں، تنبیہاً جائز ہے: ۳/۵۳، سعید)

(۳) "و (بالصفح) علی العنق (وفرک الأذن و بالکلام العنیف) ………… المقصود منه الزجر".

(الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۱، ۶۲، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۳/۱۶۴، ۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیه)

(۴) "هو (أی التعزیر) تأدیب دون الحد، أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة". (الدرالمختار).

"(قوله: أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً) لحدیث: "من بلغ حداً فی غیر حد، فهو من المعتدین". و حد =

مقصود اصلاح ہے، اسی ذیل میں فقہاء نے مال لینے کو منع فرمایا ہے، جیسا کہ بحر(۱)، شامی وغیرہ میں ہے (۲)۔ مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے وہ ان سب کتب کے خلاف ہے اور اس پر مولانا کے دستخط بھی نہیں، اگر اس پر فتویٰ دیدیا جائے تو قوم (پنچ) شیر مادر کی طرح ایسا روپیہ کھاتے رہیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۲۸۰۳]: میرے گھر میں ہرن پلا ہوا تھا کہ پڑوس کے کتے نے اس پر حملہ کر دیا، اس پر ہرن

= الرقيق أربعون فنقص عنه سوطاً .... (وقوله: ثلاثة): أى أقل التعزير ثلاث جلدات، وهكذا ذكره القدوری. فكأنه يرى أن ما دونها لا يقع به الزجر، وليس كذلك، بل يختلف ذلك باختلاف الأشخاص، فلا معنى لتقديره مع حصول المقصود بدونه، فيكون مفوّضاً إلى رأى القاضي يقيمه بقدر ما يرى المصلحة فيه .... فلو رآى أنه ينزجر بسوط واحد، اكتفى به". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۳۴۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

((وكذا في منحة الخالق حاشية البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۲۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۳۴۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

بھاگ کر تالاب میں جا گھسا، اس کے پیچھے کتا بھی ہولیا اور وہ بھی تالاب میں گھس گیا، اس کے بعد کتا تو نکل گیا مگر میرے ہرن کی حالت خراب ہوگئی، لوگوں نے کہا کہ مرجائے گا، اس لئے میں نے اس کو ذبح کر دیا اور لا کر پڑوسیوں کے گھر پر ڈال کر تھانہ میں رپورٹ لکھوادی، تھانہ دار آیا اور پکڑ کر لے گیا، بعد میں چیئرمین نے صلح کرادی کہ ہرن کا گوشت وغیرہ بھی میرے پاس رہے گا اور ستر ۷۰/ روپیہ جرمانہ بھی مجھے دلوادیا۔ تو یہ ستّر ۷۰/ روپیہ جرمانہ لینا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ لوں تو پڑوسی نادم ہونے کے بجائے اَور مزید سرکش ہوجائے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ان لوگوں نے قصداً اپنے کتے کو آپ کے ہرن کو شکار کرنے کے واسطے نہیں چھوڑا اور پکڑنے کے لئے برانگیختہ نہیں کیا، بلکہ کتا ازخود اس پر حملہ آور ہوا اور ہرن جان بچانے کے لئے بھاگا، کتا اس کا تعاقب کرتا رہا حتی کہ تالاب میں گھس گیا۔ پھر اس کی حالت خراب دیکھ کر دوسروں کے کہنے پر آپ نے اس کو ذبح کرلیا۔ فیصلہ میں وہ ہرن بھی آپ کے پاس رہا اور ہرن کا جرمانہ ۷۰/ روپیہ بھی آپ کو ملا، اس صورت میں شرعاً وہ آپ کو لینا درست نہیں ہے، واپس کرنا ضروری ہے (۱)۔ آپ ایسے طریقہ پر اس کو دیدیں جس سے وہ احسان مند ہوجائے

---

(۱) "لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... و الحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق ، كتاب الحدود ، باب حد القذف، فصل في التعذير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود ، باب التعزير ، مطلب في التعز بأخذ المال: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ،فصل في التعزير: ۱۶۷/۲ ، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق : كتاب الحدود : ۱۶۵/۳ ، إمداديه ملتان)

ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آجائے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم ، و يردّونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل انكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه".

(رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع : ۳۸۵/۶، سعيد) .... =

اوران کواحساس ہوکہ آپ ان کا روپیہ باوجود فیصلہ کے رکھنا نہیں چاہتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۹ھ۔

گورکنی میں شرکت نہ کرنے والے پر جرمانہ

سوال[۶۸۰۴]: جب کوئی فوت ہوجاتا ہے سب مل کر بلا اجرت قبر کھودتے ہیں۔یہاں کے ذی اثر حضرات نے تنبیہاً وسیاسۃً وانتظاماً تجویز کیا کہ جو شخص گورکشی میں شرکت نہ کرے اس سے پانچ روپے جرنامہ وصول کیا جائے اور اس سے قطع تعلق ترکِ موالات کیا جائے۔چنانچہ لوگ اس کی وجہ سے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنے لگے وعلیٰ ہذا نماز وغیرہ میں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تجویز صرف مصلحت دینی کے اعتبار سے انتظاماً مباح ہے یا مکروہ یا حرام، اگر مکروہ ہے تو اس مصلحت کی وجہ سے اس کا تحمل درست ہے یا نہیں؟ سوم اس جرمانہ کو کسی کی طرف سے تصدق کردیا جائے تو کیا حکم ہے؟ چہارم اگر صاحب جرمانہ پنچ کو تصرف جائز کی اجازت دے دے برضا ورغبت تو کیا حکم ہے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر اجرت پر کھدوانا بھی جائز ہے(۱)، مگر آپس میں بلا اجرت کھودنا ہمدردی ومروت کی بات ہے۔

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۸/۳۶۹، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۷/۶۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر فی الکسب: ۵/۳۴۹، رشیدیه)

(۱) "یجوز الاستیجار علی حمل الجنازة وحفر القبور". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، باب فی غسل المیت ومایتعلق به من الصلوة علی الجنازة: ۱/۱۹۰، رشیدیه)

"الترکة تتعلق بها حقوق أربعة: جهاز المیت ودفنه، والدین، والوصیة، والمیراث. فیبدأ أولاً بجهازه وکفنه ومایحتاج إلیه فی دفنه بالمعروف، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفیما یتعلق بالترکة: ۶/۴۴۷، رشیدیه)

"یُبدأ من ترکة المیت بتجهیزه ودفنه .... الخ". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ =

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے(۱) اس میں سستی کرنا غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ نماز پنج وقتہ فرض عین ہے(۲) اس کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے(۳) اگر استخفاف کی وجہ سے چھوڑے تو کفر تک نوبت پہونچ

=العالمكيرية، كتاب الفرائض، الفصل الأول في أصحاب الفرائض: ۶/۴۵۳، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، مقدمة، ص: ۲، سعيد)

(۱) "الصلوة على الجنازة فرض كفاية، إذا قام به البعض واحداً كان أو جماعةً، ذكراً كان أو أنثى، سقط عن الباقين. وإذا ترك الكل، أثموا، هكذا في التتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذال الفصل في الصلوة على الجنائزة، الأول: في نفس الصلوة وصفتها: ۲/۱۱۷، قديمى)

(۲) "الصلوة الخمس فريضة على المسلمين العاقلين البالغين من الرجال والنساء دون الحائض والنفساء في المواقيت المعروفة". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة: ۱/۲۹۶، قديمى)

"الصلوة فريضة محكمة لايسع تركها، ويكفر جاحدها، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/۵۰، رشيديه)

"هى فرض عين على كل مكلف". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: هى): أى الصلوة الكاملة، وهى الخمس المكتوبة (قوله: على كل مكلف): أى بعينه، ولذا سمى فرض عين، بخلاف فرض الكفاية، فإنه يجب على جملة المكلفين -كفاية - بمعنى أنه لوقام به بعضهم كفى عن الباقين، وإلا أثموا كلهم . ثم المكلف هو المسلم البالغ العاقل ولو أنثى أو عبداً". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۳) "لم يقل المتروكات ظناً بالمسلم خيراً ؛ إذ التأخير بلا عذر كبيرة لاتزول بالقضاء". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: لاتزول بالقضاء) وإنما يزول إثم الترك، فلا يعاقب عليها إذا قضاها وإثم التأخير باق، بحر. (قوله: بالتوبة): أى بعد القضاء، أما بدونه فالتأخير باق فلم تصح التوبة منه". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۲، سعيد)

"الصلوة فريضة محكمة لايسع تركها، ويكفر جاحدها، كذا في الخلاصة. ولا يقتل تارك الصلوة عامداً غير منكر وجوبها بل يجلس حتى يحدث توبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/۵۰، رشيديه)

جاتی ہے(۱)۔ جو شخص نماز چھوڑے اس سے تعلقات چھوڑ دینے چاہئیں جب تک وہ توبہ نہ کرے اور نماز کا پابند نہ ہو(۲)۔ مال کا جرمانہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاضی وحاکم کے لئے جائز ہے اور بعد توبہ واپس کردینا چاہیے۔ اگر مجرم توبہ نہ کرے تو پھر مصرف خیر پر صرف کرنا جائز ہے خود رکھنا جائز نہیں۔ طرفین کے نزدیک مال کا جرمانہ جائز نہیں۔ لہٰذا احوط یہ ہے کہ مال کا جرمانہ نہ کیا جائے بلکہ ترک تعلقات وغیرہ دوسری سزائیں مقرر ہوں۔

"عن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أن التعزیر من السلطان بأخذ المال جائز، کذا فی الظهیریة. وفی الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رآی القاضی ذلك أو الوالی، جاز، ومن جملة ذلك رجلٌ لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال، اه. وأفاد فی البزازیة أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساك شئ من ماله عنه مدةً لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال، کما یتوهمه الظلمة؛ إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. وفی المجتبیٰ: لم یذکر کیفیة الأخذ، وأری أن یأخذ فیمسکها، فإن أیس من توبته یصرفها إلی مایری. وفی شرح الآثار: التعزیر

---

(۱) "وعن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "بین العبد وبین الکفر ترک الصلوة". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، الفصل الأول، ص: ۵۸، قدیمی)

"وعن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: " العهد الذی بیننا وبینهم الصلوة، فمن ترکها فقد کفر". (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث بریدة رضی الله تعالیٰ عنه، (رقم الحدیث: ۲۲۴۹۸): ۶/۴۸۸، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم یظهر منه التوبة، والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، کتاب الأداب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۹، رشیدیه)

بالمال كان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ". بحر: ٥/٤١(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۲/۱۲/۲۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ذی الحجہ/۵۲ھ۔



(١) (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٥/٦٨، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٤/٦١، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٣/١٦٥، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٢/٤١١، دارالمعرفة بيروت)

باب الحد بشرب الخمر

(شراب نوشی کی سزا کا بیان)

شراب نوشی کی سزا

سوال[۶۸۰۵] : شراب نوشی کی کیا سزا ہے؟

محمد سلیم، سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامی حکومت ہوتو کوڑے لگائے جائیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔



---

(۱) "یحد مسلم ناطق مکلف شرب الخمر ولو قطرةً .... ثمانین سوطاً". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الحدود ،باب حد الشرب : ۴/۳۷، ۴۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق ، کتاب الحدود، باب حد الشرب : ۵/۴۷، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمگیریة، کتاب الحدود ، الباب السادس فی حد الشرب: ۲/۱۶۰، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الحدود، باب حد الشرب : ۳/۶۱۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

باب القصاص والدية

(قصاص اور دیت کا بیان)

قتل کی سزا

سوال[۶۸۰۶]: جومسلمان کسی مسلمان کوکسی دنیوی معاملہ میں بر سبیلِ دشمنی وعداوت قتل کردے اوراس قاتل کوموجودہ حکومت ثبوتِ قتل ہوجانے پر سزائے موت یعنی پھانسی دیدے تو کیا قاتل کے ذمہ سے قصاصِ شرعی ادا ہوجائے گا اورآخرت کے مواخذہ سے کچھ بچت ہوجائے گی یا کیونکر؟

الجواب حامداًومصلياً:

جب کہ قاتل کوسزائے موت مل گئی اورمقتول کے ورثاء نے حکومت سے سزا دلائی ہے تو قصاص ہوگیا اگرچہ شرعاً قصاص میں قتل کیا جاتا ہے(۱)، پھانسی نہیں دی جاتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

---

(۱) "(ولا يقاد إلا بالسيف) وإن قتله بغيره .... المراد بالسيف السلاح .... والتخصيص باسم القَود لا يمنع إلحاق غيره به، ألا ترى أنا ألحقنا الرمح والخنجر بالسيف في قوله عليه السلام : "لا قود إلا بالسيف". فما في السراجية: مَن له قودٌ قادَ بالسيف، فلو ألقاه في بئر أو قتله بحجر أو بنوع آخر عُزّر، وكان مستوفياً، يُحمل على أن مراده بالسيف السلاح". (الدرالمختار، كتاب الجنايات ، فصل فيما يوجب القود و ما لا يوجبه، :۵۳۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الجنايات، الباب الثاني فيمن يقتل قصاصاً ومن لايقتل : ۴/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات ، نوع آخر : ۳۸۳/۶،رشيديه)

تادیباً مارنے سے موت واقع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۶۸۰۷]: ایک شخص نے اپنی بیوی کے مرجانے کے بعد بیوی مرحومہ کی بیوہ بہن سے نکاح کیا تو کیا یہ نکاح شریعت میں جائز ہے؟ واضح ہو کہ بیوہ بہن کے پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی، کسی معاملہ پر ایک روز اس شخص نے اس لڑکی کو مارا، دفعتاً لڑکی چند گھنٹے کے بعد مرگئی، درحقیقت اس شخص کا ارادہ جان سے مارنے کا نہ تھا۔ تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس کے مارنے سے وہ لڑکی مرجائے اس کے ذمہ ضمان واجب ہے: "كضرب المعلم إجماعاً. وإن ضرب بإذنهما، لا ضمان على المعلّم إجماعاً". كذا في الدر المختار: ۱/۱۰۴(۱)، والمحيط(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہونے والے کی دیت

سوال[۶۸۰۸]: زید عام راستے سے چلا جارہا تھا، پیچھے سے اسکوٹر سوار کے اسکوٹر کی ٹکر سے ایکسیڈنٹ ہوگیا، جس سے زید فوت ہوگیا۔ لہٰذا مقتول کے اولیاء کو قاتل اور قاتل کے اولیاء سے صلح علی المال کا حق ہے یا نہیں؟ اگر زید کے اولیاء کو مال لے کر صلح کرنے کا حق ہے تو اس کی آخری حد کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صلح علی المال کا حق ہے، قتلِ خطا میں دیت کی مقدار معین ہے، اس سے زیادہ پر صلح کا حق نہیں۔ اگر سونا

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الجنايات، فصل في الفعلين: ۶/۵۶۶، سعيد)

"رجل ضرب ولده الصغير في أدب فمات، قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: يضمن الدية، وعليه الكفارة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الجنايات، فصل في القتل الذي يوجب الدية: ۳/۴۴۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب التاسع في الأمر بالجناية ومسائل الصبيان و ما يناسبها: ۶/۴۴، رشيديه)

(۲) لم أظفر بالمأخذ

دیت میں لیا جائے تو ایک ہزار دینار سے زائد نہ ہو۔ اگر دیت مقررہ کی جنس کے علاوہ لی جائے تو اس میں کوئی قید نہیں، مثلاً غلہ لیا جائے:

"وصح (الصلح) في العهد بأكثر من الدية والإرش أو بأقل، لعدم الربا. وفي الخطأ لاتصح؛ لأن الدية في الخطاء مقدرة، حتى لو صالح بغير مقاديرها، صح كيف ماكان بشرط المجلس لئلا يكون ديناً بدين، اه". درمختار۔ "(حتى لو صالح) أفاد أن الكلام فيما إذا صالح على أحد مقادير الدية، وصح مأة بعير أو مائتا شاة أو مائتا حلة أو ألف دينار وعشرة الاف درهم". شامي مختصراً: ٤٧٦/٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۷/۹۳ھ۔



(۱) (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلح: ۶۳۴/۵، ۶۳۵، سعيد)

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

ادائے شہادت جب کہ صحیح فیصلہ کی توقع نہ ہو

سوال[۶۸۰۹]: پنجاب میں وراثت کی تقسیم کی نسبت اسلامی قانون کے بجائے برادریہ رواج کے مطابق تقسیم ہوتی ہے، لڑکیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا، بیوگان کو بجائے شرعی قانون کے ان کے حق دینے سے محض گذارہ دینا چاہتے ہیں، اگر وہ عدالت میں دعوی کرتی ہے تو تمام جائیداد پر وہ قابض ہوجاتی ہے اور دوسرے وارث محروم ہوجاتے ہیں۔ اگر وراثت کے متعلق کوئی مقدمہ موجودہ عدالت میں پیش ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ عدالت میں شریعت مقدسہ کے خلاف فیصلہ صادر ہوگا تو ایسی حالت میں اگر کوئی شخص عدالت میں شہادت نہ دے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اس بات کا یقین ہے کہ عدالت فیصلہ شریعت کے مطابق نہیں کرے گی بلکہ خلاف کرے گی اور سچی شہادت پر ثمرہ مرتب نہیں ہوگا تو ایسی حالت میں شاہد کے ذمہ شہادت واجب نہیں۔ اور جب ظنِ غالب ہو کہ عدالت شہادت کو قبول کر کے شرعی فیصلہ کرے گی اور بغیر شہادت ادا کئے مسلم کا حق ضائع ہوجائے گا تو ایسی حالت میں مسلم کے ذمہ ادائے شہادت (بغیر مشقتِ کبریٰ) واجب ہے:

قال العلامة ابن النجيم رحمه الله تعالىٰ: "الثانی: أن يعلم أن القاضی يقبل شهادته، فإن علم أنه لايقبلها، لايلزمه .... الخامس: أن يكون القاضی الذی طلب

الشاهد للأداء عنده عدلاً". بحر: ۷/۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۴/ جمادی الثانیہ/۶۰ھ۔



(۱) (البحر الرائق، کتاب الشهادات: ۷/۹۷، ۹۸، رشیدیه)

"وإن علم أن القاضي لايقبل شهادته، لايأثم". (تبيين الحقائق، كتاب الشهادات: ۵/۱۴۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الشهادة: ۳/۲۵۹، غفاريه)

کتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

لقطہ کی تفصیل

سوال[۶۸۱۰]: ضلع پنچ محال کا اجتماع گودھرا میں ۴/ اپریل/ ۸۹ء کو مرکزی مسجد میں ہوا تھا۔ مسجد ابرار کی پہلی صف میں سے ۳/ اپریل کو بوقتِ شب ایک بھروچ ضلع بھاری گاؤں کی جماعت میں سے بھائی یوسف کو ایک قیمتی رقم سونے کی ملی۔ اجتماع دو روز رہا، اجتماع میں دونوں روز برابر اعلان ہوتا رہا۔ یوسف صاحب نے امیر جماعت یعقوب جی بھائی کو وہ رقم دیدی، انہوں نے مولانا ابراہیم صاحب سے تذکرہ کیا۔ راندیر کے مفتی اور مولانا عبدالرحیم لاجپوری کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے شہر کی مسجد میں تحریری اعلان کرایا اور زبانی اعلان ہر مسجد میں ہوا۔ ۳ تا ۴/ مئی کو گودھرا میں اجتماع رہا، تین آدمیوں کی جماعت گودارا آئی اور لقطہ کا مطالبہ کیا۔ مشورہ میں طے ہوا کہ فتویٰ حسبِ ذیل باتوں کا پوچھا جائے:

۱...... ایک سال دو ماہ کا عرصہ ہوگیا تو لقطہ بھاری والے جماعتی کو دیدیا جائے کیوں کہ ان کا تقاضا بہت ہے۔

۲...... یہ رقم لقطہ گودھرا سے ملی ہے اور جس کو ملی وہ سو میل کے فاصلے پر رہتا ہے، یہ لقطہ گودھرا کے فقراء پر صرف کیا جائے یا جس کو ملی ہے اس جگہ یعنی بھاری ضلع بھروچ پر صرف کیا جائے؟

۳...... اس مسئلہ کی صفائی کے وقت یعنی لقطہ دیتے وقت مولانا ابرہیم دیولوی صاحب کا وجود ضروری ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے جس میں یہ امانت دی تھی۔

۴...... نظام الدین میں جماعتوں کی آمد و رفت بہت ہے اور وہاں خرچہ بہت ہے، وہاں صرف کرنا کیسا ہے؟

۵...... بھاری والے صاحب کی تمنا یہ ہے کہ اس رقم سے بھاری کی مسجد کی صفیں لائی جائیں تو شرعی نقطۂ

نظر سے کیسا ہے؟

۶......شریعت کے مطابق وہ لقطہ خرچ کر دیا گیا اور بعد میں صحیح مالک آ گیا تو اس مالک کو دینے کی ذمہ داری کس کی رہے گی؟

۷......شرعی حکم کے مطابق بھاری والے کو دینا ہوا تو اس کے پاس تحریری اقرار نامہ لکھوانا ضروری ہے۔

۸......مذکورہ مسئلہ میں اور بھی وضاحت ہو تو ضرور کر لیں، کیونکہ میں غریب بہت ہی پریشان ہوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......جس کو لقطہ ملا تھا، اس کو دیدیا جائے (۱)۔

۲......اس کی کوئی پابندی نہیں، جس کو زیادہ حاجت مند پائے اس پر صدقہ کردے (۲)۔

۳......مولانا ابراہیم صاحب کا موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ ان کی اجازت بھی کافی ہے (۳)۔

۴......بظاہر جماعت کے ہی کسی آدمی کی رقم ہے، پس جماعت کے ہی ضرورت مند پر صدقہ کر دینا اقرب ہے۔ مرکز نظام الدین بھیج دینے پر بھی اغلب ہے کہ اصل مالک کا پتہ چل جائے، کیونکہ وہاں پر ہر طرف سے جماعتیں آتی رہتی ہیں، اس صورت میں وہ اصل مالک کے پاس پہونچ جائے تو زیادہ اچھا ہے، پھر صدقہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی (۴)۔

---

(۱) "أی فینتفع الرافع بها لو فقیراً، وإلا تصدق: أی مَن رفعها من الأرض: أی التقطها. و أتی بالفاء، ودل علی أنه إنما ینتفع بها بعد الإشهاد و التعریف إلیٰ أن غلب علی ظنه أن صاحبها لا یطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق، وله إمساکها لصاحبها". (ردالمحتار، کتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعید)

(وکذا فی تکملة فتح الملهم: ۲۰۹/۲، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "وإلا تصدق بها علی فقیرٍ ولو علی أصله و فرعه و عرسه". (الدرالمختار، کتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعید)

(۳) "ظاهر کلامهم متوناً و شروحاً أن حل الانتفاع للفقیر بعد التعریف لا یتوقف علی إذن القاضی". (ردالمحتار، کتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعید)

(۴) "و ینبغی أن یعرفها فی الموضع الذی أصابها. وفی الجامع: فإن ذلک أقرب إلی الوصول إلی صاحبها". (الهدایة، کتاب اللقطة: ۶۱۵/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

۵......اس کی اجازت نہیں۔

۶......جس نے وہ لقطہ اٹھایا تھا، اس کی ذمہ داری رہے گی (۱)۔

۷......امین اپنی برأت ذمہ کے لئے اگر تحریر اقرار نامہ لے لے کہ میں نے یہ رقم لقطہ فلاں شخص کو جس نے کہ وہ اٹھائی تھی اور میرے پاس اماناً رکھی ہوئی تھی اس کو دیدی تو زیادہ وثوق ہو جائے گا (۲) اور بطورِ سند یہ تحریر اپنے پاس رہے گی تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے، اگر گواہوں کے سامنے واپس ہو جائے خاص کر جن کے سامنے دی گئی تھی تو یہ بھی کافی ہے۔

۸......جو توضیح مطلوب ہو اس کو لکھئے، توضیح وتشریح کردی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۰ھ۔

دھوکہ میں کسی کا سامان اٹھانے کا حکم

سوال [۶۸۱۱]: تین آدمی ایک ساتھ موٹر میں اپنے گاؤں آئے، جب بستی آئی تو موٹر میں صرف یہ تین آدمی اور تین ہی تھیلے تھے، بکر اپنا سامان اتارنے اوپر چڑھ گیا اور زید نے یوں سمجھ کر کہ ہم تین ہی آدمی ہیں اور تین تھیلے ہیں، لہذا اس نے یہ تھیلہ اٹھالیا اور ایک تھیلہ عمر نے۔ زید چونکہ اپنا اور بکر کا تھیلا لے کر نیچے کھڑا تھا، بکر جب اپنے سامان سے فارغ ہوا تو زید نے یوں کہہ کر اسے تھیلا دیدیا کہ یہ تھیلا، بکر نے یوں سمجھا کہ کہیں ان پر وزن ہوگا، لاکر انہی کے گھر ان کا تھیلہ پہونچا اور دونوں تھیلا لینے گھر پہونچے۔ اب زید کو پریشانی ہوئی کہ یہ تھیلا کس کا ہے، کیا بکر یہ تمہارا نہیں؟ میں تو یہ تمہارا سمجھ کر یہاں تک لایا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے تمہارا سمجھ کر اتارا تھا۔ لہذا اس معاملہ میں رہنمائی فرمائیں۔

---

(۱) "فإن جاء مالكها بعد التصدق، خُيّر بين إجازة فعله و لو بعد هلاكها، و له ثوابها أو تضمينه، فيملكها الملتقط من وقت الأخذ، و يكون الثواب له، خانية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۸۰/۴، سعيد)

(۲) "وهل للملتقط دفعها إلى غيره ليعرّفها؟ فقيل: نعم إن عجز. الخ، و فى القهستاني: له دفعها لأمين، و له استردادها منه". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، سعيد)

اس تھیلے میں اَور چیزوں کے ساتھ ایک کلوامرود بھی ہیں، ان کو کیسے محفوظ رکھیں جب کہ بچوں نے اس میں سے چند کھا بھی لئے، آیا اس سے کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جب دوسرے کا تھیلہ مغالطہ میں اٹھایا تو وہ ان کا ضامن بن گیا، لأنه أخذ مال غيره بغير إذن الشرع(۱)، لہٰذا اگر اس شخص کا پتہ چل جائے تو اس کو تھیلا اور جو کچھ اس میں سامان ہے واپس کرے اور جو خرچ کرلیا اس کی قیمت ادا کرے، یا اگر بازار میں موجود ہو تو خرید کر کے دے۔ اور اگر اتنے دن تک پتہ نہیں چلا کہ غالب گمان ہو گیا کہ اب مالک تلاش نہیں کرے گا، تو جو کچھ موجود ہے اس کو صدقہ کردے، اور جو موجود نہیں بلکہ خرچ کرلیا، اس کی قیمت صدقہ کردے، لیکن اگر مالک نے آکر مطالبہ کیا تو دینا پڑے گا(۲)۔

”كان يفتى صدر الشهيد: يغلب على ظنه أنه لا يطالبها مالكها بعدها .... ثم إذا مضىٰ وقت التعريف و لم يظهر صاحبُه، يتصدق به“. شرح الياس: ۲/۱۷۰(۳)۔

اگر خود غریب ہے تو بطورِ صدقہ خود بھی رکھ سکتا ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

---

(۱) ”وأخذ مال الغير بغير إذنه لنفسه سبب لوجوب الضمان“. (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في أموال اللقطة: ۸/۳۳۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ”ثم إذا عرّفها و لم يحضر صاحبها مدة التعريف، فهو بالخيار: إن شاء أمسكها إلى أن يحضر صاحبها، وإن شاء تصدق بها على الفقراء .... وإذا تصدق بها على الفقراء، فإذا جاء صاحبها، كان له الخيار، إن شاء أمضى الصدقة و له ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط“. (بدائع الصنائع، كتاب اللطقة، فصل في بيان ما يصنع باللقطة: ۸/۳۳۳-۳۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (شرح المولوی إلياس على هامش شرح النقاية، كتاب اللقيط واللقطة والأبق: ۲/۲۸۴، سعيد)

(۴) ”وإن كان فقيراً، فإن شاء تصدق بها على الفقراء، وإن شاء أنفقها على نفسه“. (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان مايصنع باللقطة: ۸/۳۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۸، شركت علميه ملتان)

پرانے کپڑوں سے سوروپیہ کا نوٹ ملا، اسے کیا کیا جائے؟

سوال[۶۸۱۲]: زید نے ایک عام گزرگاہ میں تین کپڑے پرانے پڑے ہوئے پائے، ان کپڑوں میں اسے ایک سوروپیہ کا نوٹ بھی ملا۔ زید نے راستہ سے گزرنے والے تمام لوگوں سے دریافت کیا، لیکن اس کے مالک کا پتہ نہیں چلا، آج ہفتہ عشرہ سے زیادہ ہوگیا۔ فرمائیے اس رقم اور کپڑے کا کیا کیا جائے، مسجد میں لگادیا جائے، یا کسی مدرسہ میں دے دیا جائے، یا فقیروں، حاجت مندوں میں تقسیم کردیا جائے؟

محمد اسحٰق انصاری، رائے بریلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دل یہ گواہی دے کہ اب مالک اپنے کھوئے ہوئے کپڑوں کواورنوٹ کوتلاش نہیں کرے گا توکسی غریب کودے دیں، طالب علم ہو یا کوئی اَور(۱)۔ مسجد میں خرچ کرنا، یا مدرسہ کی تعمیر، یا تنخواہ مدرس میں خرچ کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "(قوله: فينتفع الرافع): أي مَن رفعها من الأرض: أي التقطها. وأتى بالفاء، فدل على أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

"ويعرّف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك هو الصحيح، كذا في مجمع البحرين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

"ويكفي في الإشهاد قوله من سمعتموه ينشد لقطة فدلوه عليّ. ويعرفها في مكان أخذها، وفي المجامع مدة يغلب على ظنه عدم طلب صاحبها بعدها، هو الصحيح". (مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۵۲۵/۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) لقطہ واجب التصدق ہے اور واجب التصدق اشیاء کسی کو معاوضۃً نہیں دی جاسکتیں:

"ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وإلا لا): أي لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض".

(ردالمحتار، كتاب الزكوة، قبيل باب صدقة الفطر: ۳۵۶/۲، سعيد) =

لقطہ میں تصرف

سوال[۶۸۱۳]: ایک شخص نے اپنی اہلیہ کے ساتھ پاکستان کا سفر کیا، باؤڈر پر واپسی میں ایک تھیلہ ملا جس میں کچھ کپڑا وغیرہ تھا، باؤڈر سے نکل کر شوہر کو معلوم ہوا، ابھی تک دوسرا باؤڈر پار نہیں ہوا تھا، اس کی تحقیق کی مگر مالک کا پتہ نہ چلا۔ باؤڈر پر کسٹم وغیرہ بھی اس پر لگا پھر گھر آ کر اہلیہ نے کچھ کپڑے اس میں سے سلوائے۔ شوہر نے مسئلہ معلوم کیا۔ تو کیا ایسی صورت میں اس لقطہ کو صدقہ کیا جائے جب کہ سلائی و کسٹم وغیرہ خرچ ہوا، یا کپڑے کی اصل قیمت صدقہ کردی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالک کا پتہ نہ چلے اور پوری کوشش کے باوجود ناکامی ہی رہے تو وہ کپڑا بحیثیتِ لقطہ صدقہ کردیا جائے (۱) اور اس پر جو کچھ سلائی اور کسٹم میں خرچ ہوا ہے، اس کو اس میں سے وضع نہ کیا جائے، یہ خرچہ مالک کو تلاش کرنے یا کپڑے کی حفاظت کرنے میں نہیں ہوا، بلکہ اپنے مقصد کے لئے ہوا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۸ھ۔

لقطہ کا خود استعمال کرنا

سوال[۶۸۱۴]: خدمتِ اقدس میں التماس یہ ہے کہ تعریف کرکے اصل مالک گھڑی کا تلاش کرنا

= "ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره، إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضاً أجزاه وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة، كذا في معراج الدراية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذكوة، الباب السابع في المصارف، قبيل فصل ما يوضع في بيت المال أربعة أنواع: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(۱) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق......... فينتفع الرافع: أى مَن رفعها من الأرض .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

(والهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

بظاہر ناممکن ہے، کیونکہ عرصہ ۸/ سال سے زائد ہو چکا ہے اور گھڑی ریلوے لائن کے کنارہ پڑی ہوئی ملی تھی جو کہ ایک عام راستہ ہے، نہ معلوم کس کی ہوگی۔ دوسرے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اب اس وقت اگر تعریف کر کے مالک کو تلاش کیا جائے تو ایسا نہ ہو کہ پولیس وغیرہ کسی قسم کا شروفساد کریں اور چوری وغیرہ کا الزام لگادیں، لہٰذا اب شرعی حکم تحریر فرمایا جائے۔

اس گھڑی کی قیمت (جو کہ فروخت ہو چکی ہے اور خریدنے والے کے پاس بھی نہیں ہے، بلکہ پتہ یہ لگا ہے وہاں سے بھی غائب ہو چکی) کیا کیا جاوے؟ اس کی قیمت کو خیرات کر کے اس کا ثواب اصل مالک کو بخش دیا جائے، یا اگر پانے والا صاحبِ ضرورت ہو تو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟

المستفتی: محمد صدیق احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب غالب خیال یہ ہے کہ اصل مالک نے اب گھڑی کی تلاش کرنا ترک کر دیا تو اس کی قیمت کو اصل مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا جاوے، اگر خود فقیر ہو تو خود بھی قیمت رکھنا درست ہے۔ اصل مالک کو تلاش نہ کرنے کا گناہ ہوا، اس کے لئے استغفار کیا جاوے اور اصل مالک کو کچھ ثواب بھی پہونچا دیا جائے، اگر چہ وہ زندہ ہی ہو، ثواب زندہ کو بھی پہونچ جاتا ہے(۱)۔ اصل مالک جب بھی ملے، اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قیمت کا

---

(۱) "ويعرف الملتقط اللقطة فى الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك، هو الصحيح، كذا فى مجمع البحرين .... ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيّر بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

"ثم تصدق، فإن جاء ربها أجازه، وله أجره: أى ثواب التصدق .... وينتفع بها فقيراً، وإلا: أى وإن لم يكن فقيراً، تصدق ولو على أصله وفرعه وعرسه".

قال العلامة عبدالحى اللكنوى رحمه الله تعالىٰ تحت قوله: فقيراً: "أى حال كونه فقيراً، فإن كان غنياً لا ينتفع به بل يتصدق على الفقراء؛ لحديث فإن لم يأت: أى صاحبها فليتصدق به. أخرجه الدار قطنى مع حديث: فإن جاء صاحبها فأدفعها إليه، وإلا فانتفع، فالأول محمول على ما إذا كان الملتقط غنياً والثانى على ماإذا كان فقيراً". (شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية، كتاب اللقطة: ۲/۳۳۵، ۳۳۶، سعيد)

مطالبہ کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۳/ربیع الثانی/۶۳ھ۔

لقطہ سے تجارت کرنا

سوال[۶۸۱۵]: کسی شخص نے راستہ میں ایک ہزار روپیہ پایا،اس وقت مالک کو دینے سے انکار کر دیا اور اس روپیہ سے تجارت شروع کر دی جس سے بہت نفع ہوا۔نیز اب مالک کا روپیہ واپس کرنے کا خیال ہے۔تو اب مع نفع کے واپس کرنا ہوگا،یا صرف ایک ہزار ہی واپس کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو ایسا کرنا جائز نہیں، یہ خیانت ہے۔اس روپیہ سے جتنا نفع کمایا ہے اس کو غرباء پر صدقہ کر دے اور اصل روپیہ مالک کو واپس دیدے(۲)اور اپنی اس غلطی اور خیانت کی اس سے معافی بھی مانگے،توبہ واستغفار

---

(۱) "إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها. لم يجعل للتعريف مدةً اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأى، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه .... فينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير .... و فى الخلاصة: له بيعها أيضاً .... (فإن جاء مالكها) بعد التصدق، خُيّر بين إجازة فعله و لو بعد هلاكها، وله ثوابها". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، ۲۸۰، سعيد)

"فإن جاء صاحبها يعنى بعد ما تصدق بها، فهو بالخيار: إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها؛ لأن التصدق وإن حصل بإذن الشرع لم يحصل بإذنه، فيتوقف على إجازته". (الهداية، كتاب اللقطة: ۶۱۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: " وإن أخذها لنفسه حرم؛ لأنها كالغصب ". (الدرالمختار، كتاب اللقطة: ۲۷۶/۴، سعيد)

"و أخذ مال الغير بغير إذنه لنفسه سبب لوجوب الضمان". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل فى أموال اللقطة: ۳۳۰/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومن غصب ألفاً، فاشترى بها جارية، فباعها بألفين ثم اشترى بألفين جارية، فباعها بثلثة الآف =

بھی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

لقطہ کا صدقہ کرنا

سوال[۶۸۱۲]: ا......زید کو ایک عرصہ سے چاندی سونے کی چیز کھیت میں ملی، کھیت راستہ کے قریب ہے، تو بلا تلاشِ مالک خیرات کردیا، اس لئے کہ وہ چیز بہت عرصہ پہلے کی معلوم ہورہی تھی۔ تو اب زید پر کوئی تلاش وغیرہ ضروری تو نہیں؟

لقطہ کا خریدنے کے بعد استعمال کرنے کا حکم

۲......زید نے ایک شخص سے ملی ہوئی چیز خریدی اور اب تک استعمال نہیں کرتا ہے تو اس کا استعمال مناسب ہے یا نامناسب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......تلاش کرنا پہلے لازم تھا، اب جب کہ صدقہ کرچکا ہے تو تلاش لازم نہیں، تاہم اگر مالک مل جائے

= درهم، فإنه يتصدق بجميع الربح، وهذا عندهما، وأصله أن الغاصب والمودع إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة وربح لايطيب له الربح عندهما". (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "أن لها ثلثة أركان: الإقلاع والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في تفسير روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۹/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

اوروہ مطالبہ کرے تو ضمان لازم ہوگا(۱)۔

۲......جس شخص کو کوئی چیز پڑی ہوئی ملی اوراس نے اٹھائی تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ مالک کو تلاش کرے، جب پوری جستجو کے بعد مالک نہ ملے تو پھر صدقہ کردے۔ اگر وہ خود غریب محتاج ہوتو خود بھی استعمال کرسکتا ہے(۲) اوراس سے دوسرا آدمی بھی خرید سکتا ہے، اس پر مؤاخذۂ اخروی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

ڈیڑھ سال تک لقطہ کا مالک نہ آئے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۶۸۱۷]: زید نے سفر کے دوران ریل گاڑی میں سے ایک کیمرہ کافی قیمتی پایا، اس نے ریلوے حکام کو اس کی اطلاع دی کہ وہ مختلف جگہوں پر اس کی تشہیر کریں اور جن صاحب کا وہ کیمرہ ہو وہ مجھ سے لے لیں۔ ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا، مگر اس کا کوئی دعویدار ظاہر نہ ہوا۔ اب اس کیمرہ کا کیا کیا جائے؟ اور کتنے عرصہ کے بعد اس کیمرہ پر حقِ مالکانہ ہو سکے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ لقطہ ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ خود استعمال نہ کرے، حفاظت سے رکھے، نقصان نہ ہونے دے، مالک کو

---

(۱) "فلو لم يشهد مع التمكن منه أو لم يعرفها، ضمن .... والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق، وله إمساكها لصاحبها. وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً و إمساك ثمنها. ثم إذا جاء ربها، ليس له نقض البيع لو بأمر القاضي، و إلا فلو قائمةً، له إبطاله. وإن هلكت، فإن شاء ضمن البائع". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۸، ۲۷۹، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... فينتفع الرافع: أي مَن رفعها من الأرض .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

تلاش کرتا رہے، مناسب ہو تو اخبارات میں اعلان دے(۱)۔ پوری جدوجہد کے بعد جب تلاش کر کے تھک جائے مثلاً: سال بھر گزر جائے اور مالک کا پتہ نہ لگے اور دل یہ کہے کہ اب مالک بھی تلاش کر کے مایوس ہوگیا ہوگا، تو اس کو کسی غریب کو بطورِ صدقہ دیدے، اس نیت سے کہ اس کا وبال سر پر نہ رہے، اگر مالک مسلمان ہے تو اس صدقہ کا ثواب اس کو ملے(۲)۔ اس کے بعد اگر مالک آجائے اور وہ صدقہ کرنے پر راضی نہ ہو، بلکہ قیمت کا مطالبہ کرے تو قیمت کا دینا لازم ہوگا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

لقطۂ مسجد کا حکم

سوال[۶۸۱۸]: ایک نابالغ لڑکی کو مسجد کے صحن میں ایک نائلون کی تھیلی میں لپٹے ہوئے مبلغ ۳۱/ روپے دستیاب ہوئے، اسی صحن میں ایک مولوی صاحب دینی تعلیم بچوں کو دے رہے تھے، اس لڑکی نے وہ تھیلی مولوی صاحب کے حوالہ کردیا، مولوی صاحب نے مؤذن کو دیدی کہ ہر نماز کے بعد اعلان کریں۔ تقریباً چار پانچ ماہ سے زائد کا عرصہ ہوتا ہے ابھی تک اس تھیلی کا کوئی مالک نہیں آیا۔ لہذا اس رقم کو از روئے شریعت کیا کیا جائے، اگر خیرات کریں تو اس کا حق دار کون ہوگا؟

---

(۱) "وينبغي أن يعرّفها في الموضع الذي أصابها. وفي الجامع، فإن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها". (الهداية، كتاب اللقطة: ۶۱۵/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... فينتفع الرافع: أي مَن رفعها من الأرض .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

"ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيرٌ بين أن يحفظها حسبةً وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

(۳) "وإذا تصدق بها على الفقراء، فإذا جاء صاحبها، كان له الخيار: إن شاء أمضى الصدقة، وله ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط أو الفقير إن وجده؛ لأن التصدق كان موقوفاً على إجازته". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان مايصنع باللقطة: ۳۳۵/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگراس قدر اعلان کردیا گیا ہے کہ اب مالک کے ملنے کی توقع نہیں رہی تو اس کو ایسے غریب کو دیدیں جو مستحقِ زکوۃ ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

بکری کا لقطہ

سوال[۶۸۱۹]: ایک بکری کا بچہ لاوارث ملا ہے، اس کا کوئی مالک نہیں ملتا، اب اس کا کیا حکم ہے؟ اس کو کھانا یا کسی کو دینا درست ہے یا نہیں؟ کیا کوئی بکری پالنے والا، یا مولوی صاحب جبراً اس سے لے سکتے ہیں؟ اس کا مسئلہ پوری طرح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بکری کا بچہ لقطہ ہے، اس کا حکم یہ ہوگا کہ مالک کو تلاش کیا جائے(۲)، پوری تلاش کے بعد جب مالک کا پتہ نہ چلے تو کسی غریب کو بطور صدقہ دیدیا جائے۔ پھر وہ اس کو ذبح کر کے کل یا جز بغیر ذبح کئے ہی جس کو دے دے اس کو لینا اور کھانا درست ہے(۳)۔ کسی کو اس غریب سے جبراً لینے کا حق نہیں، نہ بکری پرورش کرنے والے کو نہ مولوی صاحب کو۔ اس سب کے بعد بھی اگر مالک مل جائے اور مطالبہ کرے تو اس کی قیمت کا دینا لازم

---

(۱) (راجع، ص: ۱۶۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "و یجوز الالتقاط فی الشاة والبقر و البعیر .... و ینبغی أن یعرّفها فی الموضع الذی أصابها. وفی الجامع، فإن ذلک أقرب إلی الوصول إلی صاحبها". (الهدایة، کتاب اللقطة: ۲/۶۱۵، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۳) "إنما ینتفع بها بعد الإشهاد والتعریف إلی أن غلب علی ظنه أن صاحبها لا یطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... فینتفع الرافع: أی مَن رفعها من الأرض .... وفی الخلاصة: له بیعها أیضاً". (ردالمحتار، کتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعید)

ہوگا اور صدقہ کا ثواب اس دینے والے کو مل جائے گا، اس مسئلہ کی پوری تفصیل فتاوی عالم گیری، کتاب اللقطۃ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

بھینس کا لقطہ

سوال[۶۸۲۰]: تقریباً عرصہ سوا سال ہوا، ایک بھینس فرارشدہ آئی جسے زید نے اپنی نگرانی میں لے کر اسے اپنے یہاں روک دیا اور یہ خیال کیا کہ اگر اس کا مالک آجاوے گا تو ہم اس کو واپس کردیں گے، اور آنے جانے والے لوگوں سے برابر اس کا تذکرہ کرتا رہا، مگر ابھی تک کوئی اس کا مالک نہیں آیا اور نہ اس کو پتہ چل سکا۔ تو از روئے شرع اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا وہ اس کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لقطہ کے اعلان کا جو شرعی طریقہ ہے، زید کو لازم ہے کہ اس کو اختیار کرے (۲)، ابھی اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۴ھ۔

---

(۱) "ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيرٌ بين أن يحفظها حسبةً وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۲۸۹، كتاب اللقطة، رشيديه)

(۲) "إذا رفع اللقطة يعرفها، فيقول: التقطتُ لقطةً، أو وجدتُ ضالةً، أو عندي شيء، فمن سمعتوه يطلب، دُلّوه عليّ، كذا في قاضي خان .... ونوع آخر يعلم أن صاحبه يطلبه كالذهب والفضة و سائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها و يحفظها و يعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۲۸۹، ۲۹۰، كتاب اللقطة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(۳) جو لقطہ مل جائے اس کی ایک سال تک تشہیر کی جائے، اگر اس دوران اس کا مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے حوالے کردیا جائے، ورنہ اس لقطہ کو فقراء پر صدقہ کردیا جائے، یا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت صدقہ کرلی جائے:

"والصحيح أنها غير مقدرة بمدة معلومة بل هي مفوضة إلى رأى الملتقط، فيعرّفها إلى أن =

....

= يغلب على ظنه أنها لاتطلب بعد ذلك، وقدرها محمد ومالك والشافعي رحمهم الله تعالىٰ بحول من غير فصل". (شرح الوقاية، كتاب اللقطة: ۲/۳۳۴، سعيد)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها) لم يجعل للتعريف مدةً اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأى، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لايطلبه، وصححه في الهداية، والمضمرات والجوهرة، وعليه الفتوىٰ. وهو خلاف ظاهر الرواية من التقدير بالحول في القليل والكثير كما ذكر الإسبيجابي، وعليه قيل: يعرّفها كل جمعة، وقيل: كل شهر، وقيل: كل ستة أشهر بحر". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۸، سعيد)

"قوله: (وينتفع بها لو فقيراً، وإلا تصدق على أجنبي ولأبويه وزوجته وولده لوفقيراً): أى ينتفع الملتقط باللقطة بأن تملكها بشرط كونه فقيراً نظراً من الجانبين كما جاز الدفع إلى فقير آخر". (البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۵/۲۶۴، رشيديه)

"إن كان الملتقط محتاجاً، فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذا في المحيط. وإن كان الملتقط غنياً لايصرفها إلى نفسه، بل يتصدق على أجنبي أو أبويه أو ولده أو زوجته إذا كانوا فقراء، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۲/۵۲۹، ۵۳۰، غفاريه كوئٹه)

"وفي القنية: لورجي وجود المالك وجب الإيصاء، فإن جاء مالكها بعد التصدق خيربين إجازة فعله ولو بعد هلاكها". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفي القنية) عبارتها: وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لايوجد صاحبه لايجب إيصاؤه، وإن كان يرجو وجود المالك، وجب الإيصاء، اهـ. والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها، ولم يجز تصدق الملتقط لا الإيصاء بعينها قبل التصدق بها، لكنه مفهوم بالأولى، فلذا عمم الشارح". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب اللقطة: ۴/۲۸۰، سعيد)

"كالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرفه حتى يوصلها إلى صاحبها". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة، نوع منه يعلم أن صاحبه يطلبه: ۵/۳۹۷، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

چیل سے مرغی کا بچہ گرا، اس کو کیا کیا جائے؟

سوال[۶۸۲۱]: بکر نے ایک مرغی کا بچہ چیل کے پنجہ سے چھڑالیا، یا چیل نے خود اس کے آنگن میں بچہ گرادیا، بکر نے اس بچہ کی پرورش کی اور پال پوس کر اس کو بڑا بنایا۔ اس وقت اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تلاش کرنے کے بعد بھی اگر مالک کا پتہ نہ لگے تو کسی غریب کو دیدے، خود غریب ہو تو خود بھی رکھ سکتا ہے، مالک معلوم ہونے پر اس کو دے دے، كذا في البحر الرائق(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "قوله: (وينتفع بها لو فقيراً، وإلا تصدق على أجنبي ولأبويه وزوجته وولده لوفقيراً): أي ينتفع الملتقط باللقطة بأن تملكها بشرط كونه فقيراً نظراً من الجانبين كما جاز الدفع إلى فقير آخر". (البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۵/۲۶۴، رشيديه)

"إن كان الملتقط محتاجاً فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذا في المحيط. وإن كان الملتقط غنياً لايصرفها إلى نفسه، بل يتصدق على أجنبي أو أبويه أو ولده أو زوجته إذا كانوا فقراء، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۲/۵۲۹، ۵۳۰، غفاريه كوئٹه)

"وفي القنية: لورجي وجود المالك وجب الإيصاء، فإن جاء مالكها بعد التصدق خيربين إجازة فعله ولو بعد هلاكها". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفي القنية) عبارتها: وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لايوجد صاحبه لايجب إيصاؤه، وإن كان يرجو وجود المالك وجب الإيصاء، اهـ. والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها، ولم يجز تصدق الملتقط لا الإيصاء بعينها قبل التصدق بها، لكنه مفهوم بالأولى، فلذا عمم الشارح". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۸۰، سعيد)

"كالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرفه حتى يوصلها إلى صاحبها". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة، نوع منه يعلم أن صاحبه يطلبه: ۵/۳۹۷، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

سیلاب میں بہہ کرآئی ہوئی چیز کا استعمال

سوال[۶۸۲۲]: سیلاب میں بہت سی چیزیں مویشی وغیرہ بہہ کر آتی ہیں، کیا اس کو استعمال کر سکتے ہیں جب کہ پتہ نہ ہو کہ کس کی ہے اور کہاں کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں، لقطہ کی طرح مالک کو تلاش کر کے اس کے حوالہ کیا جائے (۱)، ہاں! اگر خود غریب مصرفِ صدقہ ہے تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر مالک آئے اور مطالبہ کرے تو اس کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنے کا حکم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خوفِ دشمن سے جو مال چھوڑ کر چلا جائے اس کا حکم

سوال[۶۸۲۳]: وہ مال کہ کوئی شخص دشمن کے مقابلہ میں گیا بوجہ خوفِ دشمن مال چھوڑ کر چلا آیا، اتفاقاً دشمن بہت دور ہے اور وہاں پر کوئی نہیں، فقط وہاں کے باشندے ہیں، مال مذکور کو وہاں کے باشندے تصرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ لڑنے والے دونوں فرقے کافر ہیں۔ مالِ مذکور کا کیا حکم ہے؟ اس کو مال فئ کہیں گے، مالِ غنیمت یا مالِ زائد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں کے باشندہ کو اس مال میں تصرف کا حق حاصل نہیں اور اس مال کو مال فئے اور غنیمت نہیں کہہ

---

(۱) ”ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيّر بين أن يحفظها حسبةً و بين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها .... ويحفظها و يعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها“.

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۲۸۹، كتاب اللقطة، رشيديه)

(۲) ”فإن جاء مالكها بعد التصدق، يُخيَّر بين إجازة فعله و لو بعد هلاكها، و له ثوابها، أو تضمينه“.

(ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۸۰، سعيد)

سکتے۔ اگر اس کو مسلمان اٹھالیں گے تو وہ ان کی ضمان میں آجائے گا اور اس کا اصل مالک کو پہونچانا ضروری ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، ۶۴/۳/۴ھ۔

جو شخص پاکستان چلا گیا اس کے سامان اور مکان کا حکم

سوال [۶۸۲۴]: احمد کا کمرہ یہاں ہے، یہ پاکستان گئے تھے، وہیں مقیم ہوگئے، ان کے کمرہ میں کچھ سامان ہے۔ احمد صاحب کے پاس سامان کے لئے خط لکھا تو کوئی خاص جواب نہیں دیا، لیکن وہ حیات ہیں۔ اب ان کے سامان کے لئے کیا حکم ہے؟

زید جو احمد کے دوست ہیں احمد کے کمرہ کا کرایہ دے رہے ہیں اور انہوں نے اپنے ایک عزیز کو اس کمرہ میں رکھ بھی دیا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو سامان وہاں موجود ہے، اس کو محفوظ رکھا جائے (۲) اور مالک سے دریافت کرلیا جائے، وہ اگر ہبہ، بیع، صدقہ کرنے کو لکھے تو اس پر عمل کیا جائے۔ اگر مالک کہے تو کمرہ مالک کو دیدیا جائے یا اس سے معاملہ کرلیا جائے تا کہ وہ اس مغالطہ میں نہ رہے کہ احمد نے زید کو دے رکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ

سوال [۶۸۲۵]: محمد عبدالخالق از قانونِ حکومت ہندوستان کے باشندے ہیں۔ شخص مذکور اپنے

---

(۱) "وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف .... وإن كان يرجو وجود المالك، وجب الإيصاء، والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها و لم يجز تصدق الملتقط". (ردالمحتار: ۲۸۰/۴، كتاب اللقطة، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لقطہ میں تصرف"، رقم الحاشية: ۱)

والدین بہن اور ایک بھائی حافظ محمد عبدالحق، خویش اقرباء کو چھوڑ کر بالاختیار حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا گیا۔ جاتے وقت اپنے بھائی حافظ محمد عبدالحق سے کہا کہ میرے مال وزمین سے والدین کی خدمت کرنا اور کل جائیداد کے مالک تم ہو، محلّہ کی مسجد میں بھی اس قسم کے اختیارات بھائی کو دیا ہے۔ اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: ہندو لوگ میری داڑھی توڑنے کو کہتے ہیں، ہر اعتبار سے ستانے کی وجہ سے مجھ کو اس دیش سے نفرت ہوگئی ہے۔ بالآخر سب کو ناراض کر کے اپنی اولاد ازواج کو لے کر حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا گیا، اب ۸، ۹/ سال وہیں رہا، اس دراز زمانہ میں والد کا انتقال ہوا۔

حافظ محمد عبدالحق نے مقروض ہو کر دو بیگہ زمین فروخت کیا، اب وہ شخص پاکستان سے ہندوستان آیا اور حکومتِ ہند میں مقدمہ دائر کیا کہ مجھ کو ظلماً بھیجا گیا، میں اس دیس کا باشندہ ہوں، تیس سال بعد حکومتِ ہند نے مقدمہ سے بری کر دیا۔ اب وہ شخص دعویٰ کرتا ہے بھائی کے مشتری سے کہ میری زمین مجھ کو واپس کرو، نہیں تو میں مقدمہ چلاؤں گا۔ وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں بات ایسی اگر نہ ہو تو داڑھی کتروادوں گا، فلاں بات ایسی نہ ہو تو سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھوڑ دوں گا۔

اب دریافت طلب چند سوالات کے جواب تحریر فرمائیں:

۱...... آیا شرعاً وہ اپنی زمین لوٹا سکتا ہے یا نہیں؟ بصورتِ جواز ثمنِ مشتری کا ضمان دینا پڑیگا یا نہیں؟

۲...... اس قسم کے صریح جھوٹ مقدمہ لڑانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ عندالشرع شہادت اس کی کیسی ہے؟ اس کے پیچھے اقتدا کرنا وضمانت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

۳...... ''فلاں بات اگر ایسی نہ ہو تو داڑھی کتروادوں گا، سنت رسول چھوڑ دوں گا'' کہنا کیسا ہے؟

۴...... مع الاختیار ہندوستان کو خیر باد کر کے جانا، پھر آنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، باغی حکومت کی کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو لوگ باقاعدہ حکومت کو اطلاع کر کے پاکستان گئے، ان کی جائیداد پر حکومت نے قبضہ کرلیا ہے اور استیلائے حکومت کی وجہ سے وہ جائیداد حکومت کی ہوگئی، بھائی یا کسی کو بھی یہ کہنا کہ ''میری جائیداد کے مالک تم ہو'' مفید نہیں۔ اگر حکومت نے مالکانہ قبضہ نہیں کیا اور جائیداد بھائی کو دیدی اور بھائی نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ

جائیداد بھائی کی ہوگئی، شرعاً اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ بھائی نے جو زمین فروخت کردی اس کی واپسی کا بھی حق نہیں، کذا فی الشامی(١)۔

٢......جھوٹ بولنا اور جھوٹا مقدمہ لڑنا کبیرہ گناہ ہے(٢) جو شخص ایسا کرے وہ امامت کے لائق نہیں، کذا فی رد المحتار (٣)۔

٣......جہالت ہے، منع ہے، دین سے بُعد ہے(٤)۔

٤......اس کے لئے کوئی کلی حکم سب کے لئے نہیں، مختلف حالات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(١) "إن غلبوا على أموالنا و أحرزوها بدارهم، ملكوها، الخ". (ردالمحتار: ١٦٠/٤، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(و كذا في شرح الوقاية، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ٣١٠/٢، سعيد)

"إذا غلب كفار الترك على كفار الروم فسبوهم، وأخذوا أموالهم ملكوها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ٢٢٤/٢، رشيديه)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ٣٠)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من نفاق حتى يدعها: إذا حدث كذب". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ٥٦/١، قديمي)

(٣) "يكره إمامة عبد .... وفاسق -من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، و لعل المراد به من يرتكب الكبائر: كشارب الخمر، والزاني، وآكل الربا، و نحو ذلك". (ردالمحتار: ٥٦٠/١، كتاب الصلوة، باب الإمامة، سعيد)

(٤) "وإن فعله فعليه غضبه، أو سخطه، أو لعنة الله، أو هو زان، أو سارق، أو شارب خمر، أو آكل ربا، لا يكون قسماً، لعدم التعارف". (ردالمحتار مع الدرالمختار: ٧٢١/٣، قبيل مطلب: حروف القسم، سعيد)

مالک نے کہا کہ ''باغ کا جو پھل جو لے لے وہ اسی کا ہے''

سوال[۶۸۲۶]: زید ایک پھل کے درخت کا مالک ہے، پھل آنے پر جو پھل پک کر تیار ہو گئے ہیں وہ زید اُتار لیتا ہے، اور کچھ جو اَبھی کچے ہیں ان کے متعلق کہتا ہے کہ جو چاہے استعمال کرے یعنی اپنی ملکیت سے خارج کر دیتا ہے۔ کیا ایسے پھل ہر کس و ناکس کو استعمال کرنا جائز ہے اور کیا یہ پھل وقف کئے جا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک نے ان کچے پھلوں کو دوسروں کیلئے مباح کر دیا، لہذا دوسرے لوگ بھی لے سکتے ہیں، لیکن اپنی ملکیت سے خارج نہیں کیا، نہ کسی کو مالک بنایا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

کسی کے درخت سے گرا ہوا پھل اٹھانا

سوال[۶۸۲۷]: زید کا ایک باغیچہ ہے اور درخت ہیں، کوّے نے بیٹھ کر پھل کو درخت سے نیچے گرا دیا، وہ پھل اسی درخت کے نیچے ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس پھل کو اٹھا کر کھا لے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس گرانے کی وجہ سے وہ پھل زید کی ملک سے نہیں نکلا، بغیر مالک کی اجازت کے اس کا لینا اور کھانا درست نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "ألقى شيئاً وقال: من أخذه فهو له، فلِمَن سمعه أو بلغه ذلك القول أن يأخذه .... لأنه أخذه على وجه الهبة، وقد تمّت بالقبض". (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب: ألقى شيئاً وقال، الخ: ۲۸۵/۴، سعيد)

(۲) "وحاصل مافي شرحها عن الخانية وغيرها أن الثمار إذا كانت ساقطةً تحت الأشجار، فلو في المصر، لايأخذ شيئاً منها مالم يعلم أن صاحبها أباح ذلك نصاً أو دلالةً؛ لأنه في المصر لايكون مباحاً عادة". (ردالمحتار، كتاب اللقطه، مطلب فيمن وجد حطباً، الخ: ۲۸۴/۴، سعيد)

"إذا مرّ في أيام الصيف بثمار ساقطة تحت الأشجار، فهذه المسئله على وجوه: إن كان ذلك في الأمصار، لايسعه التناول منها، إلا أن يعلم أن صاحبها قد أباح ذلك إمانصاً أودلالةً بالعادة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللطقه: ۲۹۰/۲، رشيديه)

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

دو آدمیوں کا فیکٹری سے کام لینے میں شرکت اور خاندان کے دیگر افراد کا اس شرکت میں حکم

سوال[۶۸۲۸]: ا......ایک فرم (کمپنی) جس کا نام ''حاجی علی محمد اینڈ سنز'' ہے۔اس میں دس شریک ہیں جو سب ایک ہی گھر کے ہیں۔ دو بھائی کے دو خاندان ہیں:

۱-لال محمد، محمد شفیق، محمد حنیف، محمد اصغر، محمد سعید۔محمد شفیق سب میں بڑے ہیں۔

۲-محمد حسین، محمد رفیق، محمد خلیق، محمد عزیز، محمد جلیل۔محمد رفیق سب سے بڑے ہیں۔

کئی سال سے لال محمد، ومحمد حسین کاروبار کرتے چلے آتے ہیں، دونوں پر قرض کا بوجھ بہت ہو گیا ہے۔ شفیق صاحب کا کافی بڑے لوگوں میں میل جول ہے، ایک بڑی فیکٹری سے بات کی تھی کہ ہمارے کاروبار کا حال ٹھیک نہیں تو اس نے کہا کہ ہمارے یہاں ٹرک چلانے کا کام ہے، ہمارا ڈھویئے (۱)۔شفیق نے رفیق سے کہا: تم بھی پریشان ہو، ہم لوگ بھی، اللہ نے کام دیا ہے،تم مشینری کا کام جانتے ہو، ہمارا ٹرک دیکھ لیا کرو۔اس پر رفیق احمد راضی ہوگئے اور اپنے والد سے بھی کہا کہ اللہ نے ہماری مشکلات دور کرنے کا انتظام کردیا، ہمارا قرض دور ہوجائے گا۔رفیق کو مالک فیکٹری کے پاس لئے گئے، ہمارا بہت بڑا خاندان ہے،سب کے سب کام کریں گے اور کام اچھا کریں گے۔رفیق نے کہا ہم سب سنبھالیں گے۔

اب شفیق اور رفیق نے یہ طے کیا کہ رفیق انجن وغیرہ کا کام جانتے ہیں اور حساب کتاب تو یہ کریں، اور شفیق اوپر کی نگرانی وغیرہ دیکھ بھال، نقصان آدھا آدھا ہوگا، کام اللہ کے فضل سے شروع ہوگیا۔رفیق قرض میں الجھے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے بھائی عزیز کو اپنی طرف سے ٹرک کی دیکھ بھال اور حساب کردیا، خرچ رفیق نے

(۱) ''ڈھونا: بوجھ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، لادنا، اٹھا کر لے جانا، چوری لے جانا''۔(فیروز اللغات، ص: ۶۸۲، فیروز سنز لاہور)

اپنے پاس سے دیا۔عزیز نے اچھا کام کیا تو شفیق نے رفیق سے کہا کہ تم نے عزیز کو اپنی طرف سے کر دیا تو کام بے فکری سے ہونے لگا، خوشی ظاہر کی۔اور جب لڑکوں میں بڑا کام ہوا تو رفیق نے اپنے سامنے خود کرایا۔

کام ایک ماہ نہ چلنے پایا کہ جب شفیق نے دیکھا کہ کام اچھا ہے اور آمدنی اچھی ہے، مگر رفیق رہے گا تو سارا حال آمدنی کا معلوم ہوگا تو من مانی آمدنی خرچ نہ کرسکوں گا، نیت میں فرق آگیا تو ہر وقت رفیق سے کہتا ہے، تم کچھ نہیں کرتے۔رفیق نے کہا اپنی جگہ عزیز کو بھی لگا دیا، اور خود بھی دیکھ رہے ہیں، لیکن آپ پھر بھی ہمیشہ کہہ رہے ہیں، اس سے پہلے بھی اپنے باپ کے سامنے رفیق کو بہت ڈانٹا، اس پر غصہ میں رفیق نے کہہ دیا کہ میں آپ کے ساتھ کام نہیں کرتا، جب آپ اتنی تیزی کرتے ہیں، شفیق وہاں سے چلا گیا۔شفیق کے والد نے کہا کہ رفیق! تم کام کرو، یہ تو ایسے ہی غصہ ہوتے ہیں، رفیق نے کہا مجھے اپنی فکر نہیں ہے، سب گذر کسی طرح کرلوں گا، اور جو بھائی چاہیں جا کر دیکھ لیں، لیکن ان کے حکم کو سوچ کر دوسرے نہ کرسکیں گے۔

رفیق خود کام جا کر دیکھتا رہا۔رمضان المبارک میں ایک ہفتہ کے بعد شفیق نے کہا کہ کام کرو، تم کچھ کام نہیں کرتے۔دن رات روزہ کھولنے کے بعد بھی رفیق کام خود ہی کرتا رہا، اُسے غصہ آگیا اور کہا کہ کیا بات ہے، آپ ہر دم یہی کہتے ہیں تو اس پر شفیق نے کہا کہ تمہاری شرکت ختم ہے، کوئی حصہ نہیں ہے، ہم چاہیں دیں گے یا نہ دیں گے، چند گھنٹے کے بعد رفیق نے پوچھا ہمارا حصہ ہے یا نہیں؟ تو شفیق نے جواب دیا کہ کوئی حصہ نہیں آپ جاسکتے ہیں۔

۱......کیا اس میں سارے شرکت داروں کا برابر کا حق ہے یا صرف رفیق، شفیق کا یا صرف شفیق کا؟

۲......شفیق ناحق پر ہے یا حق پر؟

۳......رفیق اپنے حصہ کا حق دار ہے یا نہیں؟

۴......شفیق والد صاحب کی نافرمانی کررہے ہیں یا ان کو خوش کررہے ہیں؟

۵......اگر رفیق اپنا حق مانگتے ہیں یعنی ۲/۱ حصہ اور شفیق نہیں دے رہے ہیں تو کیا قانون کی رو سے مدد درکار ہو تو غلطی پر تو نہ ہوں گے؟

۶......ایسا آدمی اسلام کی نظر میں کیسا ہے کہ اپنے سارے کنبہ کا خیال نہ کرتے ہوئے اور اپنے والد کا تو قرضہ سے بے حد پریشان حال ہیں کوئی بات بھی نہ مانے اور اپنے پندرہ سو روپے خرچ کرے، لیکن مدد کرنے کو

تیار نہ ہو اور اس کے والد کی یہ حالت ہو کہ سو روپے کے لئے پریشان ہو۔ اللہ ان سے خوش ہوں گے یا ناراض؟

۷...... والد اپنے لڑکے سے کہتے ہیں کہ تم جو کمائی کرتے ہو اپنے کھانے پینے کو لے لو، باقی روپیہ ہمیں دو۔ تو کیا لڑکا نہ لے تو نافرمان اور گہنگار رہو گا؟

۸...... جو شخص جماعت اور اپنے والدین کی بات نہ مانے اس کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... ابتداءً معاملہ کی گفتگو شفیق نے کی، پھر رفیق کو شریک ٹھہرایا، اس کی پختگی کے لئے فیکٹری کے مالک کے پاس بھی رفیق کو لے جا کر سامنے کرا دیا اور اس نے شرکت کو منظور کر لیا، لہٰذا رفیق باقاعدہ شرکت دار ہوگا، اور سب خاندان کے کام میں لگنے کو بھی مالک پر ظاہر کر کے ریٹ میں اضافہ کرنے کو کہا، اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ خاندان کے لوگ اس کام میں ہم دونوں کی اعانت کریں گے جس کی وجہ سے ان کو بھی کچھ دینا ہوگا۔ پس شرکت دار دو ہیں: شفیق اور رفیق، باقی ان کے معاون ہیں (۱)۔

۲...... شفیق کا انکار غلط ہے۔

۳...... رفیق کو قرارداد کے موافق حصہ کا حق ہے۔

---

(۱) "وشركة الصنائع والتقبل: وهي أن يشترك خياطان، أو صباغ وخياط على أن يتقبلا الأعمال، ويكون الكسب بينهما". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۵۵۲، ۵۶۱، كتاب الشركة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"شركة الأعمال: هي عقد شركة على تقبل الأعمال .... فالأجيرَانِ المشتركان يعقدَانِ الشركة على تقبل: أى التزام العمل الذى يطلبه منهما المستأجر سواء متساوياً،أو تفاضلاً في ضمان العمل". (شرح المجلة: ۲/۷۳۶، ۷۳۷، (رقم المادة: ۱۳۸۵)، دارالكتب العلمية بيروت)

"أب وابن يكتسبان فى صنعة واحدة، لم يكن لهما مالٌ، فالكسب كله للأب إذاكان الابن فى عيال الأب، لكونه معيناً له، ألاترى أنه لو غرس شجرةً تكون للأب. وكذا الحكم فى الزوجين إذا لم يكن لهما شئ، ثم اجتمع بسعيهما أموال كثيرة، فهو للزوج، وتكون المرأة معينةً له، إلا إذا كان لها كسب عليحدة، فهو لها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۲۹، كتاب الشركة، الباب الرابع: فى شركة والوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

۴...... یہ تو بغیر مسئلہ دریافت کئے بھی ہر شخص جان سکتا ہے، خود شفیق بھی اور والد صاحب بھی جانتے ہیں کہ کہنا نہ ماننا نافرمانی ہے(۱)۔

۵...... جب دوٹرک اپنے اپنے الگ نہیں تھے کہ نفع ونقصان اپنا اپنا الگ الگ ہوتا، بلکہ فیکٹری کی طرف سے دوٹرک کا انتظام ہوا تو نفع ونقصان برابر رہے گا۔ رفیق کو ۱/۲ کے مطالبہ کا حق ہے، اور شفیق کو اس کا دینا ضروری ہے(۲)۔ رفیق کو قانونی مدد لینے کا بھی حق ہے، مگر بہتر اور شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں آپس ہی میں مل کر معاملہ صاف کرلیں تاکہ خاندانی محبت اور تعلق میں بھی فرق نہ آئے۔

۶...... والد کا بہت بڑا حق ہے، اپنے اوپر تنگی برداشت کرکے والد کی خدمت کرنا اور ان کو راحت پہونچانا عینِ سعادت ہے(۳)، اس کے برخلاف خود عیش وراحت میں رہنا اور والد کو تنگی میں پڑا رہنے دینا بڑی

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من أصبح مطيعاً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فوحداً. ومن أصبح عاصياً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فوحداً". قال رجل: وإن كان ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۲۱، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، قديمی)

(۲) "الشريكان يستحقان الأجر بضمان العمل، فإذا عمل أحدهما وحده ولم يعمل الآخر بأن مرض أو سافر أو توانى، فيقسم الربح والأجرة بينهما على الوجه الذى شرطاه". (شرح المجلة: ۷۳۹/۲، (رقم المادة: ۱۳۹۲)، دارالكتب العلمية بيروت)

"ان يشترك الخياطان أو الساجان أو الأسكافيان على أن يتقبلا الأعمال ويعملا على أن يكون النفع بينهما نصفين .... وكذلك اشترطا أن تكون الوضيعة بينها أثلاثاً، فلا يجوز ذالك متفقاً".

(النتف فى الفتاوى، كتاب الشركة، شركة الأبدان، ص: ۳۳۵، سعيد)

(وكذا فى ردالمحتار: ۳۲۲/۴، كتاب الشركة، مطلب فى شركة التقبل، سعيد)

(۳) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "بينما ثلثة نفر يتماشون أخذهم المطر، فمالوا إلى غار فى الجبل، فانحطت على فم غارهم صخرةٌ من الجبل، فأطبقت عليهم، فقال: بعضهم لبعض: انظروا أعمالاً عملتموها لله صالحةً فادعوا الله بها لعله يفرجها، فقال: اللهم! إنه كان لى والدَانِ شيخان كبيرَانِ، ولى صبية صغار، كنت أرعى عليهم، فإذا رُحت عليهم، فحلبت بدأت =

نالائقی کی بات ہے، نہ خدا کو پسند ہے، نہ رسول کو پسند، نہ عرفاً، نہ عقلاً، نہ اخلاقاً، غرض کسی طرح بھی پسند نہیں، بلکہ بہت مذموم اور قبیح ہے۔

۷......حدیث شریف میں ہے "أنت ومالك لأبيك"(۱) یعنی: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے لئے ہے۔ پس نفقہ واجبہ سے جو کچھ اپنے پاس ہو، اس سے والد کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

۸......اس کو دلی ہمدردی اور خیر خواہی سے سمجھانا چاہئے (۲) اور اس کے لئے دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو نرم فرمادے۔ اور کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے اس کا تعلق کرایا جائے، ان کی برکت سے

= بوالدیّ أسقیهما قبل ولدی، وإنه قد نآی بی الشجر فما أتیت حتی أمسیت، فوجدتهما قدناما، فحلبت کما کنت أحلب، فجئت بالحلاب، فقمت عند رؤوسهما أکره أن أوقظهما وأکره أن أبدأ بالصبیة قبلهما والصبیة یتضاغون عند قدمیّ، فلم یزل ذلک دأبی ودأبهم حتی طلع الفجر، فإن کنت تعلم أنی فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج لنا فرجةً نری منها السمآء، ففرّج الله لهم حتی یرون السمآء .... اهـ". الحدیث. (مشکوٰة المصابیح، ص ۴۲۰، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، قدیمی)

(۱) (فیض القدیر (رقم الحدیث: ۲۷۱۲): ۱۳۰۶/۵، مکتبه نزاد مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنه أن رجلاً قال: یارسول الله! إن لی مالاً وولداً وإن أبی یرید أن یجتاح مالی فقال: "أنت ومالک لأبیک". (سنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب ماللرجل من مال ولده، ص: ۱۶۵، قدیمی)

(وأخرجه الطبرانی فی الکبیر: ۱۹۶۱/۷)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فقولا له قولاً لیناً لعله یتذکر أو یخشی﴾ (سورة طه: ۴۴)

"وحاصل أقوالهم أن دعوتهما له تکون بکلام رقیق لیّنٍ سهل رفیق، لیکون أوقع فی النفوس وأبلغ وأنجح، کماقال: ﴿أدع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ اهـ". (تفسیر ابن عباس رضی اللّٰهتعالی عنه: ۱۵۳/۳، سورة طه: ۴۴)

﴿فقولا له قولاً لیناً﴾ قال ابن عباس رضی اللّٰهتعالی عنهما: لاتعنفاه فی قولکما وارفقا به فی الدعاء". (روح المعانی: ۱۹۴/۱۶، ۱۹۵، (سورة طه: ۴۴)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

انشاء اللہ نفع ہوگا۔ قرض کے ادا ہونے کے لئے فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورۃ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار اول وآخر دورد شریف ۱۱ مرتبہ پابندی سے پڑھنا بہت مفید اور مجرب ہے، حق تعالیٰ برکت دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۱۰/۹۰ھ۔

قبضہ کی جائیداد میں شرکت کی ایک صورت

سوال[۶۸۲۹]: زید نے ایک کھیت پر ایسے وقت میں قبضہ کیا کہ عام طریقہ سے لوگ زمینوں پر قبضہ کررہے تھے۔ اس دور میں زید نے اس کھیت پر قبضہ کیا، مگر اس وقت زید کے تین بھائی تھے، لیکن ایک بھائی اس پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی الگ ہوگئے تھے، اور زید بکر دونوں ایک ساتھ رہتے تھے۔ مگر زید نے قبضہ کرنے کے بعد جب نام لکھوانے کا وقت آیا تو صرف اپنا نام لکھوایا اور بکر کا نام نہیں لکھوایا، حالانکہ دونوں کا نام مشترک ہوا کرتا تھا، پھر زید کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت زید کے دو بیٹے تھے، اور بکر کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ اور بکر کا انتقال زید سے قبل ہی ہوگیا تھا۔

زید نے لڑکوں وغیرہ کی شادی خود کی، بکر کے لڑکوں نے کچھ خرچ وغیرہ کے بارے میں معاملات دیکھ کر علیحدگی حاصل کرلی۔ علیحدہ ہوتے وقت زید کے لڑکوں کے اوپر یکجائی خرچ کا قرض رکھ دیا گیا اور چالبازی سے ہر ایک جائیداد نصف نصف بانٹ لی گئی، زید کے مقبوضہ کھیت میں سے بھی آدھا لے گیا۔ زید کے لڑکے قانونی کارروائی کرکے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی دوسرے کے کھیت پر بلا وجہ شرعی قبضہ کرنا جائز نہیں (۱) اور ایسا قبضہ کرنے سے قابض کی ملک بھی ثابت نہیں ہوئی (۲)، پس اگر زید نے اس کھیت پر قبضہ کرکے ایسی صورت کرلی تھی، جس سے وہ شرعی مالک

---

(۱) "عن سعيد بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، قديمى)

(۲) "ان الغصب محظور، فلايكون سبباً للملك". (ردالمحتار: ۶/۲۰۱، كتاب الغصب، سعيد) =

ہو گیا تھا تو اس میں بکر کا حق نہیں تھا، بکر نے اس میں روپیہ خرچ بھی نہیں کیا تھا، زید نے ہی اپنا ذاتی روپیہ خرچ کیا تھا۔ پھر زید اور بکر کے انتقال کے بعد اس کھیت کو مشترک مان کر دونوں کے ورثاء کے درمیان مشترک قرار دینا بھی صحیح نہیں، وہ صرف زید کے ورثاء کا ہے، مشترکہ خرچ کا قرضہ اگر زید کی اولاد پر معاہدہ کے ماتحت ڈالدیا گیا اور اس نے تسلیم کرلیا تو اس کے ذمہ ہی اس کا ادا کرنا ہے۔ اگر زید نے اپنی زندگی میں بکر کو شریک مان لیا تھا تو وہ کھیت اب دونوں کے ورثاء کا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۱/۱۰/۸۹ھ۔

شرکت میں نقصان ایک شریک پر ڈالنا

سوال[۶۸۳۰]: زید نے عمر کو روپیہ دیا اور کہا کہ ہم دونوں شرکت کے ساتھ تجارت کریں گے اور جو نفع ہوگا وہ دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔ کچھ دن گذرنے کے بعد زید نے عمر سے کہا کہ میں نفع کا ایک حصہ لوں گا اور تم نفع کے تین حصہ لینا، مگر شرط یہ ہے کہ تجارت میں جو کچھ نقصان ہوگا وہ نقصان تمہارے ذمہ ہوگا۔ تو اس طرح معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روپیہ دونوں نے دیا ہے تو یہ شرکت ہے، اس میں نقصان کو صرف ایک شریک پر ڈالنا درست نہیں(۲)،

= (وكذا في قواعد الفقه، ص: ۴۹، (رقم القاعدة: ۱۹۶)، الصدف پبلشرز كراچی)

(۱) "يستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب هو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء .... والمستحقون للتركة عشرة أصناف مرتبة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) "وإن شرطا أن يكون الربح والوضيعة بينهما نصفين، فشرط الوضيعة بصفة فاسد، ولكن بهذا لا تبطل الشركة؛ لأن الشركة لا تبطل بالشروط الفاسدة، وإن وضعا فالوضيعة على قدر رأس مالهما". (الفتاویٰ التاتارخانية: ۵/۶۵۵، كتاب الشركة، الفصل الرابع في العنان، إدارة القرآن كراچی)

"الربح على ماشرطا، والوضيعة على قدر المالين". (فتح القدير، كتاب الشركة، فصل: =

اگر روپیہ زید کا ہے اور محنت عمر کرے گا تو یہ مضاربت ہے(۱)، نقصان مضارب پر ڈالنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شریک کا دوسرے شریک کے حصہ کو فروخت کرنا

سوال[۶۸۳۱]: ایک ملکیت جس میں دو آدمیوں کا حق ہے، ایک کا حق ۱۲/ آنے کا اور دوسرے کا حق چار آنے ہے، اگر یہ ملکیت فروخت کی جائے اور پہلا شخص ۱۲/ آنے کا حصہ دار دوسرے شخص چار آنے کے حقدار کو بتلائے کہ ملکیت دس ہزار روپے میں فروخت کی گئی، مگر وہ بیچی گئی ہو، اَسّی ہزار روپے میں، اگر لینے والا شہادت دے پہلے شخص سے مل کر کہ یہ سَودا دس ہزار روپے میں طے ہوا ہے۔ اس وقت دوسرے شخص کا جو حق مارا جاتا ہے اس کے لئے پہلے شخص پر کتنی ذمہ داری ہے، نیز خریدنے والا جھوٹی شہادت دے، اس پر کتنی ذمہ

= ولاتنعقد الشرط الخ: ۱۷۷/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"وإن شرط الوضيعة والربح نصفان، فشرط الوضيعة نصفان فاسد؛ لأن الوضيعة هلاک جزء من المال، فكان صاحب الألفين شرط ضمان شئ مماهلک من ماله على صاحبه، وشرط الضمان على الآخر فاسد، ولكن بهذا لا تبطل الشركة، حتى لو عملا وربحا فالربح بينهما على ماشرط، فالشركة ممالا تبطل بالشروط الفاسدة". (المحيط البرهاني فى الفقه النعماني: ۱۰۴/۶، كتاب الشركة، الفصل الرابع فى العنان، نوع منه فى شرط الربح والوضيعة وهلاک المال، مكتبة غفاريه كوئٹة)

(۱) "المضاربة عقد على الشركة بمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الأخر، ولامضاربة بدونها". (الهداية، كتاب المضاربة: ۲۵۵/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "ويبطل الشرط كشرط الوضيعة: هى الخسران على المضارب؛ لأن الخسران جزء هالک من المال، فلايجوز أن يلزم غير رب المال، لكنه شرطٌ زائدٌ يوجب قطع الشركة فى الربح، ولاالجهالة فيه فلايفسد المضاربة؛ لأنها لاتفسد بالشروط الفاسدة كالوكالة". (مجمع الأنهر: ۴۴۷/۳، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب المضاربة: ۴۵۱/۸، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۴۷/۳، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

داری ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلا شخص (جس کا حق بارہ آنے کا حصہ ہے) کو صرف اپنا حصہ فروخت کرنے کا حق ہے، اگر اس نے اپنے دوسرے شریک کا حصہ بھی فروخت کردیا تو یہ شریک کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ اجازت دے گا تو یہ بیع نافذ ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔ اگر صورتِ مسئولہ میں اس نے اجازت دے دی ہے اور اس کے بعد اس سے اصل قیمت کو چھپایا گیا ہے تو اس میں جتنی مقدار کو چھپایا گیا ہے، اس کے ایک چوتھائی کا وہ حقدار ہے، لازم ہے کہ اس کو ادا کرے ورنہ غاصب اور سخت گنہگار رہوگا اور یہ مال اس کے لئے حرام ہے (۲)۔ اور جو شخص جھوٹی گواہی دے

---

(۱) "كل من الشركاء في شركة الملك أجنبي في حصة سائرهم، فليس أحدهم وكيلاً عن الأخر، ولايجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۰۱، (رقم المادة: ۱۰۷۵)، دارالكتب العلمية بيروت)

"وكل منهما أجنبي في نصيب الأخر، حتى لايجوز له التصرف فيه إلابإذن الأخر كغير الشريك، لعدم تضمنها الوكالة". (مجمع الأنهر: ۲/۵۴۳، كتاب الشركة، مكتبة غفاريه كوئٹة)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۵/۱۲۲، كتاب الشركة، الفصل الأول، إدارة القران، كراچي)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه".

"عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدّي".

"عن السائب بن يزيد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لايأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباً جادّاً، فمن أخذ عصا أخيه، فليردها إليه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

"عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لاجلب ولاجنب ولاشغار في الإسلام، ومن انتهب نهبةً، فليس منا". (جامع الترمذي، ۱/۲۱۳، كتاب النكاح، باب ماجاء من النبي عن النكاح الشغار، قديمي)

کراس کی مدد کرتا ہے وہ بھی سخت گنہگار ہے (۱)، اس کے لئے ضروری ہے کہ حقیقتِ حال کا اظہار کرے اور اپنی جھوٹی گواہی سے رجوع کرلے اور توبہ واستغفار کرے (۲)۔ البتہ دوسرے شریک کے بقیہ حصہ دار کا ذمہ دار پہلا شریک ہوگا، خریدار نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۶/۵/۸۸ھ۔

زمین کے بٹوارہ میں شرکاء کو کم وزیادہ حصہ دینا

سوال[۶۸۳۲]: ایک باپ کے پانچ بیٹے ہیں جب علیحدہ ہوئے تو زمین بھی آپس میں بحصہ برابر تقسیم کرلی گئی، پٹواری کا غذاتی کاروائی کے اعتبار سے تقسیم نہیں ہوئی اور سرکاری کھاتہ سب کا ایک ہی رہا۔ جب چک بندی شروع ہوئی تو ان پانچوں اولاد نے درخواست لکھ کر پٹواری کو دی کہ سب کا کھاتہ علیحدہ کردیا جائے، ان پانچوں بھائیوں کو زمین کا ایک کھیت جو پانچ بیسوا ہے (۴) گاؤں کے قریب ہے، ان میں سے بیسوا پلاٹوں

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحلت لكم الأنعام إلا مايُتلى عليكم، فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أفلايتوبون إلى الله، ويستغفرونه، والله غفور رحيم﴾ (المائدة: ۷۴)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾.

"ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر .... وعبارة المازري: "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور ولاتجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني، سورة التحريم، مبحث في: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ الخ ، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه، أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"المباشر ضامن وإن لم يتعمّد". (شرح المجلة: ۱/۶۰، (رقم المادة: ۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) "بسوہ: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ، زمین ناپنے کا ایک پیمانہ"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۰۴، فيروز سنز، لاهور)

میں دوسرے کے پاس چلے گئے۔ پٹواری نے تین بیسوا کی تقسیم اس طرح کی کہ ایک حصہ کو پانچ مرلہ دیا اور ایک حصہ کو چار مرلہ دیا، اور تین حصہ داروں کو تین مرلہ دیا۔

اب وہ تین حصہ دار یہ کہتے ہیں کہ ہم برابر کا حصہ لیں گے۔ گاؤں کی پنچائت جمع ہوئی اور یہ فیصلہ کیا کہ تم تینوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور یہ بھی کہا کہ تم آپس میں بھائی ہو، اگر یہ دے دیں تو فیصلہ کرلو، مطلب یہ کہ حکومت نے سب کو برابر نہیں دیا۔ اب وہ تین بھائی پانچ مرلہ والے کو تنگ کرتے ہیں، تقسیم دوبارہ کرو، اور چار مرلہ والے سے کچھ نہیں کہتے۔ تو اس کا یہ سوال شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سب بھائی برابر کے حقدار ہیں، لہذا ہر ایک کو برابر ملنا چاہئے، لأن مطلق الشركة التسوية(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/ ۸۸ھ۔

قرض یا شرکت میں معاملہ کی پابندی

سوال[۶۸۳۳]: میرے دیور کا ایک موٹروں کا کارخانہ ہے جس میں چار لوگوں کا حصہ تھا، انہوں نے تین کو کچھ سالوں کے بعد برخواست کردیا۔ اور اب مزید ان کو کام کرنے کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے، انہوں نے آکر ہم لوگوں سے کہا کہ کچھ پیسے ہو تو لگاؤ، میں ماہانہ آپ کو تین سو روپیہ دونگا۔ ہمارے یہاں نقد پیسہ تو نہیں تھا۔ ہم نے ایک مکان – جو سولہ سترہ ہزار کا تھا – چھ ہزار میں بیچ کر انہیں چھ ہزار روپیہ دے دیئے تھے۔ اس

(۱) "رجل اشترى عبداً وقبضه، فطلب رجل آخر منه الشركة فيه فأشركه فيه، فله نصفه بنصف الثمن اشتراه، بناءً على أن مطلق الشركه يقتضي التسوية إلا أن يبين خلافه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۹۴، الفصل الثاني في الالفاظ التي تصح بها والتي لاتصح، رشيديه)

"ان مقتضى الشركة يقتضي التسوية، قال الله تعالى: ﴿فهم شركاء في الثلث﴾". (فتح القدير، كتاب الشركة: ۶/۱۶۶، مصر)

"لان الشركة تقتضي التسوية". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۳۸۰، كتاب الشركة، ومما يتصل بهذاالفصل، مكتبه غفاريه كوئٹه)

لئے رسید وغیرہ نہ لی گئی اور نہ ہی پیسہ کسی کے سامنے دیا گیا۔ اس کارخانہ کے پیچھے میرے دیور نے خوب محنت کی اور کارخانہ کی مالیت بڑھ کر پچاس ہزار تک ہوگئی۔

کارخانہ میں پیسہ لگانے کے بعد میرے شوہر بھی حصہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ طے یہ پایا تھا کہ آفس کا کام میرے شوہر کریں گے، ٹیکنیکل کام میرے دیور کریں گے۔ جس وقت آ کر انہوں نے پیسہ لگانے کی پیش کش کی تھی تو مجھ سے بڑے بڑے وعدہ وعید کئے تھے، جب کارخانہ خوب ترقی کر گیا تو میرے شوہر اور میرے دیور کی نہ بننے لگی، بات بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک پہونچ گئی اور میرے دیور کے سر میں چوٹ بھی آئی تھی۔ اس کے بعد میرے شوہر علیحدہ ہوگئے، مگر چونکہ بات اس قدر بڑھ چکی تھی کہ میرے دیور نے ایک پیسہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بھائی نے کارخانہ میں پیسہ مار کے کھایا ہے، اس لئے اب میں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا، اور سر کی چوٹ پر کہا کہ دراصل یہ میرے قتل کی سازش تھی۔

اب ہمارے لئے بڑی پریشانی کی بات تھی، کیونکہ ذریعۂ آمدنی کچھ نہ تھا اور افرادِ خانہ تیرہ ہیں۔ آخر میں نے جا کر ان کے ہاتھ پاؤں پکڑے، اس کے بعد میں نے نوکری کر لی (۱)، جب وہ ہر طرح سے انکار کر دیئے تو میں نے بہت عاجزی سے کہا کہ آپ میرے پڑھائی ختم ہونے تک قرض سمجھ کر دے دیجئے، میں بعد میں ادا کر دوں گی۔ انہوں نے کہا: خیر اب میں خود آپ لوگوں کا پیسہ رکھنا نہیں چاہتا، تھوڑا تھوڑا کر کے ایک ایک ماہ کے وقفہ سے ادا کر دوں گا، اس طرح انہوں نے ہمیں دو تین سال تک تین سو روپیہ برابر دیئے۔ اس کے بعد کچھ خاندانی جھگڑے ہوئے تو پیسے بند کر دیئے، میں پھر گئی تو بولنے لگے کہ اب میں اتنے نہیں دے سکتا، میری بچی کی شادی ہوگی، صرف دو سو دونگا، ہم اس پر بھی راضی ہوگئے، مگر دو سال دینے کے بعد بولے کہ اب میں ایک سو دوں گا، ہم نے اس پر بھی صبر کر لیا۔

چار ماہ کے بعد سو روپیہ دے کر کہہ رہے ہیں کہ اب میں کچھ نہیں دونگا، میرے سے کچھ نہیں ہوسکتا، اصل رقم جو کارخانہ میں لگائی تھی تو اس کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ سب اسی میں ادا ہوگئی، یہ میری مہربانی تھی جو اَب تک دیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بتایئے کہ ان کا یہ فیصلہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

---

(۱) ''نوکری کرنا: ملازمت کرنا، عاجزی کرنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۷، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس تفصیل کے ساتھ معاملہ ہوا ہے، اسی تفصیل کے ساتھ روپیہ دینا لازم ہے، جس قدر دے دیا ہے اس کو حساب میں لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کو دے دینے کے بعد سب معاملہ ختم نہیں کیا جاسکتا، جب کہ معاملہ شرکت کا تھا یا قرض کا، اگر شرکت کا تھا تو اس کی پابندی لازم ہے، اگر قرض کا تھا تو اس کی پابندی لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۸۹ھ۔

نــوٹ: لیکن شرکت میں معیّن رقم کسی شریک کو دینے کی شرط لگانے سے شرکت فاسد ہو جاتی ہے اور قرض دیکر منافع لینا سود ہے(۲)۔

---

(۱) "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". فإذاشرط في عقد مايجلب نفعاً إلى المقرض من نحو زيادة قدر أو صفة بطل". (فيض القدير: ۹/۴۴۹۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"وإن عقد القرض يقصد به الرفق بالناس ومُعاونتهم على شئون العيش وتيسير وَسَائل الحياة، وليس هو وسيلةً من وسائل الكسب ولا أسلوباً من أساليب الاستغلال، ولهذا لايجوز أن يردّ المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله، تبعاً للقاعدة الفقهية: كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فقه السنة، القرض: ۳/۱۴۷، ۱۴۸، دارالكتب العربي بيروت)

(۲) "وركنها الإيجاب والقبول، وشرطها عدم مايقطعها كشرط دراهم معينة من الربح لأحدهما". (مجمع الأنهر: ۲/۵۴۴، كتاب الشركة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وتفسد إن شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح؛ لأنه شرطٌ يوجب انقطاع الشركة في بعض الوجوه، فلعله لايخرج إلا القدر المسمى لأحدهما من الربح". (تبيين الحقائق: ۴/۲۴۸، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴/۳۰۵، كتاب الشركة، سعيد)

"يشترط أن تكون حصص الربح التي تنقسم بين الشركاء جزءاً شائعاً كالنصف والثلث والربع، فإذا اتفق الشركاء على إعطاء أحدهم قدراً معيناً، كانت الشركة باطلةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۷۱۳، (رقم المادة: ۱۳۳۷)، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۲۹۴، كتاب الشركة، امجد اكيڈمی لاهور) .... =

بلا اجازتِ شرکاء ایک شریک کا مشترکہ زمین میں کاشت کرنا

سوال [۶۸۳۴] : ۱...... زید، عمر، بکر، خالد کا مشترکہ باغ ہے جس کی تقسیم ان چاروں کے درمیان نہ قانونی ہوئی اور نہ باہمی رضامندی سے۔ اب اگر ایک شریک اس میں کاشت کرے اور دوسرے شرکاء کو کچھ نہ دے تو ایسی صورت میں دوسرے شرکاء کا منافع طلب کرنا، یا حساب مانگنے کا حق پہونچتا ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ میں نے جو کچھ کاشت کی ہے وہ اپنے حصۂ رسد کے اندر ہی کی ہے، اس لئے دوسرے شرکاء کی رضامندی کی ضرورت نہیں؟

۲...... اس باغ کے لئے ایک انجن شرکاء نے خریدا تھا جو باغ لگا ہوا تھا، ایک شریک نے اس کو وہاں سے ہٹا کر اپنی زمین میں لگالیا، جس سے باغ کو نقصان پہونچا۔ کیا بقیہ شرکاء کو نقصان طلب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بغیر دیگر شرکاء کی رضامندی کے اس کو کاشت نہیں کرنا چاہیے، تقسیم کرالے پھر اپنے حصہ میں کاشت کرلے، لیکن موجودہ صورت میں جب اس نے اپنے حصہ ہی میں کاشت کی ہے اور دیگر شرکاء نے اجازت نہیں دی تو ان کو پیداوار میں سے حصہ طلب کرنے کا بھی حق نہیں (۱)۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۲۹٦/۵، كتاب الشركة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "والكرم والأرض إذا كان مشتركاً بين رجلين وأحدهما غائب، أو كان الأرض بين بالغ ويتيم، يرفع الأمر إلى القاضي، فإن لم يرفع الأمر إلى القاضي وزرع الأرض بحصة، طاب له". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة: ٦۱٦/۳، فصل في شركة العنان، رشيديه)

"إذا زرع أحد الشركاء الأراضي المشتركة، فليس للآخر أن يطلب حصته من الحاصلات على عادة البلدة مثل الثلث أو الربع". (شرح المجلة: ۷۰۳/۱، (رقم المادة: ۱۰۷٦)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"كذلک لو زرع واحد مستقلاً أرضاً يملكها بالاشتراک مع آخر بلا إذنه، فلشريكه بعد استرداد حصته من الأرض أن يضمنه مايصبه من نقصانها الذى حدث بزراعته، وليس له أن يأخذ من الزارع حصة نصيبه من الغلة". (شرح المجلة: ۵۰۵/۱، ۵۰٦، (رقم المادة: ۹۰۷)، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

۲......اس شریک کے لئے اس انجن کو باغ مشترکہ سے منتقل کرکے اپنی ذاتی انفرادی زمین میں لگانے کا حق نہیں تھا، اس نے غلطی کی، اس کی وجہ سے باغ کو جو نقصان پہونچا ہے، اس سے دیگر شرکاء کو وصول کرنا درست نہیں، جتنے روز اس نے اپنی زمین میں انجن استعمال کیا ہے، اس کا معاوضہ بھی اس سے وصول کرنے کا حق نہیں، اگر چہ اس کا استعمال کرنا غلط، حق تلفی اور ایک قسم کا غصب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۶ھ۔

مشترکہ آمدنی سے بچا کر روپیہ الگ رکھنا اور اس سے مکان خریدنا

سوال[۶۸۳۵]: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین!

امابعد! جناب مولانا مولوی مفتی صاحب!

السلام علیکم!

عرض کہ فدوی پانچ بھائی تھے اور ہمارے باپ ماں بھی حیات ہیں، میں سب سے بڑا بھائی ہوں اور سب میرے سے چھوٹے تھے اور ہم سب اکٹھا رہا کرتے تھے، اور سب بھائیوں میں مَیں ہی کمانے کے قابل تھا، کیونکہ اَور بھائی چھوٹی عمر کے تھے، اور ان سب کو کام سکھائے گئے۔ اب ایک بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، اس وقت چار بھائی موجود ہیں اور تین بہنیں موجود ہیں۔

ایک بھائی جو کہ میرے سے چھوٹا اور دو سے بڑا ہے، اس کو درزی کا کام سکھایا گیا ہے، پہلے وہ اس قابل نہیں تھا کہ کچھ کما سکے سب اکھٹے اپنی گذر اوقات کرتے رہے، اور ان کو کام سکھاتے رہے۔ جب وہ بھائی کمانے کے قابل ہوگیا، اس وقت وہ اپنی کمائی علیحدہ جمع کرتا رہا، حتی کہ اپنا خرچہ خوراک بھی ہم کو نہیں دیتا تھا اور وہاں باپ اس کو ہر چیز سمجھاتے رہا کرتے تھے کہ تم کو یہ مناسب نہیں کہ تم اپنی کمائی الگ جمع کرتے رہو، کم از کم

---

(۱) "لو استعمل واحد مالاً، أو عطل منافعه كما إذا غصب حيواناً فأمسكه ولم يستعمله بدون إذن صاحبه، كان عاصياً، فلايلزمه ضمان منافعه". (شرح المجلة: ۱/۳۱۸، (رقم المادة: ۵۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"منافع الغصب استوفاها أو عطلها، فإنها لاتضمن عندنا". (الدرالمختار، كتاب الغصب، مطلب في ضمان منافع الغصب: ۶/۲۰۶، سعيد)

اپنا خرچہ ان کو دیتے رہا کرو، مگر وہ کچھ خیال نہیں کرتا تھا۔اس کی شادی بھی شاملات میں رہتے ہوئے کردی گئی، شادی ہونے پر اس نے کوئی خرچہ اپنا اور اپنی بیوی کا ہمیں نہیں دیا، عرصہ تک دونوں میاں بیوی بلاخرچہ دیئے ہمارے ہی شاملات میں کھاتے رہے۔

جب اس کو بہت کہا گیا تو کبھی کبھی پانچ چار سوروپے دیا کرتا، اس کے بعد اپنا مکان علیحدہ خرید لیا۔جس وقت وہ علیحدہ ہونے لگا، اس وقت اس کو کہا گیا کہ جب تک اَور بھائی بہنوں کی شادی نہ ہوجائے اور یہ بھائی کمانے کے قابل نہ ہوجائیں، اس وقت تک تم کو علیحدہ ہونا ٹھیک نہیں، مگر وہ نہ مانا اور مکان خرید کر علیحدہ ہوگیا، اور اسی رقم سے اس نے مکان خریدا جو اس نے کما کر اکھٹا کی تھی۔ ہمارے ذمہ کچھ قرض بھی ہوگیا، اس میں بھی اس نے کچھ نہیں دیا۔

اس نے جو مکان خریدا وہ قابلِ مرمت تھا، میں چونکہ معماری کا کام جانتا ہوں، بہت دن تک اپنی مزدوری اس میں خرچ کی اور خیال یہ تھا کہ اگر بھائی اس کے اندر رہے گا تو کچھ مزدوری نہیں لوں گا اور اگر فروخت کرے گا تو مزدوری لوں گا۔ جب سے بدامنی ہوئی ہے اس وقت سے وہ ازحد کوشش کررہا ہے کہ مکان فروخت کرکے پاکستان چلا جائے، اس کو ہر چند کہا گیا کہ مکان فروخت نہ کرو، مگر وہ نہیں مانا۔ مکان فروخت کرنے کی غرض سے ایک سال سے اپنے آپ کو پاگلوں اور دیوانوں کی حالت میں تبدیل کررکھا ہے، ہر چند یہ کوشش کررہا ہے کہ مکان فروخت کردے، حالانکہ اس وقت بھی اس کے پاس چھ سوروپیہ نقد اور اتنے کے زیوارات موجود ہیں۔

اس کو کہا جاتا ہے کہ اس رقم اور زیورات میں سب کا حصہ ہے، ان کو بھی دینا چاہیئے، مگر وہ نہیں مانتا، حالانکہ ماں باپ بہت ضعیف ہیں، نماز بھی مشکل سے ادا کرتے ہیں اور بھائی بھی ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ اپنا گذارہ بخوبی کرسکیں، یہاں تک کہ ماں باپ کا بھی اعتبار نہیں کرتا، اپنی جمع کردہ رقم دوسروں کے پاس رکھتا ہے۔ کیا دوسروں کو وہ رقم رکھنی جائز ہے، جبکہ ان کو معلوم ہے کہ مشترکہ سب کی ہے اور شاملات میں رہتے ہوئے اکھٹی کی گئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ رقم اس نے کسی سے چوری نہیں کی، بلکہ خود کمائی ہے تو یہ چوری کا مال نہیں، لہٰذا جس کے پاس یہ

رقم رکھی ہے، اس کو رکھنا درست ہے۔ اگر ماں باپ اور بھائیوں کے مال کو چوری کرکے رقم جمع کی ہے تو یہ چوری کا مال ہے، ایسی حالت میں اس شخص کو رقم کا رکھنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال[۶۸۳۶]: ۱......اس رقم کے اندر ماں باپ، بھائی، بہو کا حق ہے یا نہیں؟

۲......جو مکان اس نے خریدا ہے اس کے اندر بھائیوں کا حق ہے یا نہیں؟

۳......اس کو اس طرح علیحدہ ہونا جائز تھا جب کہ بھائیوں کی شادیاں نہیں ہوئیں اور برسرِ روزگار بھی نہیں؟

۴......اس کو قرضہ دینا جائز تھا یا نہیں جو کہ شاملات میں رہتے ہوئے ہوا؟

۵......اگر وہ مکان فروخت کرے تو جو مزدوری میری خرچ ہوئی ہے، لینا جائز ہے یا نہیں؟

۶......اگر وہ رقم ہمیں دے تو اس کو ماں باپ، بھائی بہنوں میں کس طرح تقسیم کریں؟

۷......اس شخص کے لئے کچھ سزا ہے یا نہیں، جو کہ سب بات کو جانتے ہوئے اس کی رقم کو رکھتا ہے؟ اور

---

(۱) اس صورت میں اس رقم کا رکھنا اعانت علی المعصیة کی بنیاد پر رکھنا جائز نہیں:

قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان، واتقو الله، إن الله شديد العقاب﴾ (سورة المائده: ۲)

"يأمر تعالیٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر والتقوى وترک المنكرات، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المأثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۶/۲، تفسير سورة المائدة، دارالفيحا، بيروت)

"﴿ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية، فيعمّ النهی كل ماهو من مقولة الظلم والمعاصی". (روح المعانی: ۵۷/۶، (سورة المائدة: ۲)، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"فإن ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها لمافيه من الإعانة على مالا يجوز، وكل ما أدى إلى مالايجوز، لايجوز". (الدرالمختار: ۳۶۰/۶، كتاب الخطر والإباحة، فصل فی اللبس، سعيد)

اگر ہے تو حشر کے روز اس کی کیا سزا ہے؟

۸......اور میرے بھائی کی کیا سزا ہے، جس نے کہ اتنی پریشانیاں پیدا کیں اور اگر ہے تو حشر کے روز کیا سزا ہے تا کہ اس کو سمجھا دیا جائے اور وہ راہ راست پر آسکے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر ماں باپ، بھائی بہنوں سے چوری کی ہے تب تو سب انہیں کی ہے، اگر خود کمائی ہے تو خود اس کمانے والے کی ہے، ماں باپ وغیرہ کا اس میں حق نہیں، ہاں! جو کچھ انہوں نے اس پر خرچ کیا ہے اگر قرض کہہ کر خرچ کیا ہے، وہ لے سکتے ہیں (۱)۔اور بوقتِ حاجت والدین کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہوتا ہے جس میں دوسرے اولاد کے ساتھ یہ بھی شریک ہے (۲)۔

---

(۱) "فصل: القرض هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال الأخر ليردّ مثله" (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۱۶۱، فصل في القرض، سعيد)

"وإن كان مال الصغير غائباً، أمر الأب بالإنفاق عليه ويرجع في ماله، فإن أنفق عليه بغير أمره لم يرجع، إلا أن يكون أشهد أنه يرجع، ويسعه فيما بينه وبين الله تعالىٰ أن يرجع وإن لم يشهد إذا كانت نيته يوم دفع أنه يرجع، وأما في القضاء فلا يرجع إلا أن يشهد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الرابع في نفقة الاولاد: ۱/۵۶۲، رشيديه)

(۲) "ولأبويه وأجداده وجداته لو فقراء: أي تجب النفقة لهؤلاء". (البحر الرائق: ۴/۲۰۵، باب النفقه، كتاب النكاح، رشيديه)

"وعلى الرجل الموسر أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذاكانوا فقراء وإن خالفوه في الدين". (الهداية: ۲/۴۴۰، كتاب النكاح، باب النفقة، مكتبه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۴، الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام، رشيديه)

"إذاعمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله، فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعدّ معيناً له. فيه قيدان احترازيان: الأول: أن يكون الابن في عيال الأب، الثاني: أن يعملامعاً في صنعة واحدة؛ إذ لوكان لكل منهما صنعة يعمل فيها وحده، فربحه له". (شرح المجلة: ۱/۷۴۱، (رقم المادة: ۱۳۹۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۳۲۹، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

۲......اس میں بھائیوں کا حق نہیں۔

۳......علیحدہ ہونا اس کو جائز ہے، لیکن ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہ کر کھانا، پہننا، اور اپنی کمائی علیحدہ جمع کرنا بہت بڑی بے مروتی اور انتہائی احسان فراموشی ہے جس کا نتیجہ بہت خراب ہے(۱)۔

۴......جس طرح وہ کھانے پینے میں سب کے شریک رہا اس کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں جو قرض ہوا، اس کے ادا کرنے میں بھی سب کے ساتھ شریک رہے۔

۵......اگر کوئی معاملہ طے کیا ہے تو اس معاملہ کے موافق مزدوری لینا درست ہے، محض دل میں رکھنا اور نیت کر لینا کافی نہیں (۲)۔

۶......اس کی سعادت یہ ہے کہ والدین کی خدمت میں وہ رقم پیش کردے، پھر والدین سب کو برابر دے دیں۔

۷......اس کا جواب سب سے پہلے نمبر میں آ گیا۔

۸......اس کو نصیحت کی جائے والدین کے حقوق بتائے جائیں (۳)، اگر نہ مانے تو اس کے لئے

---

(۱) "أنت ومالك لأبيك". يعني: أن أباك كان سبب وجودك ووجودك سبب وجود مالك، فصارله بذلك حق كان به أولى منك بنفسك، فإذا احتاج فله أن يأخذ منه قدر الحاجة". (فيض القدير: ۵/۲۳۰۶، (رقم الحديث: ۲۷۲۱)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

(۲) "تنعقد الإجارة بالإيجاب والقبول كالبيع . الإيجاب والقبول في الإجارة عبارةٌ عن الكلمات التي تستعمل لعقد الإجارة". (شرح المجلة: ۱/۲۴۳، رقم المادة: ۴۳۳، ۴۳۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والأصل أن الضمانات في الذمة لاتجب إلابأحد الأمرين: إمابأخذ أو بشرط، فإذا عدما لم تجب، والشرط قبول العقد كالشراء والاستيجار والكفالة ونحو ها". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۶)، ص: ۱۵، صدف پبلشرز)

نوٹ: لیکن سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ با قاعدہ معاملہ طے نہیں کیا ہے، اس لئے مزدوری لینے کا حق دار نہیں ہے۔

(۳) "عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على إقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، والنصح لكل مسلم". (صحيح البخاري، باب: ۱/۱۲۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۵۶، قديمي)

دعائے خیر کی جائے اور معاف کر دیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ اس سب پریشانیوں پر بہت بڑا اجر ملے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/شوال/ ۶۷ھ۔

ہوٹل کے ایک شریک کا اپنے دوستوں کو مشترکہ کھانا کھلانا

سوال[۶۸۳۷] : ایک ہوٹل میں زید، عمر، بکر، تینوں شریک تھے۔ زید کے ملنے والے آدمی ہوٹل آتے ہیں اور چائے کھانا وغیرہ بعض مرتبہ یا اکثر اوقات کھلانا پڑتا ہے اور زید کے دل میں خیال آتا ہے چوں کہ ہوٹل میں کئی آدمی شریک ہیں، ایسا نہ ہو کہ عمر و بکر اس بات کا خیال کریں کہ زید کے آدمی چائے وغیرہ پیتے ہیں، لہذا زید نے عمر و بکر سے یہ بات کہہ دی کہ اگر چہ آپ کو کھلانا پلانا برا نہ لگتا ہو، مگر میرے دل میں یہ بات گوارا نہیں، لہذا ہم یہ فیصلہ آپس میں کرلیں کہ تین چار سال کا تخمینہ آمدنی دیکھیں کہ ہوٹل کی آمدنی ماہواری کیا ہے۔

چنانچہ حساب لگایا تو تین ہزار روپیہ کی ماہوار آمدنی ہوئی، لہذا زید چاہتا ہے کہ عمر و بکر کو یعنی دونوں کو ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار ادا کر دے۔ خواہ ہوٹل میں آئندہ چل کر اتنی ہی آمدنی ہو یا کم ہو یا زیادہ ہو یا نہ ہو، دونوں کو ایک ایک ہزار روپے دیدیا کرے۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے ملنے والے آدمی چائے، کھانا تینوں کا مشترک کھاپی لیتے ہیں اور زید ان سے قیمت نہیں لیتا ہے، عمر و بکر بھی زید کے تعلق کی بناء پر اس کو برداشت کر لیتے ہیں، یہ ان کا زید پر احسان ہے، زید اگر اس احسان کے عوض بے ضابطہ ان کو کچھ رقم دیدیا کرے (ایک ہزار یا کم وبیش حسبِ صوابدید) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿خذ العفو وأمر بالمعروف وأعرض عن الجاهلين﴾. (سورة الأعراف: ۱۹۹)

(۲) یعنی شرکت کا معاملہ برقرار رہتے ہوئے اپنی جیب سے ایک ایک ہزار روپیہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ زید کی طرف سے احسان کا بدلہ ہے، قال الله تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۶۰)

ایک شریک کا مشترکہ مکان سے نفع اٹھانا

سوال [۶۸۳۸]: مسمی عبداللہ نے ۱۹۰۱ء میں ایک مکان تعمیر کرایا، جس میں وہ خود اور اس کے تین لڑکے: زید، بکر، عمر رہتے ہیں۔ مکان کے اندر ایک قطعۂ اراضی خالی پڑی تھی جس کو عبداللہ کے بڑے لڑکے نے بہ اجازتِ والد بلا شرکتِ غیرا پنے پیسے سے تعمیر کرایا۔ مسمی عبداللہ نے اپنی حیات میں ہی مکان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا، لیکن زید کو کچھ حصہ زیادہ بوجہ زیادہ بال بچے دار ہونے کے، اس کو تینوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ بوقتِ تقسیم زید کے علاوہ عمر اور بکر بھی تھے جن کی عمر تقریباً بیس اور پچیس سال کے درمیان تھی۔

عرصہ تقریباً چالیس سال کا ہو رہا ہے کہ عمر اور بکر نے بغرضِ کسبِ معاش اپنے آبائی مکان کو بالکل چھوڑ کر دوسرے ضلع میں سکونت اختیار کر لی۔ اتنی مدت گذرنے کے بعد عمر اور بکر اب مکان میں مساوی حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں، ۱۹۶۱ء سے لے ۱۹۶۵ء تک کبھی دونوں نے مکان سے کوئی تعلق نہیں رکھا، نہ کبھی مرمت کرائی، اور نہ کسی قسم کی مالی یا غیر مالی امداد کی، چونکہ زید ہی اس میں رہتا رہا ہے، اس لئے تمام ذمہ داری مکان کی اسی پر رہی۔ بوجہ پرانا ہونے کے جب مکان کے حصے گرتے رہے تو ہمیشہ زید نے ہی اس کو مکمل اپنے پیسے سے تعمیر کرایا۔

زید نے کہا کہ اگر تم حصہ کا مطالبہ کرتے ہو تو ۶۵/ برس میں جو رقم تعمیر میں خرچ ہوئی اس کا ثلث حصہ دو، تب تم حصہ دار بن سکتے ہو۔ لیکن عمر اور بکر بلا ادائیگی حصہ چاہتے ہیں۔ اس میں عند الشرع کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر عبداللہ نے وہ مکان تینوں لڑکوں کو ہبہ کر دیا اس طرح کہ ہر ایک کا حصہ جداگانہ ممتاز کر کے ایک کا قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ اٹھالیا تو ہبہ تام اور نافذ ہو گیا (۱) اور تینوں کی ملکیت اپنے اپنے حصہ پر ثابت ہو گئی۔ پھر اگر

---

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتمّ بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"هي [أي الهبة] تمليك عين بلاعوض، وتصح بإيجاب وقبول، وتتم بالقبض الكامل".

(مجمع الأنهر: ۳/۴۸۹، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وركنها الإيجاب والقبول، وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم، وتتم الهبة =

دولڑکوں نے اپنے اپنے حصہ سے نفع نہیں اٹھایا، بلکہ اپنے تیسرے بھائی کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ تنہا مکان میں سکونت کرلے اور خود دوسرے جگہ چلے گئے، پھر تو یہ دونوں بھائیوں کا تیسرے بھائی کے ساتھ تبرع اور احسان ہوا۔

پھر جب وہ مکان گر گیا اور اس کو ایک بھائی نے جو کہ اس میں سکونت کرتا تھا اپنی رقمِ خاص سے بنوایا، اب اگر یہ تبرع اور احسان کے طور پر اپنے دونوں بھائیوں کو دوثلث دیدے اور ان سے معاوضہ نہ لے جس طرح کہ ان دونوں نے اپنا اپنا حصہ مدتِ دراز تک اس کو دیئے رکھا تو یہ لائق اور زیبا ہے اور مکارمِ اخلاق میں داخل ہے(۱) لیکن اگر وہ اپنے قلب میں اس تبرع واحسان کی وسعت نہ پائے تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس صورت میں دو شکلیں ہیں: ایک یہ کہ ان کے حصہ کی تعمیر میں جس قدر روپیہ خرچ ہوا ہے اس کے لینے کا تو حق نہیں (۲)، البتہ جس قدر ملبہ عمارت کا اس وقت موجود ہے اس کی قیمت تخمینہ کرا کے وہ دونوں بھائی دیدیں اور اپنا اپنا حصہ مکان سے لے لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی تعمیر وہاں سے گرا کر اپنا ملبہ اٹھالے اور

= بالقبض الكامل". (الدرالمختار: ۵/ ۶۸۹، كتاب الهبة، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۶۰)

(۲) "والثاني كما في سفلٍ انهدم، فإن صاحبه لايجبر على البناء على مامر، فذوالعلو مضطر إلى البناء وصاحبه لايجبر، فإذ أنفق ذوالعلو لايكون متبرعاً، وكذا الحائط المنهدم إذا كان عليه حمولةٌ لآخر، بخلاف ما إذا كان مريدُ الإنفاق غير مضطر، وكان صاحبه لايجبر كدارٍ يمكن قسمتها وامتنع الشريك من العمارة، فإنه لايجبر، فلو أنفق عليها الآخر بلا إذنه فهو متبرع؛ لأنه غيرمضطر، أو يمكنه أن يقسم حصته ويعمرها، كماصرح به في الخانية. ويعلم مما يأتي من التقييد بمالايقسم أيضاً، وبه علم أنه لابد من التقييد بالاضطرار كماقلنا". (ردالمحتار: ۴/ ۳۳۳، كتاب الشركة، سعيد)

"إذا رمّ الشريك الملك المشترك بدون إذن شريكه أو من الحاكم كان متبرعاً: أى ليس له أن يرجع على شريكه بمقدار ماأصاب حصته من النفقة، سواء كان ذلك الملك المشترك قابل القسمة أولم يكن". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۹۹، (رقم المادة: ۱۳۱۱)، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

ان کے حصہ کی جگہ خالی کردے(۱)۔جس بات پر راضی ہوکر تصفیہ کرلیں بہتر ہے،مقدمہ عدالت میں لے جانے سے بہت نقصان ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۹/۱۱/۸۵ھ۔

کارخانہ میں بیس فیصد نقصان برداشت کرنے کی شرط لگانا

سوال[۶۸۳۹]: ایک کارخانہ دار نے اپنے کارخانہ کے لئے ایک شخص سے روپیہ لیا ہے جس نے آمدنی میں تقسیم کے حساب کے ساتھ ہی یہ بھی طے کرلیا کہ اگر نقصان ہوتو اپنے لگائے ہوئے روپیہ میں بیس فیصد سے زیادہ کو برداشت نہیں کروں گا، حالانکہ نقصان اصل مال کا مشترکہ قیمت کے حساب سے برداشت کرنا ضروری ہے۔سوال یہ ہے کہ کارخانہ مذکورہ کی آمدنی اس غلط معاملہ کی وجہ سے حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نقصان کی اس تحدید کی بناء پر کارخانہ کی کل آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا بنى في الأرض المشتركة بغير إذن الشريك، له أن ينقض بناءه". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵۱، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

"وإذابنى أحد الشركاء في الملك المشترك القابل القسمة بدون إذن الأخرين، ثم طلب الأخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فبها، وإن خرج في نصيب الأخر، فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۷، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱/۸۸، كتاب الشركة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الدرالمختار: ۲۶۸/۶، كتاب القسمة، سعيد)

(۲) شریک کا کارخانہ دار کے ساتھ بیس فیصد نقصان قبول کرنے پر معاہدہ کرنا شرطِ فاسد ہے اور شرکت کا معاملہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط خود ہی باطل ہوجاتی ہے،اس لئے مذکورہ معاملہ درست ہے: .... =

مکانِ مشترک کے پُرانے کواڑوں کو اپنے کام میں لانا

سوال[۳۸۴۰]: مشترکہ مکان کے کوئی حصہ دار نے مکان کے پُرانے اور شکستہ کواڑوں کو نکلوا کر اپنے پاس سے نئے کواڑ لگوا دیئے، تو ان کواڑوں کو جو قیمت میں نئے سے کم ہے وہ دیگر حصہ دار سے کہے بغیر اپنے خرچ میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نئے کواڑ اپنے پاس سے لگا کر پُرانے اور شکستہ کواڑوں کو اپنے کام لاتا ہے تو درست ہے جبکہ شرکاء کو اس پر اعتراض نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= "إن شرطا أن يكون الربح والوضيعة بينهما نصفين، فشرط الوضيعة بصفة فاسدٌ، ولكن بهذا لاتبطل الشركة؛ لأن الشركة لاتبطل بالشروط الفاسدة. وإن وضعا فالوضيعة، على قدر رأس مالهما".

(الفتاوى التاتارخانية، الفصل الرابع فى العنان: ۶۵۵/۵، إدارة القرآن كراچى)

"وإن شرط الوضيعة والربح نصفان، فشرط الوضيعة نصفان فاسد؛ لأن الوضيعة هلاک جزء من المال، فكان صاحب الألفين شرط ضمان ماهلک من ماله على صاحبه، وشرطُ الضمان على الأخر فاسد، ولكن بهذالاتبطل الشركة، حتى لو عملا وربح بينهما على ماشرط، فالشركة ممالاتبطل بالشروط الفاسدة". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۶/ ۴۰۱، كتاب الشركة، الفصل الرابع فى العنان، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) شریک سے پوچھے بغیر نئے کواڑ لگوانا تبرع ہے اور پرانے کواڑ شریک کی اجازت سے لے جانا مشترک چیز میں تصرف ہے جو کہ شریک کی اجازت سے جائز ہے:

"إذا رمّ الشريک الملک المشترک بدون إذن من شريكه أو من الحاكم، كان متبرعاً".

(شرح المجلة: ۱/ ۶۹۹، (رقم المادة: ۱۳۱۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"كل من الشركاء فى الشركة أجنبى فى حصة سائرهم، فليس أحدهم وكيلاً عن الأخر، ولايجوز له من ثم أن يتصرف فى حصة شريكه بدون إذنه". (شرح المجلة: ۱/ ۶۰۱، (رقم المادة: =

مشترکہ زمین پر کسی حصہ دار کا مکان تعمیر کرنا

سوال[۶۸۴۱]: ایک بنگلہ میں کچھ حصہ داران تھے، ان میں سے ایک زید کے اوپر گورنمنٹ کا کچھ قرضہ باقی تھا، قرض ادا نہ کرنے پر زید کا حصہ گورنمنٹ کی طرف سے نیلام کردیا گیا، اس حصہ کو بکر نے خرید لیا، دوسرے حصہ داران کا حصہ بدستور قائم رہا۔ بکر نے کچھ حصہ داران کا حصہ بھی خرید لیا، دو حصہ داران نے اپنا حصہ فروخت کرنے سے انکار کردیا۔ بنگلہ کا جب نیلام خریدا گیا تو بلڈنگ بالکل منہدم تھی، بکر نے خود اس کو تعمیر کی۔ اس کے بعد اس کو گورنمنٹ نے کرایہ پر لے لیا۔

کچھ عرصہ کے بعد گورنمنٹ کے ۱۸/ ہزار روپے کی رقم دے کر بنگلہ خریدنا چاہا، مگر بکر نے انکار کردیا ہے، بکر نے اپنی زوجہ کے مہر میں بنگلہ کو لکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بکر کا انتقال ہوگیا، زوجہ بکر نے بھی ۱۸/ ہزار کی قیمت لینے سے انکار کردیا اور مقدمہ گورنمنٹ پر دائر کردیا، ۲۰/ برس تک مقدمہ چلتا رہا، اس دوران میں خرچ مقدمہ سب بکر کی زوجہ نے ادا کیا۔ اب ایک حصہ دار نے خفیہ عدالت میں دعوی دائر کردیا کہ ہمارا بھی حصہ ہے، مگر عدالت نے یہ کہہ کر باطل کردیا کہ دعوی معینہ مدت کے بعد کیا گیا ہے، دوسرے حصہ دار حقیقی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہوگیا، ان کے اہل عیال حیات ہیں۔

اب زوجۂ بکر مقدمہ جیت گئی اور گورنمنٹ نے ۱۸/ ہزار سے بڑھ کر ۵۳/ ہزار کی رقم بطورِ قیمت ادا کردی۔ ایک تیسرے حصہ دار کو ان کا معاوضہ الگ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور کچھ کاشتکاروں کا حصہ ان کے ہاتھ میں دیا، پھر زوجہ بکر کو ان کا حصہ دیا۔ سوال یہ ہے:

= ۱۰۷۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه". (شرح المجلة: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"کل واحد من الشریکین أو الشرکاء شرکة ملک أجنبی فی نصیب الآخر، حتی لایجوز له التصرف فیه إلا بإذن الأخر کغیر الشریک، لعدم تضمنها الوکالة". (مجمع الأنهر، کتاب الشرکة: ۲/۵۴۳، مکتبه غفاریه کوئٹة)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶/۲۰۰، سعید)

۱......عدالت سے جن دو حصہ داروں کا حق باطل ہو گیا تھا، اپنے حصہ کی رقم میں سے معاوضہ دے۔

۲......اگر ان کا حصہ دینا فرض ہے تو ۱۸/ ہزار میں سے دے یا جو مقدمہ لڑ کر ۵۳/ ہزار رقم لی ہے، اسی میں سے دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے جب از سر نو بلڈنگ تعمیر کی اور وہاں دو حصہ داروں کا بھی حصہ تھا جنہوں نے فروخت نہیں کیا تھا، تو کیا بکر نے ان دونوں سے کہا تھا کہ میں تعمیر کر رہا ہوں، تم لوگ اس جگہ کو تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کر لو تا کہ اس پر میری تعمیر ہو، اور تم کو اختیار ہے کہ تم اپنی تعمیر جداگانہ کر دو یا بلا تعمیر رہنے دو، یا فروخت کر دو یا ہبہ کر دو، یا وقف کر دو۔ اگر تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ نہیں کیا تو میرے ہاتھ فروخت کر دو تا کہ پوری زمین پر میری تعمیر رہے۔ اگر فروخت نہیں کرتے تو تعمیر میں جتنی رقم خرچ ہوگئی ہے، اپنے حصہ کی نسبت سے اس میں شریک رہو، یعنی اتنی رقم تمہارے ذمہ ہوگی تا کہ تم تعمیر میں بھی حصہ دار رہو۔

اگر رقم میں بھی شرکت نہیں کرتے تو اپنے حصہ کی زمین مجھے کرایہ پر دیدو تا کہ تعمیر کل میری رہے اور تمہارے حصہ کے بقدر زمین کا کرایہ میں تم کو ادا کرتا رہوں۔ اگر کرایہ پر بھی نہیں دیتے تو اپنے حصہ پر تعمیر کرنے کی مجھے اجازت دے دو، جب تم چاہو گے میں اپنی تعمیر ہٹا کر تمہارے حصہ کی زمین خالی کر دوں گا۔ ان پانچ صورتوں میں سے اگر کوئی صورت پیش آئی ہو تو اس کے موافق معاملہ رہے گا۔

اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں بلکہ بکر نے خود ہی اس پر اپنی تعمیر کر لی تو اتنی مدت کا کرایہ ان کے حصہ کی زمین کا لازم ہوگا (۱)، مدت طویل ہونے کی وجہ سے ان کا حصہ باطل اور ختم ہوگا نہیں (۲)۔ پھر جب گورنمنٹ نے اس کی قیمت ادا کر دی تو وہ قیمت محض زمین کی نہیں بلکہ بلڈنگ کی ہے جس میں کسی دوسرے کی کوئی رقم خرچ نہیں ہوئی، لہٰذا بلڈنگ تعمیر ہونے سے لے کر اس کے فروخت ہونے کے وقت تک جتنا کرایہ ان دونوں کے حصہ کی زمین کا دو تجربہ کار متدین آدمی تجویز کریں وہ ادا کرنا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) جب بکر نے دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر مشترکہ زمین پر اپنے لئے مکان بنایا تو یہ مکان بکر کا ہو گیا، لیکن یہ غصب ہے=

....

=اورغصب میں منافع مضمون نہیں ہیں، اس لئے دوسرے شرکاء گذشتہ مدت کی اجرت کے مستحق نہیں ہیں، البتہ شرکاء کو مکان گرا کر زمین تقسیم کرنے کا حق حاصل ہے اور بکر نے دوسرے شرکاء کی اجازت سے مکان بنایا ہے تو شرکاء گذشتہ مدت کی اجرت کے مستحق ہیں اور بکر تعمیر کے خرچہ کا:

"منافع الغصب غير مضمونة استوفاها أو عطلها؛ فإنها غير مضمونة عندنا، إلا أن يكون المغصوب وقفاً أو مال يتيم أو معداً للاستغلال". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۷۳/۲، كتاب الغصب، مصر)

"منافع الغصب غير مضمونة استوفاها أو عطلها، فإنها غير مضمونة عندنا، إلا أن تكون المغصوب وقفاً أو مال يتيم أو معداً للاستغلال بأن بناه لذلك أو اشتراه لذلك". (الدر المختار، كتاب الغصب، ۲۰۶/۶، سعيد)

"سئل فيما إذا بنى قصراً بماله لنفسه في دار مشتركة بينه وبين إخوته بدون إذنهم، فهل يكون البناء ملكاً له؟ الجواب: نعم، إذا بنى في الأرض المشتركة بغير إذن الشريك له أن ينقض بناءه". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الشركة، ۱۰۰/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

"إذابنى أحد الشركاء لنفسه في الملك المشترك القابل للقسمة بدون إذن الآخرين، ثم طلب الآخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فبها، وإن خرج في نصيب الآخر، فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعه". (شرح المجلة، ص: ۶۴۷، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۵۱، كتاب الشركة،)

"عمّر دار زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دينٌ عليها، لصحة أمرها. ولو أمرها لنفسه بلا إذنها فالعمارة له، ويكون غاصباً للعرصة، فيؤمر بالتفريغ بطلبها ذلك، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، وهو متطوع". (الدر المختار). "كل من بنى في دار غيره بأمره فالبناء لآمره ولو لنفسه بلا أمره فهو له، وله رفعه". (رد المحتار: ۷۴۷/۶، مسائل شتى، سعيد)

(۲) "ويضمن المال المسروق؛ لأنه حق العبد فلايسقط بالتقادم". (الدر المختار: ۳۱/۴، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، سعيد)

"الحق لايسقط بتقادم الزمان". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۱۶)، ص ۷۷، صدف پبلشرز)

"لا يسقط الحق بتقادم الزمان". (شرح المجلة، ص: ۹۹۶، (رقم المادة: ۱۶۷۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کاشت میں ایک بھائی کا نام درج ہے، کام سب کا مشترک ہے

سوال [۶۸۴۲]: ۱...... ایک کھیت جو باپ دادا کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور لگان پر تھا، کاشت نہیں تھی اور ہم لوگ مشترک تھے، تین بھائی تھے اور اس زمانہ میں ایک بھائی کے نام سے کاشت لگ گئی اور ہم لوگ برابر (کاشت) زراعت کرتے چلے آئے اور علیحدہ ہو جانے کے بعد بھی کھیتی مشترک رہی، اب آپس میں ایک نام کی بناء پر اختلاف پڑا ہوا ہے۔ تو شرعاً تینوں بھائیوں کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟

۲...... ہم لوگ تینوں بھائی جب ایک میں تھے تو زمیندار سے کھیت لگان پر لیا گیا اور کھیتی کرنے لگے تو ایک بھائی کے نام سے کاشت لگ گئی، مگر علیحدہ ہو جانے کے بعد ہم لوگ مشترک طور پر برابر کھیتی کرتے رہے۔ نام کی بناء پر اختلاف ہے تو شرعاً تینوں کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ جواب مدلل مع حوالہ کتب عنایت ہو۔

(مولوی) محمد یٰسین صاحب، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... جب زبانی معاملہ مشترک ہے اور اس پر عمل درآمد ہے اور کاغذ میں صرف ایک بھائی کا نام درج ہونے کے باوجود تینوں بھائی مشترک کاشت کرتے چلے آئے تو اختلاف اور تردد کی کوئی وجہ نہیں، بلاتردد تینوں شریک ہیں (۱)۔ اور وہ کاغذی اندراج محض کاغذی ہے، کچھ مؤثر نہیں، جیسا کہ ہزل کی صورت میں طے شدہ معاملہ کا اعتبار ہوتا ہے ایسا ہی یہاں پر بھی ہوگا، یہ اندراج ہزل سے زیادہ نہیں۔

---

(۱) "شركة الأعمال هي عقد شركة على تقبل الأعمال كما إذا اتفق خياطان أو صباغ على تقبل الأعمال، فلايلزم اتحاد صنعة ومكان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/ ۷۳۶، (رقم المادة: ۱۳۸۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فالصحيحة أن يشترك اثنان على أن يتقبلا. وفي الهداية: وأماشركة الصنائع وتسمى شركة التقبل، فالخياطان والصباغان يشتركان على أن يتقبلا الأعمال، ويكون الكسب بينهما، فيجوز ذلك، وما تقبله كل واحد منهما من العمل، يلزمه ويلزم شريكه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال، إدارة القران، كراچی)

۲......تینوں بھائیوں کا حق ہے، صرف ایک کا نہیں۔ ہزل کی بحث کتب اصول میں مفصل موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

دو بھائیوں نے یکجا محنت سے جائیداد کمائی تو وہ باپ کی ملک ہے

سوال[۲۸۴۳] : ایک شخص کے دو لڑکے ہیں، بڑا لڑکا برسرِ روزگار ہے۔ چھوٹا لڑکا جائیداد کی دیکھ بھال کرتا ہے، کبھی کبھی بڑے لڑکے نے بھی محنت کی ہے، اب یہ دونوں الگ الگ ہورہے ہیں۔ تو جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

والد کی جس جائیداد پر ان دونوں بھائیوں نے محنت کی ہے وہ ان کی ملک نہیں ہوگی، بلکہ ان کے والد ہی کی ہے، اس کو ازخود تقسیم کر لینے کا حق نہیں:

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معيناً له، ألاترى لو غرس شجرةً تكون للأب". انتهى. كلام الشامي: "قلت: فماكان المال للأب كان كله بالأولى". شامي: ۳/ ۴۸۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "الهزل في اللغة: اللعب، وفي الاصطلاح: هو أن يراد بالشيء مالم يوضع له ولاماصح له اللفظ استعارة، والهازل يتكلم بصغية العقد مثلاً باختياره ورضاه، لكن لايختار ثبوته الحكم ولايرضاه، والاختيار هو القصد إلى الشيء وإرادته والرضاء هو إيثاره واستحسانه". (ردالمحتار: ۴/۵۰۷، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۴/۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

"إذاعمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله، فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يُعدّ معيناً له، وكذا إذا أعانه ولده الذي في عياله عند غرسه شجرةً، فتلك الشجرة للأب لايشاركه ولده =

زمین دوکان وگھوڑی میں شرکت کی ایک صورت

سوال[۶۸۴۴]: زید عمر، بکر خالد حقیقی بھائی ہیں سرکار نے دومربع زمین عمر کو عطا کی جس کیلئے ایک راس گھوڑی عمدہ رکھنی شرط ہے برائے قانون انگریزی عمر کا خلف اکبر زمین کا مالک ہوگیا۔ تقدیر سے عمر فوت ہوگیا عمر کے لڑکے کے نام زمین منتقل ہوگئی کچھ مدت بعد عمر کا لڑکا بھی فوت ہوگیا عمر لاولد ہوگیا اب بروئے قانون انگریزی اسی خاندان میں جو عمر میں سب سے بڑا ہوگا اس کے نام زمین داخل خارج ہوگی قانوناً زید جو سب سے بڑا ہے وارث تصور ہوا لیکن زید وخالد نے منتظم صاحب کی عدالت میں درخواست دی کہ ہم (زید وخالد) راضی ہیں کہ ہردومربع مع گھوڑی بکر کے نام ہو۔

درخواست منظور ہوگئی ہردومربع بکر کے نام داخل وخارج ہوگئی بکر نے کہی جگہ تبادلہ بسبب ناقص ہونے زمین کے کرایا اور کئی جگہ بنجر شگافی کی اب تیسری جگہ بکر آباد ہے کہ عرصہ بعد خالد بھی فوت ہوگیا بکر نے بڑی نیک نیتی سے کام کر کے بائیس ۲۲ ہزار کی زمین مربعات اس جگہ آمدنی سے خریدی، جو زید اور بکر کے نام بحصہ نصف نصف کرائی گئی اب زید بکر کو کہتا ہے کہ ایک مربع مجھ کو دو، کیا زید بکر سے ازروئے قانون اسلامی ایک مربع لے سکتا ہے یانہیں۔

= فیها". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۷۴۱، (رقم المادة: ۱۳۹۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"إذا كان الولد في عيال أبيه ومعيناً له، يكون جميع ماتحصل من الكسب لأبيه. وماشتراه ودفع ثمنه من مال أبيه إن كان شراءه لأبيه بإذنه، لايكون له الاختصاص بدون وجه شرعي، بل هو خاص بالأب، فإن كان شرائه نفسه ودفع ثمنه من مال أبيه بلا إذنه، يكون خاصاً به، وبدل الثمن مضمون للأب". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵۱، كتاب الشركة، رشيديه)

"أب وابن اكتسبا ولم يكن لهما مال، فاجتمع لهما من الكسب أموال، فالكل للأب؛ لأن الابن إذا كان في عياله، فهو معين له، ألاترى أنه لوغرس شجرةً فهي للأب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۹۵، كتاب الشركة، ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۲۹، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

دیگر زید بکر نے دوکان پارچہ کھولی، جس میں ابتداء میں دوکان کا سرمایہ دوسو روپیہ بکر نے دیا اور تین سو روپیہ زید نے دیا، جس کو عرصہ چار سال کا ہوگیا ہے، دوکان بفضلہ بڑی نفع میں ہے دوکان کا کام زید کا لڑکا کرتا ہے بکر نے روپیہ بنیت اشتراک دیا تھا اب دوکان سے تو زید جواب دیتا ہے یعنی کچھ نہیں دیتا اور مربعات سے حصہ مانگتا ہے۔ بینوا وتوجروا بالسنة والکتاب، توجروا یوم الحساب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال میں چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب تفصیل سے تحریر کیجئے اس کے بعد جواب مکمل ہوگا۔

۱......سرکار نے دو مربع زمین جو عمر کو عطا کی ہے وہ بطور تملیک ہے یا بطور عاریت یعنی کیا عمر اس کو فروخت کرسکتا ہے یا دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے وغیرہ وغیرہ جو تصرفات مالک اپنی زمین میں کرسکتا ہے عمر کو ان تصرفات کی اجازت ہے یا نہیں؟

۲......گھوڑی بھی سرکار نے دی ہے یا عمر نے خود خریدی ہے۔ اگر سرکار نے دی ہے تو بطور تملیک یا بطور عاریت۔

۳......عمر نے انتقال کے بعد کون کون وارث چھوڑے، صلبی وغیر صلبی مذکر ومؤنث مفصل تحریر کیجئے۔

۴......عمر کے لڑکے نے اپنے انتقال کے بعد کون کون وارث چھوڑے تفصیل سے تحریر کریں۔

۵......زید وخالد نے جو بکر کے نام زمین کرائی تو ہبہ کی ہے یا محض اپنا کارکن بنایا ہے یا دونوں نے بکر کو مالک بنایا ہے اگر وہ اس زمین کو فروخت کردے تو بھی ان دونوں کو کچھ سروکار نہیں، مالک نہیں بنایا بلکہ مختار کام بنایا ہے۔

۶......بکر نے کئی جگہ تبادلہ بسبب ناقص ہونے زمین کے کرایا اس کا کیا مطلب ہے۔

۷......خالد نے کون کون وارث چھوڑے؟

۸......بائیس ہزار کی زمین جو خریدی گئی ہے اور وہ زید وبکر کے نام نصفاً نصف ہوئی تو کیا بکر نے وہ نصف زمین زید کو ہبہ کی اور اس پر زید کا قبضہ کرادیا۔ یا ہبہ نہیں کی بلکہ محض کاغذ میں نام درج کرایا ہے؟

۹......ان تمام باتوں کا تفصیل سے جواب تحریر کیجئے۔ تب جواب مکمل ہوگا۔ دیگر اگر زید اور بکر معاملہ

میں شرکت بھی ٹھہرا ہے تو شرط کے موافق دونوں نفع ونقصان میں شریک ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۱۳۵۲ھ۔

جوابات تنقیح:

اللهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً۔

۱.....عمر کو جو زمین سرکار نے عطا کی ہے عمر اس کو بلا مخالفت شخصے فروخت کرسکتا ہے لیکن کوئی حصہ اس کا فروخت نہیں کرسکتا بلکہ کل رقبہ مع گھوڑی ومکان مسکونہ بغیر مخالفت احدے فروخت کرسکتا ہے۔

۲.....گھوڑی عمر نے خود خریدی تھی، اب بکر اس کا قانوناً وارث ہے۔

۳.....عمر کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ زمین تقسیم نہیں کرسکتے، کیونکہ حکام وقت کے قانون میں فقط خلف اکبر ہی وارث ہوتا ہے۔

۴.....جواب ۳ ہے۔

۵.....زید خالد نے بکر کو کارکن نہیں بنایا بلکہ بکر کو موافق قانون حکام وقت مالک تسلیم کرلیا گیا ہے۔

۶.....بکر نے کئی جگہ تبادلہ جو کیا اس سے کسی کی حق تلفی مطلوب نہ تھی بلکہ پہلی زمین ناقص تھی اس کے عوض عمدہ زمین جو قانوناً جائز ہے لی۔

۷.....کا جواب ۳ ہے۔

۸.....جو زمین خریدی گئی ہے اس میں زید نصف حصہ کا قابض ومالک ہے۔ اور بکر نصف حصہ کا روپیہ بکر نے دیا مگر زید چونکہ بکر کا بڑا بھائی ہے اس لئے بکر زید کو نصف حصہ کا مالک تسلیم کرتا ہے۔ جواب (دیگر) زید کی بکر میں شرکت ہے چونکہ زید کالڑکا دوکان کا کام کرتا ہے وہ اپنے کام کا معاوضہ لے سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعد بیانات مذکورہ بالا شرعاً مربع کا مالک بکر ہوا یا زید یا مشترک

المستفتی: محمد اسماعیل آدکار پنہالہ چسک ۳ ضلع گجرات۔ پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عمر کے انتقال کے بعد اگر اس کا وارث صرف اس کا بیٹا تھا اور کوئی دوسرا وارث شرعی مستحق نہیں تھا، تو عمر

کے کل ترکہ کا مالک اس کا بیٹا ہوگیا (۱)، اور اگر کوئی اور بھی وارث شرعی مستحق تھا تو موافق شرع اپنے حصہ کا مالک ہوا تھا۔ پھر اگر اس کے انتقال کے بعد اس کا کوئی وارث شرعی نہ تھا صلبی نہ غیر صلبی نہ دختری نہ پسری نہ مذکر نہ مؤنث۔ غرض بجز زید، بکر، خالد کے کوئی وارث نہ تھا تو یہ تینوں اس کے کل ترکہ کے برابر وارث ہوں گے (۲)۔ قانون سرکاری کا اس میں کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

پھر زید وخالد نے چونکہ بکر کو اپنا حصہ ہبہ کر دیا ہے یعنی بکر کو اپنے حصہ کا مالک بنا دیا ہے کہ وہ بیع وغیرہ جو تصرفات چاہے کرے (۳) زید وخالد کو کوئی سروکار نہیں اور بکر کا اس پر پورا پورا قبضہ بھی کرا دیا۔ تو بکر کل زمین

---

(۱) اس لئے کہ بیٹا عصبہ میں سے ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ کا مستحق ہے: "العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۴۸۵/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۷۷۴/۶، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(۲) "وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم ......لكل واحد سهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۶۲/۲، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه پشاور)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک". (شرح المجلة لسليم رستم: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۴/۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"كل واحد من الشركاء، يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۴۳/۱، (رقم المادہ: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وگھوڑی کا مالک ہوگیا۔اور زید وخالد کا اس میں کوئی حصہ نہ رہا۔اس کے بعد جب بکر نے ۲۲ ہزار کی زمین خریدی تو اس میں چونکہ زید کو نصف کا شریک بنایا ہے یعنی نصف حصہ زید کو ہبہ کر دیا اور تقسیم کر کے اس پر زید کا قبضہ کرادیا تو زید اس نصف حصہ کا مالک ہوگیا (۱)۔لہذا زید اس بائیس ۲۲ ہزار کا نصف طلب کر سکتا ہے اور کچھ نہیں طلب کر سکتا اگر زید کو بکر اس نصف کا مالک نہ بناتا تو زید کو اس کے مطالبہ کا کوئی بھی حق نہ تھا (۲)۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ شرعی قانون کے ذریعہ سے اگر بکر کل زمین کا مالک ہوگیا تھا تو زید ۲۲ ہزار والی زمین میں نصف کا شریک ہے کیونکہ بکر نے وہ نصف زید کو ہبہ کر کے قبضہ کرادیا ہے (۳)،لیکن اگر بکر کل زمین کا شرعاً مالک نہیں ہوا تو جتنی کا مالک ہوا ہے اس میں نصف کا شریک ہے بکر کے مالک ہونے نہ ہونے کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی۔دیگر جس قدر دیانت دار اور ہوشیار زید کا لڑکا ہے،اگر ایسا ہی کوئی دوسرا شخص دوکان پر ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ بھی اتنا ہی کام کرتا جتنا کہ زید کے لڑکے نے کیا ہے تو اس کو جس قدر اجرت دیجاتی ہے اسی قدر

---

(۱) راجع، ص: ۲۰۸، رقم الحاشية :۳

(۲) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعی، وإن أخذه ولو علی ظن أنه ملكه، وجب عليه رده".

(شرح المجلة لسليم رستم : ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية فی بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الدر المختار :۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث فی أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الدر المختار : ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"كل واحد من الشركاء، يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقی لأحدهم علاقة فی حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف فی حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۳، (رقم الماده: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن فی أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اجرت زید کے لڑکے کو دیجائے گی۔اور دوکان میں موافق شرط زید اور خالد دونوں شریک ہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۶ھ

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/۴/۱۳۵۲ھ

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۹/۴/۵۲ھ۔

مچھلی کے شکار میں شرکت

سوال[۶۸۴۵]: اگر صاحبِ تالاب مچھلی شکار کرنے کے لئے اہلِ محلّہ وغیرہ کے لوگوں کو بلائے یا خود بخود لوگ آجائیں اور اس بات پر مچھلی پکڑتے ہیں یا پکڑواتے ہیں کہ نصف تالاب والے کا اور نصف پکڑنے والے کا۔ان صورتوں میں شکار کرنا یا کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مچھلی تالاب والے کی ملک نہیں، بلکہ جو پکڑے اسی کی ملک ہے، لہذا صورت مسئولہ میں تالاب والے کو کوئی حق نہیں، اس کا اپنے لئے نصف مچھلی مقرر کرنا خلافِ شرع وناجائز ہے:"لاتصح احتطاب واحتشاش واصطیاد واستقاء وسائر مباحات وماحصله". تنویر الأبصار: ۳/ ۵۳۹ (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

---

(۱) چونکہ شرکت زید اور بکر کے درمیان ہے، زید کا لڑکا اس صورت میں اجنبی ہے، لہذا وہ اپنے عمل اور کام کی اجرت لے سکتا ہے:

"فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل ممالايصلح أوله إلابآخره. وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل". (النتف في الفتاویٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الاجارة، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۶۹ كتاب الاجاره، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/ ۲۳۹، كتاب الإجارة، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

(۲) (ردالمحتار: ۴/ ۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد) .... =

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی کے تالاب میں مچھلیاں ازخود آجائیں، اس کی سعی وکوشش کو اس میں کوئی دخل نہ ہواور نہ ہی مچھلیوں کے واپس نہ جانے کی کوئی تدبیر کی ہو، اس لئے کہ اس صورت میں مچھلیاں تالاب والے کی نہیں۔

لیکن اگر تالاب کے مالک نے مچھلیوں کے نشو ونما کے لئے ان کو پکڑ کر تالاب میں ڈال دیا ہو، یا مچھلیاں تالاب میں ازخود آئی ہوں، لیکن اس نے واپس نہ جانے کی تدبیر کی ہو تو اس صورت میں مچھلیاں اگر چہ تالاب والے کی مملوک ہیں لیکن سوال میں مذکور طریقہ سے مچھلیاں پکڑنا شریعت کی رو سے اس لئے ناجائز ہے کہ یہ قفیز الطحان کے قبیل سے ہے جو کہ ناجائز ہے۔

= ”ولاتصح شركة في احتطاب واصطياد واستقاء، وكذا في أخذ كل مباح كالاحتشاش واجتناء الثمار“. (تبيين الحقائق: ۲۵۴/۴، كتاب الشركة، فصلى في الشركة الفاسدة، دارلكتب العلمية بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۹۶/۴، كتاب الشركة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۶۳/۲، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۶۳۰/۵، الشركة بالإعمال، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتح القدير: ۱۹۱/۶، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

”والحاصل أنه إذا دخل السمك في الحظيرة، فإما أن يعدّها لذلك أو لا، ففي الأول يملكه، وليس لأحد أخذه. ثم إن أمكن أخذه بلاحيلة، جاز بيعه؛ لأنه مملوك مقدور التسليم، وإلا لم يجز، لعدم القدرة على التسليم. وفي الثاني: لايملكه، فلايجوز بيعه لعدم الملك، إلا أن يسد الحظيرة إذا دخل، فحينئذ يملكه. ثم إن أمكن أخذه بلاحيلة، جاز بيعه، وإلافلا. وإن لم يعدها لذلك لكنه أخذه وأرسله فيها، ملكه“. (ردالمحتار: ۶۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع الفاسد، سعيد)

”ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أوثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجر بجزء من عمله، والأصل في ذلك نهيه -صلى الله عليه وسلم- عن قفيز الطحان“. (الدرالمختار: ۵۶/۶، ۵۷، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

مچھلی کے شکار میں شرکت

سوال[۶۸۴۶]: چند کشتی والے مشترک ہوکر مچھلی کا شکار کرتے ہیں اور ہر ایک کشتی میں دو آدمی ہوتے ہیں اور کوئی کشتی والا مچھلی پاتا ہے اور کوئی نہیں پاتا ہے۔ اور تقسیم کرتے وقت تمام کشتی چلانے والے، مچھلی شکار کرنے والے اپنے وعدہ کے مطابق حصہ کر کے لیتا ہے برابر۔ اس طرح سے شکار کر کے مچھلی تمام شرکاء کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس پر سب کا راضی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ شرکت درست نہیں (۱)، جس کشتی والے نے جو مچھلی شکار کی ہے وہ اس کی ہے، دوسرے کشتی والے اس میں حصہ دار نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "ولاتصح شركة فی احتطاب واصطياد واستقاء، وكذافی أخذ مباح كالا حتشاش واجتناء الثمار من الجبال". (تبيين الحقائق: ۲۵۴/۴، كتاب الشركة، فصل فی الشركة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا تجوز الشركة فيما لاتجوز الوكالة كالاحتطاب والاحتشاش والاصطياد والاستقاء، وما جمعه كل واحد فله، وإن أعانه فله أجر مثله". (مجمع الأنهر: ۵۶۳/۲، كتاب الشركة، فصل فی الشركة الفاسده، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لاتصح الشركة فی احتطاب احتشاش واصطياد، وسائر مباحات، وماحصله أحدهما فله، وماحصلاه معاً فلهما". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۳۲۵/۴، كتاب الشركة، فصل فی الشركة الفاسدة، سعيد)

"ولاتصح شركة فی الاحتطاب والاصطياد والاستقاء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۳۲/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس فی الشركة الفاسده، رشيديه)

"ومالاتصح فيه الوكالة، لاتصح فيه الشركة، ومثل ذلک شركة الاصطياد والاحتطاب من مباح". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۷۳۷/۲، (رقم المادة: ۱۳۸۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی خلاصة الفتاوی، كتاب الشركة، الفصل الأول ، جنس آخر: ۲۹۶/۴، امجد اكیڈمی لاهور)

مسلم اور غیر مسلم کا مائک وگراموفون مشترک خریدنا

سوال[۶۸۴۷]: اگر کوئی مسلمان اور غیر مسلم دونوں مل کر مشترکہ لاؤڈ اسپیکر مع گراموفون (۱) خریدیں تاکہ کرایہ پر چلا کر آمدنی حاصل کریں اور مسلمان اپنے جلسوں میں کرایہ پر چلا کر آمدنی حاصل کریں، اور غیر مسلم ناٹک شادی وغیرہ میں چلا کر وصول کریں (۲) اور خود لے لیں، یہ دونوں صورتوں کی کمائی کو تقسیم کرلیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر مالک صرف مسلمان ہوں اور یہ اشیاء ہندو کو کرایہ پر دیدیں تو یہ کیسا ہے؟ مدلل مفصل تسلی بخش جواب ممنون فرمادیں، احسان عظیم ہوگا۔ فقط والسلام۔

نذیر احمد، متعلم جامعہ اسلامیہ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل لمبساڑ، گجرات۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح مل کر یہ دونوں چیزیں مشترک خریدنا درست نہیں (۳)، اگر صلح کر کے گراموفون غیر مسلم کو

---

(۱) ''گراموفون (Gramophone) باجہ جس پر دھاری دار ٹکیاں بجائی جاتی ہیں''۔(English to English & Urdu Dictionary, Page No: 364, Feroz Sons, Lahore Pakistan)

ایک آلہ جس کے ریکارڈ سے آواز نکلتی ہے''۔(فيروز اللغات، ص: ۱۰۸۷، فيروز سنز لاهور)

(۲) ''ناٹک: روپ، ڈرامہ، نقل، کھیل، بہروپیا، ایکٹر''۔(نور اللغات: ۴/ ۱۴۵۵، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۳) لہو ولعب اور فحش مجلسوں میں استعمال ہونے کی بناء پر اعانت اور استیجار علی المعصیۃ ہے اور وہ دونوں ناجائز ہیں:

''وبيع الأمرد ممن يعصي وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر أو يتخذها كنسيةً أو بيت نار وأمثالها، فكله مكروه تحريماً إن يعلم به البائع والأجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً، وإن علم وصرح كان داخلاً في الإعانة المحرمة''. (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، : ۲/ ۴۵۳، مكتبه دارالعلوم كراچی)

''ولايجوز الاستيجار على الغناء والنوح، وكذا سائر الملاهي؛ لأنه استيجار على المعصية، والمعصية لاتستحق بالعقد''. (الهداية: ۳/ ۳۰۱، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۶/ ۵۵، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على المعاصي، سعيد)

دے کر لاؤڈ اسپیکر خود مسلمان رکھ لے اگر چہ کچھ نقد بھی دینا پڑے تو بہتر ہے، پھر لاؤڈ اسپیکر جائز جلسوں اور تقریروں میں لے کر اس کا کرایہ وصول کرلیا جائے تو یہ آمدنی درست ہوگی۔ اگر دونوں چیزیں مشترک دیں اور مسلمان صرف جائز جلسوں میں اسپیکر کی آمدنی لیا کرے تب بھی درست ہے۔ اگر آمدنی مشترک ہی رہے تو پھر غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر زائد آمدنی جائز مقامات پر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ہو اور کم آمدنی ناجائز ہو تو بھی مسلمان کے لئے نصف آمدنی بحصہ رسد اس آمدنی کا لینا درست ہے(۱)، گراموفون کے آمدنی درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۴ھ۔

---

(۱) لیکن ناجائز آمدنی کی بقدر صدقہ کرنا لازم ہے اور گراموفون بنفسہ آلۂ معصیت نہیں، البتہ اگر ناجائز کاموں میں استعمال کیا جائے تو اس کی آمدنی ناجائز ہوگی:

"إن المراد ليس هو نفس الحرام؛ لأنه ملكه بالخلط، وإنما الحرام التصرف فيه قبل أداء بدله، ففي البزازية قبيل كتاب الزكوٰة: ماأخذه من المال ظلماً ويخلطه بماله أو بمال مظلوم اٰخر، يصير ملكاً له، ينقطع حق الأول، فلا يكون أخذه عندنا حراماً محضاً، نعم لايباح الانتفاع به قبل أداء البدل".
(رد المحتار: ۲/۲۹۲، كتاب الزكوٰة، باب السائمة، سعيد)

سوال: "یہاں اکثر حضرات - جو تعلیم یافتہ طبقہ سے ہیں - یہ کہتے ہیں کہ گراموفون میں اگر صرف قرآن شریف کے ریکارڈ بجائے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اس لئے مختلف تاویلیں پیش کرتے ہیں .... استفتاء یہ ہے کہ گراموفون باجہ خریدنا اس کا بجانا، خود سننا، دوسروں کو سنانا درست ہے یا نہیں؟ الخ"۔

الجواب: "احکام کبھی شئی کی ذات پر نظر کر کے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض پر نظر کر کے اور ان دونوں کے احکام کبھی باہم مختلف بھی ہوجاتے ہیں، پس اگر اس آلہ من حیث الآلہ کی ذات پر نظر کی جاوے تو حقیقت اس کی باجہ نہیں، چنانچہ ضرب یا قرع یا غمز سے نہیں بجتا اور نہ اس میں کوئی خاص صوت ہے، بلکہ یہ حکایت ہے اصوات کی، جیسے گنبد میں صدا، یعنی آواز بازگشت کی پیدا ہوجاتی ہے، اس کو کوئی باجہ نہیں کہتا۔ پس وہ حکم میں تابع ہوگی صوت محکی عنہ کے، اگر صوت معارف ومزامیر کی ہے اس کے حکم میں ہے۔ اور اگر وہ مشروع ہے یہ بھی مشروع، اگر وہ غیر مشروع ہے یہ بھی غیر مشروع ہے، یہ تو تفصیل ہے حکم کی اس کی حقیقت پر نظر کرنے کے اعتبار سے .... الخ"۔ (إمداد الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، باب: غنا ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، عنوانِ مسئلہ: حکم سماع قرآن از گراموفون: ۴/۲۴۵، ۲۴۶، مكتبه دار العلوم كراچی)

نیلام در نیلام

سوال[۶۸۴۸]: ایک جنگل کے نیلام کا اعلان ہوا، ایک جماعت اس کی خریداری کے لئے تیار ہوئی اور آپس میں معاہدہ کرلیا کہ اس کو متفقہ طور پر خرید لیا جاوے کسی ایک کے نام، اَور سب شریک رہیں، اس کے بعد آپس میں اس کی بولی بولی جاوے، جو شخص جتنے نفع پر اس کا خریدار ہو، اس کا منافع وہیں ختم ہوجاوے گا، اسی طرح سے اور باقی شرکاء کریں گے، مثلاً نیلام کو زید نے سو روپے میں لیا جس میں دس شریک ہیں، اب عمر نے اس جنگل کی قیمت ۵۰/ روپے تجویز کی کہ اتنے میں میں خریدار ہوں، اس سے زیادہ میں نہیں، تیسرے شریک نے اس کی قیمت دوسو روپے تجویز کی کہ میں اتنے کا خریدار ہوں زیادہ کا نہیں، اسی طریقہ سے سلسلہ وار ہر شخص بولی بولے گا، یا انکار کرے گا۔

اس معاہدہ کے موافق کہ جو شخص جتنی قیمت تک خریدار ہوگا وہ اسی منافع کا شریک ہوگا، جو اس وقت ہیں، اگر دوسرے شرکاء اس کے منافع میں اضافہ کریں تو یہ شخص اس سے زیادہ منافع میں شریک نہیں۔ یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بعد ایک صورت یہ بھی ہے کہ دس میں سے دو شخص شریک ہوکر پھر متفقہ طور سے خریدار ہوتے ہیں، اور وہ بھی آپس میں یہی طے کرتے ہیں کہ ہم پھر آپس میں معاملہ طے کریں گے۔ اب دونوں میں جو نفع ہوگا اس میں تو ان آٹھ میں سے کوئی شریک اس میں ہوگا یا نہیں؟

منشی محمد شفیع، متصل مدرسہ سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب خریدنے میں برابر کے شریک ہیں تو نفع میں بھی برابر ہی کے شریک رہیں گے(۱) محض قیمت

---

(۱) "الأموال المشتركة شركة الملك تقسم حاصلاتها بين أصحابهم على قدر حصصهم، فإذا شرط أحد الشريكين لنفسه في الحيوان المشترك شيئاً زائداً على حصته من لبن ذلك الحيوان أو نتاجه لايصح". (شرح المجلة: ۱/ ۶۰۰، (رقم المادة: ۱۰۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والربح في شركة الملك على قدر المال". (شرح المجلة: ۲/ ۲۷۷، (رقم المادة: ۱۳۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه) ....=

زیادہ تجویز کرنے سے نفع کی زیادتی ناجائز ہے، ہاں! اگر کوئی شریک دوسرے شرکاء کے حصے بھی خرید لے تو ان کے حصوں کا نفع بھی یہی لے گا، جو حکم مجموعہ دس شرکاء کا ہے وہی دو شریکوں کا ہے۔

اور جس شریک کا حصہ جتنے میں خریدے گا اسی حساب سے نفع دے گا، اور خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ بیع قطعی ہو کر معاملہ طے ہو جائے، صرف بولی بولنا کافی نہیں۔ اور مجموعہ میں شریک ہیں، اس لئے جو خریدے گا وہ اپنے حصہ کے علاوہ دوسروں کے حصہ کو خریدے۔ مجموعہ کو خریدنا جس میں اپنا حصہ بھی داخل ہے، ناجائز ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد عفی عنہ، صحیح: عبداللطیف۔

= "وهذا صحيح في شركة العقد لافي شركة الملك؛ لأن الربح فيها على قدر الملك، فإذا شرطا الشراء بينهما مناصفة، يكون الربح كذلك". (ردالمحتار: ۳۱۶/۴، كتاب الشركة، مطلب: اشتركا على أن مااشتريا من تجارة فهو بيننا، سعيد)

"شركة الملك، وركنها اجتماع النصيبين وحكمها وقوع الزيادة على الشركة بقدر الملك". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۰۱/۲، كتاب الشركة، الباب الأول، رشيديه)

عدمِ جواز کی ایک وجہ یہ ہے کہ بیع میں بائع ومشتری کا متعدد ہونا ضروری ہے، ایک آدمی بائع ومشتری ایک ہی حالت میں نہیں بن سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع پر کوئی نہ کوئی فائدہ کا مرتب ہونا ضروری ہے جبکہ اپنے ہی مال کو خریدنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

"ان البيع لايكون إلابين اثنين، وأيضاً لايجوز أن يكون الرجل الواحد بائعاً ومشترياً إلافي مكان واحد، وهو أن يشترى ماله ابنه من نفسه". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۷۵، كتاب الولاء، سعيد)

"هو (أى البيع) مبادلة شئ مرغوب فيه بمثله على وجه مفيد مخصوص. وخرج بمفيد مالايفيد، فلايصح بيع درهم بدرهم استويا وزناً وصفةً ولامقايضة أحد الشريكين حصة داره بحصة الآخر". (الدر المختار: ۵۰۱/۴-۵۰۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "الشريك مخيّر إن شاء باع حصته من شريكه، وإن شاء باعها من أجنبي بدون الشريك". (شرح المجلة: ۶۰۸/۱، (رقم المادة: ۱۰۸۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مضارب کے لئے تنخواہ

سوال[۶۸۴۹]: ۱......زید نے عمر سے مضاربت کا معاملہ کیا، یعنی: رقم زید کی ہے جس سے عمر تجارت کرتا ہے، گویا زید کا مال ہے اور محنت عمر کی ہے اور نفع میں دونوں نصف نصف ہیں۔ اب عمر کہتا ہے کہ نفع کے علاوہ بھی بطورِ تنخواہ کے دوکان سے کچھ رقم ملنی چاہیے، چنانچہ زید نے دوکان سے سو روپیہ ماہوار بطورِ تنخواہ بھی طے کردیا۔ تو دریافت طلب یہ ہے کہ مضارب کو نفع کے حصہ کے علاوہ اس تجارت سے ماہانہ تنخواہ بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

شرکت وانعام

سوال[۶۸۵۰]: ۲......خالد اور بکر نے ایک ایک ہزار روپیہ ڈال کر دونوں نے دو ہزار سے تجارت شروع کی، اور معاملہ طے ہوا کہ خالد تجارت میں کوئی کام نہیں کرے گا، بلکہ تمام کام صرف بکر ہی کرے گا۔ اس لئے بکر کہتا ہے کہ نفع کے تین حصے کئے جائیں: ایک حصہ خالد کا اور دو حصے میرے: ایک نصف مال کی وجہ سے اور دوسرا میری محنت کی وجہ سے، جبکہ خالد کوئی کام نہیں کرتا۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......یہ مضارب کے لئے تنخواہ تجویز ہونا درست نہیں (۱)۔

---

(۱) "لا أجر للشريك في العمل بالمشترك". (ردالمحتار: ۳۲۶/۴، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجح القياس، سعيد)

"لوكان طعام بين رجلين فقال: أحدهما لصاحبه: احمله إلى الموضع كذا، ولك في نصيبي من الأجر كذا. أو قال: اطحنه ولك في نصيبي كذا من الأجر، جاز ذلك في قول زفر ومحمد بن صاحب. ولايجوز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۹، كتاب الإجارة، إجارة الشريك شريكه، سعيد)

"لأن الأجير ملك النصف في الحال بالتعجيل، فصار الطعام مشتركاً بينهما، فلا يستحق الأجر؛ لأنه لايعمل شيئاً لشريكه إلا وقد وقع بعضه لنفسه". (ردالمحتار: ۵۸/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

۲...... یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۸۸ھ۔

ایک شریک کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم نہ کرنا

سوال[۶۸۵۱]: زید وبکر وعمر نے مشورہ کیا کہ ٹیلرنگ کا کاروبار کرلیا جائے اور زبانی گفتگو سے طے پایا کہ بکر کا پورا سرمایہ ہوگا۔ اور زید، عمرو بکر تین آدمی شرکت دار ہوں گے، زید چار آنے کا، عمر چھ آنے کا اور بکر چھ آنے کا نفع کے حصہ دار ہوں گے۔ زید، عمر دوکان کی دیکھ بھال کریں گے، اور دوکان کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کام ہوگا سب کریں گے۔ اور بکر نے نو ہزار روپے عمر کے حوالہ کئے، پھر تین ہزار روپے مزید دیئے، کل ۱۲/ ہزار روپے عمر کو دیئے گئے۔

زید نے ایک دوکان لی اور اس میں نام عمر کا ڈالدیا جو کہ زید کا حقیقی بھائی ہے تو بکر نے اس بات پر اعتراض کیا، کیوں کہ سارا روپیہ بکر ہی کا تھا، زید نے بکر کو زبانی طور سے مطمئن کردیا، اور دوکان کی پوری پوری

---

(۱) "إذا تساوی الشریکان فی رأس المال وشرطا من الربح حصةً زائدةً، لأحدهما کالثلثین مثلاً، وشرط أیضاً عمل الاثنین، فالشرکة صحیحةٌ والشرط معتبر. أما إذا شرط عمل أحدهما وحده فینظر: العمل إن کان مشروطاً علی الشریک الذی شرط له زیادة الربح، فالشرکة صحیحةٌ والشرط معتبر، ویصیر ذلک الشریک مستحقاً ربح رأس ماله بماله والزیادة بعمله". (شرح المجلة لسلیم رستم باز اللبنانی: ۲/ ۷۲۸، (رقم المادة: ۱۳۷۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وتصح مع التساوی فی المال دون الربح وعکسه، وهو أن یتساویا فی الربح دون المال، ومعناه أن یشترطا الأکثر للعامل منهما أو لأکثرهما عملاً". (تبیین الحقائق ۴/ ۲۴۴، ۲۴۵، کتاب الشرکة، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وتصح فی نوع من التجارات أوفی عمومها، وببعض مال کل منهما، وبکله، ومع التفاضل فی رأس المال والربح، ومع التساوی فیهما، وفی حدعملهما دون الآخر عندهما، ومع زیادة الربح للعامل عند عمل أحدهما". (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۵۳، کتاب الشرکة، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۴/ ۳۱۲، کتاب الشرکة، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی حاشیه الشلبی علی تبیین الحقائق: ۴/ ۲۴۴، ۲۴۵، کتاب الشرکة، دارالکتب العلمیة بیروت)

آمدنی عمراور زید لیتے رہے، اس طرح بکر کو اپنی رقم ڈوب جانے کا خدشہ ہوا تو بکر نے ایک مسودہ بنایا جس کو زید وعمر نے تسلیم نہیں کیا، بلکہ ان دونوں نے ایک ایک مسودہ تیار کیا جو بکر کے لئے قابلِ تسلیم نہیں تھا، چونکہ اس میں بکر کے روپیہ کا تذکرہ بھی نہیں تھا، بکر کے اصرار پر بادلِ نخواستہ اس لئے مانا کہ بکر کے روپیہ تحریر میں آجائے، تب بکر نے قطعی طور پر محسوس کرلیا کہ زید وعمر دونوں مل کر دھوکہ دے رہے ہیں، کیونکہ روپے ملنے کی کوئی صورت نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب سارا سرمایہ بکر کا تھا اور زید عمر محنت کے ذمہ دار تھے، ان کا سرمایہ بالکل نہ تھا، بکر کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم کرنے اور دوکان بند کرنے کو تیار نہیں ہیں اور نہ ہی دوکان چھوڑنے کو تیار ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲......بکر جس کا سرمایہ پورا کا پورا ہے، وہ زید وعمر کو دوکان سے الگ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اختلافی صورت میں جب رفعِ نزاع کے لئے مسئلہ دریافت کیا جائے تو سوال پر فریقین کے دستخط ہونا ضروری ہے، تب ہی رفعِ نزاع ہوسکتا ہے، ورنہ دوسرا فریق یہ کہہ دے گا کہ شرعی حکم سرآنکھوں پر مگر سوال صحیح نہیں کیا گیا، بلکہ واقعہ بدل کر کیا گیا، تاہم جو صورت اس سوال میں درج ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ مضاربت سمجھ کر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت، تجارت ونفع میں شرکت، مگر یہاں تجارت نہیں ہے اس لئے اس کو مضاربت (صحیحہ) قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس کی تشکیل یہ ہوگی کہ کل روپیہ کا مالک بکر ہے، اس نے زید وعمر کو روپیہ دیا جس سے انہوں نے جو سامان بھی خریدا وہ سب بکر کا ہے: مشین بھی، فرنیچر وغیرہ بھی، دوکان کا کرایہ دار بھی بکر ہے اگرچہ رسید کرایہ داری عمر کے نام ہے، بعد میں مزید سامان جو کہ ہزار میں لیا گیا، وہ بھی بکر کا ہے، زید عمر کی اس میں کوئی شرکت نہیں، وہ موجودہ سامان میں سے کسی چیز کے حقدار نہیں، اتنی مدت میں مشینوں کے ذریعہ جتنے بھی روپیہ کی کمائی ہوئی ہے، اس کے کسی جز کے بھی معاملہ کے رو سے حقدار نہیں، وہ سب روپیہ بکر کا ہے، وہ سب بکر کو ادا کریں۔

اوراہلِ بصیرت مشورہ سے طے کریں کہ اتنی مدت میں جو زید وعمر نے کام کیا ہے، اگر ان کو اجرت

میں رکھا جاتا تو وہ کتنی اجرت کے مستحق ہوتے، جتنی اجرت ان کی ہوتی اتنی اجرت کے وہ حقدار ہیں، بشرطیکہ معاملہ مذکورہ میں مقرر کردہ شرح: ۴، ۶، سے زیادہ نہ ہو(۱)، اگر اس سے زیادہ ہو تو اسی چار چھ کی مقدار کے حقدار ہوں گے۔ یہ بھی اس وقت ہے جبکہ زید وعمر دونوں نے کام کیا ہو، ورنہ اگر ایک کا نام معاہدہ میں فرضی ہو اور کام صرف ایک نے کیا ہے تو صرف کام کرنے والا حسبِ تشریح بالا اجرت کا مستحق ہوگا۔ جس وقت سے بکر نے دوکان ختم کرنے کو کہہ دیا ہے اس کے بعد دوکان چالو رکھنے اور کام کرنے کا حق زید کو نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/صفر/۸۹ھ۔

خیانت کر کے مضارب نے مکان خریدا، اب وہ مکان کس کا ہوگا؟

سوال[۶۸۵۲]: خالد اپنا روپیہ دے کر بکر سے بطورِ کمیشن کاروبار چمڑے وچربی کا کراتا ہے، حسبِ ضرورت کیف ما اتفق برابر دیئے جاتا ہے، پھر چالان روانگی مال خالد وبکر کا لین دین حساب بھی باہم سمجھ لیا کرتے ہیں۔ یہ کاروبار تقریباً تین، چار سال سے جاری ہے۔ چار، پانچ ماہ ہو رہے ہیں بکر نے جعلی خریداری

---

(۱) "ويملك المضارب في المطْلَقة البيع........ والإجارة استيجار، فلو استأجر أرضاً بيضاء ليزرعها أو يغرسها، جاز. قال الرحمتي: كان هذا في عرفهم أنه من صنيع التجارة، وفي عرفنا ليس منه". (تقريرات الرافعي، كتاب المضاربة: ۵/ ۲۴۱، سعيد)

"(قوله: فلو استأجر أرضاً) .... كان هذا في عرفهم أنه من صنيع التجارة، وفي عرفنا ليس هو من صنيعهم، فينبغي أن لايملكه". (تكملة ردالمحتار، مطلب: حيلة جواز المضاربة في العروض: ۸/ ۲۸۹، سعيد)

(۲) "فإذا فسدت المضاربة فالربح كله له، والمضارب بمنزلة أجير، له أجر المثل". (شرح المجلة: ۲/ ۷۵۶، (رقم المادة: ۱۴۲۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإن فسدت فأجير، فله أجر مثله، ربح أو لم يربح، ولا يزاد على ما شرط له عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب المضاربة: ۳/ ۴۴۴، مكتبه غفاريه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۶۴۶، كتاب المضاربة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/ ۵۱۶، كتاب المضاربة، دارالكتب العلمية بيروت)

کی رسید بنا کر دکھلا کر معمول سے زائد رقم لے کر ایک مکان خرید کر والد کے نام رجسٹری کرادیا، جس کا کرایہ بھی چالیس روپیہ ماہوار مل رہا ہے۔

جب خالد کو بکر کی اس بات کا علم ہوا تو خالد نے بکر کے والد کو لکھا جس پر انہوں نے بکر کو بے حد ملامت کی اور کہا کہ خالد با قاعدہ حساب کر کے لکھیں، ان کا کس قدر کمیشن تھا، یا رہتا ہے اور بکر سے کاروبار بالکل بند کر دیجئے، موجودہ مال اپنے قبضہ میں لے لیجئے، یعنی رقم میں اپنی بساط کے مطابق ماہ بماہ آپ کو ادا کرتا رہوں گا، خاطر جمع رکھیں۔ لیکن خالد نے غالباً کسی مصالح کے پیش نظر بکر سے اپنا کاروبار جاری ہی رکھا ہے۔

اب خالد کا تقاضا ہو رہا ہے کہ مکان میرے نام منتقل کر دیا جائے، میرے پیسہ سے خرید کیا گیا ہے اور کرایہ کا بھی میں ہی حقدار ہوں، تا آنکہ جب تک میرا بقایا ہی وضع کرتے رہیں اور والد بھی ماہ بماہ دے رہے ہیں، بتدریج ان شاء اللہ جلد ہی ادا ہو جائے گا، بہر حال ادائیگی ہو رہی ہے۔ اب کیا جانے تقاضا شدید کیوں بار بار ہو رہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱......اپنے نام خالد وہ مکان شرعاً منتقل کرا سکتا ہے یا نہیں؟

۲......خالد ہی کرایہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

۳......چمڑے و چربی میں بعض موقعوں پر بوقتِ ضرورت اسامیوں کو مال حاصل کرنے کے لئے پیشگی رقم دی جاتی ہے۔ بعض بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ گاہے گاہے رقم تو دیتے ہیں۔ یہ خسارہ کون برداشت کرے گا، رب المال یا کمیشن دار؟

۴......بعض وقت نقصان ہو جاتا ہے تو نقصان کس طرف عائد ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خیانیت اور بد دیانتی معلوم کرنے کے باوجود خالد نے کاروبار بدستور جاری رکھا، اور اس کو فسخ نہیں کیا، اور بکر کے والد کی بات پر اعتماد کر کے ماقبی رقم کو ماہ بماہ (بساط کے موافق) لیتے رہنے پر رضامندی دیدی، اب مکان کو اپنے نام منتقل کرنے کا حق نہیں رہا، ہاں! اگر ماہ بماہ ادا کرنے کا وعدہ پورا نہ ہو تو پھر پوری رقم یک لخت وصول کرنے کا حق ہوگا، خواہ نقد کی شکل میں، خواہ مکان وغیرہ کی شکل میں۔ محض اس وجہ سے کہ بکر نے

خیانت کرکے اور غلط جعلی خریدار دکھلا کر رقم بچائی اور اس سے مکان اپنے والد کے نام خرید لیا وہ مکان خالد کی ملک نہیں ہوا۔

۲...... جب وہ مکان خالد کی ملک نہیں ہوا تو اس کے کرایہ کا مستحق بھی خالد نہیں (۱)، البتہ اپنی بقایا رقم کے عوض میں کرایہ کو محسوب کرنے کا معاملہ اگر ہو جائے تو یہ درست ہے۔

۳...... یہ مضاربت کی شکل ہے، مضاربت میں جس قدر نفع ہوا، اس میں رب المال اور مضارب (کمیشن دار) دونوں شریک ہوتے ہیں، مثلاً: ایک روپیہ نفع ہو تو چار آنے کمیشن دار کو ملے گا اور بارہ آنے مضارب کو، یا کسی اَور نسبت سے یہ شرکت تجویز ہو جائے (۲)، اگر نقصان ہو تو اولاً وہ نفع میں سے لگایا جائے گا،

---

(۱) اس لئے کہ مکان بکر کی ملک ہے:

"إذا تجاوز المضارب حد مأذونيته وخالف الشرط، كان غاصباً. وفي هذا الحال يعود الربح والخسارة في تجارته له وعليه، ولايملك المضارب تجاوز بلد وسلعة أووقت أو شخص عينه المالک، فإن فعل ضمن، وكان الشراء له". (شرح المجلة: ۷۵۴/۲، (رقم المادة: ۱۴۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإن قيدت ببلد أو سلعة أو وقت أومعامل معين، فليس له أن يتجاوز، كمافي الشركة، فإن تجاوز ضمن؛ لأنه صار غاصباً بالمخالفة، وكان المشترى له، والربح له: أى للمضارب". (مجمع الأنهر: ۴۴۹/۳، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وإذاخالف المضارب، كان غاصباً ضامناً للمال". (المبسوط للسرخسي: ۱۸/۱۱، كتاب الرهن، باب جناية الرهن في الحضر، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۲۸/۵، كتاب المضاربة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۵۱/۵، كتاب المضاربة، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۴۹/۳، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹة)

(۲) "تصح المضاربة حتى يكون الربح مشاعاً بينها بأن يكون أثلاثاً أو منصّفاً". (مجمع الأنهر: ۴۴۶/۳، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وكون الربح بينهما مشاعاً، فتفسد إن شرط لأحد هما عشر دراهم مثلاً". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب المضاربة: ۴۴۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹة) .... =

اگر نفع نہ ہو یا نفع سے زائد نقصان ہوجائے تو یہ زیادتی رب المال کے ذمہ ہوتی ہے۔کمیشن دار پر اس کا تاوان نہیں پڑتا(۱)۔

۴......اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر:۳ کا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

ایک شریک کا تنخواہ لینا

سوال[۶۸۵۳]: ۱......زید، عمر، بکر، خالد چاروں نے مل کر ایک کپڑے کی دوکان ڈالی، ان چاروں نے ایک پانچویں شخص محمود کو چلانے کے لئے دی اور یہ محمود اس دوکان میں شریک نہیں، صرف چلانے کے عوض میں اس کو نفع کا نصف حصہ ملے گا، باقی نصف شرکاء میں تقسیم ہوجائے گا۔اب اس کے بعد محمود کو نفع کا نصف حصہ کم پڑتا ہے، اس لئے اس نے شرکاء سے کہا کہ ہر مہینہ تنخواہ مقرر کردو نصف حصہ پر، تو شرکاء نے جواب دیا کہ یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے محمود نے کہا کہ ہر مہینہ مجھے بعنوانِ ہدیہ سَو روپے دیا کرو۔تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ محمود کا یہ تاویل کر کے سو روپیہ لینا اور شرکاء کو بھی اس طرح دینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ صورت مضاربت کی ہے؟

= "لاتصح المضاربة إلا إذاكان الربح بينهما مشاعاً". (تبيين الحقائق: ۵/۵۱۸، كتاب المضاربة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وما هلک من مال المضاربة فمن الربح، فإن زاد الهالک على الربح، لم يضمن المضارب". (كنز الدقائق، ص: ۳۴۴، كتاب المضاربة، رشيديه)

(وكذا في حاشيه الشلبي على تبيين الحقائق: ۵/۵۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۴۶، كتاب المضاربة، سعيد)

(۱) "وماهلک من مال المضاربة، صرف الربح أولاً دون رأس المال؛ لأنه تابع، ورأس المال أصل .... فإن زاد الهالک على الربح، لايضمن المضارب لكونه أميناً، سواء كان عمله أولا". (مجمع الأنهر: ۳/۴۵۸، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۵۶، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، سعيد)

۲......اسی صورت مذکورہ میں محمود جو دوکان چلانے والا ہے ان چاروں شرکاء کے ساتھ اگر وہ بھی شریک ہوجائے تو اب اس کو دوکان چلانے کے عوض میں نصف حصہ ملتا ہے اور رأس المال میں شریک ہونے کی وجہ سے نصف کا پانچواں حصہ بھی ملتا ہے۔ آیا یہ صورت جائز ہے کہ نہیں؟

۳......اگر محمود رأس المال میں بھی ان چاروں کیساتھ شریک ہے اور دوکان چلانے کے لئے بعنوانِ ہدیہ ہر مہینہ لیتا ہے اور نفع کا ہر حصہ بھی چلانے کے عوض میں، مطلب یہ ہے کہ اس کو تین طریقہ سے آمدنی ہوتی ہے: ایک رأس المال میں شرکت کی وجہ سے، اور ایک دوکان چلانے کے عوض نفع کا نصف حصہ اور ہر مہینہ بعنوان ہدیہ سو روپے۔ تو یہ صورت عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مضاربت کے لئے ضروری ہے کہ نقد مضارب کے حوالہ کیا جائے، خود مال خریدے (۱)۔ پس اگر ان چاروں شرکاء نے کپڑا خرید کر دوکان قائم کرلی اور پھر وہ دوکان محمود کو چلانے کے لئے دی تو یہ مضاربت صحیح نہیں ہوئی، محمود اس کے نفع میں شریک نہیں، بلکہ اجرِ مثل کا مستحق ہے (۲)۔ اگر نقد روپیہ محمود کو دیا اور کپڑے کی

---

(۱) "ولا تصح المضاربة إلا بمال تصح به الشركة من النقدين والتبر والفلس النافق". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۵، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"يشترط أن يكون رأس المال مالاً تصح به الشركة.......... وذلك لأن المضاربة تصير شركةً بحصول الربح، فلا بد من مال تصح به الشركة وهو الدراهم والدنانير والتبر أوالفلوس النافقة". (شرح المجلة: ۲/۷۴۵، (رقم المادة: ۱۴۰۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب المضاربة: ۵/۵۱۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) اس لئے کہ اس صورت میں مضاربت کا معاملہ فاسد ہوا: "وإن فسدت المضاربة بشئ فأجير؛ لأن المضارب عامل لرب المال.......... فله: أي للمضارب أجر مثله". (مجمع الأنهر، كتاب المضاربة: ۳/۴۴۴، غفاريه كوئٹه)

"سئل في المضاربة إذا فسدت بعد ماعمل المضارب فيها مدةً، فهل له أجر مثله، لايزاد على المشروط؟ الجواب: نعم، قال في التنوير: وإجارة فاسدة إن فسدت فلاربح حينئذٍ، بل له أجر مثله مطلقاً، لايزاد على المشروط". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۷۰، كتاب المضاربة، مكتبه ميمنيه مصر) =

دوکان کے لئے اس سے کہہ دیا اور محمود نے کپڑا خرید کر کام شروع کیا تو مضاربت صحیح ہے، لیکن وہ نفع میں شریک رہے گا، تنخواہ کا مستحق نہیں ہے(۱)۔ مزید سوروپے کا نام ہدیہ رکھنے سے ہدیہ نہیں ہوگا، ہدیہ کا اس طرح جبریہ مطالبہ نہیں ہوا کرتا ہے(۲)، لہٰذا یہ تنخواہ ہی ہے جو کہ ناجائز ہے۔ نفع ہونے کی صورت میں مضارب خود ہی شریک بن جاتا ہے(۳) اور مضاربت خود اس کا بھی کام ہوتا ہے اور اپنے (کل یا جز) کام کی تنخواہ لینے کا کوئی معنیٰ نہیں (۴)۔

۲......اس صورت میں بھی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

۳......اس صورت میں بھی تنخواہ لینا جائز نہیں، کما مر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

= (وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۶۴۶/۵، سعيد)

(۱) "لا أجر للشريک في العمل بالمشترک". (ردالمحتار: ۳۲۶/۴، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجح القياس، سعيد)

"لو كان طعام بين رجلين فقال أحدهما لصاحبه: احمله إلى الموضع كذا، ولک في نصيبي من الأجر كذا. أو قال: اطحنه ولک في نصيبي كذا في الأجر، جاز ذلک في قول زفر ومحمد بن صاحب، ولايجوز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالىٰ". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۹، إجارة الشريک لشريكه، سعيد)

(۲) "لاجبر على الصِّلات إلافي مسائل". (الأشباه والنظائر: ۳۴۴/۲، (رقم المادة: ۱۵۸۶)، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الهبة، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "والمضارب أمين، وبالتصرف وكيل، وبالربح شريک". (البحر الرائق: ۴۴۶/۷، كتاب المضاربة، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع ردالمحتار: ۶۴۶/۵، كتاب المضاربة، سعيد)

"وإذا ربح، كان شريكاً فيه: أي في الربح؛ لأنه حصل بالمال والعمل فيشتركان فيه". (شرح المجلة: ۷۴۹/۲، (رقم المادة: ۱۴۱۳)، الفصل الثالث في أحكام المضاربة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

کیا مضارب نفع میں شریک ہے، نقصان میں نہیں؟

سوال[۶۸۵۴]: زیداور بکر کی شرکت تجارت میں اس شرط کے ساتھ ہوئی ہے کہ زید کی رقم اور بکر کی محنت۔ معاہدہ یہ طے ہوا ہے کہ نفع ونقصان میں نصف نصف ہوگا اگر بکر نے اصل رقم میں یعنی رأس المال کی زکوٰۃ مالک یعنی زید کی رقم میں سے اس کے سامنے نکالی، مگر یہ صاف ظاہر نہیں کیا کہ یہ رقم نفع میں کی ہے یا صرف اصل مالک کے نفع کے حصہ کی ہے جو کہ مالک یعنی زید کا نفع بھی اس میں شامل ہے۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر ادا نہیں ہوئی تو ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ فاسد ہے، مضاربت میں کام کرنے والا (مضارب) صرف نفع میں شریک رہتا ہے، نقصان میں شریک نہیں رہتا(۱)۔ اب جو کچھ زکوٰۃ کے نام سے پیسے دیئے ہیں، اس سے اصل مالک (رب المال) زید

---

(۱) مضارب پر نقصان میں شرکت کی شرط لگانا مفسدِ عقد نہیں ہے، بلکہ ایسی شرط خود ہی باطل ہوجاتی ہے، اور مضاربت درست ہوجاتی ہے:

"ویبطل الشرط کشرط الوضیعة: أی الخسران علی المضارب؛ لأن الخسران جزء هالک من المال، فلایجوز أن یلزم غیر رب المال، لکنه شرط زائد لا یوجب قطع الشرکة فی الربح ولاالجهالة فیه، فلایفسد المضاربة؛ لأنها لاتفسد بالشروط الفاسدة کالوکالة". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، کتاب المضاربة، مکتبة غفاریه کوئٹه)

"کل شرط یوجب جهالةً فی الربح، أو یقطع الشرکة فیه، یفسدها، وإلابطل الشرط وصح العقد". (الدرالمختار). "(قوله: بطل الشرط) کشرط الخسران علی المضارب". (ردالمحتار: ۵/۶۴۸، کتاب المضاربة، سعید)

"وکل شرط یوجب جهالة الربح یفسدها، وإلالا، ویبطل الشرط کشرط الوضیعة علی المضارب......... وشرط الوضیعة شرطٌ زائد لایوجب قطع الشرکة فی الربح ولاالجهالة فیه، فلایکون مفسداً، وتکون الوضیعة –وهو الخسران– علی رب المال؛ لأنه مافات جزء من المال بالهلاک یلزم صاحب المال دون غیره، والمضارب أمین فیه، فلایلزمه بالشرط، فصار الأصل فیه أن کل شرط یوجب جهالةً فی الربح أو قطع الشرکة فیه مفسدٌ، ومالافلا". (تبیین الحقائق، ۵/۵۲۱، کتاب المضاربة، =

کی زکوٰۃ ادانہیں ہوئی، البتہ اگر زید نے اجازت دی ہوتو درست ہے(۱)۔ بکر نفع میں شریک نہیں، بلکہ اجرِ مثل کا مستحق ہے، نفع سب زید کا ہے۔ اور جو پیسے بلا اجازت خرچ کئے ہیں اس کا ضمان لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۸/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۹۰/۸/۶ھ۔

جانوروں کی مضاربت میں شرکت

سوال[۶۸۵۵]: ۱......مضاربت کے عقد میں رقم دینے والا اس شرط پر رقم دے کہ جانوروں کی تجارت کرو، خریدنا، چارنا تمہارے ذمہ ہے۔ تو جانوروں کا چارنا اس پر صحیح ہے یا نہیں؟ مدلل حوالہ سے جواب مطلوب ہے۔

۲......مضاربت میں رقم دہندہ دوشخصوں سے کہے کہ ایک تم میں سے مال خریدے اور دوسرا مال چارے بالتعیین، یعنی خریدنے والے کی اور چارنے والے کی تعیین کرکے دوسری شرائط مضارب کی تصحیح کرکے کہے۔ تو یہ اختیار مضارب کو ہے یا نہیں؟

۳......جانور مثلاً سو ہیں، ایک شخص ان سب کی قیمت لگادے، فی جانور ۵/ روپیہ، کل قیمت پانچ سو روپے ہوئی، اب دوسرے شخص کو بیچے کہ آدھے ڈھائی سو روپیہ کے معاوضہ میں آدھے جانور تمہارے اور آدھے

= دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة: ۷۵۷/۲، (رقم المادة: ۱۴۲۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "(ولم يزكّ مال الآخر إلا بإذنه): أي أحدهما؛ لأنه ليس من جنس التجارة، فلايكون وكيلاً عنه في أدائها إلا أن يأذن له". (البحر الرائق: ۳۰۸/۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۶/۲، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، رشيديه)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أووكالة منه أو ولاية عليه. وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح، سعيد)

میرے، جاؤتم چراؤ، اس منافعہ کو جب حصہ تقسیم کریں گے مشترک ہے، تقسیم کی یہ صورت جائز ہے یانہیں؟

۴......اگر اپنے حصہ کے جانوروں کو چروائی دے تو اس وقت جائز ہے یا نہیں اور عقد کے وقت جانوروں کی تقسیم ضروری ہے یانہیں؟ فقط۔

۱۷/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جانور خرید کر ان کی تجارت کرو، اور ان کے فروخت ہونے تک ان کو چرانے کی ضرورت پیش آئے تو خود چرا کر لاؤ تو یہ شرط مقتضائے عقد کے موافق ہے اور صحیح ہے(۱)۔ اگر یہ مطلب ہے کہ ان جانوروں کے لئے گھاس اپنی قیمت سے خریدو، میں قیمت نہیں دوں گا اور وہ قیمت مالِ مضارب میں محسوب نہ کرے تو یہ شرط ناجائز ہے(۲)۔

۲......اس طرح عمل کی تقسیم جائز ہے(۳)، لیکن خرچ جو کچھ ہوگا وہ رب المال کا ہی ہوگا، اس کو عامل

---

(۱) "على المضارب في المضاربة المقيدة أن يتقيد بشرط رب المال وتقيده مهما كان". (شرح المجلة: ۲/۷۵۴، (رقم المادة: ۱۴۲۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الأصل أن رب المال متى شرط على المضارب شرطاً في المضاربة، إن كان شرطاً لرب المال فيه فائدةٌ، يصح، ويجب على المضارب مراعاته والوفاء، وإذا لم يف به، صار مخالفاً وعاملاً بغير أمره. وإن كان شرطاً لا فائدة فيه لرب المال، فإنه لايصح، ويجعل كالمسكوت عنه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۷/۴، كتاب المضاربة، الباب السادس فيما يشترط على المضارب من الشرط، رشيديه)

(۲) "ويبطل الشرط كشر ط الوضيعة على المضارب". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(۳) "وإن باع المتاع مرابحةً حسب ما أنفق على المتاع من الحملان وأجرة السمسار والقصار والصباغ ونحوه مما اعتيد ضمه ويقول البائع: قام عليّ بكذا وكذا، يضم إلى رأس مايوجب زيادة فيه حقيقةً أو حكماً، أو اعتاده التجار كأجرة السمسار". (ردالمحتار: ۶۵۸/۵، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، فصل في المتفرقات، سعيد)

کے ذمہ لگانا شرعاً جائز نہیں (۱)۔

۳...... بلاتقسیم بلاتعیین کے آدھے جانور فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں کہ اس صورت میں بیع مجہول ہے (۲)، بعد تقسیم وتعیین درست ہے۔ پھر شرکت کس شئی میں کی ہے اور منافع سے کیا مراد ہے، جانوروں کے دودھ اور بچے مراد ہیں، یا فروخت کر کے قیمت مراد ہے۔

اور تمام جانوروں کا چرانا ایک کے ذمہ کیوں ہے اور اس کو کوئی اجرت ملے گی یا نہیں، اگر نہیں ملے گی تو کیوں؟ کیونکہ یہ شرکت کی صورت نہیں، بلکہ ایک مال علیحدہ ہے اور عاقدین نے اس کو عقدِ مضاربت قرار دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو جائز ہے۔ عقدِ مضاربت میں نقد کا مضارب کے حوالہ کرنا ضروری ہوتا ہے (۳)، نیز مضارب کی طرف سے صرف عمل ہوتا ہے، مال نہیں ہوتا۔ مال صرف دوسری جانب سے ہوتا ہے (۴)۔

اگر اپنے جانوروں کی چرائی خود دے تو اس طرح چراوانا شرعاً درست ہے، اس لئے کہ اجارہ کی صورت ہے اور منافع میں شرکت نہیں۔ اگر اس کو شرکتِ عنان قرار دیا جائے کہ نصف قیمت ایک دیدے اور نصف دوسرا، ہر جانور مشترک ہوجائے، اور پھر چرانا صرف ایک کے ذمہ ہو اور فروخت کر کے قیمت میں اور بچہ پیدا

---

(۱) "ویبطل الشرط کشرط الوضیعة علی المضارب". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، کتاب المضاربة، مکتبه غفاریه کوئٹة)

(۲) "وفسد البیع ماسکت فیه عن الثمن.......... وبیع عبد من ثوبین أو عبد من عبدین، لجهالة المبیع". (الدر المختار: ۵/۶۶، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۳) "ولاتصح المضاربة إلا بمالٍ تصح به الشرکة من النقدین والتبر والفلس". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۵، کتاب المضاربة، مکتبه غفاریه کوئٹة)

(۴) "هی (أی المضاربة) شرکة فی الربح من جانب، وعمل من جانب، وهو المضارب". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۳، کتاب المضاربة، مکتبة غفاریه کوئٹة)

ہونے پر صرف نفس مال میں بھی شرکت برقرار رہے، اور نفع بھی نصفا نصف ہوتو یہ شرکت کی صورت جائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔



(۱) "والحيلة أن يبيع نصف البقرة من هذا الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر بثمن معلوم، حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منهما على الشركة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۱۴/۶، کتاب الشركة، الفصل السادس فی الشركة بالأعمال، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، رشيديه)

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

تمام جائیداد وقف کردینا

سوال[۶۸۵۶]: ایک شخص نے آج سے پانچ سال قبل اپنی تقریباً ساری زرعی زمین اوقاف کمیٹی بانڈی پورہ کے نام وقف کی، مذکورہ شخص کا ہفتہ بھر پہلے انتقال ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا:

(الف) یہ وقف نامہ جائز ہے؟ اور کیا اس کے ورثہ اس کی موت کے بعد وقف پر کوئی اعتراض کرسکتے ہیں؟ حالانکہ متوفی لاولد اور لازن ہے اور اس کے ماں باپ اور کوئی بھائی زندہ نہیں، البتہ چچا، چچیرے بھائی اور کچھ ماموں زاد بھائی موجود ہیں؟

(ب) مذکورہ اوقاف کمیٹی اس جائیداد کی آمدنی کن مصارف میں صرف کرسکتی ہے؟

(ج) کیا یہ مذکورہ اوقاف کمیٹی مذکورہ جائیداد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس زمین کا تبادلہ یا بیع کرنے کی مجاز ہے؟

(د) کیا کوئی شخص اپنی زندگی میں ورثہ کے ہوتے ہوئے اپنی ساری جائیداد وقف کرسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

(الف) مالک نے اوقاف کمیٹی کو متولی بنا کر اپنی زرعی زمین وقف کر کے متولی کے قبضہ میں دیدی جس کو پانچ سال گزر چکے ہیں اور اوقاف کمیٹی اس کی آمدنی کو واقف کے منشاء کے مطابق مصارفِ خیر میں صرف کررہی ہے تو یہ وقف نامہ صحیح اور درست ہے، متوفی کے ورثہ میں سے کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور اس میں

وراثت جاری نہیں ہوگی (۱)۔

(ب) جب وہاں کمیٹی موجود ہے اور پانچ سال سے وہ کمیٹی خود صرف کر رہی ہے جس کی اطلاع خود واقف کو بھی ہے تو اب اس میں کیا چیز تحقیق طلب ہے۔

(ج) اس وقف کو تجارتی مال نہ بنایا جائے، اوقاف کمیٹی کو اس کے بیع کرنے کا حق نہیں ہے (۲)۔

(د) اگر ورثہ کو نقصان پہونچانا اور محروم کرنا مقصود نہ ہو اور وہ حاجتمند بھی نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے انہیں سب کچھ دے رکھا ہو تو وقف کر سکتا ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ ان سے مشورہ کر کے وقف کرے تا کہ ان کو حق تلفی کی بدگمانی نہ ہو اور موتِ واقف کے بعد خود دعوائے وراثت نہ کریں۔ بہتر یہ ہے کہ وقف نامہ پر خود ان کے بھی دستخط کرا دیئے جائیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء، كما نقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله تعالىٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع و لا تورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۱، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۲، سعيد)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) 'عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: مرضت عام الفتح حتى أشفيت على الموت، فعادني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن لي مالاً كثيراً وليس يرثني إلا ابنة لي، أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: "لا". قلت: فالشطر؟ قال: "لا". قلت: فالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثير، إن تذرْ ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس".

(سنن ابن ماجة، باب الوصية بالثلث، ص: ۱۹۴، قديمى)

(وكذا في مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الأول، ص: ۲۶۵، قديمى)

واقف کا جائیدادِ وقف سے خود نفع اٹھانے کی شرط لگانا

سوال[۶۸۵۷]: ۱......واقف نے اگر بوقتِ تحریر وقف نامہ شرط لگائی کہ: میں تاحیات خود اراضی موقوفہ زرعی وسکنی سے بذاتِ خود فائدہ اٹھاؤں گا اور اپنے تصرف میں لاؤں گا۔ تو یہ شرط لگانا اور جائیداد موقوفہ سے فائدہ اٹھانا باوجود اس کے کہ وہ غنی ہو جائز ہے یا نہیں اور یہ وقف ہے یا نہیں اور وہ صحیح ہے یا نہیں؟

۲......اگر واقف بوقتِ تحریر وقف نامہ مذکورہ غنی نہ ہو اور کچھ مدت گزرنے کے بعد مالدار ہو جائے تو جائیدادِ موقوفہ مذکورہ سے واقف اس وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

۳......اگر واقف وقف علی الاولاد میں یہ شرط لگائے کہ: میں تاحیات خود جائیداد موقوفہ سے فائدہ اٹھاؤں گا اور میری زندگی کے بعد میری زوجہ اور اس کی زندگی کے بعد میری دختر ہذا اور اس کی زندگی کے بعد اولاد ذکور واناث بحصۂ مساوی فائدہ اٹھائیں گے۔ تو کیا اگر یہ لوگ جس وقت ان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوگا مالدار ہوں تو ان کے لئے جائیداد موقوفہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں اور یہ وقف ان پر صحیح ہوگا یا نہیں؟

۴......واقف کا اپنی زندگی کے بعد اول زوجہ پر وقف ہونے کی شرط کرنا اور بعدش اپنی ایک دختر پر وقف ہونے کی اولاد موجود ہونے کے اور نیز دوسری جائیداد بلا وقف موجود ہونے کے اور عورتوں کو وراثت نہ ملنے کا قانون موجود ہونے کی حالت میں صحیح اور درست ہے یا نہیں اور اس تحریری (وقف) نامہ کو وقف علی الاولاد کہنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی فتح الدین، مقام چک: ۲۵۱، ضلع لائلپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......"فی الذخیرة: إذا وقف أرضاً أوشیئاً آخر وشرط الکل لنفسه أو شرط البعض لنفسه ما دام حیاً وبعده للفقراء.......... وقال أبو یوسف: الوقف صحیح. ومشایخ بلخ أخذوا بقول أبی یوسف، وعلیه الفتویٰ، اهـ". عالمگیری، ص: ۹۸۹(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الرابع: ۳۹۷/۲، رشیدیه)

"ولو قال: وقفت علی نفسی، ثم من بعدی علی فلان، ثم علی الفقراء، جاز عند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثانی: ۳۷۱/۲،رشیدیه) =

۲......شرطِ مذکور کی وجہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، كذا في الهندية: ٩٧٥(١)۔

۳......اگران سب کے فائدہ اٹھانے کے لئے محتاج ہونے کی شرط نہیں کی تو سب کو نفع حاصل کرنا درست ہے، اگر محتاج ہونے کی شرط کی ہے تو مالدار کو نفع حاصل کرنا درست نہیں، محتاج کو درست ہے(۲)۔

۴......واقف کو اختیار ہے کہ اپنی جائیداد تمام اولاد پر وقف کرے، یا بعض پر، یا اَور اقرباء پر۔ جس پر وقف کیا ہے اس کو اس سے حصہ ملے گا اور جس پر وقف نہیں کیا اسے اس جائیدادِ موقوفہ سے حصہ نہیں ملے گا اور اولاد اور اقرباء کہ جن پر جائیداد کو وقف کیا ہے، سب کو ختم ہو جانے پر جائیداد موقوفہ کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی:

قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالىٰ: "وإن سمى جهةً تنقطع، يكون بعدها للفقراء وإن لم يسمهم.......... لأن قصد الواقف أن يكون آخره للفقراء وإن لم يسمهم

= "(وجاز جعل غلة الوقف) أو الولاية (لنفسه عند الثاني)، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۴/۴، سعيد)

(١) "رجل قال: أرضي صدقة موقوفة على نفسي، يجوز هذا الوقف على المختار، كذا في خزانة المفتيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۳۷۱/۲، رشيديه)

"(وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه، أو جعل الولاية إليه، صح)، أما الأول: وهو ما إذا جعل غلة الوقف لنفسه، فالمذكور هنا قول أبي يوسف رحمهم الله تعالىٰ.......... فإذا شرط البعض أو الكل لنفسه، فقد شرط ما صار لله تعالىٰ لنفسه، وهو جائز". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۸/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وحاصله أن المعتمد صحة الوقف على النفس، واشتراط أن تكون الغلة له". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۹/۵، رشيديه)

(٢) "ولو قال: على الفقراء من وُلده، ولم يزد على ذلك، يدخل مَن كان فقيراً وقت حدوث الغلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۳۷۳/۲، رشيديه)

.... فكان تسمية هذا الشرط ثابتاً دلالةً". كذا في البدائع (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ جمادی الاولی/۵۵ھ۔

واقف کو شرائطِ وقف میں تغیر وتبدل کا اختیار

سوال [۶۸۵۸]: واقف وقف کرنے کے بعد موقوفہ چیز میں شرائط کا اضافہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف نے وقف کرتے وقت اگر شروط میں اضافہ کا اختیار باقی رکھا ہے تو خیار حاصل ہوگا ورنہ نہیں:

"وفي الإسعاف: لايجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد، اهـ. وفيه: لو شرط في وقفه أن يزيد في وظيفة مَن يرى زيادته، أوينقص من وظيفة مَن يرىٰ نقصانه، أزيدخل معهم مَن يرى إدخاله، أو يخرج مَن يرىٰ إخراجه، جاز. ثم إذا فعل ذلك، ليس له أن يغيّره؛ لأن شرطه وقع على فعل يراه، فإذا راٰه وأمضاه فقد انتهىٰ ما راٰه". شامي: ۴۳۱/۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة، فصل شرائط جواز الوقف: ۳۲۸/۵، رشيديه)

"رجل قال: وقفت أرضي هذه على ولدي وقفاً و آخره للمساكين، فمات ولده، قال أبوالقاسم رحمه الله تعالىٰ: تصرف الغلة إلى الفقراء". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳۲۰/۳، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يجوز الرجوع عن الشروط: ۴۵۹/۴، سعيد)

"أن الواقف إذا جعل لنفسه التبديل والتغيير والإخراج والإدخال والزيادة والنقصان، ثم فسّر التبديل باستبدال الوقف، هل يكون صحيحاً؟ و هل تكون له و لاية الاستبدال؟ والشيخ الإمام الوالد سقى الله عهده .... أفتى بصحة ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۴/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"لو اشترط في الوقف أن يزيد في وظيفة مَن يرى زيادته، أو ينقص من وظيفة مَن يرى نقصانه، =

ایک وقف نامہ کی تنقیح

سوال [۶۸۵۹]: وقف نامہ جناب حاجی کلن صاحب مرحوم کئی مرتبہ سامنے آیا، غور کیا، ایک دفعہ جواب جناب مفتی نظام الدین صاحب نے لکھا، پھر جواب اس فقیر نے لکھا، پھر آیا تو جواب جناب مفتی احمد علی سعید صاحب نے لکھا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ دیکھنے سے جو نقشہ ذہن میں مرتسم ہوا ہے، جواب لکھتے وقت کہیں وہی اثر انداز نہ ہو، اس لئے ہر مرتبہ جداگانہ مجیب نے جواب لکھا، تاکہ گذشتہ تصور سے فارغ ہو کر از سر نو غور کیا جائے۔

یہ بھی ذہن نشین کر لیا جائے کہ جناب حاجی کلن صاحب مرحوم اور ان کے نسلی اور غیر نسلی ورثاء کسی سے ہماری واقفیت نہیں، نہ اندرونی حالات کا علم ہے، اگر واقفیت ہو بھی تب بھی کسی تعلق اور واقفیت کی بنا پر غلط فتوی دے کر اپنے دین کو برباد کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ پہلے لکھا گیا وہ بھی دیانۃً وحسبۃً للہ لکھا گیا اور اب بھی جو کچھ لکھا جا رہا ہے، نہ کسی کی حمایت مطلوب ہے، نہ مخالفت، نہ اپنی ضد کی بات، نہ دوسروں پر رد۔ سمجھنے اور لکھنے میں غلطی کا امکان ہر وقت ہے اور ہر ایک سے ہے، اپنے بیان کے فتوے کے جس جزو میں لغزش اور کوتاہی کا ادراک پہلے ہوا اس کو تسلیم کر لیا، اب بھی جس غلطی کا علم ہو جائے اس کو تسلیم کرنے کے لئے سینہ کھلا ہوا ہے، بایں ہمہ وما أبرئ نفسي۔

یہاں کے فتوے میں "وقف علی الأولاد" کے لفظ کو اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں کیا اور اس کے کچھ قرائن بتائے گئے ہیں، دوسرے بعض حضرات نے اس کو تو حقیقی معنی پر حمل کیا، مگر "وارثانِ شرعی" اور "حصۂ شرعی" کو حقیقتِ شرعیہ پر محمول نہیں کیا، انہوں نے بھی کچھ قرائن بیان کئے ہیں، وہ حضرات ممکن ہے کہ ذاتی واقفیت کی بنا پر واقف کے ذہن اور منشاء کو بھی سمجھتے ہوں، جیسا کہ تحریر سے اندازہ ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کے ہی قرائن قوی بلکہ صحیح ہوں، لیکن بار بار وقف نامہ اور تنقید نامہ میں غور کرنے کے باوجود دار العلوم کے فتوے کا حتمی طور پر غلط ہونا واضح نہیں ہوا، ورنہ رجوع کر لینے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

= و من أهل الوقف، وأن يدخل معهم مَن يرى إدخاله، وأن يخرج من يرى إخراجه، جاز". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل: ۲/۶۰۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في أحكام الأوقاف للجصاص، ص: ۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

تنقید نامہ کے ایک ایک جز پر تنقید کرنا قاطعِ نزاع نہیں اور کچھ مفید بھی نظر نہیں آتا کہ یہ مستقل بابِ جدل ہے، اس لئے ہمارے خیال میں رفعِ نزاع کی بہتر صورت یہ ہے کہ اس وقف سے تعلق رکھنے والے سب متفق ہوکر تین شخصوں کو ثالث اور حَکَم تجویز کرلیں جو اہلِ فہم اور دیانت ہونے کے ساتھ ساتھ مسائلِ فقہ، فرائض پر بھی گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہوں، وہ جس جانب کے قرائن کو قوی دیکھ کر فیصلہ فرمادیں گے، امید ہے کہ وہ عنداللہ بری ہوں گے اور اس پر عمل کرنا معصیت نہ ہوگا۔

حق تعالیٰ صحیح بات دل میں ڈالے، کسی کا حق تلف نہ ہو، آپس کا نزاع ختم ہو، مقدمات میں مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔ آمین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۱ھ۔

احقر نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، 　　سید احمد علی سعید، ۱۰/۲/۹۱ھ۔

غیر مملوک زمین کو وقف کرنا

سوال[۶۸۶۰]: ۱...... اگر کوئی شخص ایسی زمین یا چیز مسجد میں وقف کردے جس کا وہ مالک نہ ہو اور نہ وہ چیز اس کی زرخرید ہے اور نہ وہ حاصل کیا ہے۔ اب اس صورت میں اس کا وقف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲...... زید کی زمین کل ۲۰/ ڈسمل، ۹/ کڑی ہے(۱) اور زید مسجد میں ۶۷/ ڈسمل زمین وقف کرتا ہے۔ تو کیا زائد زمین موصوفہ مسجد میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... اپنی ملک کو وقف کرنے کا اختیار ہے، جس زمین کا خود مالک نہیں اس کے وقف کرنے کا اختیار نہیں، لہٰذا اس زمین (۲۰ ڈسمل) کا وقف صحیح ہوگا، زائد کا صحیح نہیں: "ومن شرائطه الملكُ وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً". مجمع الأنهر: ۱/۷۳۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "کڑی: جریب کا باریک اور پتلا حصہ"۔ (فیروز اللغات، مادہ: ک-ڑ، ص: ۱۰۰۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ) .... =

غیر مملوک زمین کو وقف کرنا

سوال[۶۸۶۱]: ایک عورت نے کچھ زمین عرصہ سے زمیندار سے لگان پر بخیال آبادی لی، اپنی حیات میں اس عورت نے اپنی دختر کے نام یہ زمین ہبہ ایک روپیہ کے کاغذ پر کردی اور وہ لڑکی برابر لگان اپنے شوہر کے ذریعہ زمیندار کو کچھ عرصہ تک ادا کرتی رہی، اب جب کہ اسی عورت کی لڑکی کا انتقال ہوگیا تو کچھ لوگوں کے بہکانے سے اس عورت نے مسجد کے نام وقف کردیا۔

کیا ایسی زمین جو کہ ایک دفعہ کسی کے نام ہبہ ہوچکی ہو مسجد کے نام وقف ہوسکتی ہے، ایسی چیز مسجد کے واسطے کہاں تک جائز یا ناجائز ہے؟ وہ زمین قریباً ۲۵ یا ۲۶/ سال سے ہبہ ہوئی ہے جس کا لگان اب تک اس عورت کا داماد برابر دیتا چلا آرہا ہے، مسجد کے متولیان نے ابھی تک کوئی لگان اس کا ادا نہیں کیا، حالانکہ اس کو پندرہ سال گزر چکے، اب متولیانِ مسجد اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا التماس ہے کہ جیسا شرع شریف کا حکم ہو، مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف صحیح ہونے کے لئے شیٔ موقوف کا ملکِ واقف ہونا ضروری ہے، اگر وہ عورت اس زمین کی مالکہ نہیں تو اس کا وقف کرنا بھی صحیح نہیں ہے(۱)، اسی طرح اپنی لڑکی کے نام جو اس نے ہبہ کی ہے تو وہ ہبہ بھی صحیح

= "الخامس من شرائطه الملكُ وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم اشتراها من مالكها و دفع الثمن إليه، أو صالح على مالٍ دفعه إليه، لا تكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۱) "الخامس من شرائط الملكُ وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع الثمن إليه، أو صالح على مالٍ دفعه إليه، لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۲۸/۲، غفاريه كوئٹه)

نہیں ہوا۔ اگر وہ عورت اس زمین کی مالکہ ہے تو شرعاً ہبہ صحیح ہے، پس اگر ہبہ کرکے لڑکی کا قبضہ زمین پر کرا چکی ہے(۱) تو لڑکی کے مرنے کے بعد باقاعدہ اس میں میراث جاری ہوگی اور اس میں سے جس قدر حصہ اس عورت کو ملے گا وہ اس حصہ کو وقف مسجد کر سکتی ہے، دوسرے کے حصہ کو وقف نہیں کر سکتی (۲)۔ حصۂ موقوفہ پر -جس کا وقف صحیح ہو- متولی کو قبضہ کرنے کا حق ہے، غیر موقوف پر (جس کا وقف صحیح نہ ہو) قبضہ کرنے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ شعبان/ ۵۸ھ۔

دوسرے کی مِلک کو وقف کرنا

سوال[۲۸۶۲]: زید نے چند درختانِ امبہ زمیندار کی اراضی میں نصب کرلیا تھا اور اس پر اس کا ہر طرح کا تصرف تھا، مگر اس کے نام کسی قسم کا کوئی اندراج کاغذات وبہی میں نہیں تھا، کچھ گھریلو ضرورتوں کے تحت اپنے نصب کردہ درختان بکر سے مناسب قیمت لے کر فروخت کردیا۔ اسی درمیان میں سرکاری حکم کے بموجب پٹواریوں کو یہ ہدایت ہوئی کہ متفرق درختان کا اندراج مع ملکیت کے کیا جاوے، اس موقعہ پر بکر نے کاغذات وبہی میں باغ کا اندراج اپنے نام کرالیا، جس پر زید کو کوئی عذر نہیں تھا اور نہ گاؤں کے لوگوں ہی کو کوئی اعتراض پیدا ہوا۔

بکر کے انتقال کے بعد جب اس کا لڑکا علی دنیا میں آیا تو کچھ لوگوں کو ضد پیدا ہوئی اور اس کے تحت

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول: أحكام الأملاك: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ولو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه، جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني، فصل في وقف مشاع: ۲/۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف و شرائط صحته: ۵/۶۹۸، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً"

(شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۶): ۱/۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

ایک پارٹی بنا کر اس اراضی کو گرام سماج (۱) کی ملکیت بنانی چاہی، چونکہ اس کے اردگرد بلا اندراج قبرستان بھی ہے، لوگ باغ مذکور کو بھی قبرستان بنانا چاہتے ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ باغِ مذکور پر عمر کا تصرف شرعاً ناجائز ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک اس کے وقف ہونے کا شرعی ثبوت نہ ہو، والد کا وارث ہونے کی حیثیت سے عمر کا اس پر قبضہ درست ہوگا، اصل مالک کے قبضہ سے بلا وجہ شرعی کوئی چیز نکالنا ظلم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۹۷ھ۔

زمین وقف کر کے دوسرے شخص کو اس کی تملیک کرنا

سوال [۶۸۶۳]: اب سے دس سال پہلے جناب ابوقلندر صاحب نے پونا شہر کے مضافات میں کاترج میں پانچ گنڈے (۳) زمین مکان کی غرض سے خریدی تھی، فونڈیشن پائے کی بنیاد بھی شروع ہوگئی تھی۔ تقریباً دو سال گزرنے کے بعد ان کے پاس حافظ ادریس اور چند علمائے کرام اس غرض سے تشریف لے گئے کہ پونا میں کوئی مدرسہ نہیں ہے اور ہم سب مدرسہ کی خاطر جگہ کی تلاش میں ہیں۔ جناب ابوقلندر صاحب سخاوت اور فراخدلی میں اپنی مثال آپ ہیں اور سب حضرات ان کی سخاوت سے واقف ہیں۔

بہر حال ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی پانچ گنڈے زمین- جو کاترج میں ہے- مدرسہ کے لئے فی سبیل اللہ وقف کرتا ہوں، لیکن اس کی تمام تعمیرات وغیرہ کا انتظام آپ حضرات کے ذمہ ہے، اور حافظ

---

(۱) ''گرام: گاؤں، موضع، بستی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۸۷، فیروز سنز، لاهور)

''سماج: معاشرہ، سوسائٹی، انجمن، کمیٹی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۸، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "ومن شرائطه الملكُ وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، ثم وقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً".

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۳، رشيديه)

(۳) ''گنڈا: حلقہ، چھلا، کڑا، چوڑی، چار عدد، چار کوڑیاں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۰۹، فیروز سنز، لاهور)

ادریس صاحب ہی اس مدرسہ کے اہتمام کی باگ دوڑ سنبھالیں گے۔ گو بعد میں آج سے قبل چہ می گوئیاں بھی ہوئیں کہ کاتریج کی زمین مدرسہ کے لئے مناسب نہیں رہے گی، کیونکہ پونا شہر کافی دوری پر ہے اور آس پاس میں آبادی بھی نہیں ہے، بالکل جنگل میں ہے۔ بعض حضرات نے بخوشی مدرسہ کے لئے اس زمین کا انتخاب فرمایا تھا۔

اچانک ابوقلندر صاحب کی ملاقات ان کے ایک دوست شیخ وکیل الدین سے ہوئی، ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ: شیخ وکیل الدین صاحب! میں نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کے لئے اپنی کاتریج والی زمین پانچ گنڈے وقف کردی تو فوراً فرمایا کہ یہ تو بہت اچھا نیک کام کیا، یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، ایسی بات ہے تو اس نیک کام میں میں بھی حصہ لینا چاہتا ہوں، لیکن ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ آپ بجائے پانچ گنڈے زمین برائے مدرسہ وقف کرنے کے دس گنڈے زمین وقف فرمادیجئے، کیونکہ میں نے جو پانچ گنڈے زمین کاتریج میں وقف کی ہے، وہ آپ اپنے مصرف میں لائیں۔ مقصد یہ تھا کہ دو مقامات کے بجائے ایک جگہ ہوجائے گی اور مدرسہ کی تعمیرات کے لئے دشواری ہوگی۔ تو جناب ابوقلندر صاحب کے کہنے پر شیخ وکیل الدین نے اقرار کیا تھا کہ میں دس گنڈے زمین شیواپور والی وقف کرتا ہوں۔ لیکن یہ سب گفتگو زبانی ہوئی تھی۔

وکیل الدین صاحب وقف کرنے کے بعد لکھا پڑھی کاغذی کاروائی کرنے میں تاخیر فرمارہے ہیں۔ شیخ وکیل الدین صاحب کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ سال کی ہوچکی ہے۔ خدانخواستہ ان کی اجل آجائے یا کوئی اور بات پیش آجائے تو ان کے بعد ان کے وارثین حضرات سے ہمیں ذرہ برابر بھی امید نہیں ہے کہ وہ اپنے عزیز شیخ وکیل الدین صاحب کی وقف کردہ دس گنڈے زمین کو عربی مدرسہ کی خاطر عنایت فرمائیں گے، کیونکہ عقائد کے اعتبار سے وہ حضرات مختلف ہیں، بدعتی ہیں، ہمارے سخت مخالف ہیں، وہ اکثریت میں ہیں، کسی بھی صورت میں شیواپور میں مدرسہ کا اجراء نہیں کرنے دیں گے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ابوقلندر صاحب نے کاتریج والی زمین کا وعدہ کیا ہے کہ وکیل الدین کو دوں گا، اب اگر کاغذی کاروائی نہ ہوئی تو یہ پانچ گنڈے زمین جناب ابوقلندر صاحب کی وقف کردہ بھی بغیر فائدہ اٹھائے ہوئے ان کے قبضہ میں چلی جائے گی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ جناب حافظ ادریس صاحب اور دیگر علماء حضرات بزبانِ حال نہ کہ بزبانِ

قال اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اب مدرسہ کی زمین کی انہیں ضرورت نہیں رہی، کیونکہ اسٹیشن والی مسجد کی جگہ میں حافظ ادریس صاحب پچھلے دنوں پڑھا رہے تھے، اب امامت پنشن والی مسجد میں کررہے ہیں۔

خیر! اب اصل استفتاء یہ ہے کہ جناب ابوقلندر صاحب اپنی پانچ گنڈے زمین کا ترتیج والی وکیل الدین صاحب کی رضامندی سے واپس لے کر جس کی قیمت اس وقت پندرہ ہزار سے پچیس یا تیس ہزار روپے ہے، جب کہ خریدتے وقت اب سے دو سال قبل سات ہزار روپے کی تھی، لیکن ابوقلندر صاحب وقف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس زمین پر جو انہوں نے وقف کی تھی مدرسہ اوپر تعمیر کردیں یعنی جو موجودہ رقم زمین کی، اس رقم سے اوپر کے حصہ میں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے نچلے حصہ میں اپنا کاروبار کرنا چاہتے ہیں اور اوپر کا حصہ مدرسہ کا رہے گا اور اس کی قیمت مدرسہ پر خرچ کرنے کے سبب نیچے والا زمین کا حصہ ہمیشہ کے لئے موقوف ابن ابوقلندر کا ذاتی ہوجائے گا یا نہیں؟

دوسری بات: جناب ابوقلندر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس وقف کردہ زمین کو خرید کر اس کا تمام سرمایہ کسی مدرسہ کو دیدیں اور اپنا کاروبار اس وقف کردہ زمین میں جاری کردیں، اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھی بچ جائیں ورلوگوں کی نظروں میں بھی بحال رہیں، طعنہ وغیرہ سے محفوظ رہیں اور شریعت کی نگاہ سے بھی نہ گریں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کر کے اپنی ملکیت ختم کر کے اللہ کی ملکیت میں دیدی جائے، اپنا قبضہ مالکانہ ہٹا کر اس کو للہ کردیا جائے تو اس کی بیع درست نہیں اور وہ زمین مملوک بننے کے قابل نہیں رہی (۱)۔ یہ بھی درست نہیں کہ

(۱) "و عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب و لا يورث، كذا في الهداية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه .... اهـ: ۲/۳۵۰، رشيديه)

"(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التمليك، فلما بيننا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع و لا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

نیچے کے حصہ میں اپنا کاروبار کیا جائے اور اوپر کے حصہ میں مدرسہ بنادیا جائے (۱)، البتہ اوپر کے حصہ میں مدرسہ بنا کر نیچے کے حصہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (۲) اور وہ کرایہ مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

وقفِ مشترک

سوال [۶۸۶۴]: اگر کوئی جائیداد مدرسہ مدینہ منورہ اور ہندوستان کے ادارے میں مشترک ہے اور گوناگوں مشکلات کی وجہ سے مدرسہ مدینہ منورہ کو اس کا حصہ پہنچانا ناممکن ہے اور اندریں صورت مدرسہ مدینہ

---

(۱) "قيّم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه؛ لأن المسجد إذ جعل حانوتاً ومسكناً، تسقط حرمته، وهذا لا يجوز، والفناء تبع المسجد، فيكون حكمه حكم المسجد، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ: ۲/ ۴۶۲، رشيديه)

"قيم المسجد إذا أراد أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه، لايجوز، اهـ". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغني عنها ومايتصل به من صرف غلة الأوقاف على وجوه أخر: ۵/ ۸۶۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجد او في أحكامه وأحكام ما فيه: ۲/ ۴۵۵، رشيديه)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر، يرغب الناس في استيجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً يُواجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/ ۴۱۴، رشيديه)

"وإذا أراد أن يبني فيها بيوتاً يستغلها بالإجارة، فهذه المسألة في الأصل على وجهين: إن كانت أرض الوقف متصلةً ببيوت المصر، يرغب في اسنجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الأرض و النخيل، كان له ذلك". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/ ۷۴۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف: ۳/ ۳۱۳، رشيديه)

منورہ کے متولی نے یہ کہہ دیا ہے کہ کل جائیداد اپنے حصہ میں لگالی جائے، تمام جائیداد کی آمدنی پہلے ادارے میں صرف کی جائے، کیونکہ فقہی مسئلہ ہے کہ اگر ایک مسجد کی کوئی شی اس مسجد میں کارآمد نہیں ہوسکتی اور ضائع ہوتی ہوتو دوسری مسجد میں اس کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ تو حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱......کیا ایسا ہوسکتا ہے؟

۲......اگر ایسا ہوسکتا ہے تو یہ دائمی ہوگا، یا جب حصہ کا پہنچانا ممکن ہو، پہنچانا ہوگا؟

۳......اگر پہنچانا ضروری ہوگا تو صرف آئندہ یا کہ گذشتہ وصول شدہ اور خرچ شدہ بھی واپس کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہاء کا کلیہ ہے: "شرط الواقف كنص الشارع، إلا ما استثنى" (۱)۔ جب واقف نے ایک موقوف علیہ مثل مدرسہ مدینہ منورہ کی تصریح کردی تو اب اس کو خود بھی تبدیل کرنے کا حق باقی نہیں رہا۔ وہاں کے متولی کا یہ کہنا کہ "کل جائیداد اپنے حصہ میں لگالی جائے" بے سود اور ناقابل التفات ہے۔ فقہاء نے ایک مسجد کی شی دوسری مسجد میں منتقل کرنے میں یہ قید لگائی ہے کہ لوگوں کو اس مسجد کی حاجت باقی نہیں رہی، خواہ اس لئے کہ وہاں آبادی ختم ہوگئی، لوگ اجڑ کر دوسری جگہ چلے گئے، اس لئے اب وہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں رہا، یا یہ مسجد پرانی ہوکر خود گر گئی اور دوسری مسجد تعمیر ہوگئی، لوگ اس دوسری نئی مسجد میں نماز کے لئے جاتے ہیں، یہاں کوئی نہیں آتا (۲)۔

مدرسہ مدینہ منورہ بھی باقی ہے، وہاں اس سے منتفع ہونے والے بھی موجود ہیں، لہٰذا اس کے حصہ کو دوسرے ادارے کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں، رہا یہ کہ مدرسہ مدینہ منورہ میں اس کا پہنچانا تو یہ ناممکن نہیں، بلکہ ممکن ہے، ممالکِ غیر میں روپیہ منتقل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جن کو تجار اختیار کرتے ہیں اور ایسے بینک بھی

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة .... اهـ".

(قواعد الفقه ص: ۸۵، الصدف پبلشرز)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قريةٍ رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب .... ولاينتفع المارّة، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارّة، ويحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

موجود ہیں جن کے ذریعہ یہ کام بسہولت ہوسکتا ہے۔ ہندوستانی ادارہ امین ہے، وہ امانت پہنچانے کی پوری کوشش کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مشترکہ جائیداد میں سے کوئی شریک اپنا حصہ وقف کرسکتا ہے؟

سوال[۶۸۶۵] : اگر ہم میں سے کوئی بھائی اپنا حصہ کسی مذہبی ادارہ کے نام وقف کرنا چاہیں تو وقف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ وقف کوئی توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشترک جائیدادوں میں سے جس کا دل چاہے اپنا حصہ فروخت کردے یا وقف کردے، کسی شریک کو اعتراض کا حق نہیں (۲)۔ وقف تام اور لازم ہوجانے کے بعد اس کو توڑا نہیں جاسکتا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذ لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وفي الذخيرة: ذكر الخصاف في وقفه تفريعاً على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، فقال: إذا كانت الأرض بين رجلين، وقف أحدهما نصيبه منها، وهو النصف، له أن يقاسم شريكه، فيفرز حصة الوقف؛ لأن ولاية الوقف إليه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف وشرائط صحته: ۵/۶۹۹، إدارة القرآن كراچی)

"ولو أن رجلين بينهما أرض، فوقف أحدهما نصيبه، جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ".
(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه، فصل في وقف المشاع: ۲/۳۶۷، رشيديه)

"لأن الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک، الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجله لسليم رستم باز، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاک: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "فإذا تمّ ولزم، لايملک ولايملّک ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملک): أي =

شریکِ وقف کی علیحدگی ہونے پراس کی رقم کی واپسی

سوال[۶۸۶۶]: خالد، ولید، عمرووغیرہ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے اپنے باہمی اتفاق سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی کہ جس کے بقاء اور قیام کی غرض سے باہمی مشورہ پر مناسب قوانین تجویز کئے ہیں۔ اور منجملہ قوانین مجوزہ کے ایک قانون یہ بھی ہے کہ: کوئی شریک بدونِ عذرِ معقول کے درمیانِ سال میں خارج نہیں ہوسکے گا اور اگرزبردستی خارج ہونا چاہتا ہے تو اس کی جمع کردہ رقم واپس نہیں دی جائے گی، ہاں! اگر عذر معقول ہے تو خارج ہوسکتا ہے تو اس کا حساب صاف کرکے مع رقم جمع کردہ کے اس کو رخصت کی جاتی ہے۔

نیز وعدہ لیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق انجمن سے نکل جائے گا تو اس کی جمع کردہ رقم کسی مناسب جگہ پر وقف کردی جائے گی۔ تو شرکاء میں سے ایک آدمی اپنی مرضی کے مطابق نکلنا چاہتا ہے اور پاس شدہ قانون کے مطابق اپنی رقم کے وقف ہونے پر راضی نہیں ہوتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ محض وقف کردینے کے وعدہ سے اس کی رقم موقوف ہوگئی اور مطالبہ کا حق باقی نہیں، یا عندالوقف اس کی اجازت کی ضرورت ہوگی اور بدون اس کی اجازت کے وقف نہیں ہوسکتا؟ نہایت اطمینان بخش فیصلہ عنایت فرمائیں۔

بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شروع میں مالک نے یہ رقم اپنی ملکیت سے خارج کرکے دے دی تھی تو اب واپس لینے کا حق دار نہیں(۱)۔ اگر بطورِ امانت تھی تو اس رقم کی واپسی ضروری ہے(۲)، اس کا وقف بہرحال ناجائز ہے، اولاً اس لئے

= لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملّک: أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالیٰ عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: إذا جعل أرضه وقفاً علی المسجد وسلّم، جاز، ولایکون له أن یرجع". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۱، رشیدیه)

(۲) "وأما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورة المال أمانةً فی یده، ووجوب أدائه عند =

کہ نفسِ رقم میں وقف کی صلاحیت نہیں، کیونکہ وقف اصالۃً غیر منقول کا ہوتا ہے اور منقول کا وقف صحیح نہیں:

"إلا مااستثنیٰ منها (أی من شرائط الوقف) أن یکون المحل عقاراً أوداراً، فلا یصح وقف المنقول إلا فی الکراع والسلاح، کذا فی النهایة، اه". عالمگیری: ۲/۹۶۰(۱)۔

ثانیاً اس لئے کہ شروعِ شرکت کے وقت جو کچھ شرط ہوتی ہے، وہ وعدہ کے درجہ میں ہے اور وعدۂ وقف سے وقف نہیں ہوتا (۲)۔

ثالثاً اس لئے کہ اگر شروعِ شرکت کے وقت کے الفاظ کو وعدہ نہ تسلیم کیا جائے، بلکہ وقف ہی مانا جائے تب بھی یہ وقف منجز نہیں، بلکہ وقف کی تعلیق ہے اور وقف معلق صحیح نہیں ہوتا، بلکہ اس کا منجز ہونا ضروری ہے:

"ومنها أن یکون منجزاً غیر معلق، فلو قال: إن قدم ولدی فداری صدقة موقوفة علی المساکین، فجاء ولده، لایصیروقفاً، کذا فی فتح القدیر، اه". عالمگیری، ص: ۹۵۹(۳)۔

نیز اس میں موقوف علیہ کی تعیین نہیں، واقف رضا مند نہیں۔ غرض یہ وقف کسی طرح صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۶/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، ۶/ربیع الآخر/۵۸ھ۔

= طلب مالكه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۴/۳۳۸، رشيديه)

"يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها". (شرح المجلة، الكتاب السادس فی الأمانات، الفصل الثانی فی أحكام الوديعة وضمانها: ۱/۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه وركنه، الخ: ۲/۳۵۷، رشيديه)

(۲) "وقال محمد رحمه الله تعالیٰ: لايزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلم إليه، وعليه الفتوى، وبقول محمد يفتی، كذا فی الخلاصة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۱، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف وشرائط صحته: ۵/۶۹۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ، كتاب الوقف، الأول فی المقدمة: ۴/۴۰۷، رشيديه)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۵، رشيديه)

"وأن يكون منجزاً غير معلق، فإنه مما لايصح تعليقه بالشرط، فلو قال: إن قدم ولدی، فداری =

تعلیمِ دین کے لئے وقف عمدہ ہے

سوال[۶۸۶۷]: زید ایک زمین وقف کرنا چاہتا ہے، گاؤں میں ایک مدرسہ قائم ہے جس میں اسلامی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ ایک اسکول بھی ہے جو کہ سرکار سے رجسٹرڈ ہے اور اس میں خاص تعلیم انگریزی و سرکاری ہوتی ہے اور اسکول کے متعلق سرکار مطالبہ کر رہی ہے کہ کوئی شخص رقبہ دیدے اور اسے اسکول کے لئے رجسٹرڈ ابدی کر دیا جائے، اس لئے واقف زید تشویش میں ہے کہ مدرسہ کے مقابل اسکول میں وقف کرنا کیسا ہے؟ اور کس میں دینا افضل ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

وقف نیک کام کے لئے کرنا بڑی عبادت اور موجبِ اجر و ثواب ہے، لہٰذا دینی تعلیم کے لئے وقف کردے تاکہ صدقۂ جاریہ رہے اور بعد میں بھی ثواب ملتا رہے:

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جاریة، أوعلم ینتفع به، أو ولد صالح یدعو له". رواه مسلم، اهـ". مشکوة شریف، ص: ۳۳(۱)۔

= صدقة موقوفة علی المساکین، فجاء ولده، لاتصیر وقفاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۱۳/۵، ۳۱۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۰۰/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الأول: ۳۲/۱، قدیمی)

"وأول وقف خیری عرف فی الإسلام، هو وقف النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لسبع حوائط (بساتین) بالمدینة .... و قبض النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم تلک الحوائط السبعة، فتصدق بها: أی وقفها، ثم تلاه وقف عمر رضی الله تعالیٰ عنه، ثم تتابعت بعد ذلک أوقاف الصحابة". (الإسعاف فی أحکام الأوقاف، لبرهان الدین بن إبراهیم بن أبی بکر الطرابلسی، ص: ۹، ۱۰، بحواله: وقف املاک کے شرعی احکام، مولانا مجاهد الإسلام قاسمی، ص: ۹)

"رجل جاء إلی فقیه وقال: إنی أرید أن أصرف مالی إلی خیر، عِتقُ العبید أفضل أم اتخاذ الرباط للعامة؟ قال بعضهم: الرباط أفضل، وقال الفقیه أبوالليث: إن جعل للرباط مستغلاً یصرف إلی =

قال الشارح تحت قوله: "(صدقة جارية)" كالوقف"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

وقف کے لئے قبضہ شرط نہیں

سوال[۶۸۶۸]: کسی نے مدرسہ وغیرہ میں کتاب یا اَور کوئی چیز وقف کی، مگر مدرسہ میں اب تک داخل نہیں کی۔ تو پھر وقف کو رد کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلياً:

جیسے ہی اس نے کتاب وغیرہ کو وقف کیا تب ہی وہ وقف ہوگئی اگرچہ مہتمم کا قبضہ نہ کرایا ہو، اب اس کو واپس لینے کا اختیار نہیں رہا، یہی راجح ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= عمارة الرباط، فالرباط أفضل، وإن لم يجعل إلا رباطاً فالإعتاق أفضل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۹، ۳۲۰، رشيديه)

"وجه قول العامة الاقتداء برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والخلفاء الراشدين وعامة الصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين، فإنه روى أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقف، ووقف سيدنا أبو بكر، و سيدنا عمر، و سيدنا عثمان، وسيدنا عليّ وغيرهم رضي الله تعالىٰ عنهم، وأكثر الصحابة وقفوا". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة: ۸/۳۹۲، ۳۹۳، دارالكتب العلميه بيروت)

"وسببه إرادة محبوب النفس في الدنيا ببر الأحباب و في الآخرة بالثواب يعني بالنية". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۹، سعيد)

(۱) (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۴۵۳، (رقم الحديث: ۲۰۳)، رشيديه)

(۲) "ثم إن أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، سعيد) .... =

وقف کے لئے منجز ہونا ضروری ہے

سوال [۶۸۶۹]: مرحوم الحاج اشرف علی صاحب کے وارثین ایک وقف نامہ میں لکھتے ہیں: غنیر گرام میں ایک دینی مدرسہ قائم ہوا، اس کے چلانے کے لئے کوئی مستقل جائیداد وغیرہ نہ تھی، بلکہ چندہ پر چلتا تھا، اس لئے میت نے اپنی جائیداد سے کچھ زمین وقف کرنی چاہی اور ہم وارثین کو بلا کر دلی خواہش ظاہر کی کہ اگر میری حیات یاوری نہ کرے تو مذکورہ چھ بیگھے زمین کاغذ کر کے دے دینا اور باقی زمین با قاعدہ وراثت آپس میں تقسیم کر لینا۔

ہم نے ان کی دلی خواہش پوری کرتے ہوئے وقف نامہ لکھ کر زمین وقف کر دی۔ اب اگر کسی وجہ سے وہ مدرسہ مذکورہ ختم ہو جائے تو اس زمین کا نفع اپنے محلہ میں بنا ہوا مکتب یا نیا بنا کر اس میں صرف کرنا ہوگا۔

= "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول، وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلمه إليه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۷، مكتبه شركت علميه ملتان)

وقال ابن الهمام تحت قوله: "(فلذا كان قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أوجه عند المحققين) . في المنية: الفتوى على قول أبي يوسف، وهذا قول مشايخ بلخ". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"فلو قال: هذه الشجرة للمسجد، لا تكون له ما لم يسلمها إلى قيّم المسجد عند محمد رحمه الله تعالىٰ، خلافاً لأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ .... فالحاصل أن الترجيح قد اختلف، والأخذ بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أحوط وأسهل، ولذا قال في المحيط: ومشايخنا أخذوا بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ترغيباً للناس في الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۹، رشيديه)

"(قوله: واختلف الترجيح): أي والإفتاء أيضاً كما في البحر، ومقتضاه أن القاضي والمفتي يخيّرَانِ في العمل بأيّهما كان. ومقتضى قولهم: (يعمل بأنفع للوقف) أن لا يعدل عن قول الثاني؛ لأن فيه إبقاءه بمجرد القول، فلا يجوز نقضه". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۲/۵۳۳، دار المعرفة، لبنان)

"واكتفى أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ بلفظ موقوفة فقط، قال الشهيد: ونحن نفتي به للعرف". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، سعيد)

اب دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ بیان سے شرعاً یہ وقف میت کی عبارت سے منعقد ہوا یا وارثین کی عبارت سے؟ وارثینِ میت کا وکیل ہونا یا وصی ہونا فتح القدیر کی عبارت: " قوله: إذا متُّ فاجعلوها وقفاً، فإنه يجوز؛ لأنه تعليق التوكيل لا تعليق الوقف بنفسه، الخ"(۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ وارثین وکیل بالوقف ہے، اگر وکیل بالوقف ہیں، جیسا کہ صاحب فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو ان وارثین کو سابق تفصیل کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

وقف کے وقت مدرسہ ایک خالص دینی قومی مدرسہ تھا جس میں فقط درسِ نظامی، عربی، فارسی اور اردو کا دینی حیثیت سے درس دیا جاتا تھا، اس کے اخراجات چندہ اور اوقاف سے پورے کئے جاتے تھے، اس حالت میں بہت سال گزرے۔ اس کے بعد کمیٹی کے لوگوں میں یہ گفتگو شروع ہوئی کہ مدرسہ میں سرکاری نصاب شروع کیا جائے اور سرکاری امداد لی جائے۔ گفتگو ہوتے ہوئے جب یہ پاس ہی کرلیا تو تمام مدرسین نے جو بانیانِ مدرسہ تھے، جن کی ترغیب وکوشش سے یہ جائیداد مدرسہ میں وقف ہوئی، مع جمیع طلباء مدرسہ سے الگ ہوگئے، یہاں تک کہ مدرسہ معطل ہوگیا اور دو تین سال تک مدرسہ کا گھر مقفل رہا۔ اس کے بعد ایک کمرہ میں پرائمری اسکول کھولا گیا، پھر اس کے بہت دن بعد دوسرے کمرے میں مڈل کا نام دے کر ایک مولانا صاحب نے ایک طالب علم کو مڈل ہی کے سرکاری نصاب کے ساتھ پڑھانا شروع کیا جو ترقی کرتے ہوئے سرکاری امداد کے ساتھ ساتھ انگریزی، ہندی، بنگلہ اس حد تک داخل کیا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کے تغیر نصاب اور امداد منجانب حکومت کے فیصلہ پر تمام مدرسین مع جمیع طلباء مدرسہ سے چلے جانے کے بعد تقریباً تین سال تک مقفل و معطل ہوجانے کی وجہ سے یہ موقوفہ جائیداد اور بتفصیل واقفین محلّہ کے مکتب میں منتقل ہوگا یا نہیں؟

محمد مخلص الرحمٰن، دارالعلوم بانسکنڈی، ضلع کچھاڑ، آسام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ وقف کے لئے اس کا منجز ہونا شرط ہے، وقف مضاف الی ما بعد الموت صحیح نہیں، البتہ وہ وصیت میں ہوگا جس کی تنفیذ ثلثِ ترکہ سے ہوگی:

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الوقف: ٢٠٨/٦، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"وشرطه شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً لا معلقاً، إلا بكائن، ولا مضافاً، اهـ".

درمختار۔ "(قوله: و لا مضافاً) يعنى إلى ما بعد الموت، فقد نقل فى البحر أن محمداً نص فى السير الكبير أنه إذا أضيف إلى ما بعد الموت يكون باطلاً عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، اهـ. نعم سيأتى فى الشرح أنه يكون وصيةً لازمةً من الثلث بالموت، لاقبله". ردالمحتار: ۳/۳۶۰(۱)۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں عبارتِ میت سے وقف نہیں ہوا، بلکہ یہ وصیت ہے، ورثاء اس کے وصی ہیں، ان کے ذمہ ایک ثلثِ ترکہ سے اس کا پورا کرنا لازم ہے، اگر انہوں نے وقف کردیا ہے تو خود ان کے وقف کرنے سے وقف ہوا۔

وصیتِ میت کے وقت مدرسہ کا جو نصب العین اور نصاب تھا اور اسی کے پیشِ نظر یعنی دینی و مذہبی تعلیم کی خاطر وقف کرنے کی وصیت کی تھی وہ ختم ہوگیا، بلکہ مدرسہ ہی معطل و مقفل ہوگیا تو پھر اس (زمین) جائیداد موقوفہ کو اس مدرسہ کے نصب العین اور نصاب کے موافق دوسرے قریب ترین مدرسہ کی طرف منتقل کرنا شرعاً درست اور منشائے میت کے عین موافق ہے (۲)، اور وصی نے جو شرط کی ہے وہ شرعاً معتبر ہے:"شرط الواقف

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، ۳۴۱، سعيد)

"وفى الخلاصة: ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ فى السير الكبير أن الوقف إذا أضيف إلى ما بعد الموت، فهو باطل أيضاً عند أبى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه، وهو الصحيح، لكن أصحابنا أخذوا بقولهما". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف و شرائط صحته: ۶۹۴/۵، إدارة القرآن كراچى)

"وكذا لو أوصى بأن يوقف، يجوز من الثلث فى قولهم". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۶/۳، رشيديه)

(۲) "وحكى أنه وقع مثله فى زمن سيد الإمام الأجل فى رباط فى بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارّة، و يحصل ذلك بالثانى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۴۷۹/۲، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر فى الأوقاف =

کنص الشارع"(۱)۔ لہٰذا اس زمین کی آمدنی کو مڈل اسکول وغیرہ کسی بھی جگہ صرف کرنا درست نہیں، نہ مدرسہ کی عمارت یا کسی کمرے کو ایسے اسکول کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہے،: "یصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". شامی: ۳۷۱/۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

وقفِ معلق یا منجز

سوال[۶۸۷۰]: فی الحال آپ کے فتاوی محمودیہ کا ص: ۴۹۲، ۴۸۹، خاص طور پر سامنے ہے، بندہ کو آنجناب اصل مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔ بندہ کی رائے کے مطابق حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب کی رائے بھی آئی ہے۔

چھ آدمیوں کی زمین توسیع مسجد کے لئے لی گئی ہے جن میں سے دو آدمیوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر مسجد کی توسیع ہو اور ہماری زمین لگ سکے تو اجازت ہے، لیکن اگر مسجد نہ بنی تو مدرسہ وغیرہ کے لئے ہم نہ دیں گے تو جھگڑا ختم کرنے کی غرض سے اس جگہ کے بجائے دوسری جگہ مسجد بنانے کی تجویز ہے۔ تو مذکورہ دونوں آدمیوں کی زمین واپس کرنا ہوگی یا وہ زمین وقف ہو چکی ہے؟ بینوا توجروا۔

= التي يستغني عنها وما يتصل به من صرف غلة الأوقاف إلى وجوه أخر، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳ رشيديه)

(۱) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

"رباط يستغني عنه، وله غلة، فإن كان بقربه رباط، صرفت الغلة إلى ذلك الرباط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعيد)

الجواب حامداًومصلياً:

"وشرطه (أي شرط الوقف) شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً لا معلقاً، اهـ". درمختار مختصراً۔ "(قوله: لامعلقاً) كقوله: إذا جاء غد، أو إذا جاء رأس الشهر، أو إذا كلمت فلاناً، فأرضى هذه صدقة موقوفة، أو إن شئت أو أحببت، يكون الوقف باطلاً؛ لأن الوقف لا يحتمل التعليق بالخطر". ردالمختار(۱)۔

صورت مسئولہ میں چھ آدمیوں کی زمین توسیعِ مسجد کے لئے لی گئی ہے، مالکانِ زمین نے دینے سے قبل یہ کہہ دیا تھا کہ "اگر مسجد کی توسیع ہو اور ہماری زمین لگ سکے تو اجازت ہے، لیکن اگر اس پر مسجد نہ بنی تو مدرسہ وغیرہ کے لئے ہم نہ دیں گے" اس سے وہ زمین وقف نہیں ہوئی، کیونکہ یہ معلق ہے، منجز نہیں (۲)۔ جھگڑا ختم کرنے کے لئے اگر دوسری جگہ مسجد بنانے کی تجویز ہے تو یہ زمین واپس کر دینا ضروری ہے اور جب حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب کی رائے بھی وہی ہے جو آپ کی ہے تو بس انشاء اللہ کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، ۳۴۱، سعيد)

(۲) "وشرائطه .... وأن يكون منجزاً غير معلق، فإنه مما لايصلح تعليقه بالشرط .... وذكر في جامع الفصولين: الوقف فيما لايصح تعليقه بالشرط .... وفي البزازية: و تعليق الوقف بالشرط باطل. وفي الخانية: و لو قال: إذا جاء غد فأرضي صدقة موقوفة، أوقال: إذا ملكت هذه الأرض فهي صدقة موقوفة، لا يجوز؛ لأنه تعليق، والوقف لا يحتمل التعليق بالخطر؛ لأنه لا يحلف به، فلا يصح تعليقه كما لايصح تعليق الهبة". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، ۳۱۴، رشيديه)

"أما شرطه فهو .... وأن يكون منجزاً غيرمعلق، فلو قال: إن قدم ولدي فداري صدقة موقوفة على المساكين، فجاء ولده، لا يصير وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۰/۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

"أما شرائطه .... ومنها أن يكون منجزاً غيرمعلق، فلو قال: إن قدم ولدي فداري صدقة موقوفة على المساكين فجاء ولده، لا يصير وقفاً، كذا في فتح القدير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۵/۲، رشيديه)

وقف علی اللہ میں سے کچھ حصہ حق الخدمت کے لئے مقرر کرنا

سوال[۶۸۷۱]: ایک شخص نے ایک ریاست سے کافی زمین سالانہ لگان پر حاصل کی، اس کے بعد اس پر ایک کوٹھی تعمیر کی، بقیہ زمین کوٹھی کے چاروں طرف افتادہ پڑی رہی، اس کوٹھی وزمین کو گھیرنے کے لئے خام چہار دیواری بنادی، وقتاً فوقتاً ملازمین کے لئے اس زمین پر جھونپڑے بھی بنتے رہے اور کافی زمین افتادہ پڑی رہی، کوٹھی والی زمین اور پڑی زمین کا ریاست کا لگان دیا جاتا رہا۔ پھر اس شخص نے یہ کل زمین اور کوٹھی ایک عورت کو دیدی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس عورت نے اس سب زمین اور کوٹھی کو وقف علی اللہ کردیا اور کچھ حصۂ آمدنی بطورِ حق الخدمت اپنی اولاد نرینہ ودختری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دینا تحریر کردیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ وقف علی اللہ صحیح ہے یا نہیں؟ شبہ اس لئے ہوتا ہے کہ زمین کا لگان حسبِ سابق اب بھی ریاست کو دیا جاتا ہے جس سے واضح ہے کہ زمین کی مالک ریاست ہے۔ دوسرے آمدنی کا ۴/۱ حصہ وقف نامہ کی رو سے بطورِ حق الخدمت اولادِ نرینہ ودختری کو ہمیشہ ہمیشہ ملنا تحریر ہے۔ وقف علی اللہ میں اس طرح کی شرط کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اب تو مالکانِ مکان سے بھی ٹیکس لیا جاتا ہے، اگر اس کے لگان کی بھی یہی صورت ہے تو یہ وقف کرنا بھی درست ہے۔ اور وقف میں اگر کچھ حصہ مثلاً ۴/۱ بطورِ حق الخدمت اولاد نرینہ ودختری کے لئے تجویز کردیا جائے تو اس سے وقف میں خلل نہیں آتا۔ ۴/۱ دیکر بقیہ دیگر مصارفِ خیر میں جن کو واقف نے متعین کیا ہو صرف کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "رجل قال: أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي، كانت الغلة لولد صلبه، يستوي فيه الذكر والأنثى. وإذا جاز هذا الوقف فمادام يوجد واحد من ولد الصلب، كانت الغلة له لا غير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده ونسله: ۲/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳/۳۱۹، رشيديه) .... =

قاضی کے لئے زمین وقف کرنا

سوال[۶۸۷۲]: سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانشین فرمائے، خداوند کریم آپ کو نیک توفیق عطا فرمائے۔کیا عہدۂ قضاء بھی کوئی چیز ہے؟ اگر ہے تو کیا اس کا اصلی وارث (یعنی جو متقی پرہیزگار ہے) اپنے حق کا وارث اور مالک ہوسکتا ہے جب کہ اس پر کوئی شرائط وقف وغیرہ کے لازم نہ آتے ہوں اور موجود نہ ہوں۔فقط والسلام۔

ڈاکٹر عبدالمجید خاں، نائب سیکرٹری، جمعیۃ العلماء، دفتر میونسپل بورڈ، قصبہ کوز وریا، ضلع اٹاوہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اسلامی حکومت میں رعایا کے مقدمات فیصل کرنے اور لاوارثوں کے حقوق کی نگرانی وغیرہ کے لئے قاضی کا مقرر کرنا مشروع ہے(۱)، اس کی شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں (۲)۔بعض جگہ غیر مسلم بادشاہوں نے

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الخامس في الوقف على الأولاد أو نفسه وأقربائه: ۶/۲۷۲، رشيديه)

(۱) "عن الحارث بن عمرو بن أخي المغيرة بن شعبة عن أناس من أهل حمص من أصحاب معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لمّا أراد أن يبعث معاذاً إلى اليمن، قال: "كيف تقضي إذا عرض لك قضاء"؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال: "فإن لم تجد في كتاب الله"؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "فإن لم تجد في سنة رسول الله ولا في كتاب الله"؟ قال: أجتهد برأيي ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صدره، فقال: "الحمد لله الذي وفّق رسول رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– لِمَا يرضى رسول الله". (سنن أبي داؤد، باب اجتهاد الرأي في القضاء: ۲/۱۴۹، إمداديه ملتان)

"والقضاء هو حكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عزوجل، فكان نصب القاضي لإقامة الفرض، فكان فرضاً ضرورةً". (بدائع الصنائع، كتاب آداب القاضي: ۵/۴۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الأول: ۳/۳۰۶، رشيديه)

(۲) "الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل، ومنها البلوغ، ومنها الإسلام، ومنها الحرية، ومنها البصر، ومنها النطق، ومنها السلامة عن حد القذف". (بدائع الصنائع، كتاب أدب القاضي، فصل: وأما =

بھی مسلمانوں کے لئے قاضی مقرر کئے ہیں، بعض جگہ رعایا نے اپنے معاملاتِ خاصہ: نکاح وغیرہ کے لئے خود بھی قاضی کو مقرر کیا ہے۔ پس اگر کسی جگہ قاضی کے لئے کچھ شرائط ہوں اور کسی نے اس کے لئے وقف کیا ہو تو وہ قاضی اس وقف کا مستحق ہوگا اور اس کے انتقال کے بعد حسبِ شرائطِ واقف جو اہل ہو وہ قاضی مستحقِ وقف ہوگا (۱)، یعنی اگر واقف نے کسی مخصوص خاندان کے لئے کوئی وقف کیا ہے تو اس خاندان کے افراد مستحق ہوں گے۔

اور اگر کچھ شرائط مقرر کی ہیں، مثلاً: یہ کہ جو شخص اس خاندان کا متقی اور فلاں فلاں صفت کے ساتھ موصوف ہو وہ مستحق ہے تو ان شروط کی رعایت لازم ہے اور جو شخص ان صفات سے خالی ہوگا وہ مستحق نہ ہوگا (۲)۔ اسی طرح خاندان کی تخصیص نہیں کی، بلکہ کام کی تخصیص کی ہے تو محض خاندانی ہونے کی وجہ سے استحقاق نہیں ہوگا، بلکہ اس کام کی وجہ سے استحقاق ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= بيان من يصلح للقضاء : ۴۳۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القضاء : ۳۵۴/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الأول: ۳۰۷/۳، رشيديه)

(۱) "وقف ضيعه على أولاده الفقهاء وأولاد أولاده إن كانوا فقهاء، ثم مات أحدهم عن ابن صغير تفقه بعد سنين، لايوقف نصيبه، ولايستحق قبل حصول تلك الصفة، كذا في القنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده، الخ : ۳۷۳/۲، رشيديه)

(۲) "ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على أصاغر ولدي، كان الوقف على الصغار خاصةً، ويعتبر في الاستحقاق مَن كان صغيراً عند الوقف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني: ۳۷۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳۲۵/۳، رشيديه)

(۳) "ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على ولدي الذين يسكنون البصرة، فالغلة لساكني البصرة دون غيرهم، ويعتبر ساكنوا البصرة يوم وجود الغلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني: ۳۷۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يقف أرضه على ....، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران. ۳۲۴/۳، رشيديه)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۵/ جمادی الاولی/ ۶۹ھ۔

وقف میں تو جو شرط واقف نے لگائی ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا(۱)، لیکن عہدۂ قضاء میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس میں جو اہل ہو اور جس کو وقت کے اربابِ حلّ وعقد قاضی بنائیں وہ قاضی ہوسکتا ہے۔ آج کل ہندوستان میں حکومت اسلامی نہیں، صرف وہ لوگ قاضی کہلاتے ہیں جو نکاح خوانی وغیرہ کراتے ہیں، یا کسی قاضی کی اولاد میں ہیں، محض نکاح خوانی یا کسی قاضی کی اولاد میں ہونے سے قاضی نہیں بن جاتا۔ ایسے لوگوں کو اہلِ شہر جب چاہیں بدل سکتے ہیں، نہ وہ سرکاری قاضی ہیں اور نہ ان کے احکام قضاۃ کے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ سعید احمد، ۱۶/ جمادی الأولی/ ۶۹ھ۔

وقف زمین میں اکھاڑہ

سوال[۶۸۷۳]: ایک خانقاہ ہے اور اس میں تھوڑی سی زمین میں پہلوانوں کے کشتی وغیرہ کرنے کے لئے مقرر ہے، پہلے متولی جو تھے انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ مال وقف اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں، لہذا ان پرانے متولیوں کو کسی وجہ سے علیحدہ کردیا گیا اور دوسرے متولیوں کو تجویز کیا گیا اور ان متولیوں نے جو اس زمین میں کشتی وغیرہ کرتے ہیں، وہ خلافِ شرع کرتے ہیں یعنی ستر کھول کر، ان کو منع کیا تو وہ منع نہیں ہوئے۔ تو حاصل سوال کا یہ ہے کہ اگر ان پہلوانوں کو فساد روکنے کے واسطے دو تین مہینے کے واسطے اجازت دیدی جائے تو جائز ہے یا ناجائز ہے؟ کیونکہ عدمِ اجازت سے فساد کا زیادہ اندیشہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی زمین کو جو اہل اللہ کے ذکر وشغل کے لئے وقف کی گئی ہے، اکھاڑہ بنانا غرضِ واقف کے خلاف

---

(۱) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

ہے، لہٰذا نا جائز ہے(۱)۔ اور ستر کھول کر کشتی کرنا تو کہیں بھی جائز نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

وقف مرض الموت میں نہیں ہے تو وقف ہے

سوال[۶۸۷۴]: ہدایت نامی شخص کا لڑکا بہت نافرمان تھا، اپنے نانا کے گھر والدین سے الگ رہتا تھا، اس نے اپنا آدھا گھر مسجد کو وقف کر دیا اور آدھا سات سو روپے میں مسجد کو بیچ دیا اور کہا: جب تک زندہ ہوں، یہ روپے خرچ کروں گا اور جب روپیہ ختم ہو جائے تو بستی والے ہمارے خرچ کے ذمہ دار ہیں، تجہیز و تکفین سے جو رقم بچ جائے، وہ مسجد میں لگا دی جائے۔ پھر وہ مکان بیچنے اور مسجد میں وقف کرنے کے ۱۵/ یوم بعد مر گیا۔ تجہیز

---

(۱) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

"قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به".
(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۲) "عن عبدالرحمن بن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن أبيه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل، ولا المرأة إلى عورة المرأة". (الصحيح لمسلم، باب تحريم النظر إلى العورات: ۱/۱۵۴، قديمي)

قال الإمام النووي في شرح هذا الحديث: "وأما أحكام الباب، ففيه تحريم نظر الرجل إلى عورة الرجل والمرأة إلى عورة المرأة، وهذا لاخلاف فيه. وكذلك نظر الرجل إلى عورة المرأة، والمرأة إلى عورة الرجل حرام بالإجماع". (الكامل للنووي على الصحيح لمسلم، باب تحريم النظر إلى العورات: ۱/۱۵۴، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في النظر: ۴/۱۹۹، غفاريه كوئٹه)

وتکفین سے فراغت کے بعد پانچ سو روپیہ بچا۔اب اس کا لڑکا کہتا ہے کہ میں اس کا وارث ہوں جب کہ مرحوم نے آدھا مکان مسجد کو وقف کردیا اور آدھا مکان مسجد کو بیچ دیا۔لہٰذا جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ وقف مرض الموت میں نہیں کیا گیا، اس سے پہلے کیا ہے اور اس پر مسجد کا قبضہ کرادیا ہے تو وقف صحیح ہوگیا (۱) اور نصف بصورتِ بیع اور نصف بصورتِ وقف ہوکر کل مکان مسجد کا ہوگیا، کسی وارث کا اس میں کوئی حق نہیں رہا (۲)۔تجہیز وتکفین کے بعد جو روپیہ بچا، اگر وہ مرحوم کے ترکہ کا ایک تہائی یا اس سے کم ہے تب تو وہ بصورتِ وصیت مسجد کو دے دیا جائے، اگر وہ ایک تہائی ترکہ سے زیادہ ہے تو ایک تہائی ترکہ کے اندر اندر مسجد میں دے دیا جائے، بقیہ ورثہ کا ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۵ھ۔

---

(۱) "ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل ولقوله: جعلته مسجداً عند الثانی". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۵، ۳۵۶، سعید)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد : ۵/۸۴۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

(۲) "وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولايباع ولا يوهب ولايورث". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۳) "وإذا وقف الرجل أرضه في مرضه على الفقراء والمساكين، فالوقف جائز من الثلث، كمالو أوصى بأن يوقف أرضه بعد وفاته، فإنه يعتبر من الثلث". (الفتاریٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الخامس عشر في وقف المريض: ۵/۸۰۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب العاشر في وقف المريض: ۲/۴۵۳، ۴۵۴، رشيديه)

غیرآباد مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کا تبادلہ

سوال[۶۸۷۵]: ایک شخص نے اپنی اراضی جو کہ ایک ویران مقام پر واقع ہے، اس میں محض اس خیال سے کہ باغ میں رہنے والوں کو نمازِ مسجد کا ثواب ملے۔ تقریباً ایک بسہ زمین اراضی مذکور کے وسط میں مسجد کے نام سے وقف کردی ہے، حالانکہ نہ وہاں کوئی آبادی ہے اور نہ کوئی راستہ ہے جو باغ میں ہوکر جاتا ہو جس سے کہ راہ چلنے والے آکر نماز پڑھیں۔

اب اگر وہ اپنی اراضی فروخت کرنا چاہے اور خریدنے والا کوئی غیر مسلم ہو، اس حالت میں جب کہ اس مسجد کا کوئی نشان بھی باقی نہیں ہے، کیا اراضی کے ساتھ ایک بسہ زمین کا جو مسجد کے نام سے وقف تھی اس کو فروخت کرنا درست ہے، کیا اس کی گنجائش ہے کہ اس ایک بسوہ(۱) زمین کی قیمت کسی آباد مسجد میں لگادی جائے، یا اتنی ہی اراضی یا اس کی قیمت سے اراضی کسی مسجد کے لئے خرید دیوے؟ کیونکہ یہ ایک بسوہ وقف شدہ اراضی باغ کے بالکل بیچ میں ہے، اس لئے کسی کو بیع کرنے کی صورت میں اس کے بچالینے کی کوئی صورت بھی نہیں ہے اور کسی غیر مسلم سے یہ امید بھی نہیں کہ وہ اس اراضی کو دینی ضرورت کے لئے استعمال کرے گا اور مسجد کا احترام برقرار رکھے گا۔ ان سب باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بارے میں شریعت کا جو فیصلہ ہو، اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف تام ولازم ہونے کے بعد اس کی بیع جائز نہیں: "إذا تمّ ولزم، لایملك ولا یملّك"۔ "أی لایکون مملوكاً لصاحبه. (ولا یملك) : أی لاتقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملكه، الخ". شامی: ۵۰۷/۳(۲)۔

---

(۱) "بسوہ: بیگھا کا بیسواں حصہ"۔(فیروز اللغات، مادہ: ب،س، ص: ۱۲۵، فیروز سنز، لاھور)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"(قوله : لایملک الوقف) بإجماع الفقهاء كما نقله فی فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه) .... =

لیکن اگراس کے تحفظ کی کوئی صورت نہ رہے اوراس پر غاصبانہ قبضہ ہوکرنفسِ وقف ہی کے باطل ہوجانے کامظنہ ہوتو مجبوراًدوسری زمین سےاس کاتبادلہ کرلیاجائے، کذا فی عمدۃ القاری للعینی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ذیقعدہ/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمدنظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ذیعقعدہ/ ۱۳۸۸ھ۔

وقف معلق بالموت کی بیع جائز ہے یانہیں؟

سوال[۶۸۷۶] : ایک شخص نے اپنی زمین کومعلق بالموت وقف کیا،اب اس شخص کوضرورت پڑی۔ آیاوقف نامہ زمین فروخت کرسکتا ہے یانہیں؟فقط۔

عبدالعلی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف معلق بالموت وصیت کے حکم میں ہوتا ہے،جس طرح موصی کواپنی حیات میں وصیت سے رجوع کرنا درست ہے، اسی طرح وقف معلق بالموت میں بھی واقف کووقف سے رجوع کا اختیار ہوتا ہے، لہٰذا اگر واقف اپنے وقف سے رجوع کرے اوراس موقوفہ زمین کوفروخت کرنا چاہےتوشرعاًدرست ہے:

"والحاصل أنه إذا علقه: أی الوقف بموته، فالصحیح أنه وصیة لازمة، لکن لم یخرج

= (وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریہ، کتاب الوقف، الباب الاول: ۲/ ۳۵۰، رشیدیہ)

(۱) (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الزکوة، باب هل یشتری صدقته، (رقم الحدیث: ۱۴۸۹): ۹/ ۱۲۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"والثانی: أن لایشرطه، سواء شرط عدمه أو سکت، لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شئ أصلاً، أولا یفی بمؤنته، فهو أیضاً جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدلال الوقف وشروطه: ۴/ ۳۸۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۷۱، ۳۷۴، رشیدیه)

عن ملكه، فلا يتصور التصرف فيه ببيع ونحوه بعد موته لما يلزم من إبطال الوصية، وله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا، وإنما يلزم بعد موته، بحر. اھ". درمختار: ۳/۵٦(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ رمضان/۱۳۶۲ھ۔

جبراً وقف کرانا

سوال[۶۸۷۷]: ۱......ایک مشترکہ زمین جو درمیان چند مسلمان اور غیر مسلم کے تھی، اور آبادی میں واقع تھی، یہ مشترکہ زمین تقریباً ۵۰، ۶۰/ سال سے مسلم وغیر مسلم کے نام تھی۔

۲......زید نے اس مشترکہ زمین میں سے بلا تقسیم کے غیر مسلم کا حصہ خرید لیا اور زید اس کی تقسیم بذریعۂ عدالت منصفی کرا رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کر دیا ہے۔

۳......اس مشترکہ زمین پر عمر نے ایک ٹال تقریباً ۳۰/ سال سے ڈال رکھی ہے، کیونکہ ابھی زید نے اپنے حصہ کی تقسیم نہیں کرائی ہے، اس وجہ سے یہ متعین نہیں ہوسکا کہ عمر نے یہ ٹال کس کے حصہ پر لگائی ہے۔

۴......عمر تقریباً ۳۰/ سال سے اس کا کرایہ مسجد کو ادا کر رہا ہے، نیز عمر کا یہ کہنا ہے کہ میں یہ زمین اس وقت چھوڑوں گا جب کہ زید اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کر دے۔

۵......عمر نے ایک پنچایت کر کے۔جس میں اس کے اپنے لوگ اور شہر کے سرکردہ لوگ شامل تھے۔یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ ساری زمین مسجد کے نام وقف ہے اور زید کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اب شہر کے آدمی بھی اس کے اس پروپیگنڈہ کو صحیح مان کر یہی فیصلہ کر رہے ہیں کہ واقعی یہ ساری زمین مسجد کے نام وقف ہے۔ اس کا نہ تو

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۵، سعيد)

"والحاصل أنه إذا علقه بموته كما إذا قال: إذا متُّ فقد وقفت داری علی كذا، فالصحيح أنه وصية لازمة، لكن لم تخرج عن ملكه، فلا يتصور التصرف فيه ببيع ونحوه بعد موته. وإنما لم يكن وقفاً، لما قدمنا من أنه لايقبل التعليق بالشرط". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف: ٦/۲۰۷، ۲۰۸، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی الهداية، كتاب الوقف: ۲/٦۳۸، شركت علميه ملتان)

کوئی ثبوت موجود ہے اور نہ کوئی کاغذ، جب کہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ زید نے اس مشترکہ زمین میں سے ایک حصہ خریدا ہے اور وہ اس کا مالک ہے۔

۶......زید کا یہ کہنا ہے کہ اس میں میرا بھی حصہ ہے اور میرے پاس بیعنامہ کا کاغذ موجود ہے، اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ میں اپنے حصہ میں سے ایک حصہ مدرسہ کے نام وقف کردوں اور ایک حصہ میں اپنا ذاتی کاروبار کروں اور مسجد کے لئے میں اتنا کرسکتا ہوں کہ میں مسجد کو مبلغ چار ہزار روپے دے دوں، یہ سب میں اپنی خوشی سے کروں گا، مگر زید پر اہلِ محلّہ کا پورا اصرار ہے کہ وہ اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کردے، مگر زید ایسا کرنا نہیں چاہتا۔

سوال یہ ہے کہ اگر زید جبراً بغیر اپنی مرضی وخوشی کے اپنا حصہ مسجد کے نام وقف کردے تو آیا یہ شرعاً وقف معتبر ہوگا یا نہیں؟ اور آیا زید کو اس وقف کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز جبراً وقف کرانے والے کسی مواخذہ کے ذمہ دار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کے نام وقف کردینے سے یقیناً زید ثواب کا مستحق ہوگا (۱)، مگر دوسرے لوگوں کو زبردستی کرنے کا حق نہیں (۲)۔ پس اگر اس کو شرعی اکراہ کے ساتھ مجبور کیا گیا اور اس نے مجبور ہوکر وقف کردیا تو یہ شرعی وقف نہیں ہوگا اور اکراہ کرنے والے گنہگار ہوں گے اور زید کو حق ہوگا کہ وہ اپنا حصہ واپس لینا چاہے تو واپس لے لے (۳)

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفیت أمه وهو غائب عنها، فقال: یارسول الله! إن أمی توفیت وأنا غائب عنها أینفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها". (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أرضی أو بستانی صدقة لله، الخ: ۱/۳۸۶، قدیمی)

(۲) "وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(وکذا فی السنن الکبریٰ للبیهقی: ۳۸۷/۴، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) "فإن شرط الوقف التأبید، والأرض إذا کانت ملکاً لغیره فللمالک استردادها وأمره بنقض البناء، =

کیوں کہ یہ حق العبد ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۳/۱۱/۹۱ھ۔

نابالغ کا وقف

سوال[۶۸۷۸] : ایک بچہ جس کی عمر ۱۲، ۱۳/ سال تھی، اس نے اپنا مکان وقف کر دیا تھا۔ دراصل یہ کام دباؤ دے کر پھوپی نے کر دیا، وہ بچہ پھوپی کے زیر پرورش تھا۔لہٰذا میرا یہ مکان وقف ہو گیا یا نہیں؟ اب خدا نے میرا نکاح کرا دیا ہے، میرا در رہوتا تو گھر بساتا۔اس صورت میں اس وقف کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً مصلياً

نابالغ کا وقف کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے(۱)، اگر وقف کرتے وقت آپ نابالغ تھے تو وہ وقف صحیح نہیں ہوا اور آپ کی مِلک ختم نہیں ہوئی اور پھوپی کو از خود یہ حق نہیں کہ وہ آپ کے مکان کو وقف کر دے، لہٰذا اس صورت میں آپ مکان واپس لے سکتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

نابالغ کا وقف معتبر نہیں

سوال[۶۸۷۹] : زید نے شادی کی، زید کے دولڑکے ہوئے جو اَب بالغ ہیں۔زید کی بیوی کا

= وكذا لو كانت ملكاً، له فإن لورثته بعده ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة، الخ : ۴/۳۹۰، سعيد)

(۱) "و أما شرائطه فمنها العقل، والبلوغ ،فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، كذا في البدائع ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تعريفه وركنه وشرائطه، كتاب الوقف: ۲/۳۵۲، رشيديه)

"وشرائطه: أهلية الواقف للتبرع من كونه حراً عاقلاً بالغاً". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

قال ابن الهمام: "وأما شرطه فهو الشرط في سائر التبرعات من كونه حراً بالغاً عاقلاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

انتقال ہوگیا، پھر زید نے دوسرا نکاح کیا جس سے ایک لڑکا دولڑکیاں ہیں، دونوں لڑکیاں بالغ ہیں۔لڑکے کی عمر سات سال ہے جو نابالغ ہے۔زید کا انتقال ہوگیا، زید نے ترکہ میں کچھ زمین چھوڑی، گاؤں کے مسلمان اس زمین پر مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، زید کی پہلی بیوی کے جولڑکے ہیں وہ اسی زمین کو مسجد کی تعمیر کے لئے دے رہے ہیں۔کیااس زمین پر مسجد تعمیر ہوسکتی ہے؟فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وہ زمین اس مرحوم کا ترکہ بن کر ورثہ کا حق ہے، ورثہ بخوشی مسجد کے لئے دیدیں تو وہاں مسجد بنانا درست ہے۔ جو وارث نابالغ ہوں، ان کی اجازت معتبر نہیں (۱)، نہ اس کی طرف سے کسی بالغ وارث کی اجازت معتبر ہے۔اگراس نابالغ کے ولی اس کے حق میں یہ مناسب سمجھیں کہ اس کا جس قدر حصہ اس زمین میں ہووہ فروخت کر کے مسجد بنانے کے لئے حوالہ کردیں اوراس کی قیمت سے مناسب زمین نابالغ کے نام پر خریدلیں تو شرعاً درست ہے، ورنہ جس قدراس کا حصہ ہواس کو چھوڑ کر بقیہ ورثہ کی اجازت سے مسجد بنالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۸۹/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۸۹/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "(قوله: من أهلها) و هو المسلم العاقل، وأما البلوغ فليس بشرطٍ لصحة النية والثواب بها، بل هو شرط هنا لصحة التبرع". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۳۹/۴، سعيد)

"وأما شرائطه: فمنها العقل، والبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبى والمجنون، كذا فى البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول فى تعريفه وركنه وشرائطه: ۳۵۲/۲،رشيديه)

"أما الذى يرجع إلى الواقف فأنواع: منها العقل، ومنهاالبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبى والمجنون؛ لأن الوقف من التصرفات الضارة، لكونه إزالة الملك بغيرعوض، والصبى والمجنون ليسا من أهل التصرفات الضارّة، ولهذا لاتصح منهما الهبة والصدقة والإعتاق ونحوه ذلك". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة: ۳۹۵/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

قال ابن الهمام: "وأما شرطه فهو الشرط فى سائر التبرعات من كونه حراً بالغاً عاقلاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۰/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

وعدۂ وقف پر ووٹ دینا

سوال[۶۸۸۰]: زید اپنی ممبری کے لئے چند مسلمانوں سے اپنے موافق ووٹ دلانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے معاوضہ میں مسجد کی کچھ اصلاح مرمت وغیرہ کرادوں گا اور واسطے خرچ مسجد کے کوئی عمارت بنادوں گا اور اس کی آمدنی کرایۂ مسجد میں وقف کردوں گا۔ تو کیا ایسی رقم سے مسجد میں امداد لینا تعمیر کرانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید حقیقۃً ممبری کے لائق ہے تو اس کو رائے دیکر ممبر بنانا چاہئے (۱)۔ اور زید اگر ثواب کی نیت سے خواہ ممبری کے شکرانہ میں سہی مسجد کی تعمیر کرادے یا کچھ وقف کردے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ موجبِ ثواب ہے (۲)۔ ممبری کے ووٹ اور رائے دینے کے عوض میں اگر مسجد کی تعمیر کرادی اور اس کو رائے کی اجرت قرار دے تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ رشوت ہے (۳)۔ اگر زید ممبری کے لائق نہیں تو اس کو رائے دینا اور ممبر بنانا جائز نہیں (۴) اور اس پر روپیہ لینا بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

وقف کے لئے رجسٹری ضروری نہیں

سوال[۶۸۸۱]: اگر بغیر رجسٹری شدہ زبانی وقف کی زمین بنائی گئی تو نماز پڑھنا اس میں جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تكتموا الشهادة، ومن يكتمها، فإنه آثم قلبه﴾ الآية. (سورة البقرة : ۲۸۳)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالیٰ عنه يقول: إني سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من بنى مسجداً". قال بكير: حسبت أنه قال: "يبتغي به وجه الله، بنى الله له مثله في الجنة".
(صحيح البخاري، باب من بنى مسجداً: ۶۴/۱، قديمي)

(۳) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي". (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة: ۱۴۸/۲، إمداديه ملتان)
(وكذا في جامع الترمذي، باب ما جاء في الراشي والمرتشي، الخ: ۲۴۸/۱، سعيد)
(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب الأحكام، باب في الرشا: ۱۹۹/۴، دارالفكر بيروت)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلیٰ أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف صحیح ہونے کے لئے رجسٹری ہونا شرط نہیں، زبانی وقف بھی درست اور کافی ہوتا ہے(۱) اور ایسی صورت میں نماز اس مسجد میں درست ہے اور جمعہ بھی درست ہے بشرطیکہ شرائطِ جمعہ اس آبادی میں موجود ہوں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

وقف منقول علی الاولاد

سوال[۶۸۸۲]: منقولہ اشیاء وقف علی الاولاد ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ مثلاً: لوہے لکڑی کا سامان، انجن مشین، خیرادو اوزار آہنی وغیرہ متعلق کارخانہ؟

---

(۱) "ثم إن أبا یوسف رحمه الله تعالیٰ یقول: یصیر وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعلیه الفتویٰ". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۳۸/۴، سعید)

"وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: یزول ملکه بمجرد القول، وقال محمد رحمه الله تعالیٰ: لا یزول حتی یجعل للوقف ولیاً ویسلمه إلیه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۶۳۷/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"(فلذا کان قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أوجه عند المحققین) وفی المنیة: الفتوی علی قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ، وهذا قول مشایخ بلخ". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۰۹/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"فالحاصل أن الترجیح قد اختلف، والأخذ بقول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أحوط وأسهل، ولذا قال فی المحیط: ومشایخنا أخذوا بقول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ ترغیباً للناس فی الوقف".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۲۹/۵، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۴۸/۴، ۳۵۱، سعید)

(۲) "تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

”وكما صح أيضاً وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير، قلت: بل وَرَدَ الأمر للقضاة بالحكم به .... وقدر وجنازة و ثيابها و مصحف وكتب؛ لأن التعامل يترك به القياس.......... بخلاف ما لا تعامل فيه كثياب ومتاع، وهذا قول محمد رحمه الله تعالىٰ ، و عليه الفتوى، اختيار. وألحق في البحر السفينة بالمتاع. وفي البزازية: جاز وقف الأكسية“. در مختار مختصراً۔

”(قوله: كل منقول قصداً) أما تبعاً للعقار، فهو جائز بلا خلاف عندهما كمامر. لا خلاف في صحة وقف السلاح والكراع: أي الخيل للآثار المشهورة، والخلاف فيما سوى ذلك، عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ لا يجوز، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ يجوز ما فيه تعامل من المنقولات، واختاره أكثر فقهاء الأمصار، كما في الهداية، و هو الصحيح كما في الإسعاف، و هو قول أكثر المشايخ كما في الظهيرية؛ لأن القياس قد يترك بالتعامل. ونقل في المجتبى عن السير جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمد رحمه الله تعالىٰ ، وإذا جرى فيه التعامل عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ، و تمامه في البحر، والمشهور الأول، اهـ“. شامی(۱)۔

اصل یہ ہے کہ وقف غیر منقول شیٔ کا ہوتا ہے، لیکن بعض اشیاء بعض صورتوں میں مستثنیٰ ہیں کہ منقول ہونے کے باوجود بھی ان کا وقف درست ہوتا ہے۔

اور یہ مسئلہ اختلاف ہے: جس شیٔ منقول کا قصداً یعنی بلا غیر منقول کے تابع قرار دیئے وقف کرنے کا تعامل ہوا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقف کو جائز فرماتے ہیں اور جس میں تعامل نہ ہو اس کو ناجائز فرماتے ہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہر طرح ناجائز فرماتے ہیں، خواہ تعامل ہو خواہ نہ ہو۔ اور غیر منقول کے تابع

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول قصداً: ۳۶۳/۴-۳۶۵، سعید)

قرار دیکر منقول کا وقف دونوں جائز فرماتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہرصورت میں منقول کا وقف ناجائز ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے(۱)۔ وقف علی الاولاد اور وقف علی الفقراء دونوں کا اس مسئلہ میں ایک ہی حکم ہے، کوئی فرق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/۲/۵۸ھ۔

اگر کارخانہ معہ مکان وسامان وقف کرنا ہے تو یہ وقف صحیح ہے اور اگر تنہا اوزار و مشین ہی کو وقف کرنا ہے تو یہ صحیح نہیں، چونکہ عام طور پر یہاں ان چیزوں کے وقف کرنے کا رواج نہیں۔

صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ، ۲۱/صفر/ ۵۸ھ، مفتی مدرسہ ہذا۔

حسبِ حصص وقف علی النفس وعلی الاولاد

سوال[۶۸۸۳]: الف: ایک شخص نے اپنی جائیداد اپنی حیات تک اپنی ذات پر، اس کے بعد اولاد در اولاد، نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطنٍ حسبِ ارثِ شرعی وقف کی۔ واقف کی زندگی میں اس کی بیٹی یا بیٹا فوت ہوگیا، لیکن اس کی اولاد باقی ہے تو کیا بعد وفات واقف متوفی کی اولاد کو حصہ دیا جائے گا؟

ب: اگر یہ شرط لگائی گئی کہ حصہ صرف وہ ہی پاتے رہیں گے جو میری نسل سے ہوں گے یعنی لڑکیوں کے شوہر یا لڑکوں کی بیویاں جو (غیر نسلی) ہیں وہ محروم رہیں گی، یا جب تک اس کی نسل میں کوئی باقی ہے حصہ پاتا رہے گا، بعد میں مساکین کا حق ہے، لیکن بوجہ عصبہ ہونے کے غیر نسل میں جائیداد نہ جائے تو ایسی شرط سے

---

(۱) "يجب أن يعلم أن وقف المنقول تبعاً للعقار جائز .... وأما وقفه مقصوداً: إن كان كراعاً أو سلاحاً، يجوز .... وإن كان سوى ذلك شيئاً لم يَجرِ التعارف بوقفه كالثياب والحيوان، لا يجوز عندنا. وإن كان متعارفاً كالفأس والقدوم والجنازة و ثياب الجنازة و مايحتاج إليه من الأواني والقدور في غسل الموتى والمصحف بقرأة القرآن، قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: لايجوز، وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: يجوز، وإليه ذهب عامة المشايخ، منهم الإمام شمس الأئمة الحلواني". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، نوع من ذلك: وقف المنقول: ۵/۰ ۱۷، إدارة القرآن كارچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لا يجوز في وقف المشاع: ۲/۱ ۳۶، رشيديه)

گنہگار اور: ''من حرم الوارث عن میراثه، حرم الله میراثه من الجنة'' أو كما قال(۱) کے مصداق تو نہیں بنے گا؟

ج: واقف کی لڑکی اس کی زندگی میں مرگئی اور متوفی نے ایک لڑکی اور شوہر اور علاتی بھائی بہن چھوڑے، یہ ورثہ واقف کے بعد تک زندہ رہے۔ اب وہ جائیداد واقف کی ذات سے اولاد میں آئی تو کیا تقسیم اس طرح ہوگی کہ ۴/۱ علاتی بھائی بہن ۲/۱ لڑکی اور ۴/۱ شوہر پالے گا؟ اور بالفرض قبل وفاتِ واقف اور بعد وفات بنتِ واقف لڑکی کا یہ شوہر بھی مرگیا، واقف کے مرنے پر حصے جب اولاد میں آئے تو ۴/۱ جو لڑکی کے مرنے کے بعد شوہر کا حق ہوا تھا، کیا شوہر کے ورثہ میں تقسیم ہوگا؟ مقصد یہ ہے کہ وراثت میں تو جو لڑکا یا لڑکی مورث کی موجودگی میں فوت ہوجائے اس کی اولاد محروم ہوجاتی ہے، وقف میں کیا صورت نکلے گی، یہاں حقیقت اولاد کی واقف کے بعد ثابت ہوگی، یا اس کی زندگی میں؟ وقف میں قید یہ ہے کہ ''بعد میری وفات اولاد میں جاری ہو''۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف: اگر متوفی کی اولاد کو واقف کی وراثت پہونچتی ہے تو حسبِ حصصِ شرعیہ وقف سے حصہ ملے گا، اگر وہ دیگر ورثہ کی وجہ سے محروم الارث ہے تو وقف سے حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ واقف نے مطلقاً وقف علی الاولاد نہیں کیا، بلکہ اپنی وفات کے بعد وقف علی الاولاد کیا ہے اور اس کو بھی ''حسبِ ارثِ شرعی'' کی قید سے مقید کیا ہے، نیز ''نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطنٍ'' کی قید لگائی ہے، لہذا جب تک بطنِ اول موجود ہو بطنِ ثانی کی طرف یہ وقف منتقل نہیں ہوگا، كذا في الهندية: ۳۷٦/۲(۲)۔

ب: ایسی شرط جائز اور معتبر ہے، اور جو واقف کی نسل سے نہیں ان کو حصہ نہیں ملے گا، صرح به الشامي في ردالمحتار(۳)۔ کیونکہ وقف حقیقۃً اِرث نہیں بلکہ شبیہ بالاِرث ہے: العبارة بتمامها: ''نعم هو (أي

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الثالث: ۲٦٦/۱، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، باب الوصايا، ص: ۱۹۴، قديمى)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۳۴۳/۴ سعيد)

(۳) ''لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، =

الوقف) شبيه بالإرث، من حيث انتقال نصيب الأصل إلى فرعه". شامی(۱)۔

ج: بنتِ واقف متوفاۃ کے جو علاتی بھائی بہن ہیں تو وہ واقف ہی کی اولاد ہیں جو کہ بعد وفاتِ واقف زندہ ہیں اور بطنِ اول ہیں، لہٰذا جائیداد اُن کی طرف منتقل ہوگی، اور متوفاۃ کا شوہر نسلِ واقف سے نہیں اس کو حصہ نہیں ملے گا۔ اور متوفاۃ کی لڑکی بطنِ ثانی سے ہے، بطنِ اول کی موجودگی میں وہ مستحق نہیں حسبِ تصریحِ واقف ''نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطنٍ'' (۲)۔ مزید تفصیل پورا وقف نامہ دیکھنے سے معلوم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۴/۶۴ھ۔

وقفِ مسجد کی زائد آمدنی واقف کی اولاد پر

سوال[۶۸۸۴]: مسمیٰ مواجالو عیلی مرحوم مسلکِ شافعیہ کے پابند، شہر ممباسہ، مملکت کینیا افریقہ کا

= وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱۲۶/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتا ب الوقف: ۲۶۹/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قال: للذكر كأنثيين و لم يوجد، الخ: ۴۷۱/۴، سعيد)

(۲) "ويكون ولد الابن عند عدم ولد الصلب بمنزلة ولد الصلب، ولا يدخل فيه ولد البنت في ظاهر الرواية، وبه أخذ هلال رحمة الله عليه". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يقف أرضه على نفسه وأولاده وأقربائه، الفصل الأول: ۳۱۹/۳، رشيديه)

"وقال الرازي: إذا وقف على ولده وولد ولده، يدخل فيه الذكور والإناث من ولده، فإذا انقرضوا فهو لمن كان من ولد ابن الواقف دون ولد بنت الواقف". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳۲۰/۳، رشيديه)

باشندہ ذی حیثیت اور صاحبِ جائیداد دیندار مسلمان تھا، اس کی جائیداد شہر و بیرونِ شہر تھی۔ ۱۹ویں صدی عیسوی میں اس نے شہر ممباسا میں ایک مسجد تعمیر کی جو ''کو یجالو'' مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی حیات میں زبانی طور پر خواہش ظاہر کی تھی کہ اس کی جائیداد میں سے کچھ زمین مسجد مذکور کے لئے وقف ہونی چاہئے، اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے رشید بن مویجالو اور اس کے سالے علی بن بشیری نے اس کی جائیداد کو مسجد مذکور کے لئے وقف کر دیا اور متولی کی حیثیت سے یہ دونوں کام کرتے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں حکومت کینیا نے قانون ''وقف کمشنرز ایکٹ'' پاس کیا اور ۱۹۰۳ء میں متولیان مذکور نے جائیداد مذکورہ کو وقف کمیشن کے سپرد کر دی۔

ان دونوں جائیداد مذکورہ کی آمدنی بہت قلیل تھی یعنی تقریباً ۲۴/ روپیہ سالانہ جو مسجد کے مصارف کے کام آتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اشیاء کی قیمتیں بڑھتی رہیں۔ وقف کمیشن کی طرف سے جائیداد مذکورہ کرایہ پر دیا جاتا رہا جس سے آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا رہا اور اسی آمدنی سے مزید جائیداد خرید کر آمدنی میں اَور بھی اضافہ کر لیا گیا۔ اب بحالتِ موجودہ مسجد مذکور کے لئے جو جائیداد وقف ہے، اس کی سالانہ آمدنی تقریباً /۱۰،۸۰۰ شلنگ سکۂ رائج الوقت ہے جب کہ مسجد مذکور کے سالانہ مصارف تقریباً /۲،۴۰۰ شلنگ ہیں اور باقی رقم محفوظ کر دی جاتی ہے جس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔

واقفِ مذکور کے خاندان کے لوگ جو تقریباً ۳۰۰/ لوگ ہیں، ان میں سے بیشتر زبوں حالی اور معاشی بدحالی میں مبتلا ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ضعیف ہیں، بہت سی بیوائیں ہیں، جو کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں، لیکن اپنے جدِ امجد کی جائیداد اور اس کی آمدنی سے اس لئے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں کہ وہ وقف کمیشن کی تولیت میں ہے۔

حالاتِ مذکورہ کے تحت اور شافعی مسلک کے مطابق کیا یہ ممکن ہے کہ وقفِ مذکورہ کو وقف کمیشن سے لے کر واقف کے خاندان کے لوگ اپنی تولیت میں لیکر مسجد مذکورہ کے انتظام وانصرام کے بعد جو رقم بچتی ہے اس کو واقف کے خاندان کے لوگوں کی اعانت، فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف کیا جا سکتا ہے؟ فقط۔

محمد مشتاق حسین، مرغی بازار، جہانگیر آباد، مکان نمبر ۱۰، بھوپال، ایم پی انڈیا، ۲۰/مئی/۱۹۷۴ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جائیداد مسجد کے لئے وقف کر دی گئی ہے، اس کی آمدنی مسجد کے علاوہ واقف کے خاندان پر صرف

کرنا درست نہیں، اگر آمدنی کی رقم زائد ہے تو اس کے ذریعے دیگر جائیداد خرید کر وقف میں اضافہ کردیا جائے (۱)، پھر زائد آمدنی دیگر حاجتمند مساجد پر بھی صرف کرنے کی گنجائش ہوسکے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۸ھ۔

یہ دعویٰ کرنا کہ چند کمرے خاص قبیلے کے لئے وقف ہیں

سوال [۶۸۸۵]: ۱-احمد آباد میں حضرت پیر محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بزرگ گزرے ہیں جو خاندانِ سادات میں سے تھے اور جن کے مریدین سنت و جماعت، قوم بواہیر اور دیگر جماعتوں کے مسلم افراد تھے۔ آپ تمام عمر مجرّد رہے، اس وجہ سے لا ولد ہی وفات پائی اور وفات کے بعد آپ کے مریدین نے روضہ اور اس کے متعلق مسجد تعمیر کرائی ان عطیات سے جو وقتاً فوقتاً سنی بوہروں کے علاوہ دوسرے مریدین بھی دیتے تھے، متعدد کمرے اور دوکانیں تعمیر کرائی گئیں جن کی آمدنی فی زمانہ تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہے۔ روضہ اور متعلقہ جائیداد کا انتظام "سائیں" کیا کرتے تھے (۳) جو سنی بوہرہ جماعت کے نہ تھے۔

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد الخ، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد الخ: ۲/۴۶۳، رشيديه)

"وقف على فقراء، ثم افتقر الواقف أو وارثه، لا يعطى من الوقف شيئاً عند الكل". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، السادس فى وقف على الفقراء الخ: ۶/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن فيما إذا وقف على الفقراء الخ: ۲/۳۹۵، رشيديه)

(۲) "(الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

"رباطٌ فى طريق بعيد استغنى عنه المارّة و بجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبوشجاع: يصرف غلته إلى الرباط الثانى". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فى المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(۳) "سائیں: آقا، مالک، شوہر، خصم، عارف، گدا، فقیر، وہ کلمہ جس سے درویش ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۷۱، فیروز سنز لاهور)

۲-وقتاً فوقتاً جو جائیدادیں درگاہ مذکورہ کے لئے وقف کی گئیں، یا وقف درگاہ کے لئے خریدی گئی ان کی دستاویزوں میں لکھا ہے کہ یہ جائیداد درگاہ کے لئے وقف کی گئی، یا وقف درگاہ کے لئے خریدی گئی۔ ان دستاویزوں میں سے بعض میں "وقفٌ لمرضات اللہ" تو تحریر ہے، مگر کسی میں یہ نہیں لکھا کہ یہ وقف کسی خاص فرد یا مخصوص جماعت کے فائدہ کے لئے، یا اس میں کسی فرد خاص یا جماعت کے مالکانہ حقوق محفوظ ہیں۔

۳-سٹی سروے کی ۱۸۲۱ء ۱۸۸۰ء اور ۱۹۲۲ء کی پیمائش وتحقیقات کے مطابق پیمائش دفتر روضہ مذکورہ مسجد اور جائیداد متعلقہ کا اندراج بحیثیت وقف ہوا ہے۔

۴-۱۸۸۰ء میں روضہ اور جائیداد متعلقہ کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جن میں بعض ممبر حضرت پیر محمد شاہ صاحب کے مرید یا مریدوں کے اولاد نہ تھے اور ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو سنی بوہرے نہ تھے۔

۵-روضۂ مذکورہ میں عامۂ مسلمین فاتحہ خوانی کرتے ہیں، مسجد متعلقہ میں نماز بھی پڑھتے ہیں، نماز جمعہ اور عیدین میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

۶-حضرت پیر محمد شاہ روضہ کمیٹی کا-جس میں اب صرف سنت جماعت بوہرے شامل ہیں- یہ دعوی ہے کہ روضۂ مذکورہ متعلقہ مسجد کمرے اور دوکانیں وغیرہ صرف سنت و جماعت بوہرہ قوم کے مریدین کے لئے وقف ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو اس ملکیت سے مستفید ہونے، یا اس کے انتظام میں دخیل ہونے کا حق نہیں یعنی تمام کے لئے وقف نہیں ہے، بلکہ صرف سنت جماعت قوم بواہیر کے لئے ہے۔ درآنحالیکہ اس کمیٹی کے پاس اس بات کا کوئی دستاویزی یا دیگر تحریری ثبوت نہیں کہ ملکیتِ مذکورہ صرف سنی بوہرہ کے مریدین کا مخصوص وقف ہے۔ نظر بہ حقائقِ مذکورہ بالا علمائے دین ومفتیان شرعِ متین دام إقبالهم و كثر أمثالهم فرمائیں کہ:

۱......کیا حضرت پیر محمد شاہ درگاہ کمیٹی اپنے دعوی میں حق بجانب ہے؟

۲......کیا وقفِ مذکورہ صرف سنت و جماعت بوہرہ مریدین کے لئے مخصوص ہوسکتا ہے؟

۳......کیا وقفِ مذکورہ عام وقف نہیں ہوسکتا؟

۴......بوہرہ قوم کے علاوہ تمام مسلمان اس ملکیت موقوفہ سے مستفید ہونے کا حق نہیں رکھتے؟

۵......موجودہ دور میں رفاہ عام کے نہایت ہی ضروری امور کی انجام دہی کے بجائے کیا اس شاندار

آمدنی کا تمام تر صرف سنت و جماعت قوم بواہیر ہی کے لئے مخصوص ہو جانا شرعاً جائز ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سائل نے دستاویزوں سے جس قدر الفاظ نقل کئے وہ اصل اغراضِ وقف پر غور کرنے کے لئے کافی نہیں، لہٰذا جب تک وقف نامہ بلفظہ یا اس کی نقل بعینہ سامنے نہ ہو، کوئی حتمی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ جب اس جائیداد کا درگاہ کے لئے وقف ہونا تسلیم ہے تو پھر اس وقف کے مخصوص ہونے عام نہ ہونے سے تمام مسلمانوں کے مستفید نہ ہونے، رفاہ عام کے ضروری امور کی انجام دہی وغیرہ کے سوالات کا کیا مطلب ہے؟ واقف نے جو مصارف متعین کر دیئے ہیں اور جو شرائط مقرر کر دیئے ہیں، ان کے خلاف کرنا شرعاً درست نہیں جب تک ان میں کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہو:

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة، اهـ". الأشباه والنظائر، ص: ۲۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم کا مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال[۶۸۸۶]: (الف) کسی غیر مسلم نے اپنی زمین کے قطعات مکانوں کے لئے بیچنا چاہی، مسلمانوں نے اپنی حسبِ حیثیت ایک ایک قطعہ خرید لیا اور کہا کہ اس نئی آبادی میں مسجد نہیں ہے، ایک قطعۂ زمین مسجد کے لئے دیا جائے تو ہم کو سہولت ہوتی ہے اس کو صاحبِ زمین نے مان لیا اور مطلوبہ قطعہ بلا قیمت دیدیا،

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثانى، الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

"قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به".
(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

"وماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه، سواء كان نصه فى الوقف نصاً أو ظاهراً، اهـ. و هذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه، كما صرح به فى شرح المجمع للمصنف". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف: ۴۹۵/۴، سعيد)

یعنی رجسٹری کردی۔

اب سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کی وقف کردہ زمین پر مسجد بنانا، یا غیر مسلموں کے چندہ سے مسجد بنانا جائز ہے یانہیں؟ بعض حضرات ناجائز کہتے ہیں اور بعض جائز، اور بعض مسجد کے حصار یا بیرونی کام میں خرچ کرنے کے قائل ہیں۔

(ب) کسی غیر مسلم نے مسجد کے تحت یعنی مؤذن، پیش امام، یا مسجد کے خرچوں کے لئے زمین دیدی یعنی رجسٹری کردیا کیا اس آمدنی سے مسجد کے خرچ وغیرہ پورے کرسکتے ہیں یانہیں؟ صحیح طریقہ سے مطلع فرمایئے، اس بارے میں مستند اقوال زیب رقم فرمایئے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگراس غیر مسلم کے نزدیک مسجد بنانا نیک کام ہے، اس لئے اس نے چندہ دیا، یا زمین مسجد کے لئے وقف کی ہے تو درست ہے، وہاں مسجد بنالی جائے اور وہ پیسہ بھی مسجد میں لگالیا جائے۔ شامی میں وقف غیر مسلم کی بحث موجود ہے جس کا حاصل وہی ہے جو یہاں لکھا گیا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

مسجد کے لئے قادیانی کا وقف

سوال[۶۸۸۷]: ایک نقشہ میں ایک مسجد کی جائیداد ظاہر کی گئی ہے، اس میں آٹھ دوکانیں ہیں جو آٹھ نمبروں سے ظاہر کی گئی ہے، درمیان میں مسجد ہذا کا دروازہ ہے۔ دوکانوں کے سامنے کچھ زمین ہے جو ایک

---

(۱) "(و شرطه شرط سائر التبرعات) كحرية و تكليف، وأن يكون قربةً في ذاته معلوماً". (الدرالمختار). "أي بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته و صورته قربةً .... بخلاف الذمي، لما في البحر وغيره أن شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۳۴۱/۴، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا و عندهم".

(البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

صاحب کی ہے جو قادیانی مذہب کا ہے اور قادیانی مذہب کا پکا پیرو بھی ہے، وہ صاحب اسی زمین کو مسجد ھذا کو وقف کرتے ہیں۔قادیانی صاحب کا یہ وقف ہماری مسجد یا جائیدادِ مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ صاحب یہ جائیداد وقف یا کسی طرح مسجد کی زمین نہ دیں تو مسجد یا دو کانوں کا راستہ بند ہوسکتا ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ یہ زمین مسجد میں کس صورت میں جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جو مسلمان اپنا اصلی مذہب اسلام چھوڑ کر قادیانی ہو جائے وہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد قرار دیا جاتا ہے(۱)، مرتد کی کوئی عبادت قبول نہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس فرقہ میں داخل ہوا ہے، اس فرقہ کے نزدیک جن امور میں وقف صحیح ہوتا ہے ان امور میں اس کا وقف صحیح ہے، اس طرح مسجد اس کا وقف بھی معتبر ہے(۲)۔علاوہ ازیں جب اس نے اپنے مالکانہ حقوق ختم کر دیئے اور مسجد کے حوالہ زمین کردی (۳)۔اور اگر یہ

---

(۱) ”وشرعاً الراجع عن دين الإسلام، وركنها (أى ركن الردّة) إجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الإيمان“. (تنوير الأبصار مع الدرالمحتار، باب المرتد: ۴/۲۲۱، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۱، رشيديه)

(۲) ”فما تقول فى المرتد عن الإسلام إذا انتحل ديناً من أديان .... و أما قول محمد بن الحسن رحمه الله تعالىٰ، فإنه يجيز له من ذلك ما يجوز لأهل الدين الذي انتحله و يسلك به تلك السبل“.

(أحكام الأوقاف للخصاف، مطلب فى وقف المرتد، ص:۲۹۰، دارالكتب العلمية بيروت)

”لو وقف فى حال ردته، فهو موقوف عند الإمام .... و عند محمد رحمه الله تعالىٰ: يجوز منه ما يجوز من القوم الذين انتقل إلى دينهم“. (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى وقف المرتد: ۴/۳۴۰، سعيد)

”وشرط صحة وقفه أن يكون قربةً عندنا وعندهم“. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) ”إذا تم ولزم، لا يملك و لايملك و لا يعار و لا يرهن“. (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

شخص خود قادیانی نہیں ہوا بلکہ اس کا والد قادیانی ہوا تھا اس سے یہ پیدا ہوا ہے تو اس کا وقف بھی معتبر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال[۶۸۸۸]: نجمہ رنڈی کی زمین جو تقریباً سات سال سے ہے منتقل ہو کر اس کے پاس پہونچی، نجمہ کا ارادہ اس زمین کو مسجد میں وقف کرنے کا ہے۔ تو کیا اس زمین کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

اگر وہ حرام آمدنی کی اور فعلِ حرام کے عوض کی نہیں ہے تو اس کا وقف کرنا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/۸۹ھ۔

کیا وقف کے لئے افراز عن الملک کافی ہے یا نماز باجماعت بھی ضروری ہے؟

سوال[۶۸۸۹]: ایک صاحبِ خیر نے تقریباً ایک بیگھہ زمین وقف کیا اور یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ میری زمین میں مسجد و مدرسہ دونوں ہونے چاہیے۔ ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اہلِ مدرسہ نے تھوڑی سی زمین میں مسجد کی بنیاد بھی رکھ دی، حالانکہ مدرسہ کے حالات کے پیشِ نظر اس جگہ مسجد کی بنیاد مناسب نہیں تھی۔ مدرسہ کی تنگی کو دیکھتے ہوئے واقف صاحب نے مسجد کی بنیاد کی جگہ جو کہ ابھی صرف بنیاد کی حد تک ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی تعمیر نہیں ہوئی ہے، اور نہ ایسا کوئی کام کیا گیا ہے جو مسجد ہونے پر دال ہو، یہاں تک کہ آج تک کسی نے

---

(۱) حرام کی آمدنی سے ہونے کی صورت میں مکروہ ہوگا: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ، شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

بھی اس میں نماز نہیں پڑھی، مدرسہ کی تعمیر کی اجازت دے دی ہے۔ اب اس وقت اہلِ مدرسہ، مدرسہ کی تنگی کی وجہ سے نہایت پریشان ہیں، لہٰذا شرعاً جواز کی جو صورت ہو تو تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: منجانب مدرسہ انوار العلوم، مئو آئمہ الہ آباد (یوپی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إذا بنى مسجداً، لايزول ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه ويصلي فيه واحد. وفي رواية: شرط صلوة بجماعة جهراً بأذان وإقامة، حتى لوكان سراً بأن كان بلا أذان ولا إقامة، لايصير مسجداً اتفاقاً؛ لأن أداء الصلوة على الوجه المذكور بالجماعة، وهذه الرواية صحيحة، كما في الكافي وغيره". مجمع الأنهر: ۱/۷۵۵(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ وہ جگہ ابھی مسجد نہیں بنی، واقف کو حق ہے کہ اگر وہاں مسجد بنانا مناسب نہیں تو اس کی جگہ مدرسہ بنانے کی اجازت دے دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

ذاتی عداوت کی وجہ سے وقف کی آمدنی کو روکنا

سوال [۶۸۹۰]: مسماۃ مریم فاطمہ وکنیز فاطمہ ساکنانِ قصبہ محمد آباد نے کچھ اراضی اور چند دوکانیں ۱۹۱۲ء میں مساجد ودیگر امورِ خیر کے لئے وقف کیا، بروقتِ وقف دستاویز میں تحریر کرایا کہ:

"ہم اس جائیداد کی ملکیت سے آج کی تاریخ سے دست بردار ہوگئیں ہیں، بعد تکمیلِ تحریر وقف نامہ ہذا ہم کو اور ہمارے جملہ عزیزانِ قریب وبعید کو جائیداد موقوفہ مسطورہ

---

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۳، ۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئته)

"وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه، ويأذن للناس بالصلوة فيه، فإذا صلى فيه واحد، زال عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن ملكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۳۳، كتاب الوقف، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

میں کس قسم کی دست اندازی کا اختیار باقی نہیں رہا اور نہ کبھی ہوگا (علمائے اہل سنت حنفی مذہب سکنائے فرنگی محلی بلدہ لکھنؤ پر جس سے مسلمانان محمودآباد رجوع کریں واجب ہوگا کہ خالصاً للہ بعد از یکدیگر اس کارِ خیر کو اپنے ہاتھ میں لیں اور یہ تجویز خود متولی مساجد و مہتمم کارِ خیر مقرر فرماتے رہیں)''۔

عبارتِ بالا جو بریکٹ کے اندر ہے دستاویز میں موجود ہے، مگر ہر دو واقفہ نے اس پر کبھی عمل نہ کیا اور نہ اب عامل ہیں، بلکہ ہمیشہ اپنی رائے سے متولی مقرر کرتی رہیں اور اس کے نام سرکاری داخل خارج بھی ہوتی رہی اور اب بھی جس شخص (محمد حسین عرف داروغہ) کو مقرر کیا ہے۔ اس کے نام متولی مذکور نہایت احتیاط اور دیانت سے مثلِ سابق متولی غلام جیلانی کے کہ جس کی وفات کے بعد اس کا تقرر ہوا ہے، وقف کی نگرانی کرتا ہے اور حساب و کتاب درست رکھتا ہے اور حسبِ شرائطِ دستاویز وقف نامہ اخراجات کرتا ہے، مگر بعض لوگ جن کو واقفہ اُولیٰ موجودہ (ثانی واقفہ انتقال کر چکی ہے) اور متولی موجود سے ذاتی طور پر عداوت ہے، محض بر بنائے بغض وعداوت انتظام وقف میں روک تھام کرتے ہیں، دوکانداروں کو کرایہ اور کاشتکاروں کو لگان دینے سے منع فرمایا۔ یہ لوگ از روئے شرع گنہگار ہیں یا نہیں؟ مسلمانوں کو ان مانعین کی امداد کرنی چاہئے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ واقفہ بریکٹ کے اندر کی تحریری جو دستاویز میں ہے، اگر تبدیل کرنا چاہے تو بدل سکتی ہے یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ جب کہ دوکان کا کرایہ رک جانے کی شکل میں کہ مانع کا اثر ہے اس وقت جو رقم واقفہ اپنے پاس سے صرف کر رہی ہے وہ بعد وصولیابی لے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولاية نصب القيّم إلى الواقف، قال في البحر: قدمنا أن الولاية للواقف ثابتة مدة حياته وإن لم يشترطها، وأن له عزل المتولي، اهـ". شامی: ۶۳۸/۳ (۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ولاية نصب القيم إلى الواقف، الخ: ۴۲۱/۴، سعيد)

"قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: الولاية للواقف، وله أن يعزل القيّم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف: ۷۴۲/۵، إدارة القرآن كراچی) .... =

"للواقف عزل الناظر مطلقاً: أی سواء کان بجنحة أولا، وسواء کان شرط له العزل أولا .... به یفتیٰ، اھـ". در مختار وشامی: ۳/۶۳۸(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ تولیت کا حق واقف کو حاصل ہے اور دوسرے شخص کو متولی بنانا بھی اصالۃً واقف ہی کا حق ہے، نیز واقف کو یہ بھی حق ہے کہ متولی اور وقف کے نگراں کو معزول کردے، خواہ اس کا کوئی قصور ثابت ہو خواہ نہ ہو۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اراضی ودوکانیں موقوفہ میں ہر دو واقفہ کو خود نگرانی اور تولیت کا حق حاصل ہے۔ اگر باقاعدہ کسی دوسرے متولی کے قبضہ میں تولیت پہنچ جائے اس کو معزول بھی کرسکتی ہیں۔ خاص کر جب کہ وہ لوگ جن کی تولیت کو دستاویز میں لکھا ہو متدین اور متقی نہ ہوں تو ان کو متولی بنانا بھی درست نہیں اور دستاویز کی عبارت متعلقہ تولیت غیر متدین شرعاً ناقابلِ عمل ہوگی: "وفی الإسعاف: لایولی إلا أمین، اھـ". ھندیة: ۲/۹۹۶(۲)۔

پس جو لوگ محض ذاتی عداوت کی بناپر وقف کو نقصان پہونچا رہے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔ اگر ذاتی عداوت نہ ہو بلکہ وقف کی خیرخواہی مقصود ہو تب بھی لگان اور کرایہ بند کرانے کی کوشش کرنا، یا کسی اَور طرح وقف کو نقصان پہونچانا کسی طرح جائز نہیں، جو لوگ اس نقصان پہونچانے میں مددگار ہیں وہ بھی گناہگار ہیں۔

= "وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: الولایة للواقف، وله أن یعزل القیم فی حیاته. و إذا مات الواقف، بطل ولایة القیم. ومشایخ بلخ یفتون بقول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۷، رشیدیه)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: للواقف عزل الناظر: ۴/۴۲۷، سعید)

"وأما عزله قدمنا أن أبا یوسف رحمه الله تعالیٰ جوّز عزله للواقف بغیر جنحة و شرط؛ لأنه وکیله". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۹، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الولایة فی الوقف: ۵/۷۴۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۸، رشیدیه)

"وفی الإسعاف: لا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر".

(البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیه)

یہ گفتگو متعلق تولیت اس وقت ہے جب کہ عبارتِ منقولہ دستاویز کا مطلب یہ ہو کہ واقف نے علمائے فرنگی محلی کو متولی بنایا ہے، اگر یہ مطلب نہ ہو بلکہ یہ مطلب ہو کہ ان کو اختیار ہے جس کو چاہیں متولی تجویز کردیں، گویا کہ واقفہ نے تجویزِ متولی کے لئے اپنی طرف سے وکیل بنایا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ موکل جب اس کام کو انجام دے جس کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنایا ہے تو اس کی وکالت منسوخ ہوجاتی ہے اور وکیل معزول ہوجاتا ہے۔ اگر واقفہ اپنے پاس سے روپیہ بطورِ قرض خرچ کررہی ہے اور اس پر شرعی ثبوت ہے تو بعد وصولیابی اپنا روپیہ لے سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۷/۶/۵۸ھ۔

"قیّم أنفق فی عمارة المسجد من مال نفسه، ثم رجع بمثله فی غلة الوقف، جاز، سواء غلته مستوفاة أو غیر مستوفاة. ثم قال: وللقیّم الاستدانة علی الوقف لضرورة العمارة لا لتقسیم ذلك علی الموقوف علیهم". ۵/۲۱۱(۱)۔

"فی فتاوی أبی اللیث: قیّم وقفٍ طلب منه الجبایات والخراج ولیس فی یده من مال الوقف شیء، وأراد أن یستدین، فهذا علی وجهین: إن أمر الواقف بالاستدانة، فله ذلك". بحر بتقدیم وتأخیر: ۵/۳۱۱، ۳۱۰(۲)۔

محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ رجب، ۵۸ھ۔

وقف کو منسوخ کرنا

سوال[۶۸۹۱]: ایک شخص نے اراضی ومکان کسی مدرسہ کو وقف کردیئے، چندسال گزرجانے کے

---

(۱) (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۲، ۳۵۳، رشیدیه)

"أن الناظر إذا أنفق من مال نفسه علی عمارة الوقف لیرجع فی غلته، له الرجوع دیانةً".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی إنفاق الناظر من ماله، الخ: ۴/۴۴۰ سیعد)

(۲) (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۱، رشیدیه)

"قیّم وقفٍ طلب منه الخراج والجبایات و لیس فی یده شیء من مال الوقف، فأراد أن یستدین، قال: إن أمر الواقف بالاستدانة، له ذلك .... كذا فی المضمرات". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۲/۴۲۴، رشیدیه)

بعد اب وہی شخص اس وقف کو منسوخ کر کے دوسرے کے حق میں وصیت کرنا چاہتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے مدرسہ کو وقف نہیں کیا تھا جب کہ وقف نامہ کی عبارت میں تصریح موجود ہے کہ اسے اراضیٔ موقوفہ سے کسی قسم کا قبضہ یا تعلق نہیں رہا۔ سوال یہ ہے کہ کیا شخصِ مذکور کے اس طرح کہنے سے وقف منسوخ ہو جائے گا یا نہیں؟ شرعی حکم مع حوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف تام ہو جانے کے بعد اس کو منسوخ کرنے کا حق نہیں، نہ اس میں کسی قسم کے مالکانہ تصرف کا حق رہا، یعنی واقف نہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ اس کو ہبہ کر سکتا ہے، نہ وصیت کر سکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے:

"فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". در مختار۔ "(قوله: لايملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولايملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. ولا يعار، و لا يرهن لاقتضائهما الملك". شامی(۱)۔

"والوصية هي تمليك مضاف إلى ما بعد الموت عيناً كان أو ديناً، الخ".

درمختار: ٥/٥٦٨(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

"وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع و لا يوهب و لا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۰، رشیدیہ)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۶/ ۶۴۷، ۶۴۸، سعید)

"الإيصاء في الشرع تمليكٌ مضافٌ إلى ما بعد الموت يعني بطريق التبرع، سواء كان عيناً أو منفعةً، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/ ۹۰، رشیدیہ)

ضلعی انجمن کی تقسیم

سوال[۶۸۹۲] ۱۰ ۱......دارالعلوم میں ایک ضلعی انجمن ہے جو قیام انجمن کے فارغین حضرات اور موجودہ افراد کے روپے سے چل رہی ہے اور انجمن میں کتاب اور روپیہ پیسہ وغیرہ چیزیں موجود ہیں، جن میں سے انجمن کے ہر ہر فرد کو انتفاع کا حق حاصل ہے اور ان میں کسی کی ملکیت نہیں ہے۔اب اگر وہ ضلع سرکاری حکم سے دو حصوں میں بٹ جائے اور دونوں الگ الگ نام سے موسوم کردے تو انجمن کو دو حصوں میں اس طرح پر تقسیم کرلینا کہ ایک حصہ میں دوسرے حصہ والوں کا کوئی انتفاع کا حق نہ رہے، بلکہ اپنے اپنے حصوں میں ہر ہر فرد کو صرف حقِ انتفاع ہو درست ہوگا یا نہیں؟ یا تقسیم کی کوئی اَور صورت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر ہو تو آدھا آدھا دو حصوں میں کیا جائے گا یا کیا صورت ہوگی؟ تحریر فرمائیے۔

۲......انجمن میں عوام کی امداد بھی ہے اور بعض حضرات نے مستقل چند کتب بھی بطورِ وقف داخل کی ہیں، اور تمام معطین حضرات نے جو بھی امداد کئے ہیں اسی انجمن کو کئے اور اب تک جو جو سامان موجود ہے اسی انجمن کے ساتھ خاص ہے، کسی کی ملکیت نہیں ہے اور ہر ہر فرد کو انتفاع کا حق حاصل ہے۔اب اگر تقسیم جائز ہے تو وہ کتابیں اور وہ سامان جو کسی مخصوص شخص نے اس مخصوص انجمن کو امداد کیا تھا، ان چیزوں میں بٹوارہ کس طرح کیا جائے گا۔ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں، بڑا کرم ہوگا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......سرکاری حکم سے اگر دو ضلع بن گئے تو اس سے کیا ہوا، کیا انجمن کے لوگوں کو بھی ساتھ رہنے سے ممانعت کردی گئی۔ یہ سب سر جوڑ کر حسبِ سابق مشترکہ طور پر رہیں، امید کہ ان پر جرمانہ نہیں ہوگا، نہ حکومت ان کو قید کرے گی۔ اگر یہ صورت امکان سے باہر ہے تو انجمن کو ہی دو ضلع کے نام سے توسیع کردی جائے کہ یہ انجمن فلاں فلاں ضلع کی ہے، کسی تقسیم کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بھی ناممکن ہے تو دونوں ضلع کی افراد کے لحاظ سے کتابیں اور نقدی تقسیم کردیں(۱)۔

---

(۱) "أهل المحلة قسموا المسجد و ضربوا فيه حائطاً ولكلٍ منهم إمام على حدة و مؤذنهم واحد، لابأس به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"ضيعة موقوفة على الموالي، فلهم قسمتها قسمةَ حفظ وعمارة لاقسمةَ تملك، اهـ".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۷/۵، رشيديه)

۲......جواب نمبرایک سے اس کی صورت سمجھ کرعمل کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۶ ۱۴۰ھ۔

کسٹوڈین اگر جائیدادِ مقبوضہ کو واپس کردے تو اس کا حکم

سوال[۶۸۹۳] : اپنی ایک جائیداد وقف علی الاولاد کی، اس میں اس نے بیٹوں اور بیٹیوں کے حصے مقرر کئے اور وصیت کی کہ یہ وقف نسلاً بعد نسلٍ رہے گا۔ ۱۹۴۷ء میں عبداللہ کی تمام اولاد سوائے ایک لڑکی کے پاکستان چلی گئی اور وقف جائیداد پر کسٹوڈین (۱) نے قبضہ کرلیا۔عبداللہ کی جو اولاد پاکستان چلی گئی تھی اس نے وہاں اس وقف جائیداد کے عوض حکومت پاکستان سے جائیداد حاصل کی، گویا استبدال ہوگیا ہے۔ ہندوستان میں کئی سال کے بعد کسٹوڈین نے عبداللہ کی لڑکی کو مذکورہ وقف جائیداد سپرد کردی اور کسٹوڈین نے عبداللہ کی لڑکی کو یہ تحریر بھی دیدی کہ یہ جائیداد اب تمہارے تصرف میں رہے گی، تم انتظام کروگی، اور کوئی اس میں حق نہیں رکھتا ہے۔

اب پاکستان سے عبداللہ کے پوتے کی لڑکی کی شادی ہوکر ہندوستان آئی ہے اور کئی سال کے بعد اس کو ہندوستان کی شہریت مل گئی ہے اور اپنے دادا کی بہن سے جس کو کسٹوڈین نے سپرد کردی ہے مطالبہ کررہی ہے کہ مجھ کو اس جائیداد میں سے میرے والد کا حصہ دیا جائے۔عبداللہ کی بیٹی- جو اس جائیداد پر متصرف ہے جس کو کسٹوڈین نے دی ہے- کہتی ہے کہ تمہارے باپ پاکستان کی حکومت سے اس وقف جائیداد کے عوض میں کلیم کرکے معاوضہ لے چکے ہیں (۲) اور یہ بھی کہتی ہے کہ باپ کے زندہ ہوتے ہوئے تم کو اس جائیداد میں سے کچھ طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔اب دریافت طلب یہ ہے:

۱......عبداللہ کی اولاد میں سے جو اولاد پاکستان چلی گئی ہے اور انہوں نے وہاں کی حکومت سے اس وقف جائیداد کے بدلہ میں معاوضہ لے لیا ہے، کیا ان کو اب ہندوستان کی جائیداد میں سے حصہ پہونچتا ہے؟

۲......کیا باپ کے زندہ ہوتے ہوئے اس کی اولاد کو وقف جائیداد میں سے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے؟

---

(۱) ”کسٹوڈین: محافظ، نگران، رکھوالا“۔(فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) ”کلیم: حق، دعوی، مطالبہ، استغاثہ، نالش“۔(فیروز اللغات، ص: ۱۰۲۶، فیروز سنز لاهور)

۳......حکومتِ ہند جب کسی کو ہندوستانی شہریت کے حقوق دیتی ہے تو پہلے یہ لکھوالیتی ہے کہ تم یہاں کوئی مطالبہ جائیداد کا نہیں کروگے اور یہ عبداللہ کے پوتے کی بیٹی سے بھی کی گئی ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......پاکستان پہونچ کر جن لوگوں نے یہاں کی وقف جائیداد کا معاوضہ لے لیا تو اس کا حصہ یہاں کی جائیداد سے ختم ہوگیا ہے، اس بنا پر ان کو یہاں مطالبہ کا حق نہیں ہے(۱)۔

۲......واقف نے کن شرائط کو وقف میں ملحوظ رکھا ہے، ان کی تفصیل معلوم ہونے کی ضرورت ہے یعنی بتفصیلِ وراثتِ شرعیہ حصہ مقرر کئے ہیں، یا کوئی اَور صورت اختیار کی ہے، اس لئے وقف نامہ یا اس کی نقل بھیجئے تب یہ معلوم ہوسکے گا کہ کس کو کس وقت مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

۳......جب یہاں کی جائیداد کا عوض پاکستان میں دیا جاچکا تو گویا کہ یہاں کی حکومت نے جائیداد خرید لی ہے، پس حکومت کا اس قسم کی تحریر لکھوانا حسبِ ضابطہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



---

(۱) "لا یجوز استبدال العامر إلا فی أربع". (الدرالمختار). "إلا فی أربع .... الثانیة : إذا غصبه غاصب وأجری علیه الماء، حتی صار بحراً، فیضمن القیمة و یشتری المتولی بها أرضاً بدلاً".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لایستبدل العامر، الخ: ۳۸۸/۴، سعید)

(۲) "أن یجحده الغاصب و لا بینة: أی و أراد دفع القیمة ، فللمتولی أخذها، لیشتری بها بدلاً".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لایستبدل العامر، الخ: ۳۸۸/۴،سعید)

بابٌ فی استبدال الوقف وبیعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

وقف کو بدلنا

سوال[۶۸۹۴]: زید نے ۱۹۵۶ء میں کچھ زمین قبرستان کے لئے وقف کی، لیکن زمین کے سامنے جن کے مکانات تھے، انہوں نے میت کو دفن کرنے سے روکا جس کی وجہ سے کافی دقت پیش آئی، اس دقت کے پیشِ نظر متولی نے واقف سے دوسری زمین ۶۱ء میں وقف کرائی، اسی میں فی الحال قبرستان ہے اور پہلی زمین وقف شدہ غیر مسلم کے ہاتھ فروخت ہوئی، اب اس سلسلہ میں مقدمہ چل رہا ہے۔

۱......وقفِ اول کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۲......کیا متولی وقف کو بدل سکتا ہے؟

۳......دوسرا وقف اس کا بدل شمار ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۴......جب کہ وقفِ اول کو واقف نے فروخت کر دیا وہ بھی غیر مسلم کے ہاتھ، اس کا کیا حکم ہے؟

۵......فی زمانہ اس مقدمہ کا فیصلہ شریعت کے نزدیک کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کردی جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے وقف ہو جاتی ہے، اس کی بیع کا کسی کو اختیار نہیں رہتا، نہ واقف کو نہ متولی کو، اگر بیع کر دی جائے تو وہ شرعاً نا قابلِ نفاذ ہوتی ہے(۱)۔ ہاں! اگر واقف نے یہ شرط کردی

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة). "(قوله: لم یجز بیعه و لا تملیکه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التملیک فلِمَا بیّنّا) من قوله علیه السلام: "تصدق بأصلها، لایباع ولایورث و لا یوهب". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"فإذا تم الوقف ولزم، لا یملک و لا یملّک و لا یعار و لا یرهن". (الدرالمختار). قال ابن =

ہو کہ جب زمین قابلِ انتفاع نہ رہے تو اس کا دوسری زمین سے تبادلہ کرلیا جائے تو ایسی صورت میں اس شرط کے ساتھ اس کا تبادلہ درست ہوتا ہے، خواہ زمین کا تبادلہ زمین سے کیا جائے، یا زمین فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۱)۔

اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے کہ واقف کی نیت پوری نہ ہوسکتی ہو اور زمین موقوفہ پر کسی کا ناجائز قبضہ ہوجائے جس سے وقف ہی باطل اور ضائع ہوجائے تو مجبوراً اس کا معاوضہ قبول کرکے دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۲)۔ یہاں صورتِ مسئولہ میں اولاً کوشش کی جائے کہ بیع فسخ کرکے زمین واپس مل جائے، اگر پوری کوشش کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہوسکے تو مجبوراً معاوضہ قبول کرکے دوسری زمین جو اس کام کے لئے

= غابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: لا یملک): أی لا یکون مملوكاً لصاحبه. ولا یملّک: أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (ردالمختار، کتا ب الوقف: ۳۵۲/۴، سعید)

(۱) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخری حینئذ أو شرط بیعه، ویشتری بثمنه أرضاً أخری إذا شاء، فإذا فعل، صارت الثانیة كالأولی". (الدرالمختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: جاز شرط الاستبدال به، الخ) الأول أن یشترط الواقف لنفسه أو لغیره أو لنفسه وغیره، فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح، وقیل: اتفاقاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سیعد)

"إذا شرط فی أصل الوقف أن یستبدل به أرضاً أخری إذا شاء ذلک، فتکون وقفاً مکانها، فالوقف والشرط جائزان عند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ، وکذا لو شرط أن یبیعها ویستبدل بثمنها مکانها. وفی واقعات القاضی الإمام فخرالدین: قول هلال رحمه الله تعالیٰ مع أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ، وعلیه الفتوی، کذا فی الخلاصة". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف: ۳۹۹/۲، رشیدیه)

(۲) "وفیها (أی فی الأشباه) لا یجوز استبدال العامر إلا فی الأربع". (الدرالمختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: إلا فی أربع) .... الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا ولا بینة: أی و أراد دفع القیمة، فللمتولی أخذها، لیشتری بها بدلاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا یستبدل العامر إلا فی أربع: ۳۸۸/۴، سعید)

وقف کی گئی ہے، اس میں اس معاوضہ کو صَرف کیا جائے جس سے وقف کا مقصد حاصل ہو اور مسلمان مُردے اس میں دفن کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، ۲۱/۱۱/۸۷ھ۔

استبدالِ وقف

سوال[۶۸۹۵]: ایک شخص نے اپنا مکان مدرسہ اسلامیہ محلّہ بندوقچیان کے نام وقف کیا اور اس میں تحریر کیا کہ:

''جب تک میں زندہ ہوں تو اس کا متولی میں خود رہوں گا، میرے مرنے کے بعد میرا بڑا لڑکا متولی رہے گا، اس کے مرنے کے بعد میرے لڑکے کا بڑا لڑکا متولی رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد میرے چھوٹے لڑکے کا بڑا لڑکا متولی رہے گا، اسی طرح نسلاً بعد نسل چلتا رہے گا۔ اور جب میرے لڑکوں میں سے نرینہ کوئی نسل نہ رہے گی تو میرے لڑکوں میں سے جس کی بڑی لڑکی ہوگی تو وہ متولی ہوگی، یا اس کا لڑکا متولی ہوگا۔ اور جب یہ نسل بھی باقی نہ رہے گی تب اس وقت جو شخص مدرسہ کا مہتمم ہوگا، وہی میرے مکان موقوفہ کا متولی ہوگا''۔

اس مکان کی مالیت ایک ہزار روپیہ ہے، اس کا کرایہ دس روپیہ سالانہ تحریر ہے اور مدرسہ کو پچاس پیسے سال دینا تحریر ہے، لیکن ابھی تک ہم نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اس وقت اس شخص کا بڑا لڑکا فضل الرحمٰن متولی ہے، اب ہم اس کو بدلنا چاہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس مکان کا آدھا حصہ تو برسات میں گر گیا، ہم اتنے نادار ہیں کہ اس کی مرمت بھی نہیں کرا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم دونوں بھائی ایک ہزار روپے کے مقروض ہیں اور اس وقت موقع بھی بدلنے کا اچھا ہے، کیونکہ ہمارے پڑوس میں ایک مالدار آدمی ہے اس کو اپنے کاروبار کے لئے اس جگہ کی ضرورت ہے، اس لئے وہ اس کے بدلے میں ایک مکان اور کچھ نقد روپے دے رہا ہے۔

۱......دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکانِ موقوفہ کو بدل سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ وہ مکان جو اس کے بدلہ میں آئے گا اسی کو اسی طرح وقف کر دیں؟

۲......اور اس کے بدلہ میں نقد روپیہ ملے گا، اس کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

۳......اس نقد روپیہ سے اپنا قرض ادا کرسکتے ہیں یا نہیں، یا اس روپیہ کو مدرسہ میں داخل کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ مکان مدرسہ کے لئے وقف ہے تو اس کو فروخت کرنا اور اس کے عوض دوسرا مکان خریدنا اور اس کی قیمت کو اپنے کام میں لانا کچھ بھی جائز نہیں (۱)، وہ مکان مدرسہ کے حوالہ کردیا جائے، مدرسہ اس کی مرمت یا تعمیر کرائے گا۔ ہاں! اگر وہ مکان بالکل ہی قابلِ انتفاع نہ رہے اور اس سے کوئی آمدنی حاصل نہ ہو اور مرمت وتعمیر کی بھی وسعت نہ ہو تو اس کو بدل لینا درست ہے (۲)۔ اس طرح اس کو فروخت کرکے اس کے عوض

---

(۱) "الثالث: أن لا يشترطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف و شروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

"فإذا تم الوقف ولزم، لا يملك ولايملّك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. ولايملّك: أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه (أما امتناع التمليك فلما بيّنّا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع و لا يورث و لا يوهب". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتا ب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) "وفيما لايجوز استبدال العامر إلا في أربع". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: إلا في أربع) .... الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة، وأحسن صقعا، فيجوز على قول أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب الاستبدال العامر إلا في اربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

"سئل الحلوانى عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها: هل للمتولى أن يبيعها ويشترى بثمنها مكانها أخرى؟ قال: نعم". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه) =

دوسرا مکان لے کر مدرسہ میں شرائطِ واقف کے تحت وقف کردیا جائے، اس کا روپیہ شرائطِ واقف کے خلاف کسی کام میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۹۰ھ۔

خستہ حال مکان کے بدلے دوسرا مکان خریدنا

سوال[۶۸۹۶]: ایک اسلامی ادارہ میں ایک موقوفہ مکان ہے جس کا کرایہ (مثلاً: ۵۰) ماہانہ ہے اور وہ اس قدر خستہ حال پر ہے کہ کسی وقت بھی منہدم ہوسکتا ہے، ہر سال اس کی مرمت وغیرہ میں اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے، ادارہ کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ اس کو از سرِ نو تعمیر کرا سکے۔ کیا ایسی صورت میں اس موقوفہ مکان کو بیچ کر اس کی قیمت سے کوئی دوسری جائیداد خریدی یا بنوائی جاسکتی ہے اور اس کو اس موقوفہ مکان کا نام دیا جاسکتا ہے؟

اندازہ کیا گیا ہے کہ اس مکان کی اتنی قیمت مل سکتی ہے کہ اس سے خریداری یا بنوائی ہوئی جائیداد تقریباً ایک سو روپے ماہانہ پر اُٹھے گی۔

جمیل احمد رحمانی، مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ عالم نگر، سیتا پور۔

= "سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشترى بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

"وشرط في البحر خروجه على الانتفاع بالكلية، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۶/۴، سعيد)

"أما بدون الشرط أشار في السير أنه لايملك الاستبدال الا القاضي إذا رأى المصلحة في ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۰۶/۳، رشيديه)

(۱) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ اس کی مرمت میں روپیہ اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے اور جدید تعمیر کی گنجائش نہیں تو اس کی منفعت مفقود ہے، ایسی حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا مکان خرید کر وقف کر دیا جائے تو درست بلکہ قابلِ تحسین ہے، خاص کر جب کہ نوخرید کردہ مکان سے آمدنی نسبۃً زیادہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۶۸۹۷]: مخدومکرم بندہ جناب مولانا صاحب مدفیوضکم!

السلام علیکم.....................!

آپ کو معلوم ہے کہ حاجی عبدالقیوم صاحب مرحوم نے بزمانۂ حیات خود اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی تھی جس کا وقف نامہ آپ کے دفتر میں موجود ہے، کیونکہ منافع میں سے حصہ پانے والوں میں ایک آپ کا مدرسہ بھی ہے، وقف نامہ میں متولی مجھ کو کیا گیا ہے اور مجھ کو اختیارات متولی حسبِ صراحت وقف نامہ دیئے گئے ہیں۔ منجملہ جائیداد موقوفہ ایک مکان مسکونہ بھی ہے جس کی آمدنی اس وقت (مثلاً: ۲۰ روپے) ماہوار ہے۔ مکان مذکورہ سے بصورت موجودہ تاوقتیکہ کوئی کثیر رقم خرچ نہ کی جاوے اضافہ کرایہ کی بظاہر کوئی امید نہیں ہے۔

اس مکان سے ملحق مکان حافظ محمد صدیق صاحب وکیل مرحوم کا ہے، اس کے ورثاء بوجۂ تنگی اپنے مکان کے بصورتِ تبادلہ یا بیع معقول قیمت مکان موقوفہ کے دے سکتے ہیں اور یہ امید کی جاتی ہے کہ اگر زرِ بیع

---

(۱) "سئل عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقفٍ تهدم و لم يكن له شيء يعمر منه، ولا أمكن إجارته ولا تعميره .... أجاب: إن كان الأمر كذلک، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى استبدال الوقف و شروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۷/۵، رشيديه)

سے دوسری جائیداد خریدی جاوے تو اضافۂ آمدنی وقف ہو جاوے گا۔ وقف نامہ متولی کو جائیداد موقوفہ کے کسی طور پر منتقل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۱......سوال یہ ہے کہ آیا اس شرط کے ہوتے ہوئے قاضی یعنی ڈسٹرکٹ جج صاحب ایسے تبادلہ یا بیع کی اجازت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسی اجازت کی بنا پر انتقالِ مکانِ موقوفہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا ورثاء حصہ داران وحقداران وقف کی رضامندی لینا بھی ضروری ہوگا یا نہیں؟ یہ بھی قابلِ اظہار ہے کہ واقف کی حیات میں بھی سوال تبادلۂ مکان اٹھا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس وقت التوا میں پڑ گیا۔

۲......وقف نامہ مذکور میں جزوِ آمدنی پر فصل پر برائے مرمتِ مکان واخراجاتِ مقدمات وغرباء جمع کیا جانا درج ہے، لیکن کوئی تعیینِ مدت کہ کب تک جمع رکھی جاوے درج نہیں۔

وقف کو قریباً چار سال ہو گئے اور تقریباً دو سو روپیہ اس مد میں جمع ہو گئے، مقدمات کا کوئی امکان ظاہری نہیں اور مرمت مکان کے لئے جو فوری ضرورت ہے اس کے مقابلہ میں پس انداز رقم زیادہ ہے۔ اس صورت میں دریافت طلب یہ ہے کہ ایک حصہ فوری مرمت کے تخمینہ کے موافق رکھ کر باقی روپیہ ورثاء وحقدارانِ وقف کو تقسیم کر دینا جیسا کہ ورثاء کی خواہش ہے جائز ہوگا یا نہیں؟

۳......بوقتِ تحریر وقف نامہ واقف کے تین نبیرگان موجود تھے(۱)، چنانچہ واقف نے ان کے نام لکھ کر ان کے لئے حصہ منافع جائیداد میں مقرر کر دیا۔ بعد وفاتِ واقف دو پوتے اور ایک پوتی اور پیدا ہو گئے ہیں جن کے متعلق وقف نامہ میں صاف طور پر کچھ تحریر نہیں۔ کیا وقف نسلاً بعد نسل ہے، کیا اس صورت میں منافع بقدرِ حصہ رسدی ان کو بھی دیا جاسکتا ہے؟ وقف نامہ کی شرائط ملاحظہ فرما کر جواب سے جلد مطلع فرمایا جاوے۔

فضل الرحمٰن رئیس ومجسٹریٹ سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......واقف نے جب کہ وقف نامہ میں مکان وجائیداد موقوفہ کے ہر قسم کے انتقال کو صراحۃً منع کر دیا ہے تو متولی کو کسی طرح اس کے انتقال کا حق نہیں، البتہ اگر جائیداد بالکل نا قابلِ انتفاع ہو جائے تو شرعی قاضی کو

(۱) ''نبیرگان: نبیرہ کی جمع ہے، معنی: بیٹے کا بیٹا، پوتا''۔ (نور اللغات: ۱۴۹۰/۴)

''پوتا، نواسہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۰، فیروز سنز، لاهور)

اس کا استبدال چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

”هذا إذا شرط الاستبدال فی أصل الوقف، وأما إذا لم یشترط فقد یخصص برأی أول القضاة الثلثة المشار إلیه بقوله علیه السلام: ”قاض فی الجنة، وقاضیان فی النار“. المفسَّر بذی العلم والعمل، لئلا یحصل التطرق إلی إبطال أوقاف المسلمین، کما هو الغالب فی زماننا“. إسعاف(۱)۔

”والمعتمد أنه یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة، وأن لا یکون هناك ریع للوقف یعمر به، وأن لا یکون البیع بغبن فاحش، کذا فی البحر الرائق. وشرط فی الإسعاف أن یکون المستبدل قاضی الجنة المفسَّر بذی العلم، کذا فی النهر الفائق“. فتاوی عالمگیری: ۲/۹۹۱(۲)۔

اورصورتِ مسئولہ میں مکانِ مذکور قابلِ انتفاع ہے اور ایک رقم اس پر صرف کرنے کے بعد زیادہ آمدنی کی بھی امید ہے اور واقف نے مکان کی مرمت وغیرہ کے لئے ایک جزوِ آمدنی متعین کیا ہے جو کہ موجود بھی ہے،

---

(۱) لم أجد الإسعاف، وقال فی النهر: ”وشرط فی الإسعاف أن یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل .... وأنت خبیر بأن المستبدل إذا کان هو قاضی الجنة، فالنفس به مطمئنة ولایخشی الضیاع معه ولو بالدراهم والدنانیر، والله الموفق“. (النهر الفائق، کتاب الوقف: ۳/۳۲۰، رشیدیه)

”علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة“. (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، الخ: ۴/۴۴۵، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف: ۲/۴۰۱، رشیدیه)

”وشرط فی البحر: خروجه عن الانتفاع بالکلیة، وکون البدل عقاراً، والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل“. (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۸۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۵ رشیدیه)

لہذا اس مکان کا فروخت کرنا درست نہیں (۱)۔

۲......شرائطِ وقف نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکان کی ہر قسم کی ضروریات مرمت ومقدمہ وغیرہ کے لئے ایک جزوِ آمدنی کا جمع رکھنا ضروری ہے، لہذا اگر وہ جزوِ آمدنی اس قدر جمع ہے کہ مکان کی آئندہ ضروریات کے لئے کافی ہو کر بھی بچ جاوے تو زیادتی کو مستحقین پر صرف کرنا درست ہے، مکان کی حیثیت کے موافق مرمت اور مقدمہ کے اخراجات کا تعین متدین اور تجربہ کاروں کے ظنِ غالب سے ہوسکتا ہے:

"لو وقف ضيعةً على مسجد على أن ما فضل من العمارة، فهو للفقراء، فاجتمعت الغلة، والمسجد لا يحتاج إلى العمارة للحال، هل تصرف تلك إلى الفقراء؟ اختلفوا فيه، والمختار أنه لو اجتمع من الغلة مقدار مالو يحتاج المسجد والضيعة إلى العمارة يمكن العمارة منها وزيادة، صرفت الزيادة إلى الفقراء، ليكون جمعاً بين شرط الواقف و صيانة الوقف، كذا في محيط السرخسي". فتاویٰ عالمگیری: ۲/۲۳۳ (۲)۔

سوال نمبر: ۱میں مکان کے تبادلہ کی غرض زیادتی آمدنی ظاہر کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ: بصورتِ

---

(۱) "(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التمليك فلما بينا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲ رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه .... اهـ: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۰، رشيديه)

"قال الفقيه أبو الليث: والصحيح عندي أنه إذا اجتمع من الغلة مقدار ما احتاج المسجد والأرض للعمارة، يمكن العمارة منها وتبقى زيادة شئ من الغلة، تصرف الزيادة إلى الفقراء على ماشرط الواقف .... وهو المختار للفتوىٰ". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۶، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۸، رشيديه)

موجودہ تاوقتیکہ کوئی کثیر رقم خرچ نہ کی جاوے اضافہ کرایہ کی بظاہر کوئی امید نہیں''۔ سوال نمبر:۲ میں بیان کیا گیا ہے کہ ''رقم پس انداز زیادہ ہے''۔ پس اگر یہ رقم اتنی ہے کہ جس کو خرچ کر کے کرایہ کا اضافہ ہوسکتا ہے تب تو اس کو خرچ کر کے کرایہ کا اضافہ کرلیا جائے تاکہ واقف اور سائل دونوں کی غرض پوری ہوجاوے اور مکان فروخت کر کے دوسری جگہ خرید کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اگر یہ رقم اتنی نہیں کہ جس سے یہ غرض پوری ہوسکے تو اس کو زیادہ کہنا اور زیادتی کی وجہ سے تقسیم کا سوال کرنا بے محل ہے۔

۳...... گو وقف نسلاً بعد نسل ہے، لیکن واقف نے نمبر:۱ میں تحریر کیا ہے کہ ''میرے خاندان کے غریب اور حاجت منداشخاص کو فی روپیہ ایک آنہ گیارہ پائی آگے چل کر ۱۲/ میں ان اشخاص کے نام اس رقم کو ان پر تقسیم کردیا بلوغ تک بلا قید ان کو رقم ملے گی اور بلوغ کے بعد بشرطِ حاجت مندی''۔ لہٰذا اگر وہ نبیرگان بالغ نہیں ہوئے، یا بالغ ہوگئے، مگر وہ حاجت مند ہیں تو اس رقم کو ان کے لئے برابر جاری رکھا جائے (۱)۔

اور اگر حاجت مند نہیں رہے اس طرح کہ صاحبِ نصاب ہوگئے تو ان کے دوسرے بھائی بہنوں کے لئے بشرطیکہ وہ حاجت مند ہوں جاری کردیا جائے اور ان کے لئے بلوغ کی قید نہیں، بلکہ اگر حاجت مند ہیں تو تمام عمر یہ رقم ان کو دی جائے (۲)۔ اگر وہ بھی حاجت مند نہ ہوں تو خاندان کے دوسرے مستحقین کو یہ رقم دی جائے، البتہ نمبر (ی) میں ہے (☆) کہ ''میری اولاد وزوجہ میں نسلاً بعد نسل موجبِ شرع شریف تقسیم ہوگی''۔

---

(۱) "إذا قال: أرضي هذه صدقة على فقراء قرابتي، أو قال: على فقراء ولدي ومن بعدهم على المساكين، فهذا الوقف صحيح، والمستحق للغلة مَن كان فقيراً يوم تحقق الغلة عند هلال رحمه الله .... ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على المساكين من قرابتي أو على المحتاجين من قرابتي، كان الجواب فيه ماهو في قوله: على فقراء قرابتي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الرابع في الوقف على فقراء قرابته : ۲/۳۸۴، رشيديه)

(۲) "والفقير في هذا الباب من يعد فقيراً في باب الزكاة، هذا هو المشهور، كذا في الحاوي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۲/۳۸۵، رشيديه)

(☆) نمبر (ی) سے مراد بظاہر وقف نامہ کے اندر شقوں کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے ''ی'' میں جو کچھ لکھا گیا ہے، کیونکہ اصل نسخہ میں حروفِ تہجی کے ساتھ نمبر نہیں۔

ایک روپیہ میں سے ۶/ اس کے ماتحت اولادوزوجہ میں نسلاً بعد نسلٍ ایک روپیہ میں ۶/ کوموافق حصصِ شرعیہ برابر جاری رکھا جائے گا(۱) اس میں بلوغ یا حاجت مندی کی قید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۹/۱۲/۵۳ھ۔

۱- وقف نامہ میں اصل چیز یہ ہے کہ شرائطِ واقف جن کی واقف نے تصریح کی ہو، ان کا اتباع کیا جائے کہ ''شرط الواقف کنص الشارع'' کتبِ فقہ، باب الوقف میں منجملہ مسلمہ اصولِ موضوعہ میں سے ہے(۲)۔ البتہ جن شرائط کی تصریح واقف نے نہ کی ہو، یا مبہم اور مجمل چھوڑ دیا ہو، ان میں قاضی کے اجتہاد اور تصرف کی گنجائش ہے۔ وقف نامہ ہذا میں مصارف اور شرائط کو بالکل واضح کر دیا ہے، مجمل نہیں چھوڑا۔

اور جن صورتوں میں فقہاء کے کلام سے قاضی کو تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے، وہ خاص خاص صورتوں میں ہے، مثلاً: موقوفہ چیز کا بالکل قابلِ انتفاع نہ رہنا، جو صورت مسئولہ میں مفقود ہے، باقی تبادلہ انفع چیز سے جو موقوفہ چیز سے زیادہ نافع ہو محض انفع ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی، بالخصوص جب کہ واقف نے تبادلہ کی ممانعت کر دی ہو، لہذا صورتِ مسئولہ مذکورہ بالا میں حسبِ تصریحِ فقہاء وحسبِ تصریحِ شرائطِ وقف نامہ کے گنجائشِ تبدیل نہیں اور متولی یا قاضی کو بھی حقِ تبادلہ حاصل نہیں۔

نیز ان قیود وشرائط کے ساتھ میں جن کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے اس قاضی کو اجازت ہے جو قاضی شرعی ہو یعنی قاضی مسلم، عالم باعمل ہو، ہر قاضی یا اس کے قائم مقام کو اجازت نہیں۔

۲- کے متعلق یہ ہے کہ وقف نامہ میں تصریح ہے کہ ''مرمتِ مکان ومقدمات اور ضروریات متعلق مکان کے لئے رقم بدستور جمع رہے گی''۔ اور اس قسم کی ضروریات کا کوئی وقت مقرر نہیں، لہٰذا حسبِ تصریحِ واقف اس رقم کو کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرنا درست نہ ہوگا(۳)۔ اور کسی مصرف سے کسی رقم کو زائد کہنا اس وقت

---

(۱) "وإن قال: علی ولدی و ولد ولدی وولد ولد ولدی –ذکر البطن الثالث– فإنه تصرف الغلة إلی أولاده أبداً ما تناسلوا، ولا یصرف إلی الفقراء ما بقی أحد من أولاده وإن سفل". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۳/۳۲۰، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف .... اهـ: ۴/۴۳۳، سعید)

(۳) "فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالک، فله أن یجعل ماله حیث شاء مالم یکن =

درست ہوسکتا ہے کہ وہ رقم اس قدر تعداد پر پہونچ گئی ہو کہ بداہۃً وظاہراً زائد معلوم ہوتی ہو، یا اس مرمت جس کی طرف مکان مذکور محتاج ہے اور سوال میں اس کی ضرورت تسلیم ہے اس کی تشریح ہوکر اور کسی معمار یا مستری ثقہ اور معتبر سے اس کا اندازہ معلوم ہوجائے اور پھر موجودہ رقم سے زائد بچے۔

نیز جب وقف نامہ میں تحدید نہیں کی گئی کہ اتنی مدت تک اگر رقم خرچ نہ ہوسکے، اس رقم زائد کو ورثاء پر تقسیم کیا جائے، بلکہ دوسرا مصرف اس کا متعین کیا گیا۔ ایسی صورت میں شرائطِ واقف کی مخالفت لازم آتی ہے جو صحیح اور درست نہیں۔ علاوہ اس کے اگر اس چار سال کی مدت کو زائد قرار دیا جاسکتا ہے اور ورثاء پر تقسیم ہونے کا دعویٰ یا خواہش کی جاسکی ہے، اندریں صورت سوائے ایک سال کی آمدنی کے اس مد میں کوئی آمدنی جمع نہ ہوسکے گی اور یہ امر صریح شرائطِ وقف نامہ کے خلاف ٹھہرا، لہٰذا اس مد کو ورثاء پر خرچ کرنے کی گنجائش نہیں۔

عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تتمۂ سوال بالا

سوال[۶۸۹۹]: سلسلۂ عریضۂ سابقہ سوال نمبر:۳ میں یہ غلط درج ہوگیا کہ ''واقف کے انتقال کے بعد دو پوتے اور ایک پوتی اَور پیدا ہوگئی''۔ اصل میں پوتی بزمانۂ حیاتِ واقف موجود ہے اور پوتے بعد میں پیدا ہوئے، مگر واقف نے پوتی کا نام باوجود موجودگی وقف نامہ میں صراحۃً درج نہیں کیا ہے۔ اس کو ملحوظ رکھ کر جواب ارسال فرمایا جاوے۔

محمد فضل الرحمٰن۔

جوابِ تتمه:

پوتی جب کہ واقف کے سامنے ہی موجود تھی اور واقف نے کوئی حصہ اس کے لئے نبیرگان کے ساتھ متعین نہیں کیا تو وہ نبیرگان کے ساتھ اس رقم میں شریک نہیں ہوسکتی (۱)، البتہ نبیرگان بعد بلوغ اگر حاجت مند نہ

= معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الوقف معتبرة .... اهـ: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۱) "أرضي صدقة موقوفة على أولادي .... و ما دام يوجد من ولد الصلب يصرف له، فإذا انقرضوا، فإلى الفقراء لا إلى ولد الولد". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الخامس في الوقف على الأولاد، الخ: ۶/۲۷۲، رشيديه)

رہیں تب پوتی کو دوسرے مستحقین میں بشرطِ حاجت مندی شمار کیا جاسکتا ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مسجد کے نام وقف زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کرنا

سوال[۶۹۰۰]: ایک زمین مسجد کے نام وقف ہے جو مسجد سے الگ کچھ فاصلہ پر ہے، مسجد کو اس سے فائدہ کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ آبادی کے اندر اور گھروں کے گھراؤ میں بھی پڑتی ہے۔ ایک صاحب کو مکان بنانے کے لئے اس زمین کی ضرورت ہے اور وہ زراعت والی زمین جو اس سے دوگنی ہے مسجد کو بدلہ دے رہے ہیں، اس سے مسجد کی آمدنی بھی بڑھ جائے گی۔ تو تبدیلی شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور زائد زمین لینا سود تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین سے مسجد کو نفع حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو تبدیل کرنا اور نفع والی زمین مسجد کے لئے حاصل کرنا درست ہے(۱)، اس زمین کے زائد ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۷/۳/۷ھ۔

---

(۱) "والثاني: أن لايشرطه، سواء شرط عدمه أو سكت، لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلاً، أو لا يفي بمؤنته، فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدل الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۲/۵، ۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، مطلب: شروط الاستبدال: ۴۰۰/۲، ۴۰۱، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي وهو الكيل والوزن، فليس الذرع والعد بربا". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فليس الذرع والعد بربا) : أي بذي ربا أو بمعيار ربا، فهو على حذف مضاف، أو الذرع والعد بمعنى المذروع والمعدود: أي لا يتحقق فيها ربا، والمراد ربا الفضل لتحقق ربا النسيئة، فلو باع خمسة أذرع من الهروي بستة أذرع منه أو بيضةً ببيضتين، جاز لويداً بيد، لا لو نسيئةً؛ لأن وجود الجنس فقط يحرم النسأ لا الفضل كوجود القدر فقط". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۶۹/۵، ۱۷۰، سعيد)

مسجد کی موقوفہ زمین کو بدلنا

سوال[۶۹۰۱]: مسجد کی وقف شدہ ایک بیگہ زمین کے بدلہ دو بیگہ زمین دینا اپنی سہولت کے لئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین موقوفہ مسجد میں لینا درست نہیں، اگر اس کے عوض دو چند زمین مسجد کو دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۰ھ۔

مسجد کے لئے وقف کردہ شئی کا ردو بدل کرنا

سوال[۶۹۰۲]: مسجد کی وقف کی ہوئی چیزیں مسجد کے فائدہ کے لئے ردّو بدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں شرعی طور پر وقف ہو جائیں اس کو فروخت کرنا درست نہیں (۲)، ہاں! اگر وہ بالکل ہی قابلِ

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

"والثالث: أن لا يشترطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، و بدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، و هذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك و لا يعار و لا يرهن". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

انتفاع نہ رہے تو ایسی حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایسی ہی کارآمد شئی مسجد کے لئے خرید کر وقف کردی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۹ھ۔

ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۶۹۰۳]: ۱......کسی جائیداد کو ایک مصرفِ خیر کے لئے وقف کردیا گیا، اس کے بعد اس وجہ سے کہ دوسری جگہ اس کی ضرورت زیادہ ہے، تو اس جائیداد کو دوسری طرف منتقل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲......ایک شخص کی زمین پر دوسرے شخص کا غاصبانہ قبضہ ہے، اس کو مالک نے جامع مسجد کے نام وقف کردیا اور کہہ دیا کہ متولی جانے، میں تو وقف کر چکا۔ اس کی مالیت ایک ہزار روپیہ کی ہوگی، لیکن وہ شخص قبضہ نہیں چھوڑتا اور ایک ہزار روپیہ کے بجائے دو ہزار روپیہ دینے کو تیار ہے۔ تو اس کو فروخت کر کے جامع مسجد میں ناکارہ جائیداد کو کارآمد بنالیں، یا دوسری جائیداد خرید لے اور جامع مسجد ہی کے لئے ذریعہ آمدنی بنالیں۔

---

(۱) "و ذکر أبو اللیث فی نوازلہ: حصیر المسجد إذا صار خلقاً واستغنی أهل المسجد عنه، و قد طرحه إنسان، إن کان الطارح حیاً فهوله، وإن کان میتاً و لم یدَعْ له وارثاً، أرجو أن لا بأس بأن یدفع أهل المسجد إلی فقیر أو ینتفعوا به فی شراء حصیر آخر للمسجد. والمختار أنه لا یجوز لهم أن یفعلوا ذلک بغیر أمر القاضی، کذا فی محیط السرخسی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به: ۴۵۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعید)

"وکذا لو اشتری حشیشاً أو قندیلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، کان ذلک له إن کان حیاً، ولوارثه إن کان میتاً. وعند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ یباع ویصرف ثمنه إلی حوائج المسجد، فإن استغنی عنه هذا المسجد یحول إلی المسجد الآخر". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۴۲۳/۵ رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۸۴۷/۵، إدارة القرآن کراچی)

یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......دوسری جگہ اس حالت میں منتقل کردینا شرعاً درست نہیں (۱)۔

۲......ایسی مجبوری میں اگر متولی دو ہزار روپیہ لے کر کوئی اَور جائیداد جامع مسجد کے لئے وقف کردے تو درست ہے:

" و لو صارت الأرض بحالٍ لا ینتفع بها، والمعتمد أنه بلا شرطٍ، یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة، وأن لا یکون هناك ریع لوقف یعمر به، وأن لا یکون البیع بغبن فاحشٍ". شامی: ٣/٣٨٨(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/٣/٨٩ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/٣/٨٩ھ۔

---

(۱) "ولا یجوز تغیر الوقف عن هیئته، فلا یجعل الدار بستاناً، ولا الخان حماماً، ولا الرباط دکاناً، إلا إذا جعل الواقف إلى الناظر ما یرى فیه مصلحة الوقف، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الرابع عشر فی المتفرقات: ٢/٤٩٠، رشیدیه)

"ولا یجوز للناظر تغیر ضیعة الواقف کما أفتى به خیر الرملی والحانوتی و غیرهما، فکیف تباع العین بلا مسوغ شرعی". (تنقیح الفتاوى الحامدیة، کتاب الوقف: ١/١١٥ المطبعة المیمنیه مصر)

"(فإذا تم ولزم، لایملک ولایملک و لا یعار و لا یرهن)". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/٣٥١، ٣٥٢، سعید)

(٢) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الإدخال والإخراج: ۴/٣٨٦، سعید)

"الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین، فللقاضی أن یبیعه و یشتری بثمنه غیره، ولیس ذلک إلا للقاضی". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ٥/٣٦٧، رشیدیه)

"لا یجوز استبدال العامر إلا فی الأربع". (الدرالمختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: إلا فی أربع) .... الثالثة: أن یجحده الغاصب و لا بینة: أی و أراد دفع القیمة، فللمتولی أخذها، یشتری بها بدلاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لایستبدل العامر إلا فی أربع: ۴/٣٨٨، سعید)

مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۶۹۰۴]: ایک شخص نے ایک مکان مسجد کے نام وقف بذریعۂ عدالت کر دیا تھا جس کو تقریباً ۲۰،۲۲/ سال گزر چکے ہیں، اس وقت انتظامیہ کمیٹی اختر مسجد کے چند ممبران نے بلاکسی مشورہ سے اس مکان سے کرایہ دار کو بذریعۂ عدالت نکال دیا اور وہاں مدرسہ تعمیر کرانے لگے اور جو کچھ مسجد کی آمدنی تھی وہ ختم ہوگئی۔ تحریر کریں کہ جائز ہے یا ناجائز شرعاً طریقہ سے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کے وقف شدہ مکان پر مدرسہ تعمیر کرا کے مسجد کی آمدنی ختم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

مدرسہ کے لئے مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا

سوال[۶۹۰۵]: کیا مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے عمارت تعمیر کر کے بلاکسی معاوضہ کے مدرسہ کے تصرف میں لینا جائز ہے، یا مدرسہ کا فنڈ علیحدہ جمع کر کے مدرسہ تعمیر کرنا چاہیے؟

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة، إذا لم تخالف الشرع، و هو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء، مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۳۴۳/۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أى في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به، فيجب عليه".

(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

"البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناءً ووقفها على تلك الجهة، يجوز بلا خلاف تبعاً لها، فإن وقفها على جهة أخرى، اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لا يجوز، كذا في الغياثية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه و ما لا يجوز، الخ: ۳۶۲/۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے عمارت تعمیر کرکے بلاکسی معاوضہ کے مدرسہ کے تصرف میں لانا جائز نہیں، مدرسہ کے فنڈ سے جداگانہ تعمیر کی جائے (۱)۔ مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا ہو تو مشورہ کے بعد اس کا کرایہ مقرر کرکے تعمیر کریں (۲)، زمین مسجد کی رہے اور تعمیر مدرسہ کی رہے اور زمین کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے مسجد کو

---

(۱) "فإن كان الوقف معيناً على شئ يصرف إليه بعد عمارة البناء، كذا في الحاوي القدسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول فيما يكون مصرفاً للوقف: ۳۶۸/۲، رشيديه)

"قالوا: إن كان الوقف على مصالح المسجد، جاز للقيم ذلك؛ لأن هذا من مصالح المسجد. وإن كان الوقف على عمارة المسجد، لايجوز؛ لأن هذا ليس من عمارة المسجد، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. والأصح ماقال الإمام ظهير الدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسحد سواء، كذا في فتح القدير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكذا لوسكن دارالوقف بغير أمر القيم وبغير أمر الواقف، وكذا لو رهن الوقف حين لم يصح، فسكنه المرتهن يجب أخبر المثل سواء أعدّ للاستغلال أولا (الغياثية)

قال الصدر الشهيد حسام الدين: "هو المختار للفتوىٰ". (الفتاوىٰ الأنقروية، كتاب الوقف، الثامن في التصرفات المتولي وضمانه وفيما يقبل: ۲۳۴/۱، دارالإشاعة العربيه قندهار افغانستان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۲۰/۲، رشيديه)

"وإذا دفع أرض الوقف مزارعة، يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر مالا يتغابن الناس فيها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۲۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۰/۵، رشيديه)

دیا جائے، یا تعمیر بھی مسجد کے روپے سے ہو تو پھر وہ تعمیر بھی مسجد ہی کی ہوگی اور مدرسہ کرایہ دیتا رہے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو جگہ مدرسہ کی نیت سے خریدی اس کو مسجد یا اَور کسی کارِ خیر کے لئے وقف کرنا

سوال[۶۹۰۶]: ایک مخیّر اور سخی حنفی سنی شخص نے ایک کھلی جگہ -جس کی قیمت اسٹامپ پر ڈھائی ہزار روپے ہے- مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدی، اب وہ شخص یہ جگہ یا اس کی قیمت مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ ازروئے شرع یہ فعل کیسا ہے، اور اس کا اجر وثواب ہے یا نہیں؟

خانپور میں ایک فیاض ہستی نے ایک کھلی جگہ اپنی اہلیہ کے نام سے خریدی اور یہ ارادہ کیا کہ مدرسہ یا انجمن کو وقف کردیں گے، جہاں یتیم اور مفلس بچوں کی تعلیم کا پروپیگنڈہ تھا۔ تقریباً آٹھ نو سال سے یہ جگہ خالی پڑی ہے، نہ مدرسہ قائم ہوا اور نہ انجمن، البتہ نمائش کے طور پر چندے سے ہی دوسری جگہ ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی کی گئی، مستقبل میں بھی مدرسہ یا انجمن قائم ہونے کا امکان نہیں، کیوں کہ خانپور کی زمین موزوں نہیں اور نہ یہاں مدرسہ یا انجمن چلنے کے لئے آسانیاں فراہم ہیں۔

مسلمانوں کے صرف تین سو گھر ہیں، نیز شہر قریب نہیں جس کی وجہ سے کسی یونیورسٹی یا دارالعلوم یا انجمن کا قیام ناممکن ہے، مدرسہ یا انجمن کا نام لیکر چندہ اٹھانا پیشہ بن گیا ہے۔ چند افراد کا منظّم پروگرام جس سے چند غیر مستحق حضرات کی شکم پری مقصود ہے(۲)۔ ایسی صورت میں وہ فیاض شخص خان پور میں ہی یہ جگہ، یا اس کی قیمت

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "شکم: پیٹ، بطن"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۶، فیروز سنز، لاهور)

"پُری: بھرجانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۹۳، فیروز سنز لاهور)

مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ مسجد کی آمدنی قلیل ہے، مسجد کے مصارف پورے نہیں ہوتے، نیز مسجد کی چند دوکانیں جس کے کرایہ سے مسجد کے اخراجات میں مدد ملتی ہے، خستہ حالت میں ہیں، اگر جلد تعمیر یا مرمت نہ ہوئی تو گرنے کا احتمال ہے۔ مسجد کی کوئی دوسری آمدنی نہیں ہے جس سے یہ ضرورتیں پوری کی جاسکیں اور دوکانوں کی مرمت کرکے ان کو گرنے سے بچایا جاسکے۔

ایسی ضرورت کی حالت میں یہ جگہ اور اسکے ساتھ زیادہ رقم شامل کرکے مسجد اور اس کی آمدنی بڑھانے کے لئے وقف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

۱...... یہ کھلی اور خالی جگہ یا اس کی قیمت مسجد کے لئے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... نام نہاد مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدنے کے بعد مسجد کے لئے وقف کرنا مستحق ہے یا نہیں؟

۳...... کسی مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدنے کے بعد مسجد کے لئے وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟

۴...... انجمن یا مدرسہ موجود ہوا اور وہاں حاجت نہ ہو تو یہ جگہ کسی دوسرے کارِ خیر میں صرف کرنا کیسا ہے؟

۵...... انجمن یا مدرسہ بھی ہے اور مسجد بھی، کیا مسجد کو مقدم رکھنا گناہ ہوگا؟

۶...... خان پور کے بجائے دوسرے کسی شہر میں انجمن یا مدرسہ کو وقف کرنے کے بجائے خان پور میں ہی مسجد کے لئے یہ جائیداد وقف کرنا ناجائز تو نہیں؟ آمدنی بڑھنے کی صورت میں بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ کے امکانات ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مدرسہ یا انجمن کی نیت سے خریدنے کے بعد بھی وہ جگہ خریدار کی ملک میں ہے(۱) محض نیت سے

---

(۱) "لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال و الملک، الخ: ۴/۵۰۲ سیعد)

"أرض فی ید رجل یدّعی أنها له، أقام قومٌ البینة أن فلاناً وقفها علیهم، لم یستحقوا شیئاً؛ لأنه=

مدرسہ یا انجمن پر وقف نہیں ہوئی (۱)، اب اگر اس کے نزدیک مسجد کے لئے وقف کرنا زیادہ مفید ہو تو مسجد پر وقف کردینے کا اس کو حق حاصل ہے (۲)۔

۲...... جب وہاں نہ مدرسہ ہے نہ انجمن جو کہ مدرسہ بنائے اور چلائے تو پھر مسجد میں ہی وقف کردے (۳)۔

۳...... نمبر: ا میں جواب آ گیا۔

۴...... اگر وہاں حاجت نہ ہو تو دوسرے کارِ خیر میں وقف کردینا بہتر ہے (۴)۔

= قد يقف مالا يملك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب السادس في الدعوى الخ، الفصل الثاني في الشهادة: ۲/۴۳۸، رشيديه)

(۱) "و الملك يزول عن الموقوف بأربعة .... أوبقوله: وقفتها في حياتي و بعد و فاتي مؤبداً".

(تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، ۳۴۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "ولأن الوقف ليس إلا إزالة الملك عن الموقوف، وجعله لله تعالىٰ خالصاً، فأشبه الإعتاق، وجعل الأرض أوالدار مسجداً". (بدائع الصنائع للكاساني، كتاب الوقف والصدقة، شرائط جواز الوقف: ۵/۳۲۷، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علماً علمه ونشره .... أو مسجداً بناه، أو بيتاً لابن السبيل بناه". (سنن ابن ماجة، باب ثواب معلم الناس الخير، ص: ۲۲، قديمي)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۶/۳۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وقد وقف رسوُل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ووقف أصحابه المساجدَ والأرض والآبار".

(فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۵۱۷، مكتبة دارالكتاب العربي)

(۴) "وفي القنية: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلىٰ مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۴، رشيديه)

"وما فضل من من ريع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صُرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد".=

۵......گناہ تو بالکل نہیں۔

۶......ناجائز نہیں، جوصورت اَنفع ہو اس کو اختیار کرلیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے کی صورت

سوال[۶۹۰۷]: مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا کیسا ہے؟ اور کسی مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو تو کیسے کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو، اور وہاں مدرسہ بنانے کی ضرورت ہو تو مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اس کو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کردیا کریں۔ یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے کہ زمین مسجد کو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کردیا جایا کرے اور عمارت مدرسہ کی ہو، مسجد کی توسیع کے لئے آس پاس کی زمین خرید لی جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۱۴۰۱ھ۔

= (فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۵۲۹، مكتبه دارالكتب العربي بيروت)

"وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلىٰ رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، و يحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

فیضِ عام کے لئے وقف شدہ زمین کو مسجد کے لئے منتقل کرنا

سوال[۶۹۰۸]: زید نے چند مکانات فیضِ عام ہائی اسکول کے لئے وقف کئے تھے جس کو عرصہ ۳۰/سال کا ہوگیا جس میں ایک مکان کچا بوسیدہ تھا جس کی کل زمین ۸/گز لمبی اور ۶/گز چوڑی تھی، اب وہ عرصہ ہوا کہ کوٹھا گر گیا اور زمین پڑی ہوئی ہے، اس کے تعمیر کرنے میں دو ہزار روپے کا خرچ ہے، ہائی اسکول کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ یہ جگہ کورٹ کے قریب ہے آئندہ یہ جگہ کورٹ کی نذر ہونے والی ہے اس لئے اہل محلّہ چاہتے ہیں کہ اس اراضی کو مسجد میں منتقل کرالی جائے تا کہ واقف کو ثواب بھی پہونچے اور جگہ بھی محفوظ ہو جائے۔ کیا یہ منتقلی جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ۸/گز لمبی زمین اور ۶/گز چوڑی زمین اس موقع پر مسجد ہی کے کس کام میں آئے گی، تاہم اگر وقف اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ضائع ہو جائے گا تو ایسی مجبوری کی حالت میں یہ صورت شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صُرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد". (فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۵۲۹، مكتبة دارالكتب العربي بيروت)

"وحكي أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلىٰ رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، و يحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

"وفي القنية: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلىٰ مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۴، رشيديه)

بیر موقوفہ کا سامان نئی تعمیر میں

سوال[۶۹۰۹]: ایک مسجد کے قریب ایک کنواں ہے جس کو ایک تھانیدار نے زمینداروں سے لیکر رفاہ عام کے لئے آباد کیا تھا، کچھ عرصہ کنواں جاری رہا، پھر اس تھانہ دار کی تبدیلی پر دوسرے تھانہ دار نے جاری کرنے پر غور نہ کی اور سامان چوبی اکثر لوگوں نے اکھیڑ کر جلا دیا اور کچھ سامان بچ گیا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر بچا ہوا سامان مسجد شریف کی تعمیر میں لگایا جائے تو شرعاً اجازت ہے یا نہ؟ اگر بعینہ نہ لگ سکے تو اس کو فروخت کر کے اس رقم کو محفوظ رکھیں اور دوسری جگہ سے قرضہ لیکر مسجد میں لگا دیں اور اس رقم سے قرضہ اتار دیں، یہ کس طرح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ کنواں آباد ہے اور اس کی ضرورت ہے تو وہ سامان اسی کنویں میں صرف کرنا چاہئے، اگر وہ غیر آباد ہے اس کی ضرورت نہیں رہی، دوسرا کنواں موجود ہے تو پھر اس سامان کو کسی قریب کے دوسرے کنویں میں حسبِ ضرورت صرف کر دیا جائے، مسجد میں صرف نہ کیا جائے، لیکن اگر کسی دوسرے کنویں میں ضرورت نہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اس بقیہ سامان کو بھی دوسرے لوگ اٹھا کر لے جاویں گے تو پھر اس کو مسجد کی عمارت وغیرہ میں لگانا درست ہے۔

بہتر یہ ہے کہ وہ سامان فروخت نہ کیا جائے، بلکہ بعینہ مسجد میں لگایا جائے۔ اگر وہ کارآمد نہ ہو تو اس کی قیمت خرچ کی جاوے، هكذا يفهم من ما في ردالمحتار: ۳/۵۷٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/۶/۵۷ھ۔

---

(۱) "وكذا (الرباط والبئر إذالم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر)". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إلى أقرب مسجد أو رباط، الخ) -لف ونشر مرتب- وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلىٰ حوض و عكسه. وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد) .... =

جو زمین مزار کے لئے وقف ہے، اس کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا

سوال[۶۹۱۰] : ا......موضع سرسادہ میں ایک بہت پرانا مزار حضرت مخدوم جی صاحب کا ہے۔ علاقہ میں ان کے نام پر زمین ہے۔ حضرت مخدوم جی کا سالانہ میلہ بھی لگتا ہے اور بدعاتِ سیئہ اور دوسری خرافات بھی ہوتی ہیں، وہاں پر کوئی لنگر خانہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی کچھ خرچ ہے۔ اب وقف کردہ زمین کی آمدنی حضرت مخدوم جی کی کمیٹی کو دینی چاہیے یا اپنے گاؤں کی مسجد میں لگانی چاہیے، جب کہ مسجد کا خرچ مقامی مسلمانوں سے برداشت نہیں ہوتا؟

ایضاً

سوال[۶۹۱۱] : ۲......وقف کردہ زمین کے سرہانوں پر جو درخت لگائے گئے ہیں، وہ اس زمین سے باہر بلکہ سڑک اور زمین کی ڈول (۱) پر واقع ہیں، ان کو بیچ کر مسجد میں لگالیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ا......بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کے متعلق قرآن کریم کا مدرسہ قائم کردیا جائے اور اس زمین کی آمدنی سے مدرس کو تنخواہ دی جائے، وہ مدرس امام ہو یا کوئی اَور۔ اس سے مسجد بھی آباد رہے گی، دینی تعلیم بھی ہوگی اور صاحب مزار کو اس کا ثواب بھی پہونچتا رہے گا جو کہ واقف کا اصل منشاء ہے (۲)۔

= "رباط بعيد استغنى عنه المارّة وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبوالشجاع: يصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية، فرفع ذلک إلى القاضي، فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر، جاز". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(۱) "ڈول: ڈولا، کھیت کی باڑ، مینڈھ، کھیت کی چاردیواری"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۸۲، فيروز سنز لاهور)

(۲) "وحكي أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلىٰ رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلک بالثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد) .... =

۲......اگر وہ درخت بصورت موجودہ آمدنی کا ذریعہ نہیں ہیں تو ان کو فروخت کر کے نمبر:۱- کے مصرف میں صرف کریں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۹۲ھ۔

ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ صرف کرنا

سوال[۲۹۱۲]: ایک شخص کچھ زمین وقف کرتا ہے، واقف کی نیت مطلق دینی مصرف میں خرچ کرنا ہے، لیکن وقف کرتے وقت اس معاملہ پر کوئی دینی مصرف نہ ہونے کی وجہ سے وقف شدہ جائیداد کو مسجد کے نام

= "وفی القنیة: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضی أن یصرف أوقافه إلیٰ مسجد آخر". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۴۲۴/۵، رشیدیه)

"رباط بعید استغنی عنه المارّة، وبجنبه رباط آخر، قال السید الإمام أبوشجاع: تصرف غلته إلیٰ الرباط الثانی". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، فصل فی المقابر والرباطات: ۳۱۱/۳، رشیدیه)

"رباط یستغنی عنه و له غلة، فإن کان بقربه رباط، صرفت الغلة إلی ذلک الرباط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشیدیه)

(۱) "فی مجموع النوازل: سئل نجم الدین عن أشجار فی مقبرة: هل یجوز صرفها فی عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تکن وقفاً علی وجه آخر". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۸۷۵/۵ إدارة القرآن کراچی)

"وإن لم یعلم الغارس، فالرأی فیها یکون للقاضی، إن رای أن یبیع الأشجار ویصرف ثمنها إلیٰ عمارة المقبرة، فله ذلک، ویکون فی الحکم کأنها وقف". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، فصل فی الأشجار: ۳۱۱/۳، رشیدیه)

"وإن غرس للمسجد، لا یجوز صرفها إلا إلیٰ مصالح المسجد الأهمّ فالأهمّ کسائر الوقوف، وکذا إن لم یعلم غرض الغارس، اهـ. ومقتضاه فی البیت الموقوف إذا لم یعرف الشرط أن یأخذها المتولی لبیعها و یصرفها فی مصالح الوقف". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

سپرد کردیا۔ جائیداد کی آمدنی اتنی ہے کہ ضروریاتِ مسجد پوری ہونے کے بعد بچ جاتی ہے۔ دینی مدرسہ میں یتیم، غریب طلباء تعلیم پاتے ہیں اس میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ امید ہے کہ صحیح جواب ارقام فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب واقف نے جائیداد مطلق دینی مصرف میں خرچ کرنے کے لئے وقف کردی اگرچہ زبانی کیا تو یہ وقف صحیح ہوگیا(۱)، اس کے بعد کسی کو کسی ایک مصرف کے لئے تخصیص وتعیین کرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ اس موقوفہ جائیداد کو مسجد ودینی مدارس اور دیگر دینی مصرف میں خرچ کرنا درست ہے:

"وفي الإسعاف: ولا يجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد. وفي فتاوى الشيخ قاسم: وما كان من شرط معتبر في الوقف، فليس للواقف تغييره و لا تخصيصه بعد تقرره، ولا سيما بعد الحكم، فقد ثبت أن الرجوع عن الشرط لا يصح". شامی: ۳/۹۷، (۲)۔

لیکن اگر پہلے تخصیص کی نیت نہیں کی، مگر وقف کرتے وقت تخصیص مسجد کی کردی تو اب دوسری جگہ صرف کرنے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثم إن أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه و ركنه، الخ: ۲/۳۵۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يجوز الرجوع عن الشروط: ۴/۴۵۹، ۴۶۰، سعيد)

"لو اشترط في الوقف أن يزيد في وظيفة مَن يرى زيادته .... ثم إذا زاد أحداً منهم شيئاً أو نقصه مرةً، أو أدخل أحداً أو أخرجه، ليس له أن يغيره بعد ذلک؛ لأن شرطه وقع على فعلٍ يراه، فإذا راٰه وأمضاه، فقد انتهى ما راٰه إلا لشرطه". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"قلت: فإن زاد أحداً منهم شيئاً مما سمى له، أو أخرج منهم أحداً، أو أدخل أحداً، أو نقص أحداً .... قال: إذا فعل ذلک مرةً، فليس له أن يغير ذلک؛ لأن الرأى إنما هو على فعلٍ يراه، فإذا راٰه و أمضاه، فليس له بعدذلک أن يغيره". (أحكام الأوقاف للخصاف، ص: ۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أورجلٌ مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، =

ایک وقف کودوسری جگہ خرچ کرنا

سوال[۲۹۱۳]: یہاں پر چونکہ الگ الگ مسجدوں کے اوقاف ہیں، لیکن چندآ دمیوں نے مل کر تقریباً دس مسجدوں کے اوقاف اکٹھے کر کے ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے لگے۔ تو (کیا) یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

واقف نے جو جائیداد جس مسجد کے لئے جداگانہ وقف کی ہے، اس کی آمدنی اس مسجد میں صرف کی جائے، دوسری مسجد میں صرف نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

= (لا) يجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لا يحوز له ذلك): أى الصرف المذكور ....

قال الخير الرملى: أقول: و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهى واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أنقاض المسجد و نحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجلٌ مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لا يجوز له ذلك): أى الصرف المذكور. تنبيه: قال الخير الرملى: أقول: و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهى واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أنقاض المسجد و نحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولى الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً ومسجداً، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف. وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة، يتبع شرط الواقف. وقد علم بهذا التقرير إعمال العلتين: الإحياء و رعاية شرط الواقف، هذا هو الحاصل من الفتاوى". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع فى وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

مسجد کے لئے وقف زمین کوفروخت کر کے مدرسہ میں لگانا

سوال[۶۹۱۴]: محلے کی مسجد کا ذریعۂ آمدنی نہ ہونے کی بناپر ایک صاحبِ خیر نے مسجد کی آمدنی کی غرض سے زمین کا ایک قطعہ دکانیں بنانے کے لئے مسجد کے نام وقف کر دیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صاحبِ خیر نے ایک دوسرا قطعۂ زمین خرید کر پانچ دوکانیں بنا کر اس مسجد مذکور کے نام وقف کر دی ہیں، اب مسجد کافی سے زیادہ خود کفیل ہو چکی ہے۔ اب مسجد کے متولی صاحب پہلے قطعہ کوفروخت کر کے اس کی قیمت اسی مسجد کے مدرسہ کے تعلیمی فنڈ میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ کیا مسجد کی رقم تعلیمی فنڈ میں استعمال کی جاسکتی ہے، یا متولی صاحب کے لئے اس سے پہلے قطعۂ زمین کوفروخت کرنا جائز ہے؟ اس کی قیمت کے استعمال اور اس کوفروخت کرنے نہ کرنے کا سوال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قطعۂ زمین دوکانیں بنانے کے واسطے مسجد کے لئے وقف کر دیا ہے، اس کوفروخت کر کے اس کی رقم کو مدرسہ کے تعلیمی کام میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں اگر چہ وہ مدرسہ اسی مسجد سے متعلق ہو: ''فإذا تم و لزم، لا یملك ولا یعار ولا یرهن''(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۹۱ھ۔

موقوفہ زمین کی بیع

سوال[۶۹۱۵]: تقریباً چالیس سال قبل ایک شخص نے کچھ زمین دینی درسگاہ کے لئے وقف کی تھی، اس کے بعد اس زمین کے اندر مدرسہ کا مکان بھی تعمیر ہو گیا تھا، وقف کرنے کے پانچ یا سات سال کے بعد

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

''قوله: (لم یجز بیعه و لا تملیکه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التملیک، فلما بیّنا من قوله علیه السلام: ''تصدق بأصلها، لا یباع و لا یورث و لا یوهب''. (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه و رکنه و سببه، الخ: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

حادثہ میں یہ مدرسہ بالکل نابود ہوگیا جس کی بنا پر مدرسہ کے متولی صاحب نے یہ زمین اور مکان فروخت کردی، وقف کنندہ نے زمین خرید لی۔ اس کے بعد مدرسہ کی دوسری وقف شدہ زمین کے ساتھ ساتھ سرکار کے محصول ادا نہ ہونے کی بناء پر گورنمنٹ نے یہ زمین نیلام کردی، دوسرے ایک شخص نے گورنمنٹ سے خرید لی، وقف کنندہ نے اس شخص سے گفت شنید کے بعد دوبارہ اس زمین کو حاصل کرلی۔

وقف کنندہ کے انتقال کے بعد اس زمین کے متصل مدرسہ کے مکان کی دوبارہ تعمیر ہوئی جو سرکاری زمین ہے اور اب یہ مدرسہ بھی سرکاری مدرسہ ہوگیا ہے۔ وقف کنندہ کے لڑکے نے یہ سوچا کہ ممکن ہے اس زمین کے عوض جو روپیہ ادا کیا گیا ہے، وہ مدرسہ کے کام میں نہیں لگا ہو، لہٰذا اس نے دوبارہ زمین کی قیمت کے اعتبار سے اتنے روپیہ مدرسہ میں خیرات کردیئے اور فی الحال لڑکا اس زمین پر اپنا مکان تیار کرا رہا ہے۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس لڑکے کے لئے مندرجہ بالا طریقہ پر اس حاصل شدہ زمین پر اپنا قبضہ رکھنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہ ہو تو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین ایک دفعہ صحیح طریقہ پر وقف ہو جائے تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں (۱)، لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہاں اپنا ذاتی مکان نہ بنائے، بلکہ اس زمین کو کرایہ پر لے اور مکان بنالے، زمین مدرسہ کی رہے گی اور مکان اس شخص کا رہے گا، زمین کا کرایہ مدرسہ کو دیتا رہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(فإذا تم ولزم، لایملک ولا یملک ولایعار ولایرهن)". (الدرالمختار). قال ابن عابدین: "(قوله: لا یملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملّک: أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲ سعید)

"وعندهما: حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ علی وجهٍ تعود منفعته إلی العباد، فیلزم، ولایباع و لا یوهب و لا یورث". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

(۲) "کثر فی زماننا إجارة أرض الوقف مقیلاً وسراحاً قاصدین بذلک لزوم الأجز، وإن لم تروَّ بماء النیل، ولاشک فی صحة الإجارة؛ لأنها وإن لم تستأجر للزراعة وغیرها وهما منفعتان مقصودتان". (الأشباه =

وقف کی بیع بشرطِ اقالہ

سوال[۶۹۱۶]: مسلمانوں کے درخواست کرنے پر سرکار نے عیدگاہ کے لئے زمین صرف پانچ روپیہ شکرانے لے کر عطا کی اور اس کا قبالہ بھی عطا کیا، چنانچہ اس عیدگاہ کی زمین کو مسلمانوں کے عام چندہ سے ہموار کرالیا گیا۔ نماز عیدین عرصہ تین سال سے اس عیدگاہ میں ادا ہو رہی ہے، آج کل عموماً حسبِ قانون جدید ہر قبالہ میں یہ عبارت مطبوعہ درج ہوتی ہے کہ بکارِ رفاہِ عام سرکار جب چاہیں گے واپس لے لیں گے۔

بطور حاشیہ دوسرے مقام پر بسلسلۂ ہدایات سرکاری حکام کو ہدایت کی ہے کہ اگر عبادت گاہ تعمیر شدہ سدراہ ہو تو تاامکان اس کا خیال رکھا جائے اور اس فرقہ کے لوگوں کا دل دُکھا کر جبراً نہ لی جائے اور صورت مسئولہ میں صرف زمین ہموار کردہ ہے، بسلسلۂ نظام اس کے قریب آبادی ہو جانے کی وجہ سے سمسان بھومی (۱) یا مرگھٹ قدیم اٹھایا (۲) جا کر خاص عیدگاہ مذکور کی زمین میں منتقل کیا گیا ہے اور منتقل کرنے سے سال بھر ہوا کہ سرکاری گزٹ میں اعلان بھی شائع ہوا تھا کہ اگر کسی کو کچھ (عذر) ہو تو ظاہر کرے اور صرف پندرہ ہی دن کی میعاد دی گئی تھی۔ چند آدمیوں کو علم ہوا، انہوں نے عذرداری کی درخواست دی، مگر ایک نہ چلی۔

اور یہ عیدگاہ مذکورہ اہل حدیث صاحبان کی ہے، اور ان میں سے چند معزز حضرات اور ان کے مولوی

= والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی: ۲/۱۱۱-۱۱۲، (رقم القاعدة: ۱۲۵۹)، إدارة القرآن کراچی)

"أجر القيم دار الوقف بعوض، جاز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. قال بعض المشايخ: إنما يجوز في الوقف ماتعارفه الناس أجرةً من العروض في الإجارات". (الفتاویٰ الغیاثیه، کتاب الوقف، فصل في التصرف في الوقف من المتولي والقيم، ص: ۱۳۵، مکتبه اسلامیه کوئٹه)

(۱) "قبالہ: بیع نامہ، کاغذ، جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو، مکان کا کاغذ یا سند"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴۷، فیروز سنز لاهور)

"سمسان بھومی: بھومی، زمین، دھرتی، دنیا، جگہ، مقام، ملک، ولایت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۴۱، فیروز سنز لاهور)

(۲) "مرگھٹ: مسان، شمشان، ہندوؤں کے مردہ جلانے کی جگہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز لاهور)

صاحبان نے اپنی منشاء کے موافق عیدگاہ کی زمین کے بدلے میں دوسری زمین لینا اور روپیہ لینا جائز بتلا کر عیدگاہ کی زمین سرکار کو دیدیا اور اب قریباً بیس روز ہوئے کہ خاص عیدگاہ کی زمین میں اور اس کے مشرقی اور شمالی جانب مرگھٹ بن گئے ہیں- إنا لله وإنا إليه راجعون- چنانچہ حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱...... ہر پٹہ یا بیعنامہ کی مطبوعہ شرط واپسی سے اگر مشتری کی ملک نہیں تو رہن کی صورت ہے یا نہیں؟

۲...... ہر پٹہ یا بیعنامہ کی مطبوعہ شرط واپسی بعد البیع عند الشرع باطل اور مانع وقف ہے یا نہیں؟

۳...... سب واقف مسلمان سکوت کرنے والے اور کوشش نہیں کرنے والے عیدگاہ فروشی کی نگاہ میں داخل ہیں یا نہیں؟

۴...... اب اگر عیدگاہ کی خاص زمین سے بڑی مشکل اور جانفشانی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے مرگھٹ جائیں تو یہ صورت ہوگی کہ عیدگاہ کے مشرقی وشمال مرگھٹ رہیں گے۔ اور ایک جانب شاہراہ قدیم گزرگاہ ہندو مسلم ہر دو کے ایک ہے، اس لئے ہر دو فریق کا اجتماع وتصادم بہت ممکن ہے۔ اور سوختگی مردگان کے ہوائی اثرات قرب وجوار، یا اہل مرگھٹ کے گریہ وبکاؤ سے، یا بصورت کھلے مصلی ہونے مقام مصلی پر مردہ جلانا یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔

۵...... تمام مسلمان، یا خبردار بے خبر سکوت میں ہیں اور اب اپنی جماعت میں سے بھی چند آدمیوں کا کوشش کرنے کا ارادہ ہے، اس لئے عرض ہے کہ اگر ہم پر کوشش کرنا ضروری ہے تو حتی الامکان کوشش کریں، ورنہ چپ رہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر توجہ تام فرما کر بروئے احکامِ شرعیہ مطہرہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے کہ بصورت موجودہ ہم مسلمانوں کو کونسی صورت اختیار کرنی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ شرط مفسدِ بیع ہے اور بیعِ فاسد کا فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن جب مشتری بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرتا ہے تو اس شیٔ پر ملکیتِ مشتری ثابت ہو جاتی ہے اور ایسی بیع کو اگر مشتری باقاعدہ وقف کردے تو شرعاً وہ وقف صحیح ہو جاتا ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "بيع الوفاء صورته: أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن، رد عليه العين. ثم إن ذكر الفسخ فيه أو قبله أو زعماه غير لازم،

كان بيعاً فاسداً، اهـ". درمختار مختصراً: ٣٤٢/٤(١)۔

"ولو قبض المبيع بيعاً فاسداً بإذن بائعه، ملكه، ولكل منهما فسخه قبل القبض، وبعده مادام فى ملك المشترى، اهـ". مجمع الأنهر بحذف: ٦٥/٢، ٦٦(٢)۔

"فإن باع المشترى ما اشتراه شراءً فاسداً بيعاً صحيحاً: أى انعقد بيعه، وكذا ينفذ لو أعتقه بعد قبضه، أو وهبه وسلمه، أو رهنه، أو أوصىٰ به، أو وقفه وقفاً صحيحاً، صح وسقط حق الفسخ، اهـ". سكب الأنهر بحذف: ٦٨/٢(٣)۔

---

(١) (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ٢٧٦/٥، ٢٧٧، سعيد)

"لكل من المتعاقدين فسخ البيع الفاسد .... غير أنه يشترط فى الفسخ علم العاقد الآخر لا رضاه و لا قضاء قاضٍ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السابع، الفصل الثانى فى حكم أنواع البيوع، (رقم المادة: ٣٧٢) : ٢٠٨/١، مكتبه حنيفيه كوئٹه)

"و يجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض .... أو بعده ما دام المبيع فى يد المشترى". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٩٠/٥، ٩١، سعيد)

(٢) (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل: ٩٤/٣، ٩٥، رشيديه)

"(و إذا قبض المشترى المبيع برضا) عبر ابن الكمال بإذن (بائعه صريحاً أو دلالةً) .... فى البيع الفاسد .... (مَلَكه)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٨٨/٥، ٨٩، سعيد)

"وفاسد و هو المشروع بأصله دون الوصف، ويفيد الملك إذا اتصل به القبض ". (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٧٧/٣، غفاريه)

(وكذا فى شرح المجلة، لسليم رستم باز، (رقم المادة: ٣٧١): ٢٠٧/١، ٢٠٨، الباب السابع، الفصل الثانى، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(٣) (الدر المنتفى فى شرح الملتقى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٧٧/٣-٧٩، غفاريه)

"(فإن باعه): أى باع المشترى المشتریٰ فاسداً (بيعاً صحيحاً باتاً) .... (أو وهبه وسلم، أو أعتقه) .... (بعد قبضه) .... (أو وقفه) وقفاً صحيحاً؛ لأنه استهلكه حين وقفه وأخرجه عن ملكه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٩٢/٥، ٩٣، سعيد) =

۲...... یہ صورت وقف کی نہیں، بلکہ بیعِ فاسد کی صورت ہے، كما مَرَّ في الجواب الأول۔

۳...... اگراس کا وقف صحیح ہو چکا ہےتو اس کوفروخت کرنا کسی حال میں جائز نہیں، اس کی بیع ہی درست نہیں، اس کی واپسی ضروری ہے، اس کوفروخت کرنے والے گنہگار ہیں، حتی الوسع اہل علم وفہم وارباب ِحل وعقد کے مشورہ کے مطابق اس کی واپسی کی کوشش ضروری ہے:

”فإذا تم ولزم، لايملك: أي لا يصير ملكاً لصاحبه، ولايملّك: أي لايقبل التمليك بغير البيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه“. طحطاوی: ۲/۵۳۴(۱)۔

۴،۵...... اگر یہ وقف صحیح ہے جیسا کہ اس کے عیدگاہ ہونے سے ظاہر ہےتو حتی الوسع چھڑانے میں قانون دان اور تجربہ کار عالم کے مشورہ کے مطابق کوشش لازم ہے، تمام چھوٹے، یا بعض حصہ چھوٹے جتنا بھی ممکن ہو، تاکہ اغیار کے تصرف وتملک سے محفوظ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہٰذا، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/۵/۵۷ھ۔

دوسری جائیداد خریدنے کے لئے موقوفہ جائیداد فروخت کرنا

سوال[۲۹۱۷]: مسجد کی جائیداد کھیت وغیرہ کو دوسری قسم کی جائیداد بنانے کے لئے فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

= (وكذا في شرح المجلة، لسليم رستم باز: ۱/۲۰۹، (رقم المادة: ۳۷۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۷۹، ۸۰، دار المعرفة بيروت)

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الوقف: ۲/۵۳۴، دار المعرفة بيروت)

”(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التمليك، فلما بيّنا) من قوله عليه السلام: ”تصدق بأصلها، لايباع ولا يورث و لا يوهب“. (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف جائیداد کی بیع درست نہیں (۱)، اس کو محفوظ رکھنا لازم ہے۔ دوسری جائیداد بنانے کے لئے دوسرا انتظام کریں، موقوفہ کھیت اور جائیداد کو فروخت نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۱ھ۔

وقف کے مصارف اور اس کی بیع

سوال[۶۹۱۸] : ایصالِ ثواب کے لئے لیچی کا باغ وقف ہے اور وصیت ہے کہ ہر سال میلاد شریف وکھانا مسکین ومسجد وغیرہ لیچی کی آمدنی سے کیا جاوے، مگر چند مجبوری مثلاً لیچی چوری ہوجانا، اس کی وجہ سے متولی صاحب نے لیچی کے باغ کو بیچ دیا۔ ایسی صورت میں اس پیسہ کو اس مذکورہ کارِ خیر میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو کوئی اور صورت بیان فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف کی بیع ناجائز ہے (۲)، اس بیع کو فسخ کرکے روپیہ دے کر باغ واپس لیا جائے، اگر باغ فروخت

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، شرکت علمیه ملتان)

"(قوله: ولا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء، کما نقله فی فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۰، رشیدیه)

(۲) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیکه، الخ". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"(قوله: و لا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء کمانقله فی فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لا تباع و لا تورث". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشیدیه) .... =

نہیں کیا بلکہ پھل فروخت کیا ہے تو حسبِ قواعدِ شرعیہ پھل کی بیع درست ہے، اس کی قیمت کو مسکینوں کی امداد، مسجد کی مرمت اور بقرعید پر قربانی میں خرچ کیا جائے (۱)۔ میلادِ مروجہ کی جگہ دینی مواعظ کا انتظام کیا جائے جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات وارشادات کو بیان کیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

وقفِ مشاع مسجد کے تیل کی بیع

سوال[۶۹۱۹]: ہمارے یہاں مسجد کے نام تین نوع کا وقف ہے: نوع اول: کلی وقف، خواہ زراعت کی زمین ہو یا دوکانیں ہوں، اس کی کل آمدنی مسجد میں لگاتے ہیں۔ نوعِ دوم: جزئی وقف یعنی پورا کھیت نہیں، بلکہ بسوہ دو بسوہ (۲) مسجد کے نام کل کھیت اپنے قبضہ میں۔ اب نہ اس قدر قلیل کو کوئی خرید سکتا ہے اور نہ وقف کرنے والا اس کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ اس کی آمدنی مسجد میں دیتا ہے، صرف برائے نام وقف ہے، سو ایسی حالت میں بعض بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ نوع دوم کی وقف وقف کرنے والے کے نام فروخت کردیں اور کل آمدنی مسجد میں لگادیں۔ سو یہ درست ہے کہ نہیں؟

سوم: تیل وغیرہ کا وقف جو وقف کرنے والے نے اس نیت سے وقف کیا ہے کہ مسجد میں صرف ہو۔ اگر خرچ سے زائد ہو تو فروخت کر کے مسجد کے دوسرے کام میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۵۰، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "وما غرس في المساجد من الأشجار المثمرة .... وإن غرس للمسجد، لا يجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهمّ فالأهمّ كسائر الوقوف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، والمسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة وأراضي الوقف الخ: ۲/ ۴۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/ ۳۱۰، رشيديه)

(۲) "بسوہ: ایک بیگے کا بیسواں حصہ، زمین ناپنے کا ایک پیمانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۰۴، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداًومصلیاً:

جو زمین با قاعدہ وقف کردی گئی ہو، اس کو فروخت کرنا جائز نہیں (۱)، مگر اس صورت میں کہ واقف نے بوقتِ وقف یہ شرط کی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کے عوض دوسری زمین لے کر وقف کردی جائے تو اس کی شرط کے مطابق عمل درست ہے (۲)۔ جس قدر حصہ اس نے وقف کیا ہے، اس کی آمدنی اس کو خود استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ مسجد میں صرف کرنا واجب ہے (۳)، متولی اور دیگر اہلِ مسجد کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔ جو تیل مسجد کی ضرورت سے زائد آوے، اس کو فروخت کر کے دوسری ضروریاتِ مسجد میں صرف کرنا درست ہے (۴) بشرطیکہ تیل

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولاتملیکه. الخ". (الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"(قوله: ولا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء کمانقله فی فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۳۵۰/۲ الباب الأول، رشیدیه)

(۲) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخری حینئذ، أو شرط بیعه، ویشتری بثمنه أرضاً أخریٰ إذا شاء". (الدرالمختار). "(قوله: وجاز الاستبدال به، الخ) .... الأول: أن یشترطه الواقف لنفسه أو لغیره، أو لنفسه وغیره، فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح، وقیل: اتفاقاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف، الخ: ۳۸۴/۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۷۶/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الرابع: ۳۹۹/۲، رشیدیه)

(۳) "وفی الفتاوی: إذا جعل أرضاً صدقةً موقوفةً علی الفقراء والمساکین، فاحتاج بعض قرابته أو احتاج الواقف، إن احتاج الواقف، لا یعطی له من تلک الغلة شیء عندالکل، کذا فی الخلاصة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثامن: ۳۹۵/۲، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۷۹۴/۵، إدارة القرآن کراچی)

(والبزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، السادس فی الوقف علی الفقراء: ۲۷۷/۶، رشیدیه)

(۴) "وکذا لو اشتری حشیشاً أو قندیلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، کان ذلک له إن کان حیاً، ولورثته إن کان میتاً. وعند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ: یباع ذلک ویصرف ثمنه إلی حوائج المسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۲۳/۵، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف: ۸۴۷/۵، إدارة القرآن کراچی)

دینے والا اس پر رضامند ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۴/۲۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

آمدنی کم ہونے کی وجہ سے وقف کی زمین فروخت کرنا

سوال[۶۹۲۰]: مسجد کی کچھ زمین وقف شدہ ہے، اس زمین کے قرب وجوار میں آبادی ہوگئی ہے، اب اس کی آمدنی پہلے سے کم ہونے لگی ہے۔ اب متولیانِ مسجد چاہتے ہیں کہ اس زمین کو فروخت کردیا جائے اور دوسری زمین خرید لی جائے یا تبادلہ کرلیا جائے، لیکن واقف نے اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی۔ تو اب اس کی فروختگی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو زمین باقاعدہ مسجد کے لئے وقف ہے، آمدنی کم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع جائز نہیں، اس کو اسی طرح رکھا جائیگا (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین، الخ: ۴/۴۴۵، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، کتاب الوقف (رقم القاعدة: ۱۲۵۰): ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

"الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء؟ قیل: لا یصرف، وإنه صحیح، ولکن یشتری به مستغلاً للمسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد و تصرف القیم: ۲/۴۶۳، رشیدیه)

(۲) "والثالث: أن لا یشترطه أیضاً، ولکن فیه نفع فی الجملة، وبدله خیرٌ منه ریعاً ونفعاً، وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه: ۴/۳۸۴، سعید) .... =

آمدنی کم ہونے پر مکانِ موقوفہ کی بیع

سوال[۶۹۲۱]: ایک مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سالانہ پچاس روپیہ ہے، اگر اس زمین کو فروخت کر کے دوسری زمین خریدی جائے تو اس صورت میں سالانہ آمدنی پانچ چھ سو روپیہ ہوگی، لہذا متولی اہل مسجد کی رائے سے اس زمین کو فروخت کر کے دوسری زیادہ آمدنی والی زمین خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کچھ روپیہ بچا کر بنائے مسجد مذکور میں ضرورۃً لگا سکتے ہیں یا نہیں، اس حال میں کہ باقی روپیہ سے بھی سالانہ پانچ سو روپیہ آمدنی ہونے کی توقع ہے اور مقدار زمین میں بھی پہلی زمین سے زیادہ ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو زمین وقف کی جاتی ہے، اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بعینہ یہ زمین باقی رہے اور اس کے منافع کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے (۱)، وہ زمین تجارت کے لئے نہیں دی جاتی ہے، لہذا اس کا فروخت کرنا اور زیادہ آمدنی کی زمین حاصل کرنا جائز نہیں (۲)۔ الا یہ کہ موقوفہ زمین سے انتفاع ہی ختم ہوجائے تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس

= "وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمن الوقف ما هو خيرٌ منه مع كونه منتفعاً به، فينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة أخرى، و لأنه لا موجب لتجويزه؛ لأن الموجب في الأول الشرط و في الثاني الضرورة، و لا ضرورة في هذا؛ إذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيته كما كان". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۸، مكتبه مصطفى البابى الحلبى مصر)

"وبيع أرض الوقف لا يجوز، فكذلك ما كان تبعاً له". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما يدخل في الوقف من غير ذكر و ما لا يدخل: ۳/۳۱۰، رشيديه)

(۱) "وعندهما هو (أي الوقف) حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ و صرف منفعتها على من أحب و لو غنياً، فيلزم، فلايجوز إبطاله، و لا يورث عنه، وعليه الفتوى". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

"و عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع و لا يوهب و لا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "فإذا تم ولزم، لايملك و لايملّك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: =

کے عوض دوسری زمین خرید کر اس کی جگہ وقف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

مسجد کا کوئی حصہ قوالی کے لئے خالی کرنا، یا اپنی ملک قرار دے کر عوض میں دوسری جگہ دینا

سوال[۲۹۲۲]: ۱...... مسجد معمورہ کا بعض حصہ اپنے ذاتی امور میں استعمال کرنا کیسا ہے بشرطیکہ اس بعض حصہ کی شکل میں تغیر کر دیا ہو اور اس کو مسجد سے علیحدہ کر دیا ہو؟

۲...... کیا کسی صورت میں مسجد معمورہ یا غیر معمورہ اپنے ذاتی امور میں مستعمل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳...... مسجد کے بعض حصہ کو یا ساری مسجد کو دوسری جگہ وہاں سے ہٹا کر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

۴...... کیا زید، بکر، عمر کو یہ جائز ہے کہ مسجد کے کچھ حصہ کو اپنے ذاتی اور عرس قوالی میلاد وغیرہ مسجد کی صورت بدل کر استعمال میں لائیں اور حصہ کے عوض میں اتنی جگہ دوسری جہت سے مسجد میں داخل کریں؟ اور اگر یہ جائز نہیں تو ایسا کرنے والے کا کیا حکم ہے، کیا ان سے قہراً وہ حصہ جو مسجد کا تھا لے سکتے ہیں یا نہیں؟

= "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملّك: أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه، الخ". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "سئل عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقف تهدم، ولم يكن له شيء يعمر منه .... أجاب: إن كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، و يشترى بثمنه وقف مكانه". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وشرط في البحر خروجه على الانتفاع بالكلية، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضي الجنة المفسَّر بذي العلم والعمل". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وشرط في البحر) .... و لو صارت الأرض بحال لا ينتفع بها، والمعتمد أنه بلا شرط، يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به .... و هو أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير، فإنا قد شاهدنا النظار يأكلونها". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۸۶/۴، سعيد)

۵......جو جگہ پہلے مسجد میں داخل تھی اور اب جو اس کے عوض میں دوسری جہت میں بصورت مسجد جو جگہ ہے، اس کا کیا حکم ہے، آیا دونوں جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد کا حکم رکھیں گے یا ایک، اور وہ جگہ جو پہلے مسجد تھی یا اب جو اس کے قائم مقام ہے؟

۶......عوام مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے، کیا اس میں چشم پوشی کرنی چاہئے یا جدوجہد، یعنی مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہے؟

۷......کیا مسجد بھی کسی کی ملک ہوسکتی ہے اگر کوئی اپنی ملکیت بنالے تو اس کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: جواب مفصل تحریر فرمایئے۔ اشاعت کرنی ہے اور اس کی تحریک اٹھانی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......مسجد وقف ہے اس کے کسی حصہ کو علیحدہ کرنا اور اپنے ذاتی امور میں استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے، مسجد تحت الثریٰ تک اور فوق الثریا تک اللہ کے واسطے ہوتی ہے، حق العبد اس سے منقطع ہوتا ہے، البتہ ملحقاتِ مسجد دوکان وغیرہ میں مصالحِ مسجد کے ماتحت امام ومؤذن کی رہائش کی اجازت دینا شرعاً جائز ہے:

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك و لا يعار و لا يرهن، اهـ". تنوير۔ "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملّك): أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (ولا يعار و لا يرهن) لاقتضائهما الملك، اهـ". شامى(۱)۔

"قال فى البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾، اهـ". شامى(۲)۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التمليک، فلما بينّا من قوله عليه الصلاة والسلام: "تصدق بأصلها، لا يباع و لا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد) .... =

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، مُنع. ولو قال: عنيتُ ذلك، لم يصدق، تاتارخانية. فإذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه و لوعلى جدار المسجد. و لا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً و لا سكنى، بزازية، اهـ". درمختار(۱)۔

۲......نہیں(۲)۔

۳......اگر پہلی مسجد غیر آباد ہو جائے اور دوسری جگہ مسجد تعمیر کی جائے تو پہلی مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا درست ہے، ورنہ نہیں(۳)۔

= "و حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸]، بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز؛ إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"علم أنه لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الإمام، فإنه لا يضرّ فى كونه مسجداً؛ لأنه من المصالح. فإن قلت: لوجعل مسجداً، ثم أراد أن يبنى فوقه بيتاً للإمام أو غيره، هل له ذلك؟ قلت: قال فى التاتارخانية: إذا بنى مسجداً و بنى غرفةً، وهو فى يده، فله ذلك .... فإذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه. ولا يجوز أخذ الأجرة. وفى البزازية: و لا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً و لا مسكناً". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "وأما المسجد فليس له أن يرجع فيه و لا يبيعه و لا يورث عنه؛ لأن الوقف اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة". (حاشية الشيخ چلپى على فتح القدير، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد: ۲۳۲/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۳) "ونقل فى الذخيرة عن شمس الأئمة الحلوانى أنه سئل عن مسجد أو حوضٍ خرب و لا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضى أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (الدرالمختار، =

۴......ان کے لئے ایسا کرنا قطعاً ناجائز ہے، ان سے زبردستی مسجد کا وہ حصہ واپس لیا جائے گا۔

۵......جو جگہ پہلے سے مسجد تھی وہ تو بہرصورت مسجد ہے (۱) اور جو دوسری جگہ دی ہے، اگر اس کو وقف کر کے مسجد بنادیا تو وہ مسجد بن گئی، ورنہ مسجد نہیں بنی (۲)۔

۶......مسجد کی واپسی کے لئے اربابِ بصیرت کے مشورہ کے مطابق مناسب مگر کامل جدوجہد کریں۔

۷......مسجد اللہ کے لئے ہوتی ہے، کسی کی ملک نہیں ہوسکتی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کے وقف مکان کی بیع

سوال[۶۹۲۳]: ایک متولی صاحب نے مسجد کا وقف مکان سنی سینٹرل وقف بورڈ سے اجازت لے کر فروخت کردیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

= کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ: ۳۵۹/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی".

(الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد أو غیرہ: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(۲) "ویزول ملکه عن المسجد و المصلی بالفعل، و بقوله: جعلتُه مسجداً عند الثانی". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب: إذا وقف کل نصف علی حدة، صارا وقفین: ۳۵۵/۴، ۳۵۶، سعید)

(۳) "وعندهما: حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ علی وجهٍ تعود منفعته إلی العباد، فیلزم، ولا یباع و لا یوهب و لا یورث". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه و رکنه، الخ: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جومکان مسجد کے لئے وقف ہو، اس کوفروخت کرنے کے لئے سنی سینٹرل وقف بورڈ کی اجازت کافی نہیں، وقف شدہ مکان کی بیع کا حق نہیں (۱)، متولی صاحب سے مطالبہ کیا جائے کہ اس کو کیوں فروخت کیا، یہ توفروخت کے قابل نہیں ہے (۲) اور بیع کوفسخ کرکے حسبِ سابق مکان کو وقف قرار دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۵ھ۔

جس زمین کومسجد بنانے کی وصیت کی گئی ہے اس کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا

سوال[۶۹۲۴]: زید اپنی زمین کومسجد بنانے کے لئے وصیت کرکے مرگیا، اب گاؤں کے لوگ ایک دوسری جگہ کومسجد کے لئے مناسب سمجھتے ہیں، اس وصیت کردہ زمین پر بنیاد وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تو کیا تبادلہ کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوزمین مسجد بنانے کے لئے دی ہے، اس کو دوسری زمین سے بدلنے کا حق نہیں (۳)، بدلنے کے لئے

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۰/۲، شرکت علمیه ملتان)

"(قوله: ولا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء کما نقله فی فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لا یملک و لا یملک و لا یعار و لا یرهن)". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲ سعید)

"وإذا لزم الوقف، فإنه لا یجوز بیعه و لاهبته ولا التصرف فیه بأیّ شئ یزیل و قفیته". (فقه السنة، انعقاد الوقف: ۵۲۲/۳، دارالکتب العربی بیروت)

(۳) "والثالث: أن لایشرطه أیضاً، ولکن فیه نفع فی المجلة، وبدله خیرٌ منه ریعاً ونفعاً، وهذا لایجوز =

گاؤں کے لوگوں کا دوسری جگہ کو مسجد کے لئے زیادہ مناسب سمجھنا کافی نہیں۔ وصیت کردہ زمین میں مسجد نہ بن سکتی ہو یا کوئی شرعی مانع ہو تو اس کو مفصل لکھ کر دریافت کرلیں: "نص الواقف کنص الشارع، اھ" (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۳ھ۔

مسجد آباد توڑ کر عیدگاہ بنانا

سوال[۶۹۲۵]: مسجد آباد کو توڑ کر عیدگاہ بنانا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل۔

الجواب حامداً ومصلياً:

آباد مسجد کو جس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو توڑ کر صرف عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ بنانا جائز نہیں ہے، خصوصاً جب کہ عیدگاہ پہلے سے موجود بھی ہو، اولاً اس لئے کہ وہ مسجد کی ویرانی اور تعطل کا سبب ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیها اسمه و سعیٰ فی خرابها﴾ (۲)۔

ثانیاً اس لئے کہ اس مسجد کی حرمت ساقط ہوتی ہے، کیونکہ شرعاً جو احترام مسجد کا ہے وہ عیدگاہ کا نہیں ہے:

"وأما المسجد لصلوة العید، فالمختار أنه مسجد فی حق جواز الاقتداء وإن انفصلت الصفوف، وفیماعدا ذلك، فلا، رفقاً بالناس، خلاصة". عالمگیری (۳)۔

= استبداله علی الأصح المختار". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعید)

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة، اھ". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۴۵۶/۲، رشیدیه) =

نیز یہ کہ مسجد اگر آبادی میں ہے تو اس کو عیدگاہ بنانے سے بلا عذر سنت (خروج إلى الجبانة) کا ترک لازم آتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبداللطیف، عبدالرحمٰن عفی عنہ، ۱۳/۱/۵۲ھ۔

مسجد کو عیدگاہ بنانا

سوال[۶۹۲۶]: ایک گاؤں میں ایک مسجد تھی، اہلِ محلّہ نے مشورہ کر کے اس کو دوسری جگہ بنائی، اب وہ لوگ چاہتے ہیں کہ پہلی مسجد کی جگہ چاروں طرف سے ملا کر عیدگاہ بنالیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی مسجد کی جگہ کے ساتھ اور کچھ ملا کر عیدگاہ بنائی جائے تو اس میں بلا کراہت عید کی نماز جائز ہوگی یا مع الکراہتہ ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس مقام پر عید کی نماز جائز ہے، وہاں عید کی نماز مسجد میں بھی جائز ہے اور عیدگاہ میں بھی جائز ہے، لیکن اگر عذرِ قوی نہ ہو تو عیدگاہ میں جا کر پڑھنا سنت ہے یعنی: اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہے جس کی آبادی کم از کم تین ہزار ہو تو وہاں مسجد اور عیدگاہ دونوں جگہ عید کی نماز درست ہے۔

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه و مسائله: ۴۲۱/۴، رشيديه)

"أما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا في حق غيره، وبه يفتى، نهاية". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۵۷/۱، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۳۰۱/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(قوله: سنة) فلو لم يتوجه إليها [أي الجبانة] فقد ترك السنة". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، باب العيدين: ۳۵۳/۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

اگر وہ گاؤں ایسا نہیں ہے بلکہ چھوٹا گاؤں ہے تو وہاں عید کی نماز نہ مسجد میں درست ہے نہ عید گاہ میں۔

مسجد کو عید گاہ بنانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ اس میں نماز پنجگانہ بھی ہوتی رہے اور اس قدر وسیع ہو جائے کہ بوقتِ ضرورت عید کی نماز بھی ہو سکے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ اس وقت ہے جب کہ وہاں عید کی نماز درست ہو جاتی ہو۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس کو صرف عید کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور نماز پنجگانہ اس سے موقوف کر دی جائے تو یہ قطعاً ناجائز ہے(۱)، خواہ وہاں عید کی نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، کیونکہ اس سے مسجد معطل ہو جائے گی:

"صلوة العيدين واجبة على من تجب عليه الجمعة بشرائطها، و قد علمتها، فلا بد من شرائط الوجوب جميعها و شرائط الصحة سوى الخطبة". مراقی الفلاح، ص: ۳۰۷(۲)۔

"شرط صحتها (أي الجمعة) أن تؤدى في مصر، حتى لا تصح في قرية و لا مفازة لقول علىّ رضي الله تعالىٰ عنه: "لاجمعة ولا تشريق و لاصلوة فطر ولا أضحىٰ إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة". رواه ابن أبي شيبة، وصححه ابن حزم، وكفى بقوله قدوةً وإماماً. وهو (أي المصر) كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود .... ما عزوه لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على

(۱) نماز پنجگانہ کو موقوف کر کے صرف عید کی نماز کے لئے مخصوص کرنا استبدالِ وقف ہے جو کہ بغیر ضرورتِ داعیہ کے ناجائز ہے، کیونکہ غرضِ واقف کے خلاف ہے:

"لو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام و الثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۲۷، ۵۲۸، قديمي)

"اعلم أن صلوة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة، هذا هو الصحيح من المذهب .... لا تجب عليه؛ إذ من شرائطها المصر، و يشترط لها جميع ما يشترط للجمعة وجوباً وأداءً إلا الخطبة، فإنها ليست بشرط لها، بل هي سنة". (الحلبي الكبير، فصل في صلوة العيد، ص: ۵۶۵، ۵۶۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث. قال في البدائع: وهو الأصح، اهـ". بحر: ٢/١٤٠(١)۔

"وفي القنية: صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً، اهـ". درمختار،ص: ٨٦٥(٢)۔

"الخروج إلى المصلى -وهو الجبانة- سنةٌ وإن كان يسع الجامع، وعليه عامة المشايخ، لِمَاثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يخرج يوم الفطر و يوم الأضحى إلى المصلى، فإن ضعف القوم عن الخروج، أمر الإمام من يصلي بهم في المسجد، روى ذلك عن علي رضى الله تعالىٰ عنه. وفي جامع الفقه و منية المصلي والذخيرة: يجوز إقامتها في المصر و فنائه في موضعين فأكثر، اهـ". كبيرى، ص: ٥٢٩(٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی القعدہ/ ۵۵ھ۔

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة : ٢/٢٤٥، ٢٤٦، رشيديه)

"لما روى ابن أبي شيبة عن عليّ بن أبي طالب رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لاجمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". وصححه ابن حزم في المحلى".

(الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ٥٤٩، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(٢) (الدرالمختار، باب العيدين: ٢/١٦٧، سعيد)

(٣) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ٥٧١، ٥٧٢ سهيل اكيڈمی لاهور)

"والخروج إلى الجبانة لصلاة العيد وإن كان يسعهم الجامع عندعامة المشايخ، وهوالصحيح اهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاةالعيدين : ٢/٢٧٨، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين : ١/١٥٠، رشيديه)

"ومنها : أنه يستحب للإمام إذا خرج إلى الجبانة لصلاة العيد أن يخلف رجلاً يصلي لأصحاب العلل في المصر صلاة العيد، لما روى عن علي رضى الله تعالىٰ عنه أنه لما قدم الكوفة، استخلف أبا موسى الأشعري رضى الله تعالىٰ عنه ليصلي بالضَّعفَة صلاة العيد في المسجد، وخرج إلى الجبانة مع خمسين شيخاً يمشي ويمشون. ولأن في هذا إعانة للضعفة على إحراز الثواب، فكان حسناً. وإن لم =

مسجد کی زمین پر عیدگاہ

سوال[۶۹۲۷]: مسجد کی زمین کے تھوڑے سے حصے پر عیدگاہ بنالینا کیسا ہے؟ اگر تیار ہو چکی ہو تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں پر کھیتی وغیرہ موجود نہ ہو تو نمازِ عید پڑھ لینا درست ہے(۱)، لیکن اس کی آمدنی کو ختم کر کے مستقل

= يفعل لا بأس بذلك؛ لأنه لم ينقل ذلك عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا عن الخلفاء الراشدين سوى علي رضي الله تعالىٰ عنه". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، مايستحب يوم العيد: ۱/۶۲۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون في صلاة العيدين: ۱/۲۱۳، ۲۱۴، رشيديه)

(۱) عیدہ گاہ کا شہر سے باہر ہونا سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز ہمیشہ باہر ادا فرماتے تھے، لیکن بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرماتے تھے، اس لئے اصل حکم یہی ہے کہ عید کی نماز باہر ادا کی جائے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد، فصلى بهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلوة العيد في المسجد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب يصلي الناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۱/۱۷۱، رحمانيه لاهور)

قال العلامة خليل أحمد سهارنفوري رحمه الله تعالى: "قال ابن الملك: يعني كان صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي صلوة العيد في الصحراء إلا إذا أصابهم مطر، فيصلي في المسجد، فالأفضل أداء ها في الصحراء في سائر البلدان .... وقد اختلف: هل الأفضل فعل صلوة العيد في المسجد أو الجبانة؟ فذهبت العترة ومالك رحمه الله تعالىٰ إلى أن الخروج إلى الجبانة أفضل، واستدلوا على ذلك بما ثبت من مواظبته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الخروج إلى الصحراء". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب يصلي الناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۲/۲۱۲، مكتبه امداديه لاهور)

تاہم بوقت ضرورت مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے، تو جو جگہ مسجد کے لئے وقف ہے اس میں عید کی نماز پڑھ لینا بطریقِ اولیٰ درست ہے:

"الخروج إلى الجبانة في صلوة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة=

عیدگاہ بنالینا منشائے واقف کے خلاف ہے، اس کی اجازت نہیں (۱)، اس کو ذریعۂ آمدنی ہی بنایا جائے (۲)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۴ھ۔

=المشايخ، وهو الصحيح، هكذا في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱۸۳/۱، رشيديه)

"ماشياً إلى الجبانة وهي المصلى العام، والواجب مطلق التوجه والخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح". (الدرالمختار). "(قوله: والواجب مطلق التوجه): أي لا التوجه المترتب على ماذكر .... (قوله: هو الصحيح) قال في الظهيرية: وقال بعضهم: ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام، والصحيح هو الأول، اهـ".

وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۱۶۹/۲، سعيد)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب يصلي بالناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۲۱۲/۲، مكتبه امداديه ملتان)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم ولدلالة ووجوب العمل به، فيجب عليه".
(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ الأنقروية، كتاب الوقف، السابع عمارة الوقف وفي البناء الخ: ۲۲۱/۱، دارالإشاعة العربية قندهار افغانستان)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة الخ: ۳۴۳/۴، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ =

مسجد یا مدرسہ کی وقف شدہ زمین میں اسکول یا قبرستان بنانا

سوال[۶۹۲۸]: ۱......ایک متقی شخص نے اپنی مقبوضہ ومملوکہ ایک قطعہ زمین بنائے مسجد اور اس کے صحن کے لئے خصوصی طور پر لسانی ہبہ کر دیا تھا، چنانچہ بناءً علیہ اس کے کچھ حصہ پر اس کی عینِ حیات میں ایک جامع مسجد بنائی گئی اور باقی حصہ اسی وقت سے جو تقریباً سال کا عرصہ ہے بطورِ صحنِ مسجد منصرف و مستعمل ہیں۔ اب واجب الاستفتاء یہ ہے کہ اسی صحن کو اس کی وفات کے بعد کسی سرکاری اسکول کی بقاء وتحفظ کی خاطر سے اس کے لوازمات میں شمار کر کے ضلع بورڈ میں گورنمنٹ کے نام پر ھبہ کر دینا یا متولی یا مصلیوں کے واسطے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲......اسی شخص مذکور کی مذکورہ قطعۂ زمین کا بعض حصہ جو مسجد مذکورہ کے متصل جنوبی جانب پر واقع ہے، وہ اپنی حیات میں ایک دینی درسگاہ کی بناء کیلئے خصوصی اجازت اس کے بارے میں عطا فرمائی، چنانچہ اس بنا پر وہاں ایک خالص مذہبی تعلیم گاہ عرصہ دس سال تک قائم رہی، مگر بعد کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگئی، اب وہ جگہ بالکل خالی پڑی ہے۔

واضح رہے کہ بنائے درسگاہ سے قبل اسی شخص نے زمین سے وہاں ایک مقبرہ بنانے کے واسطے سفارش کی تھی، مگر انھوں نے مدرسہ کی محبت میں محو ہو کر مقبرہ بنانے سے صریح انکار کر دیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل محلّہ کے بعض کا ارادہ ہے کہ مالک مرحوم کے حسبِ اجازتِ سابق قدیم طور پر دوبارہ مذہبی مدرسہ قائم کر دیا جائے اور بعض کی کوشش ہے کہ وہاں مقبرہ تیار کر لیں۔ شرعاً دونوں فریق میں مصیب کون سا ہے؟

۳......ابتداء سے جو درسگاہ دینی و مذہبی حیثیت سے ہو کر سالہا سال جاری رکھی گئی اور ہمدردِ دین مسلمین نے بھی صدقہ جاریہ سمجھ کر اس کی امداد واعانت کی تھی اور فی الحال اس کے معاونین نہ بقیدِ حیات موجود ہیں اور نہ ان کے نام ومقام معلوم ہے جس سے ان کے عطایا کے متعلق تجدیدی اجازت ممکن ہے اور نہ تردیدی نیت مقصود ہے۔ اب اس کو سرکاری سکول قرار دینا - جس میں برائے نام بھی مذہبی تعلیم ودینی تعلیم کو کوئی قانونی

= العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

انتظام نہیں۔ممبران اراکین کو شرعاً استحقاق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......ناجائز ہے، جس کام کیلئے واقف نے وہ قطعۂ زمین وقف کیا ہے اس کے خلاف میں استعمال کرنا جائز نہیں اور اس کو اور دیگر نمازیان وغیرہ کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ واقف کی غرض کے خلاف کسی دوسرے کام میں اس وقف کو صرف کریں یا منتقل کریں: "نص الواقف كنص الشارع(۱)۔

۲......جبکہ واقف اپنی زندگی میں جس جگہ قبرستان بنانے کی صراحۃً ممانعت کرچکا ہے اور دینی درسگاہ کے لئے مخصوص کرچکا ہے، اب کسی کو اس جگہ قبرستان بنانے کا حق حاصل نہیں، دینی درسگاہ بنانا عینِ منشائے واقف ہے(۲)۔

۳......جوعطایا دینی تعلیم وتربیت کے لئے مخصوص کردیئے گئے ہیں ان کو کسی دوسرے مصرف پرصرف کرنا خواہ وہ سرکاری تعلیم ہو یا اَور کوئی شئی ہو، ہرگز ہرگز جائز نہیں، نہ متولی کو اس کا حق ہے نہ کسی اَور کو(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "فقد نص أبو عبد الله الدمشقي في كتاب الوقف عن شيخه شيخ الإسلام قول الفقهاء: نصوصه كنصوص الشارع". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۲۰۸، غفاريه كوئٹه)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، و فى المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثانى، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الوقف : ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف : ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ : ۴/۴۴۵، سعيد)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک ، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء، الخ ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ : ۴/۳۴۳، سعيد)

(۲) "قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر=

مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۶۹۲۹]: ایک شخص نے ایک مکان مسجد کے نام وقف بذریعہ عدالت کردیا تھا جس کو تقریباً ۲۰/ یا ۲۲/ سال گذر چکے ہیں، اس وقت انتظامیہ کمیٹی اختر مسجد کے چند ممبران نے بلاکسی مشورہ سے اس مکان سے کرایہ دار کو بذریعہ عدالت نکال دیا اور وہاں مدرسہ تعمیر کرانے لگے اور جو کچھ مسجد کی آمدنی تھی وہ ختم ہوگئی۔ تحریر کریں کہ جائز ہے یا ناجائز شرعاً طریقہ سے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کے وقف شدہ مکان پر مدرسہ تعمیر کراکے مسجد کی آمدنی ختم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

جائے نماز مسجد میں دینے کے بعد ملکیت ختم ہوگئی

سوال[۶۹۳۰]: ایک شخص نے جائے نماز خرید کر مسجد میں دے دی، کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میری

= للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه : ۴/۳۶۱، سعيد)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة : ۲/۲۶۹، سعيد)

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل مالَه حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، فيجب عليه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

"البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناءً ووقفها على تلك الجهة، يجوز بلا خلاف تبعاً بها. فإن وقفها على جهة أخرى، اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لا يحوز، كذا في الغياثية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لايجوز، الخ: ۲/۳۶۲، رشيديه)

ملکیت ہے، میں گھر میں رکھوں گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب اس کو یہ کہنے کا حق نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔



(۱) "(فإذا تم ولزم، لايملك ولا يملك ولايعار ولايرهن)". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لا يملك): أى لايكون مملوكاً لصاحبه. ولايملّك: أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴ سعيد)

"وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولايباع و لا يوهب و لا يورث". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

باب ولایۃ الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

متولی کے فرائض

سوال[۶۹۳۱]: متولی صاحب کے لئے کن امور کا انجام دینا ضروری ہے؟ براہ کرم تفصیل کے ساتھ جواب جلد دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا، حساب صاف رکھنا، مسجد میں غلط کام نہ ہونے دینا، نمازیوں اور امام کی حسبِ حیثیت مسجد سے متعلق تکالیف کو رفع کرنا، ہر ایک کا اس کی شان کے موافق شرعی اکرام کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، عہدہ کا طالب نہ ہونا، احکامِ شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا۔ یہ اوصاف جس متولی میں ہوں وہ قابلِ قدر ہے، اس کو علیحدہ نہ کیا جائے، جس متولی میں یہ اوصاف نہ ہوں، وہ ان اوصاف کو حاصل کرنے کی سعی کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفی الإسعاف: لا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر، و لیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخل بالمقصود، و کذا تولیة العاجز؛ لأن المقصود لا یحصل به، ویستوی فیه الذکر والأنثی .... و قالوا: لا یعطی له، وهو کمن طلب القضاء لا یقلد، والظاهر أنها شرائط الأولویة لا شرائط الصحة". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی: ۳۸۰/۴، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف و تصرف القیم فی =

متولی کے اختیارات

سوال[۶۹۳۲] : متولی کے کیا اختیارات ہیں؟ عوام کی رائے ومشورہ کے بغیر وہ کوئی تصرف کا مجاز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جوکام مصالحِ وقف کے موافق اوراحکامِ شرع کے مطابق ہوں متولی کرسکتا ہے، جواس کے خلاف ہوں اس پراعتراض کاحق ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

متولی کے معزول کرنے کے اسباب

سوال[۶۹۳۳] : متولی کاعزل کن وجوہ سے ہوسکتاہے اورعزل کااختیارعوام میں سے کس کوہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصالحِ وقف کی رعایت نہ رکھنے اورخلافِ شرع عمل کرنے کی وجہ سے وہ مستحقِ عزل ہوتا ہے بعد تحقیق جماعتِ منتظمہ خود، یاکسی وقف بورڈ، یاحکومت کے ذریعہ سے اس کومعزول کرایا جاسکتا ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

= الأوقاف، الخ: ۲/ ۴۰۸، رشیدیه)

"نعم و یتصرف القیّم فی الوقف بما فیه من النفع للوقف". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف: ۱/ ۲۰۹، مکتبه میمنیه مصر)

(۱) "نعم! لأن للناظر التصرف فی الوقف بما فیه الحظ والمصلحة، وحیث عرض المتولی المشروط له". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی أحکام النظائر: ۱/ ۲۲۱، مکتبه میمنیه مصر)

(۲) "و ینزع وجوباً لوغیر مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق کشرب خمر و نحوه". (تنویرالأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۸۰، سعید) ....=

تولیتِ وقف کی تعیین

سوال[۶۹۳۴]: ۱...... میں اپنی جائیداد جو اس کاغذ میں لکھی ہے وقف کرتی ہوں۔

۲...... مُقرہ تا حیاتِ خود متولیۂ جائیدادِ موقوفہ کی رہے گی اور اس کا اہتمام وانتظام حسبِ وقف ہذا کرتی رہے گی اور آمدنی جائیدادِ موقوفہ ان اغراض میں صرف کرے گی جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔

۳...... بعد وفاتِ مُقرہ کے میرے شوہر خوش وقت جلیل احمد خان صاحب اس جائیداد موقوفہ کے متولی رہیں گے اور اہتمام وانتظام جائیداد موقوفہ کا کرتے رہیں گے اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان مصارف میں سے کسی مصرف میں صرف کریں گے جو مصارف وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔ بعد وفات میرے شوہر خوشوقت جلیل احمد خان صاحب کے مُقرہ کی اولاد میں جو اَز قسمِ ذکور سب سے عمر میں بڑا اور تدین میں زیادہ ہوگا، وہ متولی ہوگا اور اہتمام جائیداد موقوفہ حسبِ وقف ہذا کرتے رہیں گے اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض میں صرف کریں گے جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں، اسی طرح سلسلۂ تولیت نسلاً بعد نسلٍ چلا جائے گا۔

۴...... خدا تعالیٰ نخواستہ! اگر جو سب سے بڑا تدین میں زیادہ ہو فوت ہو جائے تو پھر میری اولاد میں سے جو اَز قسمِ ذکور اس سے چھوٹا ہوگا، وہ متولی رہے گا اور اہتمام جائیداد موقوفہ کرتا رہے گا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض میں صرف کرے گا جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔ اگر خدانخواستہ میری اولاد ذکور میں سے کوئی نہ رہے تو پھر سلسلۂ تولیت مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ میری اولاد اَز قسم اناث میں منتقل ہو جائے گا اور رہے گا، جو میری اولاد اناث میں سے جو سب سے بڑی ہوگی، وہ متولیہ ہوگی اس کے بعد اس سے چھوٹی............ اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطنٍ چلا جائے گا۔

= "و صرح في البزازية أن عزل القاضي للخائن و اجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه، والإثم بتولية الخائن، ولاشک فيه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف في نصب المتولي و ما يملكه أولا: ۲۵۳/۶، رشديه)

"وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر: ۳۸۹/۴، سعيد)

"فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل، وليقس ما لم يقل".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

اور جب کہ میرے بعد شوہر بھی فوت ہوجائیں اور میری اولاد ذکور واناث اور میری اولاد کے سلسلہ ذکور واناث میں سے بھی کوئی باقی نہ رہے تو پھر میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد کے سلسلے میں سے ذکورِ وقت سب سے بڑا اور متدین حنفی المذہب اَزقسم ذکور ہوگا وہ متولی ہوگا، اس کے بعد اس سے چھوٹا ازقسم ذکور ہوگا، اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ چلتا رہے گا۔ جب میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد کے سلسلے میں بھی کوئی شخص ازقسم ذکور باقی نہ رہے، یا زندہ ہومگر تولیت منظور نہ کرے تو پھر خاندان شروانیان سے جو بظاہر زیادہ متدین اور اہل ہوگا وہ متولی ہوگا۔

۵..... بعد ادائے مالگذاری ودیگر اخراجات ضروری متعلق تحصیل وصول ودیگر مطالبہ جاتِ سرکاری جو منافعہ جائیداد موقوفہ ہوگا، اس سے دس روپے سال مندرجہ ذیل مصارف میں سے کسی مصرف میں صرف ہوتے رہیں وہ مصارف یہ ہیں:

"تبلیغ و اشاعتِ اسلام، و خدماتِ علماء و صلحاء، و مدارسِ دینیہ عربیہ، و اعانتِ امور ہر قسم متعلق مذہبِ اسلام، و تعمیرِ مساجد، و امداد بیوگان غیر مستطیع مسلمان، ویتمیٰ، وغیر مستطیع مسلمانان".

بعد منہائے ان دس کے باقی منافع جو بچے گا وہ اپنی حیات تک میں اپنے صرف میں لاؤں گی اور بعد انتقال میرے شوہر خوشوقت جلیل احمد خان صاحب اپنے صرف میں لائیں گے اور میرے شوہر کے انتقال کے بعد میری اولاد کو حسبِ حصص شرعی یعنی بقاعدہ ﴿للذکر مثل حظ الأنثيين﴾ تقسیم کی جایا کرے گی اور یہ سلسلہ تقسیم کا میری اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ جاری رہے گا۔

میرے اور میرے شوہر کے بعد جب میری اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد، اولاد در اولاد الی آخرہ کے سلسلہ میں سے کوئی باقی نہ رہے تو پھر بعد ادائے مالگذاری ودیگر اخراجاتِ ضروری متعلق تحصیل ضروری ودیگر مطالبہ جات سرکاری جو منافعہ جائیداد مذکورہ ہذا کا بچے گا، اس میں سے بجائے دس کے تین سو روپے سال مصارف مذکورہ بالا مندرجہ وقف نامہ ہذا میں سے کسی مصرف میں صرف ہوا کریں گے اور باقی منافعہ میرے ان ورثائے شرعی کو بحصۂ شرعی دیا جائے گا کہ جو ورثاء میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد میں سے ہوں، خواہ وہ ازقسم ذکور ہوں یا اناث۔

اور جب میرے ایسے ورثاء بھی جو میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد میں سے ہوں باقی نہ رہیں تو پھر ادائے مالگذاری و دیگر اخراجاتِ ضروری متعلق تحصیل وصول و دیگر مطالبہ جات سرکاری جو منافعہ جائیداد موقوفہ کا ہوگا، اس میں سے مبلغ ۵/ سو روپے سال مصارفِ خیر مذکورہ بالا وقف نامہ ہذا میں سے کسی مصرف میں صرف ہوا کریں گے اور باقی منافعہ جو بچے گا وہ متولی کو بطورِ حق الخدمت دیا جائے گا۔

۶...... اور مجھ کو ان قواعد وقف نامہ ہذا کے اندر تغیر و ترمیم کا ہر وقت اختیار رہے گا، مگر وہ ترمیم اگر رجسٹری شدہ ہوگی تو معتبر اور قابلِ عمل ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صحتِ وقف کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے متولی کی بھی ہمیشہ کے لئے تعیین کردی جائے، بلکہ اگر کسی کو بھی متولی مقرر نہ کرے تب بھی مفتی بہ قول کے موافق وقف صحیح ہو جاتا ہے(۱):

"لو وقف رجل أرضاً له، ولم يشترط الولاية لنفسه و لا لغيره، ذكر هلال والناطفي: أن الولاية تكون للواقف. و ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ عليه في السير الكبير: أنه إذا وقف ضيعةً أوأخرجها إلى القيم، لاتكون له الولاية بعد ذلك، إلا أن يشترط لنفسه. وهذه المسئلة مبنية على ما تقدم من أن التسليم شرط عند محمد رحمه الله تعالىٰ، فلا تبقى له ولاية إلا بالشرط منه له، وليس بشرط عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، فتكون الولاية له من غير شرط لنفسه، وبه أخذ مشايخ بلخ. ولو شرط أن تكون الولاية له و لأولاده في الولية القود و عزلهم والاستبدال بالوقف و في كل ما هو من جنس الولاية وسلمه إلى المتولي، جاز ذلك". إسعاف(۲)۔

---

(۱) "وإذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وقول الأئمة الثلاثة، وهو قول أكثر أهل العلم، وعلى هذا مشايخ بلخ. وفي المنية: وعليه الفتوى كذا في فتح القدير، وعليه الفتوى كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه، الخ: ۳۵۱/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۲/۶، ۲۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، شركت علميه ملتان)

(۲) لم أجده

البتہ "خانیہ" میں یہ مسئلہ موجود ہے، چنانچہ اسی میں ہے: ....

اَور بھی کوئی شرط وقف نامہ میں خلافِ شرع معلوم نہیں ہوئی، لہذا یہ وقف نامہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

تولیت کے متعلق جو کچھ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، صحیح ہے، باقی اَور دفعات میں اکثر جگہ اجمال ہے۔ جس جگہ رقم مقرر کی گئی ہے اگر بجائے اس کے آمدنی کا حصہ رکھا جائے تو اچھا ہے، اسی طرح متولی کے لئے دفعہ نمبر ۵/ کے آخر میں ''جو کچھ بچے، وہ حق الخدمت تجویز کیا گیا ہے'' یہاں بھی تعیین ہونی چاہئے۔

تولیت کے شقوق میں گو تفصیل کی گئی ہے مگر پھر بھی ابہام اور اجمال باقی ہے، نمبر: ا میں ''وقف کرتی ہوں'' کے بجائے ''میں نے جائیداد مندرجہ ذیل کو مصارفِ ذیل بشرائطِ ذیل وقف کردیا'' ہو تو مناسب ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

متولیٔ وقف کیسا ہونا چاہئے؟

سوال [۲۹۳۵]: ا......تولیتِ مسجد کے لئے متشرع ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ مسلمان متدین موجود ہو تو اس کو چھوڑ کر ناحق جو غیر متدین ہو اس کو متولی بنانا کیسا ہے؟

۲......متولیٔ مسجد کس درجہ کا مسلمان ہونا چاہئے؟

۳......اگر واقفِ جائیداد کو خود ہی متولی قرار دیدیا جائے تو کیسا ہے؟

= ''رجل وقف أرضاً علی جهة و لم يشترط الولاية لنفسه و لا لغيره، ذكر هلال والناطفي رحمه الله تعالیٰ: أن الولاية يكون للواقف، و ذكر محمد رحمه الله تعالیٰ في السير: أنه إذا وقف ضيعةً وأخرجها إلی القيم، لاتكون له الولاية بعد ذلك، إلا أن يشترط الولاية لنفسه''. (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۵/۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي وما يملكه أولاً: ۲۵۲/۶، ۲۵۳، رشيديه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

١......متولی ایسے آدمی کو بنایا جائے جو امین ہو (خائن نہ ہو) دیندار ہو (بددین نہ ہو) انتظامِ وقف کی اہلیت اور اس سے دلچسپی رکھتا ہو، اس کو بلا وجہ ہٹا کر، یا ابتداءً کسی فاسق غیر متدین کو متولی بنانا گناہ ہے:

"وفی الإسعاف: لایولی إلا أمین قادرٌ بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر، ولیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخل بالمقصود، وکذا تولیة العاجز؛ لأن المقصود لا یحصل به". بحر (١)۔

٢...... اس کا جواب نمبر: ا سے واضح ہے۔

٣......درست ہے:" وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أو جعل الولایة إلیه، صح: أی لو شرط عند الإیقاف ذلك، اعتبر شرطه". بحر (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٨/٢/٨٩ھ۔

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟

سوال [٦٩٣٦]: مہذب حسین ولد محمد حسن متولی مسجد ہونے کا خواہش مند ہے۔ مہذب حسین کی

---

(١) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ٣٧٨/٥، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی: ٣٨٠/٤، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف و تصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ٤٠٨/٢، رشیدیه)

(٢) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ٣٦٨/٥، رشیدیه)

"جعل الواقف الولایة لنفسه، جاز بالإجماع، و کذا لو لم یشترط لأحد، فالولایة له عند الثانی، و هو ظاهر المذهب". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ٣٧٩/٤، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ٥٧٤/٢، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف و تصرف القیم فی الأوقاف: ٤٠٨/٢، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ٣٧٧/٥، رشیدیه)

والدہ بے نکاحی ہی محمد حسن کے نکاح میں تھی جس سے مہذب حسین پیدا ہوا تھا۔ مہذب حسین کے پاس جو بیوی ہے وہ بھی بے نکاحی ہے، وہ ولی محمد کی بیوی ہے، ولی محمد سے دو بچے بھی ہیں، ولی محمد نے طلاق بھی نہیں دی ہے۔ دفعہ نمبر ۳۵۴ کے تحت مہذب حسین پر مقدمہ بھی چل رہا ہے، ایک غیر مسلم کے گھر چوری کی اور اس کی بیوی کی آبروریزی بھی کی، مسجد کا پیش امام ہونے کا اپنے کو اہل بتاتا ہے۔ کیا یہ متولی بنایا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا متولی ایسے آدمی کو تجویز کیا جائے جو دیانت دار ہو، مسجد کو آباد رکھنے کا انتظام کر سکتا ہو، آمد وخرچ کا حساب صحیح صحیح رکھ سکتا ہو(۱)۔ سوال میں جو اوصاف مذکور ہیں ان کے پیشِ نظر شخصِ مذکورہ کو مسجد کا متولی ہرگز نہ بنایا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

متولی مسجد اگر غافل یا خائن ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۶۹۳۷]: اگر کسی مسجد کے متولیان ومنتظمان مسجد کے انتظام میں غفلت وخیانت کریں،

---

(۱) "وفي الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود. وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل له". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۲) "وينزع وجوباً لو غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي ومايملكه: ۲۵۳/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

حساب وآمدنی وخرچ کو ظاہر نہ کریں اوران کی غفلت سے مسجد کے انتظام میں خلل واقع ہوجاوے اور مسجد کے کسی حصہ کو نقصان پہونچے، یا مسجد کے کسی حصہ پر غیر مسلم کا قبضہ ہوجاوے اور مسجد کی شان وعظمت برقرار نہ رہے۔ تو ایسے منتظمان کو کیا شرعاً حق ہے کہ اپنی نظامت پر قائم رہیں اور کیا مسلمانوں کو حق ہے کہ ایسے لوگوں کو تولیت سے علیحدہ کردیں اوران کی جگہ ان لوگوں کو منتظم بنائیں جو کہ متدین ہوں اور انتظامِ مسجد کو مطابقِ حکمِ شرع کے قائم رکھیں؟ براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به .... والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة، وأن الناظر إذا فسق استحق العزل، ولا ينعزل، كالقاضي إذا فسق، لا ينعزل على الصحيح المفتى به، اهـ". ردالمحتار: ۵۹۵/۲(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر متولی خائن ہے، یا غافل ہے، یا عاجز ہے کہ موافقِ شرع وقف کا انتظام صحیح طور پر نہیں کرسکتا اوراس سے وقف کو نقصان پہونچتا ہے، نیز یہ چیز شرعی شہادت سے ثابت ہے تو متولی مذکور اس تولیت سے علیحدگی کے قابل ہے، یعنی حاکمِ وقت کے یہاں درخواست دیکر اور متولی کی خیانت کو ثابت کرکے تولیت سے علیحدہ کرادیا جائے اوراس کی جگہ کسی دیندار، صالح، امین اور لائق شخص کو متولی کیا جاوے تاکہ وقف کا انتظام شرع کے مطابق رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۷/۶/۱۴ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعید)

"وفي الإسعاف: لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، ويستوي فيه الذكر والأنثى، وكذا الأعمى والبصير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

اگر سوال مطابقِ واقعہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے، اگر سوال خلافِ واقعہ ہے تو ایک مسلم پر غلط اتہام لگانے اور بلا وجہ بدنام کرنے کا وبال اور گناہ سائل کے ذمہ ہے۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/۲/۵۷ھ۔

کیا وقف کا متولی خود واقف ہو سکتا ہے؟

سوال[۶۹۳۸]: جائیدادِ موقوفہ کی ولایت کا مستحق کون ہے؟ اور کس کو ولی بنانا بہتر ہے؟ واقف بھی متولی بن سکتا ہے کہ نہیں؟ اس کی اہلیت کے جو شرائط ہوں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف خود بھی متولی بن سکتا ہے(۱)، جو شخص جائیداد موقوفہ کا حسبِ شرائطِ وقف دیانت داری سے انتظام کر سکے وہ اہل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

بے نمازی کا متولّی مسجد ہونا

سوال[۶۹۳۹]: جو متولی نماز نہیں پڑھتا ہے، وہ قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کی اصل خدمت انتظام واہتمامِ مسجد ہے، اس میں ماہر ہونا ضروری ہے، لیکن چونکہ متولی کو امین اور دیانت دار ہونا بھی لازم ہے اور جو شخص تارکِ فرائض بھی ہے وہ فاسق ہے اور فاسق کو متولی بنانا جائز نہیں:

---

(۱) "جعل الواقف الولایة لنفسه، جاز بالإجماع". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۷۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۷، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۴۰۸، مکتبه غفاریه)

(۲) (راجع، ص: ۳۵۰، رقم الحاشیة: ۱)

"الصالح للنظر مَن لم يسأل الولاية للوقف، وليس فيه فسق يعرف، هكذا في فتح القدير. وفي الاستيعاب: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، الخ". عالمگیری:۲/۹۹۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

متولی کا قومِ واقف سے ہونا

سوال[۶۹۴۰]: جس قوم نے یہ مسجد تعمیر کرائی ہے، کیا یہ لازمی ہے کہ ہمیشہ کو متولی اسی قوم میں سے ہو اگرچہ کوئی وقف نامہ تحریری ایسی ہدایت کا موجود نہ ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب واقف نے کسی کو متولی نہیں بنایا اور موجودہ متولی مالِ وقف کو صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتا تو اربابِ حل وعقد کو چاہئے کہ حاکم مسلم کے ذریعہ سے باقاعدہ متولی موجود کو معزول کرا کے دوسرے دیانتدار شخص کو متولی بنائیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۷ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ذكر هلال: إذا وقف الرجل أرضه و لم يشترط الولاية لنفسه ولا لغيره أن الوقف جائز".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس: الولاية في الوقف: ۵/۳۸۷، إدارة القرآن كراچی)

"للقاضي أن يعزل الذي نصبه الواقف إذا كان (أي العزل) خيراً للوقف، كذا في فصول العمادية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۹، رشيديه)

"وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر: ۴/۳۸۰، سعيد) .... =

زبانی وقف اور خاندانِ واقف کا متولی ہونا

سوال[۱۹۴۱] : زید کے والد محترم نے مسجد کے لئے دینی اجتماع میں جگہ وقف کی زبانی، پنچوں نے اسے قبول کیا اور نماز ہونا شروع ہوگئی۔ زید کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، زمین قانونی وقف نہیں تھی، اس لئے زید اور اس کے چچا جو پہلے وقف پر راضی تھے، اب ان لوگوں کی بھی نیت ہے کہ ہماری ملکیت رہے اور ہماری زیرنگرانی پکی مسجد بنے، اس کی نگہبانی اور حکمرانی ہماری ہو اور اس کی انکم (آمدنی) ہمارے پاس ہی ہو، ہماری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہ ہو۔ پنچوں کو اصرار ہے کہ قانونی وقف کریں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ابھی قانوناً وقف کریں۔ اور لوگوں کا کہنا ہے کہ نیت زید کی اور اس کے چچا کی بدل گئی ہے۔ ایسی حالت میں اس مسجد میں یا اس جگہ پر نماز ہوتی ہے یا نہیں، پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر ان لوگوں کا مقصود یہ ہے کہ مسجد پکی ہمارے انتظام اور نگرانی میں بنے اور آباد ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، کہ واقف کے خاندان کے لوگ متولی اور منتظم ہونے کے وہ زیادہ مستحق ہیں جب کہ ان میں صلاحیت ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

= "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۸۰، سعيد)

"في الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن التولية مقيدة بشرط النظر".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/ ۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/ ۳۸۰، سعيد)

(۱) "وفي الأصل: الحاكم لا يجعل القيم من الأجانب ما دام من أهل بيت الواقف مَن يصلح لذلك، وإن لم يجد منهم من يصلح و نصب غيرهم، ثم وجد منهم مَن يصلح صرفه عنه إلى أهل بيت الواقف". =

بانی کے اہلِ خاندان تولیت کے زیادہ حق دار ہیں

سوال[۲۹۴۲]: پہلا متولی علیحدہ کردیا گیا، کیا ان کو حق ہے کہ کسی دوسرے کو زبانی اپنی طرف سے تقرر کردیں، جب کہ دوسرا متولی مالکِ مسجد کا بھائی اور یہ مسجد قدیمی میرے بزرگوں کی رہی، میرا خاندان سب خرچ کرتا تھا، اب میں خرچ کرتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بانیٔ مسجد کے خاندان جب تک متولی ہونے کے اہل موجود ہیں تو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

= (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف: ۴۱۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۳/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"وما دام أحد یصلح للتولیة من أقارب الواقف، لا یجعل المتولی من الأجانب".

(الدرالمختار). "(قوله: و ما دام أحد) و لا یجعل القیم فیه من الأجانب ما وجد فی ولد الواقف وأهل بیته من یصلح لذلک". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا یجعل الناظر من غیر أهل الوقف: ۴۲۴/۴، سعید)

(۱) "ما دام أحد یصلح للتولیة من أقارب الواقف، لا یجعل المتولی من الأجانب". (الدرالمختار).

"(قوله: ومادام أحد) ولایجعل القیم فیه من الأجانب ماوجد فی ولد الواقف وأهل بیته من یصلح لذلک". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لایجعل الناظر من غیر أهل الوقف: ۴۲۴/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۴۱۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۳/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

مسجد کی تولیت میں وراثت

سوال[۶۹۴۳]: ایک مسجدِ قدیم مشہور چھوٹی مسجد واقع ہے، عمارتِ مسجد میں ضرورت کے وقت مناسب ترمیم واضافہ ہوتا رہا ہے، عام دستور کے مطابق تعمیرِ مسجد میں اور اس کے بعد ضروریات مسجد میں عام مسلمانوں کا پیسہ ہی صرف ہوتا رہا ہے، عمارتِ مسجد ایک قاضی صاحب کی پٹہ شدہ موقوفہ زمین پر ہے۔ اور قریب ۲۲،۲۳/ سال سے اس مسجد میں پیش امام واقف کے ورثاء میں تھا، اس کو اہل محلہ نے کسی خامی کی وجہ سے ہٹا کر دوسرا امام رکھ لیا جو فی الحال امامت کرتا ہے۔ اس مسجد کے متصل ایک کنواں رفاہِ عام کے لئے بنا ہوا ہے، اس کی ضرورت ختم ہونے کی بناء پر حال ہی میں اہلِ محلہ نے کنویں کی تعمیر ختم کر کے چند دوکانیں تعمیر کی ہیں جو کرایہ پر اُٹھی ہوئی ہیں۔

دوکانوں کی تعمیر وآمدنی دیکھ کر سابق امام کے ورثائے - جو قاضی صاحب کے ورثاء میں ہیں - مسجد کی دوکانوں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دیا ہے کہ مسجد عام مسلمانوں کے بجائے واقف کے خاندان ہی کے لئے تیار کی گئی تھی اور ہم اس کے مالک ہیں، ہم ہی امامت کریں گے اور آمدنی لیں گے، جس کی مرضی ہو اس مسجد میں نماز پڑھے یا دوسری مسجد میں پڑھے۔

تو کیا سابق امام کا دعوی موروثی وامامت کا کرنا اور اپنی خاندانی مسجد بنانا جائز ہے؟ کیا مسجد میں اذنِ عام جمعہ وپنجگانہ باجماعت ہونے پر وہ مسجد وقف ہوئی یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی روپیہ سے مسجد بنادے اور عام اجازت نماز کی دیدے تو کیا اس کے مرنے کے بعد ورثاء کو اختیار ہے کہ اس میں نماز سے لوگوں کو روک دے؟

نوٹ: یہ مسجد محکمۂ اوقاف میں بھی درج ہے اور سابق امام خاندانی قاضی نہیں ہیں، بلکہ محکمۂ اوقاف کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، دراصل وہ قریشی ہیں۔ اور ''مسجد قاضیان'' کے نام سے مشہور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد ذاتی روپیہ سے وقف شدہ زمین میں تعمیر کر کے عام مسلمانوں کو اجازت دے دی اور وہاں اذان اور جماعت پنجگانہ اور جمعہ کی نماز شروع ہوگئی، کسی پر کوئی روک ٹوک نہیں اور محکمۂ اوقاف میں اس کا اندراج بھی

مسجد ہی کے نام سے ہے تو بلا شبہ وہ شرعی مسجد ہے(۱)، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، نہ اس پر کسی کا دعوائے ملک صحیح ہوگا(۲)، نہ وہاں کسی کو نماز پڑھنے سے روکا جائے گا۔

''مسجد قاضیان'' یا کسی بھی نام سے موسوم ہوجانے کی وجہ سے اس کے مسجد شرعی ہونے میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ ''مسجد اکبری، مسجد شاہجہانی، جہانگیری، عالمگیری'' بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔ بخاری شریف میں مستقل مضمون ہے کہ مسجد بنی فلان سے موسوم کرنا صحیح ہے(۳)۔ جو شخص جس مسجد میں نماز پڑھتا ہے، یا جس

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها أبداً، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً، ونوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

"وإذا بنى مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه و يأذن للناس بالصلاة فيه، فإذا صلى فيه واحد زال عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن ملكه". (الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۶۴۴/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولو جعل له واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام و صلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق؛ لأن أداء الصلاة على هذا الوجه كالجماعة". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۳/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه و لا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله تعالىٰ". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۳) "حدثنا عبد الله بن يوسف، قال: أنا مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سابق بين الخيل التي أضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، =

کے مکان کے قریب جو مسجد ہوتی ہے اس کو اپنی مسجد کہا کرتا ہے، اس کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مملوکہ مسجد ہے۔ جو جائیداد مسجد کی زمین میں بنائی جائے اور اہلِ محلہ چندہ کر کے مسجد کے لئے بنائیں، اس پر کسی خاص شخص یا خاندان کا دعوائے ملکیت ہرگز صحیح نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۹۳ھ۔

جو متولی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے، اس کا حکم

سوال [۶۹۴۴]: اگر کوئی متولی وقف شدہ عمارت سے اتنے عرصہ تقریباً ۱۲/ سال سے بے تعلق رہے تو مسلمانوں کے کیا فرائض ہیں، نیز از روئے شرع متولی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں کو ایسی حالت میں چاہئے کہ کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کر دیں (۲) جو پوری ذمہ داری کے ساتھ وقف کی نگرانی اور خدمت کرے اور وقف کو ضائع نہ ہونے دے اور حتی الوسع غرضِ واقف کے پورا کرنے میں ساعی رہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۳/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

= وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق، وأن عبد الله بن عمر كان فيمن سابق بها". (صحيح البخاري، بابٌ: هل يقال: مسجد بني فلان: ۱/ ۵۹، ۶۰، قديمي)

(۱) "فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك و لايعار ولا يرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولايملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۲، سعيد)

(۲) "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أوظهربه فسق". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، في نصب المتولي و ما يملكه أولا: ۶/ ۲۵۳، رشيديه)

(۳) "ولو أوصى الواقف إلى جماعة، وكان بعضهم غير مأمون، بدله القاضي بمأمون". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۹، رشيديه) =

متولی کا شرائطِ واقف کے خلاف عمل

سوال[۶۹۴۵]: چند مسلم واقفوں نے مسلمانوں کی ایک انجمن کو بذریعۂ رجسٹری ایک قطعۂ اراضی وفنڈ مذکورہ انجمن کو متولی قرار دے کر حوالہ کیا تا کہ اس پر ایک عمارت دینی مدرسہ چلانے کے لئے تعمیر ہو اور ساتھ میں چند شرائط رکھی گئیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱-متولی انجمن اس زمین پر ایک دومنزلہ پکی عمارت تعمیر کرائے جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا مدرسہ ہو۔

۲-اس زمین پر مدرسہ کی عمارت کے علاوہ کسی قسم کی دوکانیں ورہائشی مکانات یا کسی قسم کی عمارت تعمیر نہ ہو۔

۳-ایک منزل لڑکوں کے لئے دوسری منزل لڑکیوں کے لئے مخصوص ہو۔

۴-جوفنڈ اس وقف نامہ اور زمین کے ساتھ دیا گیا ہے، وہ صرف تعمیر عمارت پر ہی صرف ہو۔

۵-اس مدرسہ میں دینی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے اور ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم کا بھی خیال رہے۔

۶-مدرسہ میں داخلہ کے وقت محلّہ کے لڑکے لڑکیوں کو اوّلیت دی جائے۔

۷-متولیٔ انجمن جلد از جلد تعمیر لائسنس حاصل کر کے عمارت کی تعمیر مکمل کرائے۔

۸-متولیٔ انجمن واقف حضرات میں سے تعمیر کمیٹی میں دو اصحاب کو لے۔

اب مذکورہ متولیٔ انجمن تمام شرائط نامہ کی حسبِ ذیل خلاف ورزی کر چکا ہے۔

۱-تعمیر کمیٹی میں کسی دو واقف حضرات کو نہیں لیا گیا۔

۲-دوکان کی تعمیر زمین پر ہوئی۔

۳-بچوں کی تعلیم کے لئے دومنزلہ کے بجائے ایک منزلہ تعمیر ہوئی۔

۴-بجائے مدرسہ میں دینی تعلیم جاری کرنے کے متولی انجمن نے اپنا پہلے سے چلتا ہوا مڈل اسکول جو

= "الثالث إذا ظهرت خيانته، فإن القاضي يعزله و ينصب أميناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۱/۵، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

دوسری جگہ تھا اس کو اس عمارت میں منتقل کر دیا تاکہ حکومت سے ملنے والا گرانٹ وکرایہ بدستور ملتا رہے۔

اب مسلمانانِ محلّہ مُصر ہیں کہ انجمن مذکورہ کی تولیت کو ختم کیا جائے۔ کیا انجمن مذکورہ کی تولیت شرعی رو سے برقرار رہ سکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

متولی کو واقف کے شرائط کی پابندی لازم ہوتی ہے جب تک وہ شرائط موافقِ شرع ہوں (۱) اور وقف کے لئے نافع ہوں، مضر نہ ہوں (۲)۔ جو متولی شرائطِ وقف کے خلاف کرے وہ تولیت سے علیحدگی کا مستحق ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

ذمہ داری پوری نہ کرنے پر متولی کی علیحدگی

سوال [۶۹۴۶] : متولیانِ اوقاف اپنے فرضِ منصبی کو ادا نہ کریں، اوقاف کی ضرورت کو پیشِ نظر نہ

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة ، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم و الدلالة، اهـ".

(الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "وبهذا علم أن قولهم: "شرط الواقف كنص الشارع " ليس على عمومه. قال العلامة قاسم في فتاواه: أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به، ومنها ما ليس كذلک".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۲/ ۴۱۱، رشيديه)

(۳) "إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف، فإن كان في نزعه مصلحة، يجب عليه إخراجه دفعاً للضرر عن الوقف". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي وما يملكه أولا: ۶/۲۵۳، رشيديه)

"وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب الخمر و نحوه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۸۰، سعيد)

رکھیں، اوقاف کی جائیداد کی حفاظت نہ کریں، اوقاف کی دوکانوں کا کرایہ وصول نہ کریں، اوقاف کی مساجدوں کو جاکر کبھی نہ دیکھیں، مسجدوں میں حاضر ہوکر نماز با جماعت سوائے جمعہ کے کبھی ادا نہ کریں، صرف جمعہ کے دن دفترِ اوقاف میں بیٹھ کر کاغذ پر حکم نویسی کریں اور بستی کے تمام مسلمانوں پر اپنے کو حاکم مانیں اور سب کو محکوم جانیں اور تمام مسلمانوں کی بے عزتی پر آمادہ ہوں، مسلمانوں کی ناک کٹوائیں، گردنیں کٹوائیں اور ان کی عورتوں کو بیوہ کرانے کا ارادہ رکھیں اور خود مسجدوں کی دوکانوں میں کم کرایہ سے رہ کر ان کا کرایہ ادا نہ کریں اور بستی میں کوئی شخص فی سبیل اللہ کام کرے تو اس کو کام نہ کرنے دیں اور اس کے کام میں روڑے اٹکاویں اور فتویٰ منگاویں۔ تو کیا ایسے اشخاص شرعی اعتبار سے متولی اور صدر رہنے کے مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہو تو ایسے لوگ اس منصب کے حقدار نہیں، مگر بغیر تحقیق کوئی اقدام نہ کیا جائے جس سے فتنہ پیدا ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو متولی وقف کو فروخت کرے وہ مستحقِ عزل ہے

سوال[۶۹۴۷]: کسی وقف کے متولی نے وقف کے ایک حصہ کو بیچ کر بقایا حصہ کی مرمت پر خرچ کردیا ہے۔ کیا متولی کا یہ فعل شرعاً جائز ہے، کیا ایسا شخص متولی رہ سکتا ہے؟ اور قاضی شرعی کی عدم موجودگی میں مسلمانانِ قصبہ کو ایسے متولی کے عزل کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

---

(۱) "فإن طعن في الوالي طاعن، لم يخرجه القاضي من الولاية إلا بخيانة ظاهرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۴۲۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وصرح بأنه مما يخرج به الناظر ما إذا ظهر به فسق". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف کے کسی حصہ کی بیع جائز نہیں(۱)، وقف کی آمدنی کرایہ وغیرہ سے مرمت کرنا درست ہے(۲)۔ اگر حاکم مسلم کے ذریعہ سے وقف میں ناجائز تصرف کرنے والے متولی کو علیحدہ کرنا دشوار ہو تو پھر قصبہ کے اربابِ حل وعقد علیحدہ کر سکتے ہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۵/ ذیقعدہ/۵۶ھ۔

متولی مسجد اگر مسجد کا انتظام نہ کرے تو اس کی برطرفی

سوال[۶۹۴۸]: ۱...... ایک مسجد ہے، اس کے تین متولی ہیں، مسجد کی آمدنی سالانہ ایک ہزار روپیہ ہے، حضرات متولین کا خیال ہے کہ آمدنی کا سارا روپیہ کھالیں اور مسجد میں گھڑے لوٹے تک کا انتظام نہ کریں۔

---

(۱) "وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها منها؛ ليرم الباقي، ليس له ذلک، فإن باعه فهو باطل". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في النهرالفائق، كتاب الوقف: ۳۲۷/۳، إمداديه ملتان)

(۲) "و يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هوأقرب لعمارته". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۶۶/۴، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۱/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في مصارف الوقف، الخ: ۳۶۸/۲، رشيديه)

(۳) "وفي الجواهر: القيّم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وينزع وجوباً لو غير مأمون أوعاجزاً، أو ظهر به فسق". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

"فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

ایضاً

سوال[۶۹۴۹] : ۲...... مسجد ہی کی کچھ زمین ہے، جبراً اُنہیں لوگوں نے قبضہ کر کے اس پر مکان بھی بنوالیا ہے۔ یہ سب کیسا ہے؟ اگر ہم باہم مشورہ کر کے اسے وقف بورڈ کے حوالہ کر دیں اور حکومت ہی کے زیر اہتمام کوئی متولی ہوتو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱،۲...... ایسے متولیوں کو تولیت سے الگ کرنا واجب ہے(۱)، دیانت دار، متبعِ شریعت، بااثر چند حضرات کی کمیٹی بنالی جائے (۲) اور موجودہ متولیوں کو برطرف کر کے وقف بورڈ کو اطلاع کر دی جائے کہ فلاں تاریخ سے فلاں کمیٹی کے سپرد مسجد اور اس کی جائیدا کا انتظام کر دیا جائے اور قانونی طور پر مسجد کی جائیداد اور آمدنی کو اُن کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۵ھ۔

---

(۱) "إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف، فإن كان فى نزعه مصلحة، يجب عليه إخراجه دفعاً للضرر عن الوقف". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثانى فى نصب المتولى و ما يملكه أولا: ۲۵۳/۶، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وصرح فى البزازية أن عزل القاضى للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه، والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه". (البحرالرائق، كتاب الوقف، باب: ۴۱۱/۵، رشيديه)

(۲) "فى الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف و تصرف القيم فى الأوقاف ، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى شروط المتولى: ۳۸۰/۴، سعيد)

ایک متولی کے مظالم

سوال[۲۹۵۰]: ا...... ہمارے موضع سلطان پور کناری میں ایک جامع مسجد ہے، اس مسجد کے پیچھے ایک حصہ خالی پڑا ہوا تھا، مسجد کو بڑھانے کے لئے اس خالی حصہ میں ایک کھنڈ تعمیر کیا(۱)، مگر اس کی صرف دیواریں تیار ہوئی تھیں، چھت اس پر نہیں ڈال سکے تھے کہ اس کا کام رک گیا اور کام رکنے کی وجہ یہ ہوئی کہ منشی نور الحسن کا بھائی جس کے پاس مسجد کا روپیہ تھا وہ روپیہ لے کر بھاگ گیا۔

تقریباً ۱۸/ سال ہوگئے وہ کھنڈ اسی طرح پڑا ہوا ہے۔ چند سال پہلے لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس حصہ کو چھپوا دینا چاہئے، چنانچہ لوگوں نے پیسہ اکٹھا کر کے امام صاحب کے پاس رکھدیئے۔ امام صاب کا حج کا سفر تھا، اس لئے امام صاحب نے چلتے وقت لوگوں سے کہا کہ اس روپیہ کو تم جس کو دینا چاہو دیدو، میں سفر حج میں جا رہا ہوں اور پیسہ لا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ منشی نور الحسن گاؤں کا بڑا آدمی ہے سب پر اس کا رعب ہے، اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ پیسہ میں رکھوں گا، لوگ ناراض ہوئے کہ مسجد کا پیسہ اس کے پاس نہیں رکھنا چاہئے، یہ بھی اپنے بھائی کی طرح ضبط کر جائے گا۔ اس جملہ پر منشی نور الحسن کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ اس پیسہ کو ہم سے کون لے سکتا ہے، کسی کی طاقت نہیں ہے۔ اس پر ایک شخص مجلس میں سے کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ منشی صاحب! تم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ مسجد کا روپیہ ہے، یہ تو امانت ہے۔ منشی کو اس پر سخت ناراضگی ہوئی اور اس شخص کی خوب پٹائی کی اور خود جبراً متولی بن بیٹھا اور کوئی جواب ان پیسوں کا آج تک نہیں دیا۔

اس مسجد کی چار دوکانیں ہیں، تیس روپے ماہوار ان کو کرایہ پر دے رکھا ہے، سب پیسہ خود ہی وصول کرتا ہے اور اس پیسہ کا حساب نہ تو گاؤں والوں کو دیتا ہے اور نہ ہی اس کو مسجد میں لگواتا ہے۔ اس سال پھر لوگوں نے مشورہ کیا کہ مسجد کے اس نئے حصہ کو مکمل کر لیا جائے، اور مشورہ سے خزانچی دوسرا مقرر کیا، چنانچہ چندہ وصول کرنا شروع کر دیا، ہر چندہ دینے والا یہ کہتا ہے کہ ہم تمہارے اعتماد پر روپیہ دے رہے ہیں، اس کو مسجد میں لگانا ضروری ہے، اگر نہ لگایا تو ہمارا روپیہ واپس کر دینا۔

جب کچھ پیسے جمع ہوگئے اور کچھ سامان بھی آ گیا تو لوگوں نے منشی نور الحسن سے دوکانوں کے کرایہ کا

---

(۱) "کھنڈ: منزل، درجہ ٹکڑا، حصہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۲، فیروز سنز، لاہور)

حساب مانگا، منشی نورالحسن نے حساب دینے سے انکار کردیا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے، یا تم مسجد کا پیسہ نہیں دیتے تو مسجد کی دوکانیں چھوڑ دو، اس پر منشی کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ میری بادشاہت ہے، میں یہ کرایہ کسی کو نہیں دے سکتا اور میں اس سے اپنا قبضہ ختم نہیں کرسکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پھر خود جبراً متولی بن بیٹھا اور مسجد میں اپنی حکومت چلائی۔ کسی کو مسجد میں بولنے کا حق نہیں ہے، سوائے اس کے، اگر کوئی مسجد کے متعلق بولتا ہے تو اس کے ساتھ مارپیٹ کرتا ہے اور بُرا بھلا، گالی گلوچ کرتا ہے۔

اس طرح اس نے چھ اماموں کو ذلیل کر کے مسجد سے نکالا ہے، گاؤں کا کوئی بھی آدمی ان سے ناراض نہیں تھا سوائے منشی نورالحسن کے، اور نہ ہی ان میں سے کسی کے اندر ایسا نقص تھا جو قابلِ اعتراض ہو اور امام کی شان کے خلاف ہو، مگر منشی نے ان پر اعتراض کیا۔ ایک امام صاحب کے گھر میں آگ لگادی اور اس کو بھگادیا، ایک امام صاحب نے بچوں کو حفظ شروع کرادیا تو اس پر ناراض ہوا اور کہا کہ تم نے مکتب خراب کردیا اور سب بچوں کو بھگادیا اور امام صاحب کو بھی رخصت کردیا، حالانکہ گاؤں کی ۸/ ہزار کی آبادی ہے، مگر کوئی حافظ نہیں ہے۔

جنازہ کی نماز پڑھانے والا بھی کوئی نہیں ہے، امام صاحب اگر نہ ہوں تو جنازہ کی نماز کیلئے پریشانی ہوجاتی ہے۔ کسی امام کو خطبہ پڑھنے پر جھڑک دیا جس کی وجہ سے امام صاحب خود چلے گئے کہ میں کسی کا تابع بن کر نہیں رہوں گا، کسی پر یہ اعتراض کیا کہ تم دوکانوں پر بیٹھتے ہو، گاؤں میں گھومتے ہو اور اس کو اسی بناء پر رخصت کردیا، کسی امام صاحب کو اس بناء پر نکالا کہ وہ لوگوں کو سمجھاتا تھا کہ اسلام کو اپناؤ، قوم کی ترقی کرو، اپنے مکتب کی ترقی کرو اور مسجد کا حصہ مکمل کرو، ورنہ اس کا بوجھ گاؤں والوں پر پڑے گا۔ امام صاحب کے کہنے پر لوگوں نے چندہ شروع کیا، جب ہزاروں روپیہ سے زائد ہوگئے تو منشی کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہ میری موجودگی میں امام صاحب نے ایسا کیوں کیا، اس پر اَور طرح طرح کے اعتراضات لگا کر رخصت کردیا، مگر سب اعتراض والزامات تصدیق کے بعد غلط ثابت ہوئے۔

الغرض دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا شخص جو مسجد کو مسجد نہ سمجھتا ہو، لوگوں کو ناحق ستاتا ہو اور اماموں کو ذلیل کرتا ہو اور جس نے بچوں کو حفظ کرنے سے روک دیا ہو، اس کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ یہ شخص اتنا حرامی ہے تو کیا وجہ ہے کہ خارج عن الاسلام نہیں ہوگا؟

۲...... مسجدِ مذکورہ کا کچھ روپیہ ہزار گیارہ سو جمع ہوگیا تھا مسجد کا حصہ چھپوانے کے واسطے، مگر منشی کے جھگڑا کرنے کی وجہ سے نہیں چھپوا سکے تو وہ پیسہ رکھا ہوا ہے۔ اور چندہ دیتے وقت لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اگر تم یہ پیسہ مسجد میں نہیں لگاؤ گے تو واپس کردینا تو اب وہ لوگ اپنا روپیہ طلب کرتے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس روپیہ کو دوسری مسجد میں لگاؤ، مسجد مذکور میں لگانے سے منع کرتے ہیں کہ اس پر منشی کی حکومت ہے، لہذا یہاں پر یہ پیسہ صرف نہ کیا جائے گا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس روپیہ کو واپس کردیں، یا دوسری مسجد میں خرچ کردیں جب کہ لوگ اجازت دے رہے ہیں دوسری جگہ خرچ کرنے کی؟ اور یہ بات بھی طے ہے کہ ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ اس لئے جواب توجہ سے لکھیں کہ ان حالاتِ مذکورہ کی موجودگی میں کیا ہونا چاہئے؟

۳...... جس مسجد میں ایک ہی شخص کی چلتی ہو، دوسرے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے، اگر بولتا ہے تو اس کی پٹائی ہوتی ہے اور وہ شخص مسجد میں اپنی حکومت چلاتا ہو اور دوسروں کو حق بات میں ذلیل کرتا ہو، اماموں کو ناحق ذلیل کرتا ہو اور ان کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہو جب کہ سب لوگوں کو یہ بات بری معلوم ہوتی ہے اور مسجد میں اذنِ عام نہ ہو تو کیا ایسی مسجد میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... مسجد وقف اور خدا کا گھر ہے، کسی اَور کی ملک نہیں (۱)، دعوئے ملک کرنا غلط ہے اور کسی کے دعویٰ کرنے سے وہ اس کی ملک نہیں ہوجائے گی (۲)۔ جو شخص متولی ہے وہ امانت دار ہے، مالک نہیں (۳)، اس

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾. (سورة الجن: ۱۹)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه و لا يبيعه و لا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله تعالىٰ". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك، الخ". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملّك: أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۳) "وقد صرح علماؤنا قاطبةً بأن يد الناظر على الوقف يد أمانة لا يد عدوان". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث فى أحكام الناظر، الخ: ۲۱۵/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

کے ذمہ مسجد کا اور مسجد کے متعلق اشیاء کا حفاظت کرنا اور صحیح انتظام کرنا ہے جس سے مسجد آباد ہو (اور وقف کی ترقی ہو)۔ مسجد کا کوئی پیسہ اپنی ذاتی ملک تصور کرنا، یا بے محل خرچ کرنا غلط ہے، خیانت ہے، غصب ہے، اگر یہ چیز ثابت ہوجائے تو ایسے متولی کو معزول کردینا چاہئے (۱) اور امانات وانتظامات اس سے لے کر کسی صالح شخص یا جماعت کے سپرد کردیئے جائیں (۲)۔

اپنے اقتدار کی خاطر کسی ادنیٰ شخص کو بھی ذلیل کرنا جائز نہیں، ہر مسلمان کی آبرو کا احترام لازم ہے چہ جائیکہ امام کو کہ وہ مقتدا ہے اور خدائے پاک کی بارگاہ میں ادائے فرض کے لئے نمائندہ اور سفیر کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا احترام بہت لازم ہے (۳)۔

---

(۱) "لو أنكر المتولي الوقف وادّعى أنه ملكه، يصير غاصباً له، ويخرج من يده؛ لصيرورته خائناً بالإنكار". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام النظار ، الخ: ۱/۲۳۰، مكتبه ميمنيه مصر)

"فاستفيد منه أنه إذا تصرف بمالا يجوز، كان خائناً، يستحق العزل". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

"لأن تصرف القاضي في الأوقاف مقيد بالمصلحة، ويجب الإفتاء والقضاء لكل ما هو أنفع للوقف، وحيث رأى القاضي المصلحة في عزله لتعطيل مصالح الوقف بذلك، فقد صح عزله". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام النظار ، الخ: ۲۰۸/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "في الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف ، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(۳) "حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله، و من أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۲۹۱۳/۶، (رقم الحديث: ۳۶۶۰)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"أكرموا حملة القرآن، فمن أكرمهم فقد أكرمني". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۲۹۵/۲، (رقم الحديث: ۱۴۲۰۰)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

جو واقعات سوال میں درج ہیں اگر یہ صحیح ہیں تو شخص مذکور عند اللہ و عند الشرع نہایت قبیح و مبغوض ہے۔ سب مسلمانوں کو کوشش کر کے اپنے مسجد کی دیکھ بھال کرنا ضروری ہے اور اس شخص کو اہل علم حضرات کے ذریعہ تفہیم کرائی جائے اور اس کے لئے دعاء بھی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے افعال کی قباحت و شناعت اس کے دل پر واضح فرما کر توبہ و ندامت اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر اس سے کام نہ چلے تو اس سے مسجد کی امانتیں جس طرح بھی ممکن ہو حاصل کر لی جائیں اور انتظام میں دخیل ہونے سے بالکل روک دیا جائے۔

تنبیه: بغیر ثبوت کے کسی کی طرف افعالِ قبیحہ کا منسوب کرنا بھی تہمت ہے جو کبیرہ گناہ ہے، اس سے ہر ایک کو اجتناب لازم ہے (۱)۔ ان افعال کی وجہ سے شخصِ مذکور کو حرامی کہنا بھی جائز نہیں، نہ اس کو اسلام سے خارج کہا جائے۔

۲...... روپیہ دینے والوں نے اس شرط پر روپیہ دیا کہ اس مسجد میں لگا دیا جائے اور جس کو دیا ہے اس کو وکیل بنایا ہے مالک نہیں بنایا، اب جب کہ ان کے منشاء کے مطابق اس مسجد میں روپیہ نہیں لگتا اور وہ اپنا روپیہ واپس مانگ رہے ہیں تو ان کو واپس لینے کا بھی حق ہے اور دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت دے رہے ہیں تو دوسری مسجد میں خرچ کرنے کے لئے وکیل بنا رہے ہیں، ان کو اس کا بھی حق ہے، مؤکل کو اپنے وکیل کے معزول کر دینے کا حق کتب فقہ میں بصراحت مذکور ہے (۲)، البتہ وکیل کو بغیر اجازتِ مؤکل دوسری جگہ خرچ

---

(۱) "وأخرج أحمد: "خمس ليس لهن كفارة: الشرك بالله، و قتل النفس بغير حق، وبهت مؤمن، الخ".

والطبراني: "من ذكر امرءاً بشئ ليس فيه ليعيبه به، حبسه الله في نار جهنم حتى يأتي بنفاذ ما قال فيه". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الرابعة والخمسون بعد المأتين: ۲/۱۴۱، دار الفكر بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قيل: يا رسول الله! ما الغيبة؟ قال: "ذكرك أخاك بما يكره". قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: "فإن كان فيه ماتقول، فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه ما تقول فقد بهتّه". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: ۲/۶۶۸، دار الحديث ملتان)

(۲) "فللموكل العزل متى شاء مالم يتعلق له حق الغير". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۵/۵۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۷/۳۱۷، رشيديه)

کرنے کا حق نہیں (۱)، یہ حکم چندہ کا ہے جو مقصدِ مذکور کے لئے دیا گیا۔

اگر کوئی جائیداد کسی مسجد کے لئے وقف ہو تو اس کی آمدنی کو اسی مسجد میں خرچ کرنا ضروری ہے، دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں: "لأن شرط الواقف کنص الشارع" (۲)۔ اِلّا یہ کہ وہ مسجد خدانخوستہ ویران ہوجائے اور وہاں نماز پڑھنے والے موجود نہ رہیں اور وقف پر کسی کے غاصبانہ تسلط کا قبضہ ہو تو مجبوراً اس کی آمدنی بھی دوسری مسجد میں خرچ کی جاسکتی ہے، کذا فی البحر الرائق (۳)۔

۳...... جب یہ مسجد وقف اور شرعی مسجد ہے تو بلا شبہ اس میں نماز درست ہے اور مسجد کی نماز کا ثواب بھی ملے گا۔ جو شخص اس کو اپنی ملک قرار دیتا ہے وہ جھوٹا اور خدا کے نزدیک بہت مجرم ہے، مگر اس کے اس دعویٰ سے وہ مسجد اس کی ملک نہیں بن جاوے گی ﴿أن المساجد للّٰہ﴾ (٤)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "أی لأن الوکیل عامل لغیرہ، فمتی عمل لنفسہ فقط، بطلت الوکالۃ، اھـ". (ردالمحتار، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالخصومۃ والقبض: ۵/۵۳۲، سعید)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الوقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل بہ، وفی المفہوم والدلالۃ، اھـ". (الأشباہ والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی: ۲/۱۰۶، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الوقف: ۱/۱۲٦، مکتبہ میمنیہ مصر)

(وکذا فی مجمع الأنہر، کتاب الوقف: ۲/٦۰۸، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۳) "وفی القنیۃ: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنہ، فللقاضی أن یصرف أوقافہ إلی مسجد آخر". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۴، رشیدیہ)

"ونقل فی الذخیرۃ عن شمس الأئمۃ الحلوانی: أنہ سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا یحتاج إلیہ لتفرق الناس عنہ، ھل للقاضی أن یصرف أوقافہ إلی مسجد أوحوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ: ۴/۳۵۹، سعید)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد للہ، فلا تدعوا مع اللہ أحداً﴾ (سورۃ الجن: ۱۹)

"ومن اتخذ أرضہ مسجداً، لم یکن لہ أن یرجع فیہ و لا یبیعہ ولا یورث عنہ؛ لأنہ یحرز عن حق العباد، وصار خالصاً للہ تعالیٰ". (الھدایۃ، کتاب الوقف: ۲/٦۴۵، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

متولی کا اپنے آپ کو رجسٹری کرالینا

سوال[۶۹۵۱]: ایک مسجد کے متولی صاحب ایک عرصۂ دراز سے بہ حسن وخوبی مسجد کا کام انجام دے رہے تھے، انہوں نے کسی وجوہات سے دوسرے شخص کو متولی بنادیا۔ جدید متولی صاحب نے مسجد کی جگہ میں دوکانیں وغیرہ بنا کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا، جدید متولی نے بغیر جماعت کو معلوم کرائے اپنے نام سرکاری طور سے رجسٹری کرالی کہ پانچ سال تک مجھے کوئی ہٹا نہیں سکتا ہے، میں ہی مسلمانوں کا صدر اور متولی رہوں گا۔ متولی صاحب کا اس طرح رجسٹری کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم متولی صاحب نے بغیر اہل الرائے کے مشورہ کے خود بخود ہی نئے آدمی کو متولی بنادیا، یہ غلطی کی جس کی وجہ سے اب پریشانی ہو رہی ہے(۱)۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے متعلق کوئی کمیٹی بھی نہیں، اب جب کہ جدید متولی صاحب نے اپنے نام رجسٹری کرالی ہے کہ پانچ سال تک مجھے کوئی ہٹا نہیں سکتا تو قانوناً ان کی پختگی حاصل ہوگی، ان کا اپنے حق میں اس طرح رجسٹری کرالینا اور اپنے صدر اور متولی ہونے کا اختیار حاصل کرلینا شرعاً درست نہیں تھا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا أراد المتولي أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته، لا يجوز، إلا إذا كان التفويض إليه على سبيل التعميم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس: الولاية في الوقف: ۵/۷۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "رجل طلب التولية في الأوقاف، قال: لايعطى له التولية، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۶، رشيديه)

"طالبُ التولية كطالب القضاء لا يولى بالنص". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، =

جدید متولی کا امام کو پریشان کرنا

سوال[۶۹۵۲]: جدید متولی صاحب پیش امام مسجد پر اپنی فوقیت جتاتے ہوئے تکلیفیں دے رہے ہیں، ان پر ظلم کررہے ہیں۔ جدید متولی صاحب کا کہنا ہے کہ پیش امام نوکر ہے اور ہم ان پر افسر ہیں، ہماری بات کو ماننا چاہئے۔ پیش امام نے مجبور ہو کر جمعہ کی نماز کے بعد متولی صاحب نے جو تکلیفیں دی ہیں وہ بیان کیں۔ متولی صاحب پیش امام پر برہم ہوگئے کہ تم کو کس نے اجازت دی تھی، بغیر اجازت کے تم نے غیر مذہبی باتیں کیوں بیان کیں؟ ہم تم سے قانونی کاروائی کریں گے۔ متولی جو کہتے ہیں وہ حق بات ہے یا جو پیش امام نے کہا وہ حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا منصب بہت بلند ہے، متولی صاحب کا امام کو اپنا نوکر سمجھنا اور ذلت آمیز معاملہ کرنا غلط ہے، ناجائز ہے(۱)۔ امام کو بھی اس طرح جمعہ کے بعد مجمع میں متولی کی زیادتیوں کو بیان کرنا نہیں چاہئے تھا، خود متولی صاحب سے دو چار بااثر آدمی کی موجودگی میں افہام وتفہیم کے طور پر اپنی تکلیفوں اور پریشانیوں کا تذکرہ کرلیتے کہ یہ یہ پریشانی ہے، اس کا حل کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم کو درگاہ اور مسجد کا متولی بنانا

سوال[۶۹۵۳]: ایک درگاہ کی جائیداد کا انتظام ایسے غیر مسلم کے ہاتھ میں ہے جو بڑے اعتقاد کے

= کتاب الوقف، الثانی فی نصب المتولی، الخ: ۲/۴۵۱، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الولایة فی الوقف: ۵/۷۳۹، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "حامل القرآن حامل رایة الإسلام، من أکرمه فقد أکرم الله، ومن أهانه فعلیه لعنة الله". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۶/۲۹۱۳، (رقم الحدیث: ۳۶۶۰)، نزار مصطفی الباز مکة المکرمة)

"أکرموا حَمَلة القرآن، فمن أکرمهم فقد أکرمنی". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۳/۱۲۹۵، (رقم الحدیث: ۱۴۲۰)، نزار مصطفی الباز مکة المکرمة)

ساتھ انتظام اور آمدنی کی حفاظت کرتا ہے اور مصارف میں خرچ کرتا ہے، اگر اس کا انتظام کسی مقامی مسلمان کے سپرد کیا جائے تو ضیاع کا قوی اندیشہ ہے۔ کیا ایسی حالت میں وقف بورڈ اس کو متولی بنا سکتا ہے یا نہیں؟ تولیت کے لئے مسلم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ ایسا اوقاف ہے جن کی تولیت نامزد نہیں ہے اور نہ واقف کا کوئی موصیٰ لہ موجود ہے۔ عوام و معتقدین انتظام کریں۔ جنوبی ہند میں چند ایسی مساجد بھی ہیں جن کا انتظام با قاعدہ ہنود چلا رہے ہیں، مؤذن اور امام نمازیوں کے مشورہ سے رکھتے ہیں اور تمام مصارف بروقت ادا کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ جواب اس انداز سے لکھیں کہ سوال کی ضروری باتیں اس میں آجائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا، آپ نے لکھا ہے کہ ''اگر جائیداد وقف کا انتظام مسلمانوں کے سپرد کیا جائے تو ضیاع کا قوی اندیشہ ہے'' اور یہ کہ ''غیر مسلم بڑے اعتقاد کے ساتھ انتظام اور آمدنی کی حفاظت کرتا ہے اور مصارف مقررہ میں خرچ کرتے ہیں''۔ نیز ''جنوبی ہند میں چند ایسی مساجد بھی ہیں جن کا با قاعدہ انتظام ہنود چلا رہے ہیں، مؤذن اور امام نمازیوں کے مشورہ سے رکھتے ہیں اور تمام مصارف بروقت ادا کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے''؟

مسلمان اتنا گر گیا ہے کہ اس میں نہ انتظام کی صلاحیت رہی، نہ دیانت داری رہی، حتی کہ اس کی عبادت گاہ کا انتظام وہ کرتا ہے جو خود ہی اس عبادت کا قائل نہیں۔ جب ایسی مجبوری ہے کہ وقف کو محفوظ رہنے اور انتظام کے برقرار رہنے کی صرف یہی صورت ہے تو مجبوراً برداشت کیا جا سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۸ھ۔

---

(۱) "ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الإسعاف: ولو كان عبداً، يجوز قياساً واستحساناً، والذمي في الحكم كالعبد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، ۳۷۹، رشيديه)

بلا اجازتِ متولی جنگل کو نیلام اور مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کرنا

سوال [۶۹۵۴]: ایک جنگل جامع مسجد سکروڈہ کے نام وقف ہے عرصہ بیس سال سے، اور اس وقف کے متولی خاص کوئی نہیں، وقف نامہ میں یہ تحریر ہے کہ "جملہ نمبر دارانِ دہ (۱) مذکورہ عرصہ بیس سال سے باہتمام واتفاقِ جملہ نمبر داران دہ جنگل کو نیلام کیا جاتا تھا اور آمدنی مسجد کے اخراجات میں صرف کی جاتی تھی"۔ امسال جو نیلام کیا گیا، وہ صرف چند اشخاص کے ذریعہ سے نیلام ہوا، جملہ نمبر داران کی رائے واتفاق سے اس کا نیلام نہیں کیا گیا۔ وقف ہونے سے اب تک جنگل کا ٹینڈ پولا وغیرہ نیلام ہوکر دور کرادیا جاتا تھا، مگر مویشیوں پر جو وہاں چرنے اور پانی پینے جاتے تھے کسی قسم کی چونگی یا ٹیکس یعنی ان کی چرائی پر کوئی محصول باتفاقِ جملہ نمبر داران نہیں لیا جاتا تھا۔

اس سال کے نیلام میں چند آدمیوں نے بوقتِ نیلام مویشیوں کی چرائی پر محصول قائم کردیا جس سے عوام کو بہت تکلیف ہونے لگی کہ اگر حلقہ سے دور دور تک مویشیوں کو پانی پلانے کا موقعہ نہیں ہے اور عام طور سے اسی جنگل سے مویشیوں کو لے جانا پڑتا ہے اور اسی جنگل سے پانی پلایا جاتا ہے اور عام طور سے کاشتکار اپنے کھیتوں میں اپنے مویشیوں کو اسی راستہ سے لے جاتے ہیں کہ یہ عام گذرگاہ ہے اور جنگل کی کوئی حدود تاریا خاص نشان سے قائم نہیں، بلکہ اس کی حدود دوسری زمینوں کی حدود سے محفوظ ہیں، ایسا کرنے سے لڑائی جھگڑے کا بھی ہر وقت اندیشہ رہتا ہے۔

پس سوال یہ ہے کہ کسی چراگاہ پر مویشیوں کے چرانے کے لئے یا کسی پانی کے موقعہ پر مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کردینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز، خصوصاً جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ جملہ نمبر داران (حسبِ تصریح وقف نامہ) اس کے مہتمم ومتولی ہیں تو پھر بعض کا اس کو بلا دوسروں کی رائے نیلام کرنا شرعاً جائز نہیں:

"لیس لأحد الناظرین التصرف دون الآخر عندهما خلافاً لأبی یوسف رحمه الله

---

(۱) "دِہ: گاؤں، قریہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۵۸، فیروز سنز لاهور)

تعالیٰ". بحر: ۵/۲٤۱(۱)۔

نیز پانی پرٹیکس قائم کرنا بھی ناجائز ہے(۲)۔اور جب کہ عام گذرگاہ کا اَور کوئی راستہ نہیں، بلکہ صرف وہی راستہ ہے تو عام گذرگاہ میں گزرنے کا شرعاً سب کو حق حاصل ہوتا ہے(۳)، لہٰذا گزرنے والوں سے محصول لینا درست نہیں۔گھاس جوخودرو ہو بغیر کاٹے اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے(۴)، البتہ کاٹ کرفروخت کرنا درست ہے(۵)۔جو تصرفات کئے جائیں، وقف نامہ کی شرائط کے مطابق کئے جائیں، اس کے خلاف

---

(۱) (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۴، رشیدیه)

"إذا جعل الواقف الولاية إلى اثنين أو صارت الولاية إلى الوصي والمتولي، لم يكن لأحدهما بيع غلة الوقف، و ينبغي على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يكون له ذلک. فإن با ع أحدهما وأجاز الآخر، أو وكل أحدهما صاحبه به، جاز، كذا في الحاوي". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف ، الخ: ۲/۴۱۰، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(۲) "ولا يباع الشرب، ولا يوهب، ولا يؤجر و لا يتصدق به؛ لأنه ليس بمال متقوم في ظاهر الرواية، وعليه الفتوى". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع الشرب: ۵/۸۰، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۱۵۴، رشيديه)

(۳) "أما النافذة، فلا منع من الفتح فيها؛ لأن لكل أحد حق المرور فيها". (ردالمحتار، باب التحكيم، مسائل شتى، مطلب في فتح باب آخر للدار: ۵/۴۴٦. سعيد)

"بخلاف النافذة؛ لأن المرور فيها حق العامة". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات: ۳/۴۴۴، رشيديه)

(۴) "عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلاثاً أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلث: في الماء، والكلأ، والنار".

(السنن لأبي داؤد، كتاب الإجارة، باب في منع الماء: ۲/۱۳٦، إمداديه ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الرهون، باب المسلمون شركاء في ثلاث، ص: ۱۷۸، قديمي)

(۵) "أما إذا أحرز الماء بالاستقاء في آنية والكلأ بقطعه، جاز حينئذ بيعه؛ لأنه بذلک ملكه .... فأما =

کرنا ناجائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/۱/۵۷ھ۔

کمیٹی کے ایک آدمی کا تنہا مسجد میں تصرف

سوال[۶۹۵۵]: ایک مسجد کے نمازیوں نے مسجد کا نظم پانچ آدمیوں کے سپرد کر رکھا ہے، ان میں زید بھی شامل ہے، مگر زید بغیر باقی آدمیوں کے مشورہ کے، اپنی رائے سے مسجد کے نظم میں تصرف کرتا رہتا ہے، خود ہی امام رکھتا ہے، خود ہی کچھ دنوں بعد کچھ الزام لگا کر نکال دیتا ہے۔ایسے ہی تعمیرات کے بارے میں لوگ کچھ کہتے ہیں تو مانتا ہی نہیں، آپس میں بات بڑھتی ہے۔اس صورت حال کو دس سال ہو چکے ہیں۔شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہاں کے سمجھدار آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ زید کے ان تصرفات سے مسجد کو نقصان پہونچتا ہے تو وہ اس کو ایسے تصرفات سے روک دیں، ہرگز اجازت نہ دیں(۲)، بغیر پانچوں آدمیوں کے وہ تنہا کرنے کا

= لو كان سقى الأرض وأعدها للإنبات، فنبتت، ففي الذخيرة والمحيط والنوازل: يجوز بيعه؛ لأنه ملكه، وهو مختار الصدر الشهيد". (فتح القدير، باب البيع الفاسد: ۴۱۸/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۴۴۰/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، الفصل الثاني في بيع الثمار، الخ: ۱۰۹/۳، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

"وينزع وجوباً لو غيرمأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، مطلب في نصب المتولي و ما يملكه أولا: ۲۵۳/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

حقدار نہیں (۱)، حساب بھی صاف رکھنا ضروری ہے اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے مسجد ویران ہو، اور تفرقہ پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

واقف کا متولی کو تبدیل کرنا

سوال [۶۹۵۶]: مسجد اہل سنت والجماعت وقف کردۂ محمود خاں ہے، بروقتِ تبدیلیٔ سکونت پاکستان میرے بھائی سید حامد حسین کو متولی کر گئے تھے۔ کچھ شرائط پورا نہ کرنے کی وجہ سے اب پاکستان سے خط رجسٹری آیا ہے کہ سابق متولی کے بجائے دوسرے بھائی عبدالحفیظ خاں کو دے دی جائے۔ تو کیا مالکِ مسجد پاکستان سے متولی تبدیل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں، کسی کی کوئی مسجد ذاتی مِلک نہیں: ﴿وأن المساجد لله﴾ الآية (۲)۔

بانیٔ مسجد کو حق ہے کہ جس کو مناسب سمجھے انتظام کے لئے متولی بنادے، البتہ جو شخص دیانت دار نہ ہو، یا انتظام کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اس کو بنانا درست نہیں (۳)، اگر بنادیا تو اس کو الگ بھی کیا جاسکتا ہے (۴)، بلاوجہ

---

(۱) "وليس لأحد الناظرين التصرفُ بغير رأى الآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف ، الخ: ۴۱۰/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۴/۵، رشيديه)

(۲) (سورة الجن: ۱۸)

(۳) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، و ليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، و كذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به، ويستوى فيه الذكر والأنثى .... و قالوا: لا يعطى له، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد . والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولى: ۳۸۰/۴، سعيد)

(والفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۴) "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع=

الگ کرنا بھی درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بغیر اجازتِ متولی امامت کرنا

سوال[۶۹۵۷]: بغیر اجازتِ متولی آفاق حسین مسجد میں امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر متولی کا تجویز کردہ امام صالح، پابند موجود ہو تو کسی اَور کو امامت کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بغیر اجازتِ متولی مسجد میں رہنا

سوال[۶۹۵۸]: بغیر اجازتِ متولی آفاق حسین مسجد ہٰذا میں رہ سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ ان کا ذاتی مکان مسجد کے قریب ہے؟

= الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشیدیہ)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فی نصب المتولی وما یملکه أولا: ۲۵۳/۶، رشیدیه)

(۱) "فإن طعن فی الوالی طاعنٌ، لم یخرجه القاضی من الولایة إلا بخیانة ظاهرة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف الخ: ۴۲۵/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۲/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "والأحق بالإمامة تقدیماً بل نصباً .... الأعلم بأحکام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً وتجویداً للقراءة، ثم الأورع". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثانی: ۸۳/۱، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد میں سونا مکروہ ہے، اپنے مکان پر سویا کریں، متولی کو اجازت دینے کا بھی حق نہیں۔ جو شخص معتکف ہو یا مسافر ہو اس کے لئے گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

مرمتِ مسجد بلا اذنِ متولی

سوال[۶۹۵۹]: بغیر اجازتِ متولی محمد آفاق مرمتِ مسجد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

متولی کے انتظامات میں کسی اَور کو دخل نہیں دینا چاہیے(۲)، اگر مرمت وغیرہ کی ضرورت ہو تو متولی

---

(۱) "ویکره النوم والأكل فيه: أى المسجد لغير المعتكف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

"والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه". (الحلبي الكبير، ص: ۶۱۲، فصل في أحكام المسجد، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الفرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(۲) "في الكبرىٰ: مسجد مبني، أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانياً أحكَمَ من البناء الأول، ليس له ذلک؛ لأنه لا ولاية له، كذا في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد، الخ: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

"أما إذا أحدث رجل عمارةً في الوقف بغير إذن، فللمتولي أن يأمره بالرفع، إذن لم يضر رفعه البناء القديم". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

سے کہا جائے اوراس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

شیعہ صاحبان اپنی مسجد سنیوں کو دیں تو قدیم شیعہ منتظم کے ہاتھ سے انتظام لے لینا

سوال[۶۹۶۰]: ڈیڑھ سوسالہ ایک قدیم مسجد شیعہ صاحبان کی تھی،انہیں کی نماز ہوتی تھی،زمانے کے ردوبدل سے صرف ایک گھرانہ کا رہ گیا۔وہ مسجد ان کے متولی صاحب نے اہل سنت والجماعت کو دے دی کہ تم اپنی اذان وجماعت کرلو،مگر انتظام ان کے ہاتھ میں ہے،ہم چاہتے ہیں کہ انتظام ہمارے ہاتھ میں ہو،وہ انتظام چھوڑنا نہیں چاہتے۔تو ان سے انتظام لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب زمانۂ قدیم سے وہ مسجد کے انتظامات کرتے چلے آرہے ہیں اورکوئی نقصان یا خیانت ثابت نہیں ہے تو ان کو اس انتظام سے الگ نہ کیا جائے (۱)، بلکہ ان کے ساتھ تعاون کیا جائے، ہاں! اگر وہ خود ہی انتظام سے دست بردار ہوجائیں تو دوسری بات ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۱۶ھ۔

مسجد کی اشیاء چوری ہوئی تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟

سوال[۶۹۶۱]: ایک مسجد سے ایک کوئنٹل کے قریب وزن کے تانبہ کے برتن ایسی حالت میں چوری ہوگئے کہ نہ تو صدر دروازہ پر کسی قسم کا تالا لگا تھا،اور نہ ہی کوئی محافظ مسجد کی حفاظت کے لئے مقرر تھا،البتہ جس کمرہ میں برتن تھے اس پر تالا لگا تھا جسے چوروں نے بہ آسانی توڑ کر برتن نکال لئے۔ایسی صورت میں یعنی

---

(۱) "فإن طعن في الولي طاعنٌ، لم يخرجه القاضي من الولاية إلا بخيانة ظاهرة" (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف الخ : ۴۲۵/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب : يأثم لتولية الخائن: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

معقول حفاظت نہ کرنے پر متولی مسجد پر کوئی جرم عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر جرم عائد ہوتا ہے تو تلافی کے لئے کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مساجد کے صدر دروازے پر عموماً تالا نہیں لگایا جاتا، تاکہ جو شخص جب بھی دل چاہے مسجد میں آکر عبادت کرسکے۔ نیز ہر مسجد میں محافظ بھی مقرر نہیں ہوتا، بلکہ اوقاتِ نماز میں مؤذن آتا ہے اور مسجد کی صفائی اور صف بچھانے کا کام کرتا ہے۔ اگر یہی صورت آپ کے یہاں بھی ہے تو حجرہ پر قفل کا ہونا ہی حفاظت کے لئے کافی ہے(۱)، متولی پر کوئی ضمان لازم نہیں (۲)۔ ہاں! اگر وہ جگہ چوروں کی ہے اور چوری کے واقعات مسجد وغیرہ میں پیش آتے رہتے ہیں اور صرف حجرۂ مسجد پر قفل کا ہونا حفاظت کے لئے کافی نہیں سمجھا جاتا تھا تو پھر حکم دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "كره غلق باب المسجد، وقيل: لا بأس بغلق المسجد في غير أوَانِ الصلوة صيانةً لمتاع المسجد، وهذا هو الصحيح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱۰۹/۱، رشيديه)

"كره غلق باب المسجد إلا لخوف على متاعه، به يفتى". (الدرالمختار). "(قوله: إلا لخوف على متاعه) هذ أولى من التقييد بزماننا؛ لأن المدار على خوف الضرر، فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات، ثبت كذلك إلا في أوقات الصلوة، أولا فلا، أو في بعضها، ففي بعضها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۶۵۶/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبله: ۵۹/۲، ۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۴۲۱/۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وهي أمانة مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها، فلا تضمن بالهلاك .... مطلقاً سواء أمكن التحرز أم لا، لحديث الدار قطني: "ليس على المستودع غير المغلّ ضمان". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الإيداع: ۶۶۴/۵، سعيد)

اولادِ واقف کو انتظام میں دخل دینے کا حق

سوال[۶۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص نے اپنی حمیت اور قوتِ دینی سے ایک مدرسہ دینی اپنے مکان پر قائم کیا اور وہ ہمیشہ اس مدرسہ کی ترقی کی کوشش ونگرانی کرتا رہا، اس نے یہ بھی کیا کہ شہر کے چند متدین اور عمائد کی ایک کمیٹی بنائی جو مدرسہ کے انتظام اور اس کی ترقی کے مشورے دے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مدرسہ کے قائم اور برقرار رکھنے کے لئے دکانی جائیداد موقوفہ کا انتظام ہوگیا، لیکن پرانے ممبران جب یکے بعد دیگرے مرگئے تو اس شخص نے جدید ممبران قائم کئے اور خود بھی مرگیا۔

اس کے انتقال کے بعد چند ممبروں کی وجہ سے مدرسہ کی ترقی میں صورتِ زوال پیدا ہوگئی، لہذا بانی مدرسہ کی اولاد نے چاہا کہ چونکہ ہمارے بزرگوں کا قائم کردہ مدرسہ ہے، لہذا ہم کو اس کی نگرانی کرنی چاہیے تاکہ مفید سلسلۂ تعلیم ٹوٹ نہ جائے، لیکن موجودہ ممبران بانی مدرسہ کی اولاد کو نہ مدرسہ کی نگرانی کرنے دیتے ہیں، نہ کمیٹی میں شامل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ مدرسہ کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور بانی مدرسہ کی اولاد کے دخل کو برا جانتے ہیں۔

سائل: حکیم سید عبدالستار صاحب، ساکن بانس بریلی، محلّہ چھاؤنی اشرف خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں چونکہ موجودہ ممبرانِ اصلی متولی مرحوم کے مقرر کردہ ہیں اور اصلی متولی کو حق تھا کہ جس کو چاہے متولی مقرر کردے، کما صرح بہ فی العالمگیریۃ: ۹۹۹/۲: "للمتولی أن یفوّض لغیرہ عند موتہ"(۱)۔ لہذا متولی مرحوم کی اولاد کو بغیر رضامندیٔ ممبرانِ مدرسہ محض ترقی رک جانے

---

(۱) "و للمتولی أن یفوّض لغیرہ عند موتہ کالوصی لہ أن یوصی إلی غیرہ، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف و تصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۴۱۲/۲، رشیدیہ)

"المتولی إذا أراد أن یفوّض إلی غیرہ عند الموت الولایۃ بالوصیۃ، یجوز". (التاتارخانیۃ، کتاب الوقف، المولایۃ فی الوقف: ۷۴۴/۵، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴۲۵/۴، سعید)

کی وجہ سے نگرانی یا انتظامات میں دخل دینے کا حق نہیں تاوقتیکہ ممبران کی جانب سے کوئی خیانت ظاہر ہو، البتہ اگر ممبر خیانت کریں تو واقفین کو اختیار ہے کہ قاضی کے یہاں دعویٰ کر کے ان ممبران کی تولیت کو باطل کردیں۔ عالمگیری میں ہے:

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى رجل و ولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه، فهو غاصب يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". ۲/۱۰۲٤(۱)۔

موجودہ متولیوں کا اس کو اپنی ملک قرار دینا برائے خیانت ہے، بلکہ خیانت ہی خیانت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۱/۵۱ھ۔

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۱ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۲/۴۴۷، رشيديه)

"إذا أنكر والى الوقف: أى قيم الوقف، فهو غاصب، فيخرج من يده، فإن نقض منها شيء بعد الجحود فهو ضامن". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الدعاوى والخصومات، الخ: ۵/۸۲۰، ۸۲۱، إدارة القرآن كراچى)

"رجل جعل أرضاً له صدقةً موقوفةً لله أبداً على قوم بأعيانهم، ثم من بعدهم على المساكين، ودفعها إلىٰ رجل و ولاه إياها، فجحد الرجل المدفوع إليه الوقف ذلك وادّعى أنه ملك له، قال: هو غاصب، ويخرج الوقف من يده". (أحكام الأوقاف للخصاف، كتاب الوقف، باب الأرض أو الدار توقف فتغصب، ص: ۲۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"و صرح في البزازية أن عزل القاضي للخائن واجب عليه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه) .... =

مزار کی حفاظت کا طریقہ اور اس کے محافظ کا وظیفہ

سوال[۶۹۶۳]: یہاں گاؤں میں ایک درگاہ شریف ہے، اس کی مجاوری کے لئے مہاراجہ گائیکواد نے کچھ زمین دی ہے کہ جو مجاوری کرے، وہ اس زمین کو کاشت کر کے اس کی پیداوار کھائے، اور مجاوری کا کام ایک مؤذن کرتا ہے۔ اور گاؤں کے لوگ سب درگاہ پر پھول چڑھاتے ہیں اور دیا بھی جلاتے ہیں۔ مؤذن کا کہنا ہے کہ میں اس قبر پرستی کو برا سمجھتا ہوں، اگر میں یہ کام نہ کروں تو اس زمین کی پیداوار کھا سکتا ہوں کہ نہیں؟ چونکہ اس کی تنخواہ بہت کم ہے اس لئے اس نے ایسا کام اختیار کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درگاہ کی حفاظت کرے اور پھول چڑھانے والوں کو نرمی وشفقت سے سمجھا دیا کرے کہ اس چڑھاوے سے نہ تم کو فائدہ ہے نہ صاحبِ مزار کو فائدہ ہے(۱)، اگر دو رکعت نفل پڑھ کر ان کو ثواب پہونچا دو تو تم کو بھی نفع ہے اور ان کو بھی نفع ہے اور اس طریقہ پر ثواب پہونچانا حدیث شریف سے ثابت بھی ہے(۲)۔ درگاہ سے متعلق

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثاني في نصب المتولي و ما يملك، الخ: ۲۵۳/۶، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(۱) "ذكر ابن الحاج في المدخل: أنه ينبغي أن يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد، فيجعلونه على الميت في قبره، وإن ذلك لم يرو عن السلف، فهو بدعة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۰۸، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنت جالساً عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ أتته امرأة فقالت: يا رسول الله! إني كنت تصدقت على أمي بجارية وإنها ماتت، قال: "وجب أجرك و ردها عليك الميراث". قالت: يا رسول الله! كان عليها صوم شهرٍ أفأصوم عنها؟ قال: "صومي عنها". قالت: يارسول الله! إنها لم تحج قط أفأحج عنها؟ قال: "نعم، حجي عنها". (جامع الترمذي، أبواب الزكوة، باب ماجاء في المتصدق يرث صدقته: ۱۴۴/۱، سعيد)

"من صام أو صلى أو تصدق، جعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء، جاز، ليصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة". (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

جو زمین ہے اس کی پیداوار کھانا اس کے لئے جائز ہوگا (۱)، مگر جو چیز مزار پر چڑھائی جائے، اس کا کھانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔



(۱) "قال فی خزانة الأکمل: لو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلیٰ الإمام والمؤذن والقیم، اهـ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

"والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته بشرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، یصرف إلیهم إلیٰ قدر کفایتهم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(۲) "واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام و ما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل و حرام". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم: ۴۳۹/۲، سعید)

باب، أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

مسجدِ کبیر کی تعریف

سوال[۶۹۶۴]: کیا مسجدِ کبیر جو چالیس ذراع کی ہوتی ہے، وہ عرض رُبع مراد ہے یعنی کل چالیس ذراع، یا لمبائی چوڑائی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چالیس ذراع لمبی، چالیس ذراع چوڑی۔ ایک قول میں ساٹھ ذراع (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۶/۹/۸۵ھ۔

مسجد صغیر اور کبیر کی تعریف

سوال[۶۹۶۵]: خورجہ کی جامع مسجد میں ایک صف میں تقریباً پچاس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں، اور پوری مسجد میں تقریباً چھ سو یا سات سو آدمی آسکتے ہیں تو یہ مسجدِ کبیر کا حکم رکھتی ہے یا مسجدِ صغیر کا؟ اور مسجدِ صغیر اور کبیر کی کیا تعریف ہے؟ اور ان دونوں مساجد کے متعلق نمازیوں کے لئے کیا کیا احکامات ہیں؟ ایک مولوی صاحب اس مسجد کو مسجد کبیر کہتے ہیں اور دیگر علمائے کرام اس مسجد کو صغیر کہتے ہیں۔

---

(۱) "(قوله: ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل: من أربعين، وهو المختار، كما أشار إليه في الجواهر، قهستاني". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۳۴، سعيد)

"(قوله: في المسجد الكبير) هو أن يكون أربعين فأكثر، وقيل: ستين فأكثر. والصغير بعكسه، أفاده القسهتاني، وأفاد أن المختار الأول، الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فيما لايفسد الصلوة، ص: ۳۴۲، قديمى)

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مسجد چالیس گز (شرعی) لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہو وہ مسجد کبیر ہے، جو اس سے چھوٹی ہو وہ مسجد صغیر ہے، کذافی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۰ھ۔

حدِ مسجد

سوال[۶۹۶۶]: مسجد کی حد کہاں تک شمار کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد وہ جگہ ہے جس کو نماز کے لئے متعین کر دیا گیا ہو (۲)، وہاں بلاغسل جانا منع ہے (۳)، وضو کی جگہ

---

(۱) "(قوله: ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل: من أربعين، وهو المختار، كما أشار إليه في الجواهر، قهستاني". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۳۴، سعيد)

"(قوله: في المسجد الكبير) هو أن يكون أربعين فأكثر، وقيل: ستين فأكثر، والصغير بعكسه، أفاده القهستاني، وأفاد أن المختار الأول". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الصلوة، فصل فيما لايفسد الصلوة، ص: ۳۴۲، قديمي)

(۲) "عرفاً: الموضوع المبني للصلوة". (القاموس الفقهي، حرف السين، ص: ۱۶۷، ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه)

(۳) "قال: حدثني جسرة بنت دجاجة قالت: سمعت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها تقول: جاء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فقال: "وجهوا هذه البيوت عن المسجد، فإني لاأحل المسجد لحائض ولاجنب". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۴، كتاب الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، إمداديه ملتان)

"ومنها أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور، هكذا في منية المصلي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه) ....=

عام طور پر خارجِ مسجد ہوتی ہے(۱)، مسجد کے فرش پر پَیر رکھتے ہی نیتِ اعتکاف مناسب ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۴ھ۔

مسجد ہونے کا حکم کب ہوگا؟

سوال[۶۹۶۷]: ایک عرصۂ دراز سے ایک مقام لبِ سڑک سرکاری ایک پختہ چبوترہ مسجد ہے اور وہ مسجد بھی مشہور ہے، مؤذن امام مقرر ہیں، اذان وجماعت باضابطہ ہوتی ہے۔ ایک عرصہ ہوا کہ ایک حاکمِ وقت نے مجمعِ عام مسلمانان وہنود میں زبانی اس کے مسجد ہونے کو تسلیم کیا اور اس کے مسجد ہونے کا اعلان کیا۔ یہ مسجد ہوگی یا نہیں اور اس کو مسجد قرار دینا صحیح ہے یا نہیں؟

سائل: بندہ عبداللطیف، مدرسۃ المؤمنین، قصبہ منگلور۔

بندہ محمد علی عفی عنہ، عملہ قلعہ قصبہ گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

= (وكذا في الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ۶۴/۱، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۱۷۱/۱، سعيد)

(۱) "والوضوء فيما أعد لذلك". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۶۶۰/۱، سعيد)

"ومنها حرمة البصاق فيه. أقول: المراد من الحرمة هنا كراهة التحريم مما في البدائع. ويكره التوضي في المسجد؛ لأنه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثالث، القول في أحكام المسجد: ۱۸۶/۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچي)

(۲) "قوله: (وأقله نفلاً ساعةً) لقول محمد رحمه الله تعالىٰ في الأصل: إذا دخل المسجد بنية الاعتكاف، فهو معتكف ما أقام، تارك له إذا خرج، فكان ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۵۲۵/۲، رشيديه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

اس چبوترہ کا مسجد مشہور ہونا، امام ومؤذن مقرر ہونا، اذان وجماعت کا وہاں باضابطہ ہونا، نیز حاکمِ وقت کا مجمعِ عام مخالف وموافق میں اس کے مسجد ہونے کوتسلیم کرنا اوراس کا اعلان کرنا یہ امور ایسے ہیں کہ اس کے مسجد ہونے کے لئے شاہدِ عدل اور بہت کافی ہیں (۱)، اگر وقف نامہ موجود نہ ہو، یا وقف کا علم نہ ہوتب بھی اس کے مسجد ہونے میں کوئی خلل نہیں آتا، کیونکہ امورِ مذکورہ کا مسجد کے ساتھ مختص ہونا کسی پر مخفی نہیں۔

بے شمار مسجدیں ملیں گی کہ نہ ان کا وقف نامہ موجود ہے، نہ واقف کا حال معلوم ہے، کبھی ایک شخص یا چند اشخاص نے مل کر کچھ حصۂ زمین کو، کبھی پختہ چبوترہ بنا کر اور کبھی (عدم وسعت کی وجہ سے) کچا ہی رکھ کرنماز وغیرہ عبادات کے ساتھ خاص کردیا اور عام طور پر مسلمانوں کواس میں نماز کی اجازت دے دی ہے۔ اورصورتِ مسئولہ میں تو امام ومؤذن بھی مقرر ہیں، اذان وجماعت بھی باقاعدہ ہوتی ہے، اس کے مسجد ہونے کو حاکم وقت نے تسلیم کر کے اعلان عام بھی کردیا ہے، لہٰذا اس کے مسجد شرعی ہونے میں کوئی شبہ نہیں اوراس کوغیر مسجد قرار دینا صحیح نہیں:

"التسليم في المسجد أن يصلي الجماعة بإذنه، ويشترط مع ذلك أن يكون الصلوة بأذان وإقامة جهراً لا سراً. ولوجعل رجل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذّن وأقام و صلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، اهـ". فتاوى عالمگیری مختصراً: ۱۰۳/۲ (۲)۔ "والحكم بالظاهر واجب عند تعذر الوقوف على الحقيقة، اهـ". مبسوط: ۱۳۰/۱۷ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ففي الذخيرة ما نصه: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۴۱۵/۵، ۴۱۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد ۳۵۶/۴، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۵/۲، رشيديه)

"وبالصلاة بجماعة يقع القبض والتسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه يصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً، و يشترط مع ذلک أن يكون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لاسراً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: ۲۳۳/۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) (المبسوط للسرخسي، باب الحمل والمملوک والكافر: ۱۵۹/۹، غفاريه كوئٹه)

کیا بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم ہو جائے گا؟

سوال[۶۹۲۸]: مسجد کو پوری عمارت تعمیر ہونے کے بعد مسجد کہا جائے گا یا صرف بنیاد کا پڑنا ہی کافی ہے؟ اگر بنیاد ہی کافی ہے تو ایسی مسجد میں جس کی صرف بنیاد ہی پڑی ہو، وضو کرنا غسل کرنا، کھیتیاں کرنا، جانوروں کو چرانا، یا معماروں کا بیڑی سگریٹ پینا، چہل قدمی کرنا، ننگے بدن وہاں جانا سب ممنوع ہونا چاہیے؟

مولوی: ابوطلحہ، سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی وہ زمین ہے، اگر اس نے مسجد بنانے سے پہلے لوگوں کو وہاں اذان، نماز، جماعت کی اجازت دے دی اور یہ نیت کر لی کہ یہاں ہمیشہ اذان، نماز، جماعت ہوا کرے گی اور اس کو مسجد قرار دے دیا تو وہ شرعی مسجد بن گئی، اب جو چیز مسجد میں منع ہے وہاں بھی منع ہے، مسجد کا پورا احترام لازم ہے، فتاوی عالمگیری: ۳/۳۳۸(۱)۔

اگر ایسا نہیں کیا بلکہ نیت یہ ہے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اذان، نماز، جماعت شروع کی جائے گی اور

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فیها، أمر قوماً أن یصلوا فیها بجماعة، هذا علی ثلاثة أوجه: أحدها: إمّا إن أمرهم بالصلوة فیها أبداً نصّاً بأن قال: صلوا فیها أبداً، أمرهم بالصلاة مطلقاً ونوی الأبد، ففی هذین الوجهین صارت الساحة مسجداً، لومات لا یورث عنه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۲/۴۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۰، رشیدیه)

"التسلیم فی المسجد أن تصلی فیه الجماعة بإذنه .... و یشترط مع ذلک أن تکون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لا سراً .... ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذّن وأقام وصلی وحده، صار مسجداً بالاتفاق". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۲/۴۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، ۸۴۰، إدارة القرآن کراچی)

اسی وقت اس کو مسجد قرار دیا جائے گا تو اس پر مسجد کا حکم تکمیلِ عمارت کے بعد جاری ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی بنیاد رکھنے سے حکمِ مسجد

سوال[۶۹۶۹]: ۱...... مسجد کی بنیاد رکھنے سے مسجد کے احکام جاری ہو جاتے ہیں، یا اذان جماعت ہونے پر جاری ہوں گے؟

۲...... جس مسجد کا ذکر ہے اس مسجد کا مصلی اور سمت قبلہ کی دیوار قدِ آدم تک تیار ہو چکی ہے اور دونوں بغلوں یعنی شمال وجنوب کی دیواریں قائم ہو چکی ہیں اور بھراؤ صحن مسجد بھی بھر دیا گیا ہے۔ یہ مسجد مدرسہ فیض القرآن کی جگہ میں ہے جو کہ مدرسہ کی ہے۔ اس محلّہ میں چار مسجدیں ہیں، ایک مسجد تو تعمیر مسجد سے چالیس قدم پر ہے اور اذان کی آواز بھی اور مسجدوں سے آتی ہے۔ اس قدر تعمیر ہو جانے کے بعد بانیانِ مسجد کو اس طرف توجہ ہوئی کہ اگر قریب مساجد کی وجہ سے یہ مسجد آباد نہ ہوئی تو ہم عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے، اس لئے کہ اس مسجد میں صرف طلباء ہی نماز پڑھ سکتے ہیں، محلّہ والوں کو تو دوسری مساجد کافی ہیں، طلباء یہاں صرف ظہر وعصر اس وقت نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ مدرسینِ مدرسہ خاص اہتمام طلباء کو روکنے کا کریں اور ان دو وقتوں کے علاوہ اوقات میں تو اذان کا اہتمام بھی دشوار ہے، اس وجہ سے بھی کہ طلباء عموماً نوعمر ہیں یعنی دس گیارہ سال سے زیادہ کوئی بچہ نہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب کہ مسجد کی تعمیر (جس میں سو روپیہ چندہ سے لگ چکا ہے اور پچیس روپیہ ایک شخص کا دیا ہوا آئندہ تعمیر کے لئے امانت ہے) ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اس کی تعمیر کو روک کر اس مکان کو موجودہ شکل میں، یا

---

(۱) "وأما القبض والتسليم فشرط لصيرورته مسجداً عند أبي حنيفة ومحمد، وعند أبي يوسف ليس بشرط، حتى أن عنده يصير مسجداً بمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم. وبالصلوة بجماعة يقع القبض والتسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلوة فيه فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً .... وفي "ملتقط الناصري": وإذا بنى مسجداً لايصير مسجداً حتى يقر بلسانه أنه مسجد، لا يباع ولا يوهب ولا يرهن ولا يورث، وفتح الباب وأذن فيه وأقيم وأذن للناس بالدخول فيه عامة، فيصير مسجداً إذا صلى بجماعة فيه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون في المساجد: ۵/۸۳۹، ۸۴۰، إدارة القرآن كراچی)

سمت کے تغیر کے ساتھ اس نئی مسجد کو مدرسہ کے مکان کی صورت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، جائز ہوگا یا نہیں اور جس شخص کا روپیہ امانت ہے اس کو واپس کر دیا جائے تو وہ شخص اس روپیہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا کسی دوسری مسجد میں دیدے؟

سائل: عظیم اللہ، مہتمم مدرسہ فیض القرآن، محلّہ چاہ چوڑہ پانی پت ضلع کرنال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱، ۲...... وہ جگہ پہلے سے مدرسہ کے لئے وقف ہے اور جو شخص متولی یا مہتمم ہے اس کو واقفین کی طرف سے اختیار عام حاصل ہے کہ اس زمین میں جو تعمیر مدرسہ کی مصلحت کے موافق سمجھے بنائے، پھر اس نے بنیتِ مسجد اس کی بنیاد رکھی، نیز اسی نیت اور نام سے لوگوں نے چندہ دیا اور جو تعمیر اب تک ہوئی وہ اسی نیت اور ہیئت پر ہوئی، لہذا اس پر شروع ہی سے مسجد کے احکام جاری ہوں گے (۱)۔ اگر چہ ابھی تک اس کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی اور اس میں اذان و جماعت بھی نہیں ہوئی، لیکن جس طرح مسجد کی مسجدیت کو باطل کر کے کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں، اسی طرح تعمیر مذکور بدلنا یا بغیر بدلے مسجد کی ہیئت پر رکھے ہوئے مسجد کے کام میں نہ لانا درست نہیں (۲)۔

---

(۱) "و یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله: جعلته مسجداً، عند الثانی". (الدرالمختار).

"(قوله: بالفعل): أی بالصلاة فیه، ففی شرح الملتقی: إنه یصیر مسجداً بلاخلاف، ثم قال عند قول الملتقی: "وعند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ یزول بمجرد القول": ولم یرد أنه لا یزول بدونه لما عرفت أنه یزول بالفعل أیضاً بلا خلاف، اهـ. قلت : وفی الذخیرة: وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف .... و یصح أن یراد بالفعل الإفراز". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۵/۴، ۳۵۶، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۲۷۰/۴، ۲۷۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به: ۴۵۴/۲، رشیدیه)

(۲) "إذا خرب، ولیس له ما یعمر به، و قد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القریة، أو لم یخرب لکن خربت القریة ینقل أهلها، واستغنوا عنه، فإنه یعود إلی ملک الواقف أو ورثته. قال أبویوسف رحمه الله تعالیٰ: هو مسجد أبداً إلی قیام الساعة، لا یعود میراثاً، ولا یجوز نقله، ونقل ماله =

آبادی اور غیر آبادی سے متعلق پہلے سوچنے کی بات تھی، کارکنانِ مدرسہ کا فریضہ ہے کہ مسجد مذکور کو آباد رکھنے کی سعی کریں، پانچوں وقت کچھ آدمی ضرور وہاں اذان کہہ کر نماز پڑھا کریں اور جہاں تک ہوسکے مدرسہ کو ترقی دیں اور اس میں بیرونی طلباء کو رکھیں تا کہ مسجد و مدرسہ ہر دو آباد رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مسجد کیسے مسجد بن جاتی ہے؟

سوال[۶۹۷۰]: ایک شخص نے تقریباً چالیس سال قبل ایک مسجد بنائی، لوگوں کو نماز پڑھنے کے لئے کہا اور زبانی وقف کر دیا۔ اس وقت اس کی پوتی مسجد کے احاطہ میں دیوار وغیرہ کرنے سے لوگوں کو روکتی ہے جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ مسجد تو وقف نہیں کی گئی، بلکہ اس زبانی وقف کو توڑتی ہے اور مصلیانِ مسجد کا خیال یہ ہے کہ جب کاغذ میں لکھ کر وقف نہ کیا جائے تو وقف صحیح نہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح زبانی وقف کرنے سے وقف صحیح ہو جائے گا یا نہیں اور اس عورت کو روکنا درست ہے یا نہیں اور مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ مسجد بنائی اور زبانی وقف کر کے لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی اور وہاں اذان وجماعت ہونے لگی اور اپنی مِلک سے اس مسجد کو راستہ وغیرہ سے ممیّز کر دیا تو وہ بالاتفاق شرعی مسجد بن گئی، اگر چہ تحریرِ وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو، وہاں نماز دوسری مسجدوں کی طرح بلا تامل درست ہے، واقف کے ورثہ کو اس میں کوئی ایسا تصرف درست نہیں جو وقف کے خلاف ہو اور بطورِ وراثت ملک کا دعویٰ کرنا غلط ہے(۱)۔

= إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۱) "وأما المسجد، فليس له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه؛ لأن الوقف اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: ۲۰۵/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

”و يزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل: أى بالصلوة فيه، ففي شرح الملتقى: إنه يصير مسجداً بلا خلاف. ثم قال عند قول الملتقى: ”وعند أبي يوسف يزول بمجرد القول“: ولم يرد أنه لا يزول بدونه لما عرفت أنه لا يزول بالفعل أيضاً بلا خلاف، اهـ. قلت: وفي الذخيرة ما نصه: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً، اهـ. ويصح أن يراد بالفعل الإفراز، ويكون بياناً للشرط المتفق عليه عند الكل لما قدمناه من أن المسجد لو كان مشاعاً، لا يصح إجماعاً، وعليه فقوله عندالثاني مرتبط بقول المتن بقوله: جعلتُه مسجداً، اهـ“. درمختار وشامی: ۳/۱۱ ۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۱/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۶۶ھ۔

اذان و جماعت کی اجازت سے اس جگہ کا مسجد بن جانا

سوال[۶۹۷۱]: ایک شخص نے اپنی زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کی اور عبادت خانہ کی صورت میں احاطہ کر کے نماز پڑھنی شروع کردی، مگر اس کا دروازہ اپنی ہی طرف رکھا، ابھی کوئی راستہ جدا نہیں کیا تو یہ مسجد شرعاً ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، فى أحكام المسجد ۴/۳۵۵، ۳۵۶، سعيد)

”وبالصلاة بجماعة يقع القبض والتسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه يصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً. و يشترط مع ذلك أن يكون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لا سراً“. (التاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں لوگوں کو نماز کی اجازت دے دی اور اذان و جماعت ہونے لگی اور آنے جانے کا ایسا راستہ موجود ہے کہ رکاوٹ نہیں تو وہ شرعی مسجد بن گئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

جب مالک کی اجازت سے اذان وجماعت ہونے لگی پس وہ مسجد بن گئی

سوال[۶۹۷۲]: ۱...... زید کی مملوکہ زمین میں باجازتِ زید عام قوم نے اپنے چندہ سے مسجد کی تعمیر کرادی اور چند سال اس میں صلوۃ باجماعت اور نماز جمعہ ہوتی رہی، اس کے بعد زید کہتا ہے کہ میں نے وقف نہیں کیا، خواہ میں کسی کو نماز پڑھنے دوں یا نہ دوں اور مسجد کو بند کردوں۔ آیا اس کو نمازیوں کو مسجد کے اندر نماز پڑھنے سے روکنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور زید کو علاوہ اس پیش امام کے جس کو عام قوم نے نماز پڑھانے کے واسطے مقرر کر رکھا ہے دوسرا پیش امام جو جمعہ کا خطبہ بھی غلط پڑھتا ہے مقرر کرنا درست ہے؟

۲...... اگر قوم اپنے واسطے جداگانہ بطور استعارہ جگہ مانگے اور اس میں نمازِ جماعت شروع کریں تو یہ جماعت صحیح یا غیر صحیح ہے جب کہ یہ زمین ملکیت انگریزوں کی ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... جب زید کی اجازت سے مسجد بنائی گئی ہے اور اس میں نماز باجماعت ہوتی رہی اور پھر بھی زید

---

(۱) "ومن بنى مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه، ويأذن بالصلاة فيه، وإذا صلى فيه واحدٌ زال ملكه. أما الإفراز، فإنه لايخلص لله تعالىٰ إلا به". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۱۶/۵، رشيديه)

"وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

"وإذا بنى مسجداً، لايصير مسجداً حتى يقرّ بلسانه .... وفتَحَ الباب وأذّن فيه وأقيم، وأذِن للناس بالدخول فيه عامةً، فيصير مسجداً إذا صلى بجماعة فيه". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۷۴۰/۵، إدارة القرآن كراچي)

نے منع نہیں کیا تو شرعاً وہ مسجد بن گئی، اب زید کو حق نہیں کہ وہ کسی کو نماز پڑھنے سے روکے، یا اس کو بند کرے:

"التسليم في المسجد أن تصلى فيه الجماعة بإذنه، وعن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ فيه روايتان: في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلوة فيه بالجماعة بإذنه اثنان فصاعداً، كما قال محمد رحمه الله تعالى، والصحيح رواية الحسن، كذا في فتاوى قاضيخان. ويشترط مع ذلك أن تكون الصلوة بأذان وإقامة جهراً لا سراً، حتى لو صلى جماعةً بغير أذان وإقامة سراً لا جهراً، لا يصير مسجداً عندهما، كذا في المحيط والكفاية. ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، كذا في الكفاية وفتح القدير". فتاوى عالمگیری: ۲/۱۰۳(۱)۔

"وكره غلق باب المسجد؛ لأنه يشبه المنع من الصلوة، قال تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيهااسمه﴾ اهـ". ردالمحتار: ۱/۶۸۶(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به: ۲/۴۵۵، رشیدیه)

"التسليم في المسجد أن تصلى فيه الجماعة بإذنه، وعن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ فيه روايتان: في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلوة فيه بالجماعة بإذنه اثنان فصاعداً. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ في رواية أخرى عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا صلى واحد بإذنه يصير مسجداً. إلا أن بعضهم قالوا: إذا صلى فيه واحد بأذان وإقامة، في ظاهر الرواية لم يذكر هذه الزيادة، اهـ". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۰، رشیدیه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(ومنحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

"(قوله : و غلق باب المسجد)؛ لأنه يشبه المنع من صلاة، قال تعالىٰ : ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيهااسمه﴾ [البقرة، آيت : ۱۱۴]، والإغلاق يشبه المنع، فيكره". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۵۹، رشيديه)

جوشخص غلط پڑھتا ہے، اس کو نہ زید امام مقرر کرسکتا ہے، نہ عام قوم امام مقرر کرسکتی ہے، صحیح پڑھنے والے اور لائق اور دیندار کو مقرر کرنا چاہئے (۱)۔

۲......اگر مالکِ زمین کی اجازت سے وہاں نماز پڑھیں یا جماعت کریں تو درست ہے (۲)، مگر بہتر یہ ہے کہ آپس میں سب اتفاق سے رہیں اور اسی مسجد میں نماز جماعت سے ادا کریں، لڑائی جھگڑے سے اجتناب کریں کہ یہ بڑی خرابی وبربادی کا سبب ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر العلوم، ۱۶/۱/۵۱ھ۔

---

(۱) "ولا غیر الألثغ بہ: أی بالألثغ علی الأصح .... فلا یؤمّ إلا مثلہ، و لا تصح صلا تہ إذا أمکنہ الاقتداء بمن یحسنہ". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۱، ۵۸۲، سعید)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلاة، ثم الأحسن تلاوةً و تجویداً للقرأة، ثم الأورع".

(تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، باب الإمامة، من ھو أحق بالامامة: ۱/۶۰۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۴۲، ۳۴۳، سعید)

(۲) "تکرہ فی أرض الغیر لو مزروعةً أو مکروبةً إلا إذا کانت بینھما صداقة، أو رای صاحبھا لا یکرھہ، فلابأس". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الأرض المغصوبة، الخ: ۱/۳۸۱، سعید)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأطیعوا اللہ ورسولہ ولاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم، واصبروا، إن اللہ مع الصّٰبرین﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما المؤمنون إخوة، فأصلحوا بین أخویکم، واتقوا اللہ، لعلکم ترحمون﴾ (سورة الحجرات: ۱۰)

بانیٔ مسجد کون ہے؟

سوال[۶۹۷۳]: ۱......کونسا آدمی کس وقت بانیٔ مسجد کہا جاسکتا ہے؟

مسجد کا بانی اول اور بانی دوم

سوال[۶۹۷۴]: ۲......زید کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے لڑکوں میں سے کسی نے وقف شدہ زمین پر مسجد بنائی پھر ۲۰، ۲۵/ برس کے بعد دوسرے لڑکے نے پہلی مسجد کے سامان کو فروخت کردیا اور یہ روپیہ اور مزید خود کا روپیہ ڈال کر، نیز لوگوں سے چندہ پیسہ وصول کر کے دوسری مسجد بنائی، تو ان میں سے مسجد کا بانی کون ہوگا، یا سب کو مسجد کا بانی کہا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو آدمی جس وقت مسجد بنائے وہی بانیٔ مسجد ہے۔

۲......پہلا شخص بانی اول ہے، دوسرا شخص بانی دوم ہے اور جن لوگوں نے اس میں پیسہ دیا اور محنت کی وہ بھی بناء میں شریک ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۴ھ۔

بغیر صریح وقف کے اذان و جماعت کی اجازت سے بھی مسجد بن جاتی ہے

سوال[۶۹۷۵]: ۱......ایک آدمی نے زمین وقف نہیں کی اور جس میں ستر اسّی برس ہوتے ہیں مسجد بن چکی ہے۔ تو اس مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں؟

۲......میں بھی اس مسجد کا نمازی ہوں، اس مسجد کا مینارہ بنایا جارہا ہے، لیکن لوگ مجھ سے چندہ نہیں لیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر مالکِ زمین نے مسجد بنا کر اپنا قبضہ اٹھالیا اور ہر ایک کو اجازت دیدی اور اذان و نماز شروع ہوگئی، تو اتنی بات سے وہ مسجد بن گئی، وہاں نماز و جماعت سب ٹھیک ہے(۱)۔

---

(۱) "ففي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس =

۲...... یہ تو ان سے ہی دریافت کرنے کی بات ہے کہ وہ آپ کا چندہ کیوں نہیں قبول کرتے؟ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۹/۶/۸۹ھ۔

عارضی ضرورت کے لئے بنی ہوئی مسجد کا حکم

سوال[۶۹۷۶]: دربھنگہ کے ایک گاؤں موضع کھٹیلہ میں پرانی مسجد مخدوش ہوجانے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اسے توڑ کر از سرِ نو بنانے کا ارادہ کیا ہے، جب تک نماز پڑھنے کے لئے عارضی طور پر مسجد کے احاطہ سے باہر ایک مسجد بنائی گئی ہے، جس کو پختہ مسجد کے تیار ہونے کے بعد توڑ دیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ خام مسجد جو کہ عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہے، اس میں نماز کے علاوہ دوسرا مصرف (مثلاً: مکان، کھیتی، پیشاب و پاخانہ وغیرہ) لے سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ یہ جامع مسجد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں عارضی طور پر مسجد تیار ہونے تک نماز کا انتظام کرلیا گیا ہے اور اس کو وقف کرکے مسجد نہیں بنایا گیا تو وہ شرعی مسجد نہیں بنی، اس کا وہ حکم نہیں جو شرعی مسجد کا ہوتا ہے، اس کا حال ایسا ہی ہے جیسے مکان میں کسی جگہ نماز پڑھتے ہوں، یا باغ اور کھیت میں نماز پڑھتے ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسجد نہیں (۱)۔ نیز عیدگاہ میں مسجد کے

= بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

(منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۴۱۵/۵، ۴۱۶، رشيديه)

"حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

(۱) "رجل له ساحة لابناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها .... وإن أمرهم بالصلوة شهراً أو سنةً، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لابد من التأبيد، والتوقيت يُنافِي التأبيد". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، ۲۹۱، رشيديه) =

سب احکام جاری نہیں ہوتے، جیسا کہ بحراور ردالمحتاراور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں تصریح ہے(۱)۔ جب وہاں نماز پڑھنا موقوف کردیا جائے تو مالک کواپنی مِلک میں تصرف کا اختیار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں آتشزدگی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی

سوال[۶۹۷۷]: ایک گاؤں ہے جس میں آج سے تقریباً سو سال قبل ایک جگہ چھوٹی مسجد تھی۔ گاؤں میں جب آتشزدگی ہوئی تو مسجد میں لپٹ آگئی، پھر سے اس جگہ مسجد نہیں بنائی گئی، بلکہ گاؤں کے ایک حاجی صاحب جو دو بھائی تھے، ان کے دروازے پر دونوں کی مشترکہ زمین پر مسجد بنائی گئی تا کہ حاجی صاحب مسجد

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(۱) "مسجد اتخذ لصلاة الجنازة أو لصلاة العيد هل يكون له حكم المسجد .... وما اتخذ لصلاة العيد لايكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام .... وأما فيما سوى ذلك، ليس له حكم المسجد. وقال بعضهم: له حكم المسجد حال أداء الصلوة لاغير، وهو والجبانة سواء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

"وأما المسجد المتخذ لصلوة العيد، فالمختار أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصلت الصفوف، وفيما عدا ذلك فلا، رفقاً للناس". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۵۶/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۶۵۷/۱، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۴/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴۲۱/۴، رشيديه)

کی پوری حفاظت کریں۔ گاؤں والے اس وقت سے آج تک پنج وقتہ نماز کے علاوہ جمعہ کی نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والے متفق ہوکر مسجد بنائے تھے۔ پہلے والی مسجد کی زمین صرف تین ڈسمل زمین جو آبادی سے قریب ہوتی آرہی ہے، کاغذی اعتبار سے نئی مسجد کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ زمین مالک کے نام سے ہے۔

گزشتہ سال محلّہ والوں نے گاؤں سے چندہ جمع کرکے موجودہ زمین کو پختہ بنانے کی نیت سے اینٹ خریدی۔ حاجی صاحب مرحوم کے ایک پوتے نے کہا کہ ہم مسجد میں ایک بیگہ زمین وقف کردیں گے۔ یہیں سے اختلافی صورت اس لئے پیدا ہوئی کہ گاؤں کے کچھ لوگ کہنے لگے کہ قبالہ کسی ایک آدمی کے نام سے ہو(۱)، پھر فروخت کرکے اس رقم کو مسجد میں لگائیں گے۔ واقف کہنے لگا کہ فروخت نہیں ہوگی، بلکہ اس کی آمدنی مسجد کی حفاظت اور آئندہ ترقی کے لئے صَرف ہوگی۔

شدہ شدہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اب نصف گاؤں والے کہتے ہیں کہ مسجد پرانی زمین پر بنے گی، چونکہ اول وہاں مسجد تھی یہاں جائز نہیں۔ نصف گاؤں والے کہتے ہیں کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا یا نہیں، ہم لوگوں کو کوئی علم نہیں، نہ کوئی شہادت دیتا ہے۔ نیز اینٹ اس جگہ کی نیت سے خریدی گئی ہے، یہاں وہاں کرنے سے کھیل تماشہ بن جائے گا۔ چونکہ ہمارے صوبہ بہار میں ماشاء اللہ دارالقضاء بھی ہے، انہوں نے فیصلہ دیا ہے کہ پرانی ہی جگہ مسجد بنائی جائے، وہیں جمعہ کی نماز ادا کرنی درست ہے، موجودہ مسجد پنج وقتہ نماز کے لئے رہے۔ بربنائے حکم پرانی جگہ کے حامیوں نے اس جگہ نفیس مسجد بنا کر جمعہ ادا کرنا شروع کردیا ہے۔ دونوں مسجد شمالاً جنوباً سوگز کے فاصلہ پر ہے۔

اب اصل سوال یہ ہے کہ حاجی صاحب کے دروازہ والی مسجد کی خریدی ہوئی اینٹ سے پختہ بنا کر نمازِ جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں، یا قاضی کے فیصلہ پر؟ امید ہے کہ خلاصۂ جواب مدلل عنایت فرمائیں گے۔ حاجی صاحب کی مسجد کی زمین کی کھیتیاں بھی وقف برائے مسجد ہے۔

---

(۱) ''قبالہ: تمسک بیع نامہ، کاغذ جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو، مکان کا غذ یا سند''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴۷، فیروز سنز لاهور)

الجواب حامداً ومصلياً:

جو پرانی مسجد ہے، وہ بھی شرعی مسجد ہے، آتشزدگی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی (۱) اور جو نئی مسجد ہے وہ بھی مسجد ہے (۲)۔ جس جگہ مسجد بنانے کے لئے اینٹ خریدی گئیں ہیں اس اینٹ سے وہیں مسجد بنائی جائے (۳)۔ یہ کوئی اختلاف اور لڑائی کی بات نہیں، آپس کی ضد کو ختم کردیں۔ اگر وہاں شرائطِ جمعہ موجود ہوں تو جس مسجد میں جمعہ ہوتا تھا، اس میں جمعہ بھی ادا کرتے رہیں اور دونوں مسجدوں کو آباد رکھیں (۴)۔

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۵۸/۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيديه)

(۲) "إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلوة، فيه فصلى فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً". (التاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن، كراچى)

"ولو جعل له واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: أحكام المسجد: ۲۳۳/۶، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الأول: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(۳) "إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف، الخ: ۳۶۵/۴، سعيد)

"والواقف لو عين إنساناً للصرف، تعين، حتى لوصرف الناظر لغيره، كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۴) "تقع فرضاً فى القصبات والقرى الكبيرة التى فيها أسواق". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

"قوله: (شرط أدائها المصر): أى شرط صحتها أن تؤدى فى مصر، حتى لاتصح فى قرية ولا مفازة؛ لقول علىّ رضى الله تعالىٰ عنه: "لاجمعة ولاتشريق ولاصلوة فطر ولاأضحى إلا فى مصر جامع أو فى مدينة عظيمة". (البحر الرائق، باب صلوة الجمعة: ۲۴۵/۲، رشيديه)

قاضی صاحب نے حالات سے واقفیت پر جو فیصلہ دیا ہے اس کو رد کرنے کی بھی کوئی حاجت نہیں، اگر اس پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو تو قاضی صاحب سے دریافت کرکے رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۴ھ۔

مسجد کا نام ''مسجدِ حرم'' رکھنا

سوال[۶۹۷۸]: یہاں پر ایک مسجد ''مسجدِ حرم'' کے نام سے تعمیر ہو رہی ہے، بعض حضرات اس کے نام سے اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ نام مسجد حرم خانہ کعبہ کا ہے، اس لئے یہ نام بدل دیا جائے۔ آپ سے گذارش ہے کہ مسجد کا نام ''مسجدِ حرم'' رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلام احمد قادیانی نے یہی تلبیس کی تھی کہ اپنا نام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام تجویز کیا، اپنی بیوی کا نام ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام تجویز کیا اور اپنی مسجد کا نام سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد کا نام تجویز کیا، اپنے قبرستان کا نام مدینہ پاک کے قبرستان کا نام تجویز کیا، اس طرح اس نے اپنی امت کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے بے نیاز و بے تعلق بنانے کی کوشش کی۔

اپنی مسجد کا نام آپ حضرات بھی مسجد حرم نہ رکھیں کہ بے علم مسلمانوں کو اس سے دھوکہ لگتا ہے اگر چہ آپ حضرات کی نیت تلبیس کی نہ ہو، تاہم دھوکہ اور مغالطہ سے بچنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۹ھ۔

غیر آباد مسجد کو محفوظ کرنے کی صورت

سوال[۶۹۷۹]: جالندھر شہر میں ایک مسجد تھی جو بالکل مسمار ہو چکی ہے، اس مسمار شدہ مسجد کی ایک

---

(۱) ''اتقوا مواضع التهم'' هو معنى قول عمر: ''من سلك مسلك التهم، اتُّهِم'' رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق عن عمر موقوفاً بلفظ: ''من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلو منّ مَن أساء الظن به''.

(الموضوعات الكبرىٰ للملا علي القاري، ص: ۴۹ (رقم الحديث: ۱۵۱)، قديمي)

جانب مسجد کی ملکیت میں دوکانیں ہیں۔ اگر مسمار شدہ مسجد کی جگہ صحن کو موجودہ دوکانوں میں شامل کر کے ان دوکانوں کی چھت پر جدید مسجد تعمیر کرادی جائے تاکہ مسلمان نماز ادا کر سکیں اور مسجد کی جگہ محفوظ ہو جائے، ورنہ اس جگہ پر غاصبانہ قبضہ کا احتمال ہے۔ اس وقت مسجد کی جگہ پر غلاظت اکٹھی ہو رہی ہے۔ جدید مسجد کی تعمیر دوکانوں کا کرایہ دار (غیر مسلم) اپنی لاگت سے کرائے گا۔ کل رقم کرایہ میں ادا ہوتی رہے گی، کل جائیداد وقف ہے اور آئندہ بھی وقف ہی رہے گی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ وقف کر کے نماز کے لئے مسجد بنادی گئی وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو جاتی ہے، اس کو کسی دوسرے کام میں لانا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱) اس قاعدہ کلیہ کے ماتحت اس جگہ کو محفوظ رکھنا اور اپنے امکان کی حد تک نماز کے لئے آباد رکھنا ضروری ہے۔ اور دوکانیں بنانا جو اصل مسجد کا حصہ تھا اس کو دوکانوں کی صورت میں تعمیر کردیا جائے اور چھت پر مسجد رہے، درست نہیں (۲)۔

قانونِ تحفظِ اوقاف کے ماتحت اس جگہ کو محفوظ کرنے اور نماز کے لئے مخصوص کرنے کی پوری کوشش کی

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوی القدسی". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثانی) فلا يعود ميراثاً و لا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوی القدسی". (ردالمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا فی البحرالرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومايتعلق به: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۲) "ولا بد من إفرازه: أی تميزه عن ملكه من جميع الوجوه، فلو كان العلو مسجداً والسفل حوانيت أو بالعكس، لا يزول ملكه لتعلق حق العبد به". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

جائے، خواہ اس صورت سے ہی کیوں نہ ہو کہ وہاں چہار دیواری بنا کر قفل ڈال دیا جائے اور جب نماز پڑھنے کا موقع وہاں ملے، قفل کھول کر نماز ادا کی جائے۔ اگر پوری کوشش کے باوجود تحفظ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر وقف کے برباد و باطل ہو جانے کا ظنِ غالب ہو تو مجبوراً سوال میں درج شدہ صورت کو بھی گوارا کیا جا سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

مسجد کے وضوخانہ اور استنجاخانہ کی چھت کا حکم

سوال [۶۹۸۰]: ایک مسجد ہے جس کے باہر گیٹ ہے، سامنے اس گیٹ کے اندرونی ایک طرف استنجا خانہ ہے اور دوسری طرف وضوخانہ کے اوپر اور استنجا خانہ کے اوپر کمرے ہیں، ان سب کے اوپر پوری ایک چھت ہے اور یہ چھت مسجد کے فوقانی کا برآمدہ ہو چکا ہے۔ تو اب یہ چھت مسجد کے اندر داخل ہو گئی ہے یا نہیں، جبکہ اس کے نیچے کا حصہ مسجد میں داخل نہیں ہے؟ اس چھت کے بارے میں (حالانکہ بعد میں بنائی گئی ہے) لوگوں کو خیال ہو رہا ہے کہ یہ داخل ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خارج ہے، اسی وجہ سے جماعتِ ثانیہ بہت سے لوگ نہیں کرتے، اور کچھ لوگ بلا کھٹک کر لیتے ہیں اور مسجد پہلے سے بنی ہوئی ہے۔ اس کے نیچے پائخانہ بنا کر کمرہ یا استنجا خانہ بنا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحن کا جو حصہ نماز کے لئے تجویز کیا گیا ہے اس کے اوپر کی چھت تو مسجد ہے (۲)، لیکن وضوخانہ اور

---

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(۲) "وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: =

استنجاخانہ کے اوپر کی جوچھت ہے وہ شرعی مسجد نہیں، اس پرمسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱)۔اگر اتفاقیہ کبھی دو چار آدمی جماعت سے رہ گئے، مثلاً: سفر سے ایسے وقت آئے کہ جماعت ہو چکی ہے تو ان کو وہاں جماعت کرنا ممنوع ومکروہ نہیں (۲)، لیکن اس کی عادت نہ ڈالی جائے۔ جو مسجد بن چکی ہے اس کے نیچے تہِ خانہ یا استنجاخانہ یا کمرہ بنانے کی اجازت نہیں (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔



= كره استقبال القبلة، الخ: ۲/ ۶۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة : ۱/ ۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "وفي فتاوى الفضلي: بيتٌ فوقه بيتٌ، وهو متصل بالمسجد، يتصل صف المسجد بصف البيت الأسفل ويصلي في البيت الأسفل في الصيف والشتاء، اختلف أهل المسجد و أرباب البيت الذين يسكنون العلو، قال الأرباب: إن ذلك ميراث لنا ، فالقول قولهم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوى والخصومات والشهادات : ۵/ ۸۲۹، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا لم تكن على الهيئة الأولى، لا تكره، وإلاتكره، وهو الصحيح. و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/ ۳۹۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) "و أما لوتمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدرالمختار). "وأما لوتمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكّن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد : ۴/ ۳۵۸، سعيد)

"وإذا أراد الإنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه، ليس له ذلك، كذا في الذخيرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد و ما يتعلق به : ۲/ ۴۵۵، رشيديه)

الفصل الأول فی بناء المسجد وتعمیره

(مسجد کے بنانے اوراس کی تعمیر کا بیان)

مسجد کی بنیاد رکھتے وقت کی دعاء

سوال[۶۹۸۱]: مسجد کی بنیاد رکھتے ہوئے کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

﴿و إذ یرفع إبراهیم القواعد من البیت وإسماعیل، ربنا تقبل منا إنك أنت السمیع العلیم﴾(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

بضرورت نئی مسجد بنانا

سوال[۶۹۸۲]: دراس موضع لداخ کا ایک علاقہ ہے، اس علاقہ میں آبادی دور تک پھیلی ہوئی ہے، سرحدی اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے گھنی آبادی والا موضع ملنا مشکل ہے۔ ان ہی حالات کے پیشِ نظر بزرگانِ دین نے یہاں نماز جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ جامع مسجد تعمیر کی گئی تھی، لیکن اب مسجد فوجی تحویل میں آچکی ہے، چنانچہ ملٹری کے قبضہ میں ہے، پنج وقتہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، صرف نمازِ جمعہ کی اجازت ہے اور جب ایمرجنسی حالات ہوتے ہیں تو ان دنوں میں نماز جمعہ کی اجازت بھی نہیں ہوتی، ہفتہ بھر اس موضع کے لوگ خاص طور سے نماز با جماعت سے محروم رہتے ہیں۔

اور چونکہ اس جامع مسجد کے علاوہ اَور کوئی مقامی مسجد نہیں ہے، یہاں کے چند نوجوانوں نے نئی مسجد کی

---

(۱) "فجعل إسماعیل یأتی بالحجارة وإبراهیم یبنی، حتی إذا ارتفع البناء، جاء بهذا الحجر فوضعه له، فقام علیه وهو یبنی وإسماعیل یناوله الحجارة، و هما یقولان: ﴿ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم﴾ قال: فجعلا یبنیان حتی یدورا حول البیت و هما یقولان: ﴿ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم﴾. (تفسیر ابن کثیر: ۲۴۳/۱، (البقرة: ۱۲۶)، دارالسلام ریاض)

تعمیر کے لئے فراہمیٔ چندہ کا پروگرام بنایا، دو ہزار روپیہ بھی جمع ہو چکے، لیکن بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ جامع مسجد کی موجودگی میں نئی مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی ہے، نہ اسے منہدم کیا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے فراہمیٔ چندہ میں رکاوٹ ہو گئی۔ یہ طے ہوا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے پورے حالات لکھ کر فتوی حاصل کیا جائے۔ کیا جو جامع مسجد فوجی تحویل میں ہے اس کو اس طرح رکھ کر دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز ہے؟ کیا موجودہ مسجد کو منہدم کر کے تعمیری لکڑی کو نئی مسجد میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جب کہ پرانی مسجد کو چہار دیواری سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شریعت کے مطابق مسجد بنائی جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے بن جاتی ہے (۱)، نہ اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ درست ہوتا ہے (۲)، نہ کسی کو نماز سے روکنے کا حق ہوتا ہے (۳)، نہ اس کو گرانا درست ہے (۴)۔ اگر وہ پرانی مسجد دوسروں کے قبضہ میں ہے اور وہ پانچ وقت نماز کی اجازت اس میں نہیں دیتے، صرف جمعہ کی اجازت دیتے ہیں اور وہ مسجد محفوظ ہے تو اس کو منہدم نہ کیا جائے، بلکہ محفوظ ہی رکھا جاوے اور پنجگانہ نماز کے لئے دوسری مسجد تعمیر کر لی جائے۔ اینٹ لکڑی وغیرہ کا نئی مسجد کے لئے مستقل انتظام کیا جائے، پرانی مسجد کو توڑ کر نئی مسجد میں

---

(۱) "ولو خرب ما حوله و استغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۲) "والفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لا يعود إلى ملكه أبداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۶/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، و سعى في خرابها﴾ الآية. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

خرچ نہ کریں (۱) اور پرانی مسجد کو واگذار کرانے کی آئینی کوشش کی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۱۰/ ۸۷ھ۔

نئی آبادی میں نئی مسجد بنانا

سوال [۲۹۸۳]: ایک نو آباد محلّہ جس سے موضع کی قدیم دونوں مسجدیں تقریباً ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہیں، اذان کی آواز بھی ہمیشہ سنائی نہیں دیتی، محلّہ میں نمازی باجماعت ادا کرنے والے بھی بہت کم ہیں۔ چند ایسی وجوہات کے تحت محلّہ مذکور میں نئی مسجد بنانے کا ارادہ کیا جارہا ہے۔ تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد مسلمانوں کی اہم ضرورت ہے، جہاں آباد ہوں گے مسجد کا بھی اہتمام کریں گے، اور کرنا چاہئے، اس نو آباد محلّہ میں ضرورت ہو تو وہاں بھی بنالی جائے (۳)، مگر اس کو آباد رکھنے کی فکر و کوشش بھی لازم ہے، ایسا نہ

---

(۱) "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوى القدسي".
(البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

(۲) "واگذار کرنا: چھوڑ دینا، پابندی یا شرط اٹھالینا، واپس کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۹، فیروز سنز لاهور)

(۳) "عن عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنكم أكثرتم، وإني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من بنى مسجداً -قال بُكير: حسبت أنه قال: "يبتغى به وجه الله- بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخارى، باب من بنى مسجداً: ۱/ ۶۴، قديمى)

"فيه أن التعاون فى بنيان المسجد من أفضل الأعمال أنه مما يجرى للإنسان أجره بعد موته".
(عمدة القارى، باب التعاون فى بناء المسجد: ۴/ ۲۰۹، إدارة الطباعة المنيرية)

"عن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (روح المعانى، (سورة التوبة: ۱۰۷): ۱۱/ ۲۱، دار إحياء التراث العربى بيروت) .... =

ہوکہ مسجد تو جوش میں بنالیں اور آباد نہ رکھ سکیں، اس لئے تبلیغ کر کے مسلمانوں کو نمازی بنانا زیادہ ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۶/۲/۹۲ھ۔

مالک کی اجازت سے اس کی زمین میں مسجد بنانا

سوال[۶۹۸۴]: بیوہ عبدل محلہ کٹرہ میں رہتی ہے اور محلہ کٹرہ میں ایک بڑا مکان ہے، ایک دروازہ اور چھوٹا سا صحن ہے اور عام راستہ ہے جس میں علی رضا خان اور احمد رہتا ہے جس نے ایک قتل بھی کیا ہے، یہ سزایاب بھی ہے۔ یہ سب لوگ مل کر اسی صحن میں مسجد بنوانا چاہتے ہیں، وہ صحن تقریباً ۲۰/ سال سے میرے قبضہ میں ہے اور وہ اراضی حکیم ایوب صاحب کی ہے، تقریباً دو سال ہوئے ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ حکیم صاحب نے ہم کو مسجد بنوانے کے لئے صحن دیا ہے، مگر ہم ان کی رعایا ہیں، ہم کو انہوں نے کوئی اطلاع مسجد بنوانے کی نہیں دی ہے، لہذا اب حکیم صاحب کے بیٹے کہتے ہیں کہ اس جگہ مسجد بنے گی، کیونکہ علی رضا وغیرہ شورہ پشت ہیں (۱)۔ میں غریب بیوہ عورت مجبور ہوں، کیا کرسکتی ہوں۔ یہاں پر کیا شرعاً مسجد بنانا جائز ہے یانہیں؟ میری مرضی نہیں ہے جبراً بنوانا چاہتے ہیں اور وہ لوگ بے نمازی ہیں۔

زوجہ عبدل مرحوم۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس جگہ کے مالک نے یہاں مسجد بنانے کے لئے کہہ دیا ہے اور اس کا ثبوت موجود ہے تو جن لوگوں کو کہا ہے ان کو وہاں مسجد بنانا درست ہے (۲)، آپ کو یا کسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر آپ کے

= (وكذا في معالم التنزيل للبغوي، سورة التوبة: ۲/۳۲۷، تاليفات رشيديه ملتان)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تتخذ المساجد في الدور وأن تطهر وتطيب". (سنن ابن ماجة، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، قديمي)

(۱) "شورہ پشت: سرکش، نافرمان"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۴۹، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ التسليم ليس بشرط لا في المسجد ولا في غيره من =

لئے رہنے کی جگہ نہیں ہے تو اللہ سے دعاء کیجئے کہ وہ آپ کو جگہ دے اور اللہ کا گھر بنانے کے لئے جب آپ جگہ چھوڑ دیں گی تو یقیناً آپ کے اخلاص کی برکت سے دوسری جگہ مل جائے گی۔ مسجد بنانے والے شورہ پشت ہوں، یا بے نمازی ہوں وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں، اللہ پاک ان کو ہدایت دے اور آپ کی پریشانی کو دور کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانے کے لئے کتنا فاصلہ ہونا چاہیے

سوال[۶۹۸۵]: ایک مسجد پہلے سے ہے اور اس کے قریب دوسری مسجد بنانا چاہتے ہیں تو شرعاً دونوں مسجدوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس مسجد میں نمازی نہیں سما سکتے، جگہ تنگ ہے، اس لئے دوسری مسجد کی ضرورت پیش آئی تو اتنی دور بنائیں کہ قرأتِ امام کی آواز نہ ٹکرائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۱ھ۔

= الأوقاف، فإذا قال: جعلت هذا مسجداً وأذن الناس بالصلاة فيه، يتم ذلك". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول الذى قدمناه صحة الوقف به". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

"وعند أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول بمجرد قول الواقف، ولا يجوز بيعه، ولومات لا يورث عنه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيديه)

"لأنهم اتفقوا على صحة الوقف بمجرد القول". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۳۴۳/۴، سعيد)

(۱) حضرت مفتی صاحب نے بظاہر احتیاط کی بناء پر یہ بات کہی ہے، ورنہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر ایک مسجد کے درمیان =

مسجدِ قدیم میں پنجوقتہ نماز ہو اور جمعہ کے لئے مستقل مسجد بنانا

سوال[۶۹۸۰]: اگر کسی مسجد میں صرف پنج وقتہ نماز ادا کرلیا کریں، وہی ایک یا دو آدمی اور قریب ہی مسجد صرف جمعہ پڑھنے کے ارادہ سے بنائی جائے تو اس صورت میں اس قریب موضع میں مسجد صرف جمعہ کے لئے بنانا جائز ہے یا نہیں؟

زین العابدین راجستھانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد قدیم میں لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے نہیں آتے اور دوسری جگہ جامع مسجد کی ضرورت ہے تو دوسری جگہ جامع مسجد بنانا جائز ہے(۱)، لیکن علاوہ جمعہ کے دوسری نمازیں بھی اس میں پڑھا کریں تاکہ وہ آباد

= دیوار کھڑی کی جائے اور دونوں میں الگ الگ جماعت ہو تو بھی جائز ہے:

"أهل المحلة قسّموا المسجد و ضربوا فيه حائطاً، ولكلٍ منهم إمام على حدة و مؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/ ۹ ۰ ۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/ ۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فروع: ۱/ ۶۶۳، سعيد)

(۱) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/ ۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/ ۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوى: ۲/ ۳۲۷، تاليفات رشيديه ملتان)

"وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع". (الدرالمختار). "(قوله: تغلق) لئلا تجتمع فيها جماعة". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۷، سعيد)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يتخذ المسجد في الدور وأن تطهر و تطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهير المساجد وتطييها، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

رہے، صرف جمعہ کیلئے مخصوص نہ کریں اور مسجد قدیم کو حتی الوسع آباد رکھنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۲/شوال/ ۵۷ھ۔

اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد مشترکہ زمین میں بنانا

سوال[۶۹۸۷]: ایک موضع میں پہلے سے ایک پختہ مسجد موجود ہے، چند روز سے مسلمانوں میں نااتفاقی ہو کر دو پارٹی ہوگئیں، ایک پارٹی نے اس نااتفاقی کے باعث ایک مسجد جدید تعمیر کی، لیکن جس جگہ میں مسجد تعمیر کی یہ جگہ مسلمانوں کی مشترکہ ہے اور اس کے مالک دونوں پارٹیوں کے لوگ ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کون سی مسجد میں ثواب زیادہ ہے، مسجد کی زمین دونوں پارٹیوں کی ملک ہے، لیکن قبضہ صرف دوسری پارٹی کا ہے۔ والسلام۔

سائل: مبارک حسین مادری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مشترکہ زمین میں سب مالکوں کی اجازت سے بنائی گئی تو دونوں میں نماز جائز ہے(۱) اور یہ کوشش کرنا کہ کسی ایک مسجد میں نماز نہ ہو، گناہ ہے(۲)، لیکن پہلی یعنی پرانی مسجد میں افضل ہے(۳)، تاہم نئی مسجد جب باقاعدہ مسجد بن گئی تو اس کو بھی آباد رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر نئی مسجد بغیر سب مالکوں کی اجازت کے بنی ہے

---

(۱) "حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلی فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلی بيته، فإنه أفضل حينئذٍ، لسبقه حقيقةً وحكماً. وذكر قاضی خان وصاحب منية المفتی وغيرهما أن الأقدم أفضل". (الحلبی الكبير، فصل فی أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

توجب تک سب مالک اجازت نہ دے دیں، اس میں نماز نہ پڑھی جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۱/۵۷ھ۔

دفعِ نزاع کے لئے دو مسجدیں بنانا

سوال [۶۹۸۸]: ایک دیہات میں دوجگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ کچھ دنوں سے دونوں مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے بعض مسلمان جن کی زمین میں مسجد ہے منع کرتے ہوں تو جن مسلمان بھائیوں کو منع کیا گیا ہے تو کیا وہ ایک نئی مسجد بنا کر جمعہ کی نماز وغیرہ ادا کر سکتے ہیں، یا جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز مسجد میں، یا اپنے گھر میں ادا کریں گے؟

نوٹ: ان دونوں مسجدوں میں پہلے سے جمعہ رائج ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

جب کوئی شخص اپنی زمین میں مسجد بنادے، یا مسجد بنانے کے لئے زمین دیدے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی بھی مسلمان کو وہاں نماز پڑھنے سے روکے، نماز پڑھنے سے روکنا بڑا ظلم ہے:

﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيهااسمه﴾ الاية (۲)۔

جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں، وہاں حسبِ ضرورت ایک سے زائد جگہ بھی جمعہ درست ہے (۳)۔جب مسلمانوں کو مذکورہ دونوں مسجدوں میں نماز سے روکا جاتا ہے اور وہاں جانے میں جھگڑے کا قوی

---

(۱) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة .... وأرض مغصوبة". (الدرالمختار).

"وفي الواقعات: بنى مسجداً في سور المدينة، لاينبغي أن يصلي فيه؛ لأنه حق العامة، فلم يخلص لله تعالىٰ كالمبنى في أرض مغصوبة، اهـ .... فالصلوة فيها مكروهة تحريماً في قول، وغير صحيحة في قول آخر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الصلوة في الأرض المغصوبة: ۱/۳۸۱، سعيد)

(۲) (سورة البقرة : ۱۱۴)

(۳) "و تؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار). "(قوله: على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ جواز إقامتها في مصر واحد وفي مسجدين وأكثر، وبه نأخذ". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعيد) =

اندیشہ ہے کہ لڑائی ہوکر سر پھوٹیں گے، مقدمات چلیں گے تو جھگڑے سے بچنے کے لئے علیحدہ مسجد بنالینا درست ہے(۱)، پھر وہاں جمعہ بھی پڑھتے رہیں۔ نیز جمعہ کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، کسی بھی کھلی جگہ جہاں کسی کو آنے کی رکاوٹ نہ ہو، جمعہ پڑھ سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۱۴۰۶ھ۔

گھر کو مسجد بنادینا

سوال[۶۹۸۹] : زید کا اپنا ذاتی مکان ہے، اس نے قبضہ کے عام مسلمانوں کو تحریری اقرارنامہ روبرو عدالت کے بنوا کر مسلمانوں کو دیا اور کہا کہ اس وقت سے ہمیشہ کے لئے عام طور پر میرے مکان کے اندر باجماعت نماز پنج وقتہ پڑھنے کا حق ہے، میں اور میری بیوی جب تک زندہ رہیں مکان کے اس کونہ میں رہیں گے، بقیہ تمام مکان پر کل مسلمانوں کا حق رہے گا۔

چنانچہ عام مسلمان پنج وقتہ نماز اس مکان میں جا کر ادا کرتے رہے، عدالت کا فیصلہ بھی یہی ہو چکا تھا کہ مسلمان اس مکان میں نماز ادا کر سکتے ہیں، باہر گاؤں میں مسجد بنا کر نماز ادا نہیں کر سکتے۔ گویا عدالت نے اس مکان کو مسجد قرار دے دیا تھا۔ اب زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی موجود ہے، گاؤں کے چند ہندوؤں کے ورغلانے سے اور اس کے بعض اعزاء کے کہنے پر وہ عورت اور اس کے بعض اعزاء اب نماز کے ادا کرنے میں

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(۱) "أهل المحلة قسّموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فروع: ۱/۶۶۳، سعيد)

(۲) "و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر، الخ .... أو فنائه و هو ما حوله". (الدرالمختار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

حائل ہیں اوراس کواپنا مکان بنا کر قابض ہونا چاہتے ہیں۔

ایسی حالت میں عام مسلمانوں کوازروئے شرع شریف کیاعمل درآمد کرنا چاہئے اوران مسلمانوں کے ساتھ جوکہ نماز پڑھنے اور مکان میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، کیسے تعلقات رکھنے چاہییں؟ فقط والسلام۔

نذیر احمد، ۱۷/ دسمبر، ۱۹۳۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے بحالتِ صحت وتندرستی اس مکان کومسجد بنادیا اوراس کا راستہ بھی الگ کر کے اس سے اپنا قبضہ ہٹالیا اور عام مسلمانوں کواجازت دے دی اور انہوں نے باقاعدہ اس میں اذان و جماعت شروع کردی تو شرعاً وہ مسجد بن گئی، اب زید کی بیوی یا کسی کا اس پر کوئی حق نہیں رہا، جودعویٰ کرے وہ لغواور باطل ہے۔ اگر مرض الموت کی حالت میں اس مکان کومسجد بنایا تو وہ وصیت کے حکم میں ہے اورایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی اوردو تہائی ورثاء کی اجازت پرموقوف ہے:

”فلو جعل وسط داره مسجداً أو أذِن للناس فی الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً فی قولهم جميعاً، وإلا فلا، عند أبی حنيفة رحمه الله تعالیٰ. وقالا: يصير مسجداً، وتصير الطريق من حقه من غير شرط، كذا فی القنية. ولو عزل بابه إلی الطريق الأعظم، يصير مسجداً“. عالمگیری: ٤/٤٣٨(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ رجب المرجب/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول فيما يصير به مسجداً، الخ: ۲/۴۵۴، ۴۵۵، رشيديه)

”وإن جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول فيه، فله أن يبيعه. وفی السغناقی: ولو عزل بابه إلی الطريق الأعظم، يصير مسجداً“. (التاتارخانية، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکيرية، کتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۱، رشيديه) .... =

غیر مسلم سے مسجد ومدرسہ کی بنیاد رکھوانا

سوال[۶۹۹۰]: کسی غیر مسلم سے کسی مسجد یا مدرسہ کی بنیاد رکھوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم اگر معمار ہو یا انجینئر ہو اور سمت سے خوب واقف ہو اور اسلام کی تعریف یا اعزاز کی نیت ہو، اس سے بنیاد رکھوانا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۷ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/۲۷۰، ۲۷۲، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الأخر، وجاهد في سبيل الله، لايستوون عندالله، والله لايهدى القوم الظلمين﴾ (التوبة: ۱۹)

قال الحافظ ابن كثير تحتها: "قال العوفي في تفسيره عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في تفسير هذه الآية قال: إن المشركين قالوا: عمارة بيت الله وقيام على السقاية خيرٌ ممن آمن وجاهد، وكانوا يفخرون بالحرم، ويستكبرون به من أجل أنهم أهله وعماره .... فخير الله الإيمان والجهاد مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عمارة المشركين البيت وقيامهم على السقاية، ولم يكن ينفعهم عندالله مع الشرك به، وإن كانوا يعمرون بيته ويحرمون به". (تفسير ابن كثير: ۲/۴۵۰، مكتبه دارالسلام، رياض)

(وكذا في روح المعاني: ۱۰/۶۷، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "عمارت مسجد جس کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ مشرک کافر نہیں کر سکتے، بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری در و دیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں غیر مسلم سے کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں (تفسیر مراغی)"۔ (معارف القرآن: ۴/۳۳۱، إدارة المعارف كراچی)

نئی تعمیر میں مسجد کا فرش اونچا رکھ کر نیچے تہہ خانہ بنادیا تو نماز کہاں پڑھی جائے؟

سوال[۶۹۹۱]: ایک پرانی مسجد توسیع کی غرض سے منہدم کرکے دوبارہ تعمیر کی گئی اور ابتداہی میں بنیاد کے موقع پر فرشِ مسجد کو پرانے فرش سے اونچا رکھنے کی تجویز بالاتفاق طے پائی، لیکن مٹی سے پاٹ کر اونچا کرنے کے بجائے یہ صورت آسان سمجھی گئی کہ دیواروں کی کرسی اونچی لاکر درمیان میں پائے بناکر خلا کو مٹی سے پُر کرنے کے بجائے لنٹر ڈال دیا جائے تاکہ نچلا حصہ بھی بوقتِ ضرورت کارآمد ہوسکے اور جمعہ کے دن یا جب بھی مصلیوں کی کثرت ہو، اس کا دروازہ کھول کر اس حصہ سے بھی کام لیا جائے۔

اور اس بارے میں مقامی علمائے کرام اور مفتی مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ وغیرہ حضرات سے مشورہ بھی کیا گیا اور بہت سے علمائے کرام نے ہیئتِ مذکورہ کو تشریف لاکر ملاحظہ بھی کیا۔ چنانچہ تقریباً ۷/ فٹ زمین سے اونچی کرسی لاکر پرانے فرش کے قائم مقام فرش کے واسطے لنٹر ڈال دیا گیا اور اس فرش تک چوڑا زینہ بنوادیا گیا کہ ہر شخص جو مسجد میں داخل ہونا چاہے وہ سیدھے اس فرش پر پہونچے۔ اور اسی غرض سے نچلے حصے میں سامنے دروازہ نہیں رکھا گیا، بلکہ اشتباہ سے بچنے کے لئے دوسری طرف دروازہ رکھا گیا۔

اب مسجد کی موجودہ ہیئت یہ ہے کہ باہر سے کوئی شخص مسجد کے سامنے آئے تو فرش مذکورہ ہی کو اصل مسجد سمجھے گا، نچلے حصہ کی طرف اس کا ذہن بھی نہ جائے گا، اور اگر بالفرض نچلے حصہ میں جماعت کی نماز ہورہی ہو تو اس سے اس کا علم بھی نہیں ہوسکتا، بلکہ بغیر رہنمائی کے اس نچلے حصہ میں وہ بہ آسانی پہونچ بھی سکتا ہے۔

۱...... یہ فرش جو نمازِ پنجگانہ کے لئے بنایا گیا یہ فرش کے حکم میں ہے یا چھت کے، جب کہ پرانا فرش نچلے حصہ کی صورت میں ہے؟

۲...... مسجد کا اصل حصہ کون سا حصہ ہے، یہ فرش جو پرانے فرش کا قائم مقام سمجھا گیا یا وہ نچلا حصہ جسے ہنگامی ضرورتوں کے لئے بنوایا گیا، مسجد کے حکم میں مسجد کا کل حصہ ہوتا ہے یا بعض (یعنی باعتبار تحت وفوق کے)؟

۳...... نمازِ پنجگانہ کس حصہ میں ادا کی جانی چاہیے؟

۴...... اگر اوپر والے فرش پر نماز پڑھی جائے جس کو اسی غرض سے بنایا گیا ہے اور اسی میں ہر طرح کی سہولت بھی ہے (کیونکہ نچلا حصہ بوجۂ پست ہونے کے اس میں تاریکی وحبس ہے، نہ اس میں ہوا آنے کی کوئی صورت ہے) تو نماز بلا کراہت درست ہوگی یا نہیں؟

۵......حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتاویٰ دار العلوم جدید: ۴/۱۵۰، سوال: ۱۶۳۱، کے تحت فرماتے ہیں کہ:

''بعد نقل عبارت شرح خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ بعض عبارات سے جوازِ نمازِ فوقِ مسجد معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے'' (۱)۔

صورتِ مسئولہ میں اس فتوے سے گنجائش فرشِ مذکور پر نماز ادا کرنے کی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

۶......اگر اصل مسجد نچلا حصہ ہے اور اسی میں نماز پڑھنی ضروری ہے اور اس کو خالی چھوڑ کر اوپر کے فرش پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، تو چونکہ یہ حصہ پست ہونے کی وجہ سے تاریک بھی ہے، اس میں حبس بھی ہے اور دروازہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے اجنبیوں کے لئے غیر معروف بھی اور دوسری کئی دقتوں کے پیشِ نظر اس اصل مسجد کی پوری عمارت کو مٹی بھر کر ضائع اور بیکار کر دینا کیا درست ہے؟ یعنی اس سے وقتی ضرورتوں پر مصرف میں لانے کے لئے کار آمد اور باقی رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے، یا نا قابلِ استعمال اور بیکار بنا دینا ضروری ہے، یا پھر طوعاً و کرہاً اسی حصہ میں نماز ادا کرنا لازمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہاء نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا اور اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے (۲)، اسی پر قیاس کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری میں تحریر ہے کہ ہر مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے، لہٰذا شدتِ گرما کے وقت مسجد کی چھت پر جا کر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے:

"الصعود علی سطح کل مسجد مکروه، ولهذا إذا اشتد الحر یکره أن یصلوا بالجماعة

---

(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مسجد کی دوسری منزل میں نماز پڑھنا کیسا ہے: ۴/۱۵۰، (رقم السوال: ۱۶۲۱)، إمدادیه ملتان)

(۲) "وتکره الصلاة علی سطح الکعبة، لما فیه من ترک التعظیم". (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوة ومایکره: ۱/۱۰۸، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الصلوة فی الکعبة: ۲/۲۵۴، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کراهة الصلوة، فروع، ص: ۳۶۳، سهیل اکیڈمی، لاهور)

فوقه، إلا إذا ضاق المسجد، فحينئذٍ لايكره الصعود على سطحه للضرورة، كذا في الغرائب".
عالمگیری: ٤/٩٤، ہندی(١)۔

لیکن صورتِ مسئولہ میں مسجد کی جو ہیئت بن چکی ہے، اس فرشِ مسجد کو مسجد کی چھت کا حکم نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس نئی عمارت کی جو چھت ہے، وہ سطحِ مسجد ہے اور سابقہ مسجد بمنزلۂ سرداب کے ہے جس کو مصالحِ مسجد کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے، سخت دھوپ اور لُو کے وقت میں وہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس لئے اس کو مٹی سے پُر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسجد تحت الثریٰ سے فوق الثریا تک مسجد ہی ہوتی ہے یعنی اس سے حق العبد منقطع ہوتا ہے، جیسا کہ البحر الرائق اور شامی وغیرہ میں تصریح ہے،(٢)۔

جس طرح عامۂ مسجد کے دو حصہ ہوتے ہیں: ایک شتوی، ایک صیفی (مسقّف اور صحن) اور دونوں حصوں میں حسبِ مصالح نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے، اسی طرح اگر مسجد کے دو حصے ہوں: ایک فوقانی، ایک تحتانی تو ان دونوں میں بھی نماز درست ہے(٣)، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ سطحِ مسجد پر چڑھنے کی وجہ سے

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ٥/٣٢٢، رشيديه)

"وحكي عن شمس الأئمة الحلواني: الصلوة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد ولم يجد موضعاً يصلي فيه، فلا بأس به".
(التاتارخانية، كتاب الصلوة، مايكره للمصلي ومالايكره: ٥/٥٦٩، إدارة القرآن كراچی)
(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٧٠، سعيد)
(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ١/٦٥٦، سعيد)

(٢) "وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً؛ لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ٨]، بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ٥/٤٢١، رشيديه)
(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ٤/٣٥٨، سعيد)

(٣) "ويكره المجامعة فوق المسجد والبول والتخلي؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (الهداية، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبله: ٢/٦٠، رشيديه)
(وكذا في البحر الرائق، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ٢/٦٠، رشيديه) =

احترامِ مسجد باقی نہیں رہا، عرفاً اس کو سطح نہیں کہتے، بلکہ سطح تو اوپر والی منزل کی چھت ہے اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاویٰ سے تو سطحِ مسجد پر بھی نماز میں کراہت معلوم نہیں ہوتی۔

امید ہے کہ آپ کے تمام سوالات کے جواب واضح ہوجائیں گے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۱۳۹۹ھ۔

اختلافِ مکتبِ فکر کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال[۲۹۹۲]: دیوبندیوں کو بریلوی صاحبان بُرا بھلا کہتے ہیں، نیز اکابرِ علمائے دیوبند کو بُرا کہتے ہیں، مسجد میں نماز پڑھنے سے جھگڑے کا زبردست خطرہ ہے۔کیا اس صورت میں دوسری مسجد بنا سکتے ہیں؟ دیوبندیوں نے ایک جگہ مسجد کے لئے مقرر بھی کرلی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری مسجد کی ضرورت بھی ہے اور اس میں جھگڑے سے بھی امن ہے تو دوسری مسجد بنالینا درست ہے، بلکہ قرینِ مصلحت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۴ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: وكره عبثه بثوبه الخ: ۱/۱۹۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، التوبة: ۱۰۷، دارالكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعانى: ۱۱/۲۱، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوى: ۲/۳۲۷، تاليفات اشرفيه، ملتان)

عاشورہ خانہ کو مسجد بنانا

سوال[۶۹۹۳]: ایک ہندو نے ممبری کے لئے مسلمانوں سے ووٹ مانگے اوراس کے عوض ایک عاشورہ خانہ بنوادیا تھا، اب گاؤں میں مسجد کی ضرورت ہے۔ تواس عاشورہ خانہ کومسجد بنا سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں مسجد کی ضرورت ہے تو مشورہ سے اس عاشورہ خانہ کومسجد بنالینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

سڑک پر مسجد کی ڈاٹ اور دومنزلہ مسجد

سوال[۶۹۹۴]: مسجد واقع سبزی منڈی شاہجہاں پور میں تنگ ہونے کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہے، لہٰذا متولی مسجد واہل محلہ کی رائے ہوئی کہ مسجد دومنزلہ بنوائی جائے اور صحن بالا خانہ سڑک تک جانب پورب (۲) بنایا جائے، اس طریق سے مسجد میں توسیع ہوجائے گی اورنمازیوں کے واسطے خارج سڑک

---

(۱) "فلو جعل وسط داره مسجداً وأذِن للناس فی الدخول والصلوة فیه، إن شرط معه الطریق، صار مسجداً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۴/۱، رشیدیه)

"رجل له ساحة لابناء فیها، أمَرَ قوماً أن یصلوا فیها بجماعة .... إن أمرهم بالصلوة فیها أبداً نصاً بأن قال: صلوا فیها أبداً.......... صارت الساحة مسجداً، لومات لایورث عنه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد: ۴۵۵/۲، رشدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "پورب: مشرق"۔(نور اللغات، ص: ۸۶۳، فیروز سنز لاهور)

"مشرق، سورج نکلنے کی سمت دریائے گنگا کا مشرقی علاقہ"۔(فیروز اللغات، ص؛ ۳۰۸، فیروز سنز، لاهور)

پر ڈاٹ لگانا جائز ہے(۱)، جب کہ چونگی اجازت دیدے، صرف ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنے کی اور زمین چونگی ہی کی ملک ہے اور راہگیروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، کیونکہ ڈاٹ زمین سے بارہ چودہ فٹ بلند ہوگی۔ نماز اس ڈاٹ پر جائز ہوگی یا نہیں اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اسی مسجد میں نالہ پر ڈاٹ بنانے کی اجازت دی جا چکی ہے اور اس پر بھی نماز ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سڑک پر ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنا صورت مسئولہ میں شرعاً درست ہے اور جب کہ صحنِ مسجد کے ساتھ یہ ڈاٹ متصل ہے اور صفوفِ مسجد وہاں تک متصل ہیں تو جماعت کا ثواب بھی ملے گا(۲)، لیکن یہ ڈاٹ مسجدِ شرعی کے حکم میں نہ ہوگی، کیونکہ مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک کسی کی ملک نہیں ہوتی، بلکہ محض للہ وقف ہوتی ہے(۳) اور یہاں ڈاٹ کے نیچے سڑک ہے جو چنگی کی ملک ہے۔ مقامی مصالح (مثلاً اندیشۂ فساد کسی غیر

---

(۱) ''ڈاٹ: دوسری منزل میں جو تین چار فٹ چھتہ باہر نکلا ہوا ہوتا ہے''۔

(۲) "لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به، ليس بينهما طريق، فاقتدى به، صح اقتداؤه عندنا؛ لأنه إذا كان متصلاً به، صار تبعاً لسطح المسجد، وسطحُ المسجد له حكم المسجد". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۷، سعيد)

"ولو قام على دكان خارج المسجد متصل بالمسجد، يجوز الاقتداء، لكن بشرط اتصال الصفوف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء، الخ: ۱/۸۸، رشيديه)

(۳) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل بابه إلى الطريق، وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذِن للناس بالدخول، فله بيعه ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ، لبقاء حق العبد متعلقاً به .... وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً ينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸]. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيديه)

مذہبی جلوس کے گذرنے کے وقت) کا مشورہ اربابِ حل وعقد اور وہاں کے تجربہ کار مدبروں اور علماء سے موقع دکھلا کرلیا جائے۔

دومنزل مسجد بنا کر عام طور پر نیچے کا حصہ بیکار کردیا جاتا ہے، معمولی سی گرمی کو بہانہ بنالیا جاتا ہے، صرف اوپر کے حصہ پر نماز ہوتی ہے، حالانکہ اصل مسجد نیچے کا حصہ ہے اور مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ بھی ہے، اس لئے ایسی حالت میں دومنزلہ مسجد بنانا مناسب نہیں۔ ہاں! اگر بالاصالۃ مسجد کے نیچے کے حصہ میں جماعت ہو اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے مقتدی چھت پر کھڑے ہوجائیں تو شرعاً یہ جائز ہے اور اس سہولت کے لئے دو منزل مسجد بنانے یا مسجد کی چھت پر سائبان ڈالنے میں مضائقہ نہیں، مگر سہارنپور میں تو یہی مشاہدہ ہے کہ نیچے کا حصہ اکثر بیکار رہتا ہے:

"وکره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، اه". درمختار۔ قال الشامي: "ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد، اه. ويلزمه كراهة الصلوة أيضاً فوقه، فليتأمل. (قوله: لأنه مسجد) علة الكراهة ماذكر فوقه. قال الزيلعي: ولهذا يصح اقتداء مَن على سطح المسجد بمن فيه إذا لم يتقدم على الإمام. (قوله: إلى عنان السماء) وكذا إلى تحت الثرىٰ، اه". ردالمحتار: ١/٦٨٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۷/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، عفی عنہ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/ رجب/ ۵۸ھ۔

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ١/٦٥٦، سعيد)

"الصعود على سطح كل مسجد مكروه، ولهذا إذا اشتدّ الحر، يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه، إلا إذا ضاق المسجد، فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة، كذا في الغرائب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ٥/٣٢٢، رشيديه)

"قوله: (والوطء فوقه والبول والتخلي): أي وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ٢/٦٠، رشيديه) =

محلّہ میں مسجد تعمیر ہونے کے بعد نماز کہاں ادا کی جائے؟

سوال[۶۹۹۵]: شیخ انصاریوں نے مسجد کا سلسلہ قائم کیا اور بنیاد کھود دی گئی اور پھر سب لوگوں نے چندہ دیا اور تمام مسلم اس وقت پر جدوجہد کرتے رہے کہ مسجد تیار ہوجائے، لیکن ہم لوگوں کی بدقسمتی کہ تیار تو کر نہ سکے البتہ جھگڑا ضرور کرلیا۔ برادرانِ جھوجھہ تقریباً کاشتکار ہیں، اگر وہ اس میں نماز پڑھنے آتے ہیں تو لوگ اعتراض کرتے ہیں، اور مسجد کے قریب زیادہ تر برادرانِ جھوجھہ ہی ہیں اور کم برادران انصاری ہیں۔

یہ لوگ مسجد پر کوئی توجہ بھی نہیں دیتے، نماز کا اہتمام بھی نہیں کرتے، اذان بھی کبھی وقت پر نہیں ہوتی، کبھی کبھی جماعت بھی نہیں ہوتی ہے۔ اگر ان کو بطورِ مشورہ کے کہا جاتا ہے تو جھگڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسجد ہماری ہے۔ تقریباً چار سال کا عرصہ ہوا کہ اس میں نماز شروع کردی تھی۔ ہم کو اس بات کا خوف ہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوجائے اور ہم تباہ و برباد ہوجائیں۔ اگر کوئی ان کی برادری سے الگ کا انسان ان کو مسجد کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نے ایک بیٹھک بنادی ہے اور حقہ بھر کر رکھ دیا ہے، بس جس کی سمجھ میں آئے پیئے نہ پیئے، ہم تو کہنے کے لئے نہیں جائیں گے۔

براہِ کرم مطلع فرمائیں کہ اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کا رہنا اس کے قریب ہے، ورنہ ہماری مسجد دوسری ہے جو ہمارے بڑوں کی تھی، اب ہم کو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم ہے یا مسجدِ سابق میں؟ اور یہ سب باتیں مسجد میں پیش آئی ہیں۔ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدِ محلّہ کا آباد رکھنا لازم ہے، اس کو ویران چھوڑنا بہت بڑا جرم ہے(۱)۔ مسجد کسی کی ذاتی مِلک

= (وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۱۴۴، شركة علميه ملتان)

(۱) "رجل صلى في المسجد الجامع لكثرة الجمع لايصلي في مسجد حيه، فإنه يصلي في مسجد منزله. وإن كان قومه أقل، ولم يكن في مسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إلى مسجد منزله ويؤذن فيه ويصلي وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه، فيؤدي حقه .... قالوا: يؤذن هو ويقيم ويصلي وحده، ذلك أحب من أن يصلي في مسجد آخر". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في المسجد: ۱/۶۷، رشيديه) .... =

نہیں(۱)، ہر مسلمان کو اس میں نماز پڑھنے کا حق ہے، لیکن وہ جھگڑا نہ کریں نماز پڑھنے دیں(۲) تو پھر دوسری مسجد میں جا کر پڑھ لیا کریں، جھگڑا نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۰ھ۔



= (وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعید)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس والعشرون فی المسجد: ۱/۲۲۸، رشیدیه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ الاية (الجن: ۱۸)

"وإذا تم ولزم، لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۱/۳۵۰، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه، وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسی: "وظاهر الأیة العموم فی کل مانع وفی کل مسجد، وخصوص السبب لایمنعه .... ﴿وسعی فی خرابها﴾: أی هدمها وتعطیلها". (روح المعانی: ۱/۳۶۳، ۳۶۴، (البقرة:: ۱۱۴)، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

الفصل الثانی فی مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

مسجدِ ضرار

سوال[۶۹۹۶]: ایک مسجد نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے تعمیر کی گئی تھی، پھر کسی مصلحت کی وجہ سے مثلاً یہ مسجد محلّہ سے ایک طرف ہے، یا پانی وغیرہ کا انتظام وہاں نہیں، یا اَور کوئی صورت پیش آئے اور پہلی جگہ سے دوسری جگہ باتفاقِ اہلِ محلّہ اس مسجد کے چھپر یا اینٹ وغیرہ کو منتقل کر دیا۔ اب اس دوسری مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں اور اس کو مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس دوسری مسجد پر مسجد ضرار کی تعریف صادق آئے گی یا نہیں اور مسجد منتقل کرنا کیسا ہے؟

طبیب الدین، متعلم مدرسہ، ۸/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوىٰ ابتغاء وجه الله أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". مدارك: ۲/۱۱۱(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس مسجد سے مقصود ریا و سُمعۃ یا اَور کوئی خلافِ شرع امر ہو، یا غیرِ طیب مال سے بنائی جائے، مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور سوال میں کوئی ایسا امر ظاہر نہیں کیا گیا جس سے اس مسجد کو مسجد ضرار کے

---

(۱) (تفسير المدارك: ۱/۶۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمی)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً وسمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لا حقّ بمسجد الضرار". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربی بيروت)

(وكذا فی روح المعانی: ۱۱/۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

حکم میں داخل کیا جائے۔ سو مسجدِ ثانی کا حکم تو یہ ہے کہ اگر وہ با قاعدہ مسجد بن گئی اور شرعی طور پر وقف ہو چکی ہے تو اس میں نماز درست ہے، اس کا احترام ضروری ہے، کوئی کام اس میں احترامِ مسجد کے خلاف کرنا جائز نہیں، کیونکہ جو مسجد کہ ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے:

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك عند الإمام، ولايعار و لا يرهن"(١)۔ "ولو خرب ماحوله، واستغنى عنه، يبقىٰ مسجداً عندالإمام والثانى، وبه يفتي، اهـ". تنوير:٣/٥٧٢(٢)۔

مسجد کا منتقل کرنا بھی ایک مسجد کی جگہ کے عوض دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے لینا جائز نہیں:

"لو كان مسجدٌ فى محلة ضاق على أهله، ولا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله في داره، ويعطيهم مكاناً عوضاً ماهو خيرله، فيسع فيه أهل المحلة، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يسعهم ذلك، كذا فى الذخيرة،

---

(١) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ٣٥١/٤، ٣٥٢، سعيد)

"(قوله: لم يجز بيعه و لاتمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التمليك، فلما بيّنّا من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع ولا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ٢٢٠/٦، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ٣٤٢/٥، رشيديه)

(٢) (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ٣٥٨/٤، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به: ٤٥٤/٢، رشيديه)

"إذا خرب و ليس له ما يعمر به، و قد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القرية، أو لم يخرب لكن خربت القرية، ينقل أهلها أواستغنوا عنه، فإنه يعود إلى ملك الواقف أو ورثته. قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا فى الحاوى القدسى". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ٤٢١/٥، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به: ٤٥٨/٢، رشيديه)

اھـ". عالمگیری: ۲/۱۰۳۱(۱)۔

اور مسجدِ اول کا سامان نقل کرنا مسجدِ ثانی کی طرف جب تک کہ مسجدِ اول آباد ہے ناجائز ہے(۲)، ہاں! اگر ایسی صورت ہوجائے کہ مسجد اول بالکل غیر آباد ہوجائے اور کوئی اس میں نماز پڑھنے والا موجود نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ مسجد کا سامان دوسرے لوگ اٹھا کر لیجائیں گے، تب البتہ اس سامان کو مسجد ثانی میں لاکر لگادینا شرعاً درست ہے، کذا فی رد المحتار: ۱/۵۷۵(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

ذاتی اغراض کی وجہ سے قدیم آباد مسجد کو مسجد ضرار کہہ کر ویران کرنا

سوال[۶۹۹۷]: ایک مسجد بہت مدت سے آباد ہے، متولی مسجد نے اغراض ومقاصد کی وجہ سے

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۷، رشيديه)

" ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله و لا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخل هو داره، و يعطيهم مكانه عوضاً من داره ما هو خيرٌ له، أيسع لأهل المسجد ذلك؟ قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يسعهم ذلك". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "(قوله: عند الإمام الثاني) قال: لايعود ميراثاً ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۳) "سئل شيخ الإسلام عن أهل القرية رحلوا و تداعى مسجدها إلى الخراب، و بعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرف إلى بعض المساجد، أو إلى هذا المسجد؟ قال : نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

اس مسجد کو توڑ کر ۱۰۰/ قدم، یا ۱۰۰۰/ قدم پر ایک دوسری مسجد بنوائی۔ آیا اس طرح مسجد قدیم کو ویران کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شخص مذکور ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰه أن یذکر فیها اسمه وسعیٰ فی خرابها﴾(۱) کی وعید میں داخل ہوگا یا نہیں؟

آیت کریمہ ﴿اتخذوا مسجداً ضراراً﴾ کے تحت میں تفسیر کبیر:۴/ ۵۱۷ میں ہے:

"قال الواحدی: قال ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما ومجاهد وقتادة وعامة أهل التفسیر: ﴿الذین اتخذوا مسجداً ضراراً﴾ كانوا اثنی عشر رجلاً من المنافقین، بنَوا مسجداً یضارّون به مسجد قباء"(۲)۔

تفسیر أحمدی، ص:۴۷۸ میں ہے:

"قال صاحب الکشاف: وعن عطاء: لما فتح اللّٰه الأمصار علی ید عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، أمر المسلمین أن یبنوا المساجد، وأن لا یتخذوا فی مدینة مسجدین یضارّ أحدهما صاحبه"(۳)۔

اس تفسیر کے مطابق آیا وہ مسجد ضرار میں داخل ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو مسجد کہ شرعاً مسجد بن چکی ہو اس کو بلا ضرورتِ شدیدہ منہدم کرنا جائز نہیں (۴) اور ضرورتِ شدیدہ مثلاً تنگی و کہنگی (پرانی ہونے) کی وجہ سے توڑ کر از سرِ نو تعمیر کرنا جائز ہے (۵)، لیکن ویران کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں:

---

(۱) (سورة البقرة : ۱۱۴)

(۲) (التفسیر الکبیر: ۱۶/ ۱۹۳، (التوبة : ۱۰۷)، دار الکتب العلمیة طهران)

(۳) (تفسیر أحمدی، ص:۴۷۸، حقانیه پشاور)

(۴) "وأما لو تمّت المسجدیّة، ثم أراد هدم ذلک البناء، فإنه لا یمکن من ذلک". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعید)

(۵) "مسجدٌ مبنی، أراد رجلٌ أن ینقضه و یبنیه أحکَمَ، لیس له ذلک؛ لأنه لا و لایة له، إلا أن یخاف أن ینهدم إن لم یهدم، وتأویله أن لم یکن البانی من أهل تلک المحلة، وأما أهلها فلهم أن یهدموه ویجدّدوا بناءه". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/ ۳۵۷، سعید) .... =

لقوله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾۔ قال البيضاوي تحت قوله: ﴿في خرابها﴾: "بالهدم أوالتعطيل". البيضاوي(۱)۔

تفسیر مدارک التنزیل،ص:۲۶۰،میں ہے:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمالٍ غير طيب، فهو لا حق مسجد الضرار"(۲)۔

بنابریں اگر متولی نے واقعی اغراضِ دنیویہ کی وجہ سے دوسری مسجد بنوائی ہے اور پہلی مسجد کو ویران کرنا مقصود تھا اور للّٰہیت مقصود نہ تھی تو یہ مسجد ضرار کے ساتھ لاحق ہے۔ البتہ اگر وہ مسجد مالِ حلال سے بنائی گئی ہے اور شرعی طور پر وقف ہو چکی ہے تو نماز پڑھنا اس میں درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۴/صفر/۵۳ھ۔

نئی مسجد، مسجد ضرار نہیں

سوال[۶۹۹۸]: کہ ژاڑ بشلا میں ایک مکان کے ساتھ ۸، ۹/ ہاتھ کے فاصلہ پر شمال جانب ایک مسجد پھونس کی محلہ کے لوگ بنا کر اس میں تقریباً ۲۸، ۲۹/ سال سے نماز جمعہ و جماعت ادا کرتے تھے اور مسجد کی جانب شمال مشرقی میں ایک عام بیٹھک گھر بھی ہے جو اس صورت پر ہے، جہاں دن رات اکثر عوام وخواص کا ہجوم رہتا ہے۔ مصلیانِ مسجد بوقتِ نماز وقتی اور جمعہ اکثر ہجوم کے شور و غل سے پریشان رہتے تھے اور اکثر اوقات

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۴۵۷/۲، رشيديه)

(۱) (تفسير البيضاوي (البقرة: ۱۱۴)، ص: ۱۰۰، مير محمد كتب خانه)

(۲) (مدارك التنزيل: ۵۱۹/۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (الكشاف: ۳۱۰/۲، (التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، دار إحياء التراث الغربي، بيروت)

مستورات کی آوازیں بھی پہونچ جایا کرتی تھی جس کی وجہ سے خطرات وتفکرات پیدا ہوتے تھے۔ لہٰذا اکثر نمازیوں کی دلی خواہش تھی کہ اس ضرر کو کسی طرح دفع کرنا چاہئے۔

اسی اثناء میں ایک متولی صاحب نے ایک مسجد ٹین سے بنوانے کا شوق ظاہر کیا تو تمام نمازیوں اور مقتدیوں، متولیوں نے مسجد کے لئے بصد خوشی ایک جگہ تقریباً ۴۵، ۴۰/ گز فاصلہ پر مسجد مذکورہ سے مشرق کی جانب متعین کردی۔ متولی مذکورہ نے اس متعینہ جگہ پر ایک مسجد مٹی کی دیوار اور ٹین کی چھت لوجہ اللہ تیار کردی، اور محلّہ کے تمام نمازی باتفاقِ رائے اس میں نماز جمعہ اور پنج وقتہ نماز باجماعت اکتالیس ۴۱/ سال سے بلاشک وشبہ پڑھتے ہیں اور وہ پھونس کی مسجد آہستہ آہستہ منہدم یعنی ٹوٹ پھوٹ گئی اور کوئی چیز اس کی نہ تو کہیں منتقل ہوئی اور نہ استعمال کی گئی۔ اس کے بعد مالکِ جگہ نے تقریباً ۱۵/ سال کے بعد ایک بیٹھک گھر ۳۴، ۳۵/ ہاتھ تیار کردیا، عام طور پر اس کو استعمال کرتے ہیں۔

فی الحال کوئی عالم صاحب کہتے ہیں جو مسجد بنائی گئی وہ مسجد ضرار ہے، لہٰذا وہ مذکورہ پھونس کی مسجد کی جگہ میں جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر محلّہ کے نمازی دو فریق ہو کر ایک فریق مسجد منتقلہ میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں، دوسرا فریق اسی گھر میں آج تین چار مہینہ سے نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ اب اس میں سے کون مسجد ضرار ہوگی؟ بینوا توجروا۔

احمد علی، مقام ژاڑ بشلا، پوسٹ ہنڈواباڑی، ضلع رنگ پور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری مسجد جب کہ ضرورت مذکورہ کی وجہ سے بنائی گئی ہے اور مالکِ زمین نے بخوشی وہ جگہ مسجد کے لئے دیدی اور اس پر باقاعدہ نماز وجماعت ہونے لگی اور مالکِ اصلی کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں رہا تو وہ شرعی مسجد بن گئی وہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل نہیں (۱)، لہٰذا اس میں نماز وجماعت بلاشبہ درست ہے۔ اگر جمعہ کے شرائط اس

---

(۱) "حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً .... وفي ملتقط الناصري: وإذا بنى مسجداً لا يصير مسجداً حتى يقرّ بلسانه أنه مسجد، لايباع، ولا يوهب، ولا يرهن، ولا يورث .... وقال: أبويوسف: يصير مسجداً بقوله: جعلتُه مسجداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، الحادي والعشرون في المساجد: ۸۳۹/۵، ۸۴۰، إدارة القرآن كراچي)

بستی میں پائے جاتے ہیں تو جمعہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں (۱)۔ پہلی مسجد بھی جب کہ باقاعدہ مسجد ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہے، منہدم ہوجانے اور ٹوٹ جانے سے بھی وہ مسجد ہی رہے گی (۲)۔

بہتر یہ تھا کہ ضرورتِ مذکورہ کی وجہ سے دوسری مسجد نہ بناتے، بلکہ شوروغل وغیرہ جو نماز میں مخل ہوتا اس کو دفع کرنے کا کوئی اچھا انتظام کردیتے، تاہم جب دوسری مسجد بن گئی تو دونوں کو آباد رکھنا چاہئے، قصداً کسی مسجد کو چھوڑنا اور غیر آباد کرنا جائز نہیں (۳)۔

اگر پہلی مسجد بالکل گر گئی اور اس کو درست کرنے کی گنجائش نہیں اور غیر آباد ہے، کسی صورت سے اس کو آباد نہیں کیا جاسکتا ہے تو اس کا ایک احاطہ بنا کر اس کو محفوظ کردیا جائے اور اس کا وہی احترام کیا جائے جو کہ ایک مسجد کا شریعت نے بتایا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

نزاع سے بچنے کے لئے دوسری مسجد بنانا، کیا وہ مسجد ضرار ہے؟

سوال [۶۹۹۹]: ایک مسجد میں کچھ نزاع کی بنا پر نمازیوں میں اختلاف ہوگیا اور دو مسجدیں بن گئیں، ایک مسجد والوں نے اپنے ہم خیال بدعتی عالم کو بلوا کر تخریبِ اذہان کی صورت شروع کردی۔ بعض ان

---

(۱) "و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۲) "ولو خرب ما حوله، واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعىٰ في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۲)

میں صلح پسند، دیوبندی خیال رکھنے والے لوگ ہیں، جو اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ تو کیا ان صلح پسندوں کے لئے یہ گنجائش ہے کہ ایک مستقل مسجد بنالیں اور اسے مسجد ضرار تو نہ کہیں گے؟ یہاں کے بعض عالم وہی بدعتی خیال اس کو مسجد ضرار کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ویسے تو افرادِ امّت کا جھگڑا بہت برا ہے، لیکن اگر نزاع کی بنیاد اس قسم کی چیز ہے جو صورت مسئولہ میں مذکور ہے اور پھر جھگڑے کو فرو کرنے کے لئے برطرفی اختیار کرلی جائے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ صلح پسند لوگوں نے جس مسجد کے بنانے کا ارادہ کیا ہے ان کا مقصد تخریبِ اذہان کے فتنے سے بچنا ہے، اس مسجد کو مسجد ضرار کہنا بہت برا ہے (۲)۔

قرآن پاک میں جس کو مسجد ضرار کہا گیا ہے اول تو اُسے مسجد کہنا ان کفار کے نام رکھنے کی وجہ سے تھا (۳)، ورنہ فی الحقیقت وہ دشمنانِ خدا و رسول کا اڈہ تھا اور پھر نصِ قرآنی یہ بتلارہی ہے کہ مسجد بنانے کا باعث چار چیزیں تھیں: مؤمنین کو نقصان پہونچانے کا تصور اور خود بنانے والوں کا کافر ہونا اور مؤمنین کے درمیان تفریق پیدا کرنا اور دشمنانِ خدا و رسول کے لئے مواد فراہم کرنا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿والذین اتخذوا مسجداً ضراراً، وکفراً، وتفریقاً بین المؤمنین وإرصاداً لمن حارب اللّٰه و رسوله من قبل﴾ (٤)۔

---

(۱) "أهل المحلة قسّموا المسجد، و ضربوا فيه حائطاً، و لكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾. (الحجرات: ۱۲)

(۳) "کفار کے نام رکھنے کی وجہ سے تھا" مطلب یہ نہیں کہ مسجد کا نام "ضرار" ہی کفار نے رکھا تھا، کیونکہ ضرار تو قرآن پاک نے کہا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کو "مسجد" کہنا ہی کفار نے شروع کیا تھا، ورنہ درحقیقت وہ مسجد تھی ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک سازش گاہ تھی۔ (ابوالحسنات فضلِ مولیٰ ابن القاضی)

(۴) (سورة التوبة: ۱۰۷)

اوران لوگوں نے جس مسجد کو بنانے کا ارادہ کیا ہے، یہ چیزیں اس کے لئے بنیادنہیں، لہٰذا اُسے مسجد ضرار کہنا مسجد ضرار کی حقیقت سے ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۹۰ھ۔

بلاضرورت دوسری مسجد بنائی گئی، تو کیا وہ مسجدِ ضرار ہے؟

سوال[۷۰۰۰]: ایک مسجد جس میں صلوۃ پنجگانہ اور جمعہ ہوتا ہے، متصل مکان زید ہے اور زید فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے، اس لئے لوگوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنی چھوڑ دی اور ایک دوسری جدید مسجد کی تعمیر کی اوراس میں نماز پڑھنے لگے۔ بس اب یہ مسجد مسجد ضرار کے حکم میں ہوگئی یانہیں، اگرنہیں تو مسجد جدید میں نماز ہوگی یانہیں اوروہ لوگ گناہگار رہوں گے یانہیں؟

وزیر احمد، بسال، بنگال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

محض ایک شخص کے فسق وفجور کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا اوراس میں جمعہ قائم کرنا جس سے پہلی مسجد ویران ہوجائے شرعاً درست نہیں (۱)، البتہ فتنہ وفساد کے خوف سے دوسری مسجد بنائی گئی تو شرعاً عذر ہے (۲)،

---

(۱) "فالعجب من المشايخين المتعصبين فی زماننا يبنون فی كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما فی هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدی، ص: ۴۷۸، حقانیه پشاور)

"وعن عطاء: لمّا فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضی الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا فی مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبه: ۱۰۷)، دارالكتاب العربی بيروت)

(وكذا فی روح المعانی: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی تفسير معالم التنزيل للبغوی: ۲/۳۲۷، إداره تاليفات رشيديه ملتان)

(۲) "يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۶۲، رشيديه)

"وفی الحاوی: سئل أبوبكر عن قوم ضاق مسجدهم فبنوا مسجداً آخر، قال: يبيعون الأول =

تاہم اگر مسجد جدید باقاعدہ مسجد بن چکی ہے تو اس میں جمعہ وغیرہ درست ہے اور اس کو مسجد ضرار کا حکم دیکر اس میں نماز کو ناجائز کہنا، یا اس کو منہدم کرنا قطعاً درست نہیں (۱) اور مسجد قدیم کی آبادی بھی حتی الوسع لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۹/ ۷/ ۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ رجب/ ۵۳ھ۔

بلاضرورت دوسری مسجد بنانا

سوال [۷۰۰۱]: ہمارے موضع کے چند شر پسند افراد چند خیر پسند اور خادمانِ دین کے راستے میں برابر رکاوٹ ڈالتے رہے اور ان خادمانِ دین پر۔ جنہوں نے اس علاقہ میں ایک مدرسہ اسلامیہ بھی قائم کیا ہو ان کے خلاف۔ برابر ریشہ دوانی کرتے رہے ہیں۔ اور ۱۳/ رمضان/ ۱۳۹۸ھ کو ان شر پسند افراد نے ان خیر پسند لوگوں پر اچانک حملہ کردیا جب کہ وہ لوگ نمازِ مغرب ادا کرنے کے لئے جارہے تھے، اور وہ لوگ گولیوں

= وينتفعوا بثمنه في الذي يبنونه. قال الفقيه: هذا الجواب على قول محمد، وعلى قول أبي يوسف: لايجوز بيع المسجد بحال". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۸/۵، إدارة القرآن كراچي)

"في فتاوى الحجة: لوصار أحد المسجدين قديماً وتداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم وصرفه في المسجد الجديد، فإنه لايجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۱) "وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لايمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الأخر، وأقام الصلوة، وآتى الزكوة، ولم يخش إلا الله، فعسى أولئك أن يكونوا من المهتدين﴾. (سورة التوبة: ۱۸)

"وروى الترمذي عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد، فاشهدوا له بالإيمان". (تفسير القرطبي، (سورة التوبة: ۱۸): ۹۰/۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

اور لاٹھیوں سے مسلح تھے۔ اس لئے ان خیر پسند افراد کی جان کا خطرہ ہوگیا تھا، اس لئے ان لوگوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کرائی۔

چنانچہ انہیں لوگوں نے جنہوں نے اس حملہ کے بعد یہ نئی مسجد تعمیر کرائی ہے، مورخہ ۶/ جمادی الاولی/ ۱۴۰۱ھ کو ایک جلسہ سیرۃ النبی منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا مفتی محمد واصف صاحب اور حضرت مولانا بلال اصغر صاحب اور حضرت مولانا رشید الوحیدی صاحب اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب اور مولانا حافظ اکرام الٰہی صاحب نے شرکت کی۔ اس کے بعد بغیر کسی اعلان کے وہ لوگ اسی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے چلے گئے جہاں پر ان خیر پسند لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا، جب کہ دوسری جدید مسجد اس وقت دو آدمی نمازِ جمعہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ مسجدِ جدید ناجائز ہے، اس لئے ان علماء حضرات نے اس مسجد میں نمازِ جمعہ ادا نہیں کی۔

اس کے بعد لوگوں نے حضرت مولانا بلال اصغر صاحب سے گفتگو کی تو موصوف نے ہمارے اس فعل یعنی جدید مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے کو قطعاً ناجائز بتلایا، ہم نے معافی طلب کرتے ہوئے ان سے کہا کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کی پیروی میں ایسا کیا ہے۔ تو اس پر موصوف نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اس لئے بیت اللہ شریف کو چھوڑا تھا کہ اس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ اس بات پر کافی مسلمانوں کو تشویش ہوئی اور مسلمانوں نے عالم کے ادب میں خاموشی اختیار کر لی۔

ہم لوگ جلسہ کے انتظام میں لگے ہوئے تھے اس لئے کسی حقیقت کا انکشاف نہ کر سکے۔ اس لئے اس بات کو بیان کرتے ہوئے ہم حضرت والا سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اگر علماء کی نظر میں یہ مسجد جدید ناجائز ہے تو پھر اس کو منکشف کیجئے کہ ہم اس مسجد کے ساتھ کیا برتاؤ کریں، کیا اس پھوس پرال (۱) سے بنی ہوئی مسجد کو آگ لگا دیں اور اس دین کو جب جان کا خطرہ ہونے کے باوجود کسی عذر کے قبول کرنے کی گنجائش نہ ہو — العیاذ باللہ — الوداع کہہ دیں؟

(۱) ''پھوس: وہ لمبی گھاس جس کا چھپر بناتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۱۹، فیروز سنز، لاہور)

''پرال: بھس، نالی، بچھالی، دھان کے پودوں کی نالی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۸، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد اللہ کی خوشنودی کے لئے بنانا بہت اجر وثواب کا کام ہے(۱)، آپ کی ناراضگی کی وجہ سے، یا ایک مسجد کو ویران کرنے کے لئے دوسری مسجد بنانا شرعاً مذموم اور ناپسند ہے(۲)، لیکن اگر مسجد بنالی گئی اور وقف کردی گئی تو اس کو بھی آباد رکھنے کی ضرورت ہے، نہ اس میں آگ لگائیں، نہ ویران کریں(۳)۔

جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں اور وہاں متعدد جگہ جمع ہوتا ہو اور باہر سے آنے والے علماء بڑی مسجد میں جمعہ ادا کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے دوسری مسجد کو شرعی مسجد نہیں سمجھا، یا دوسری جگہ جمعہ کو ناجائز قرار دیا۔ ''دین کو الوداع'' کہنے کا لفظ نہایت سخت ہے، ہرگز ہرگز ایسا لفظ زبان سے نہ کہا جائے، نہ قلم سے لکھا جائے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "أنه سمع عثمان ابن عفان رضی الله تعالیٰ عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنیٰ مسجد الرسول صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: إنكم أكثرتم وإنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من بنیٰ مسجداً .... بنی الله له مثله فی الجنة". (صحيح البخاری: ۶۴/۱، كتاب الصلوة، باب من بنی مسجداً، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب من بنی لله مسجداً، ص: ۵۴، قديمی)

(۲) "قيل: كل مسجد بنی مباهاةً أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوی ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحقٌ بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۶۵۱/۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمی)

(وكذا فی الكشاف: ۳۱۰/۲، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالكتاب العربی، بيروت)

(وكذا فی روح المعانی: ۲۱/۱۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

"فالعجب من المشايخين المتعصبين فی زماننا يبنون فی كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما فی هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدی، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۳) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۴) "ومن قال: أنا بریٔ من الإسلام، قيل: يكفر". (شرح الفقه الأكبر للملا علی القاری، ص: ۱۸۴، قديمی)

خاندانی اعزاز کے لئے بلاضرورت مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۲]: ۱......ایک ایسے آدمی نے کہ جن کو نہ خود نماز کی پرواہ اور نہ جماعت کی، نہ داڑھی سنت کے مطابق بلکہ غیر شرعی، اپنی ایک افتادہ مختصر زمین مسجد کی تعمیر کے لئے اپنے خاندان کے لوگوں میں وقف کردی، مگر اس کے باوجود محض اپنی امتیازی حیثیت کے پیشِ نظر مستقل مسجد کی تعمیر کے لئے اپنے ہی نام سے درخواست بھی دیدی، اور ان کے خاندان کے لوگ اپنی خاندانی حیثیت وامتیاز کے پیش نظر اپنے ہی لوگوں میں چندہ فراہم کر کے تعمیر کریں۔ پھر اپنے خاندانی اعزاز کے پیش نظر اسے آباد کریں جب کہ اس خاندان کے افراد محلّہ کی قدیمی مسجد کے مستقل مصلی ہیں اور محلّہ کی قدیمی مسجد کے اہتمام کے پیش نظر اذان واقامت بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کے ہٹنے سے یقین ہے کہ قدیمی مسجد غیر آباد ہوجائے گی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ محلّہ کی قدیمی مسجد کو غیر آباد کر کے محض اپنے خاندانی اعزاز میں الگ مسجد کی تعمیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۲......پھر قدیمی مسجد سے منتقلی دریں صورتِ مذکورہ بالا شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

۳......محلّہ کی قدیمی مسجد کی امداد واعانت روک کر محض اپنے خاندانی اعزاز میں دوسری مسجد کی تعمیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۴......محلّہ کی قدیمی مسجد کافی مقروض ہے اس کی ادائیگی کا لحاظ وخیال کئے بغیر دوسری مسجد کی تعمیر شرعاً کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

۱-۴......مسجد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بنائی جائے تو اس میں اجرِ عظیم ہے(۱)، کسی دوسری غرض

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "من بنیٰ مسجداً یذکر فیہ اسم اللہ، بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنة". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب من بنی للہ مسجداً، ص: ۵۴، میر محمد کتب خانہ)

"انہ سمع عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول عن قول الناس فیہ حین بنی مسجد الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : إنکم أکثرتم وإنی سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم =

کے لئے بنائی جائے تو وہ مقبول نہیں۔ اس طرح پر ایسی جگہ بنانا جس سے قدیم مسجد کو ضرر پہونچے، ممنوع ہے جس مسجد کے ذمہ قرض ہے اس کی ادائیگی کی فکر مقدم ہے:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لا حق بمسجد الضرار. وعن شقيق أنه لم يدرك الصلوة في مسجد بني عامر، فقيل له: مسجد بني فلان لم يصلوا فيه بعد، فقال: لاأحب أن أصلي فيه، فإنه بني على ضرار، وكل مسجد بني على ضرار أو رياءً وسمعةً، فإن أصله ينتهي إلى المسجد الذي بني ضراراً. وعن عطاء: لمّا فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". كشاف: ۱/۵۶۸(۱)۔

اگر نئی مسجد ابھی نہیں بنائی گئی ہے تو اعتراض مذکورہ سوال کی خاطر ہرگز نہ بنائی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۸۹ھ۔

جدید مسجد بنانا جس سے قدیم مسجد کو نقصان پہونچے

سوال[۷۰۰۳]: ایک صاحب نے اپنی افتادہ زمین مسجد کی تعمیر کے لئے وقف کی، اور موصوف

= يقول: "من بني مسجداً .... بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري: ۱/۶۴، كتاب الصلوة، باب من بنى مسجداً، قديمي)

"والأصح أنه إن لم يكن له بدّ منه، يرفع الأمر إلى القاضي، حتى يأمر بالاستدانة، كذا قال الفقيه رحمه الله تعالىٰ، ثم يرجع في الغلة، كذا في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف الخ: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(۱) (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التوبة: ۱۰۷): ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في مدارك التنزيل للبغوي، سورة التوبة: ۲/۳۲۷، اداره تاليفات رشيديه ملتان)

(وكذا في تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

کے خاندان میں سے بعض افراد نے اپنے طور پر اینٹیں خرید کر موقوفہ زمین کی احاطہ بندی کے لئے اینٹیں وقف کردی ہیں، مگر مسجد کی تعمیر ابھی شروع نہیں ہوئی۔ اس جدید مسجد کی تعمیر سے محلّہ کی قدیم مسجد کو بایں طور ضرر پہونچ جانے کا قوی امکان ہے۔

ا...... یہ کہ واقف خاندان کے تقریباً تمام حضرات محلّہ کی قدیم مسجد کے متصل مقیم ہیں، بلکہ قدیم مسجد کے نظم ونسق کے ذمہ دار بھی ہیں اور باضابطہ متولی ہیں اور وقتاً فوقتاً اذان واقامت کے امور بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ نئی مسجد کی تعمیر کے بعد یہ تمام حضرات قدیم مسجد سے منتقل ہوجائیں گے اور محلّہ کی قدیم مسجد غیر آباد ہوجائے گی۔

۲......محلّہ کی قدیم مسجد وجدید تعمیرات کے باعث کافی مقروض ہے، اور تاہنوز اس کی تعمیر وتوسیع نامکمل ہے۔ اس جدید مسجد کی تعمیر کی وجہ سے قدیم مسجد کے لئے یہ رکاوٹ ہے۔ تو اس حالت میں جدید مسجد کا کیا حکم ہے، تعمیر ہونی چاہئے یا تعمیر روک دینی چاہئے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر وہاں پہلے سے مسجد موجود ہے اور نمازیوں کے لئے کافی ہے تو دوسری مسجد بنانا بلاضرورت قرینِ دانشمندی نہیں ہے (۱)، اس سے پہلے مسجد کے نمازی بھی تقسیم ہوکر کم ہوجائیں گے، اخراجاتِ تعمیر مستقل ہوں گے، پھراس کے آباد رکھنے کے بھی مصارف درکار ہوں گے، قدیم وجدید مسجدوں کو پوری طرح آباد رکھنا بھی دشوار ہوگا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس ضمن میں نئی مسجد تعمیر نہ کی جائے، بلکہ دیگر مکانات، دوکانیں وغیرہ بنا کر قدیم مسجد میں اس کو صرف کیا جائے تاکہ وقف بھی رہے اور اس کی آمدنی مسجد کے لئے صرف ہو (۲)۔ محض

---

(۱) "فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم".

(تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه) .... =

زمین دیدینے سے ابھی وہ مسجد نہیں بنی (۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نافذ فرمایا تھا کہ ایک مقام پر اس طرح دو مسجدیں نہ بنائی جائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہونچے (۲)، اگر دوسری مسجد کی ضرورت ہو تو پھر وہاں مسجد بنائی جائے (۳)، اگر ضرورت نہ ہو اور پھر بھی مسجد بنائی جائے تو نماز بہر صورت درست ہو جائے گی اور مسجد کی نماز کا ثواب مل

= (وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(۱) "وعندهما لا يصير مسجداً بمجرد البناء ما لم يوجد القبض والتسليم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، الحادى والعشرون في المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وعن عطاء: لمّا فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة توبه: ۱۰۷)، دارالكتاب العربى بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار احياء التراث العربى بيروت)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يتخذ المسجد في الدور، وأن تطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

"يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۲۲، رشيديه)۔

"وفي الحاوى: سئل أبوبكر عن قوم ضاق مسجدهم، فبنوا مسجداً آخر، قال: يبيعون الأول وينتفعون بثمنه في الذى يبنونه. قال الفقيه: هذا الجواب على قول محمد، وعلى قول أبي يوسف لايجوز بيع المسجد بحال". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۸، إدارة القرآن كراچی)۔

"في فتاویٰ الحجة: لوصار أحد المسجدين قديماً وتداعى إلى الخراب، فأراد أهل السكة بيع القديم وصرفه في المسجد الجديد، فإنه لايجوز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيديه)

جائے گا۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۸۹ھ۔

ایک مسجد کی ضد میں دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۴]: مسجد کے بنوانے والے سابقہ امام متولی کے ساتھ قبل ازیں تعمیر مسجد جعل سازی کرکے قید اور جرمانہ کا مستوجب ہوا تھا یعنی اس وقت مسجد کے تعمیر کی وجہ صرف امام مسجد متولی کے ساتھ بدلہ لینے کی ہے۔آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ایک مسجد ضرورت کے موافق موجود ہے اور دوسری محض ضد کی وجہ سے بناتا ہے تو یہ ناجائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ۔

پرانی مسجد کو چھوڑ کر مقابلہ میں نئی مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۵]: یہاں پر ایک پرانی جامع مسجد تھی،عوام الناس نے ملکر اس کو چھوڑ کر اس کے ساتھ ۱۲/گز کے فاصلہ پر عمدہ جامع مسجد بنائی، درمیان پرانی جامع مسجد کے اور نئی کے صرف سڑک ہے جو تقریباً

---

(۱) "وعن عطاء: لمّا فتح الله تعالیٰ الأمصار علی ید عمر رضی الله تعالیٰ عنه أمر المسلمین أن یبنوا المساجد، و أن لایتخذوا فی مدینة مسجدین یضارّ أحدهما صاحبه". (الکشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالکتاب العربی بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۲۱/۱۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"فالعجب من المشایخین المتعصبین فی زماننا یبنون فی کل ناحیة مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، و لم یتأملوا ما فی هذه الآیة والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسیر أحمدی، ص: ۴۷۸، (سورة التوبة: ۱۰۷)، حقانیه پشاور)

"وقیل: کل مسجد بُنی مباهاةً، أو ریاءً وسمعة، أو لغرض سوی ابتغاء وجه الله، أو بمال غیر طیب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارک التنزیل: ۵۱۹/۱، (سورة التوبة : ۱۰۷)، قدیمی)

۱۲/گز کی ہوگی، سڑک سے بائیں جانب پرانی مسجد ہے اوردا ہنی طرف نئی جامع مسجد ہے۔تقریباً ۹/ برس تک نئی جامع مسجد میں نماز ہو چکی ہے،اس وقت بعض علماء نے فتوی دیا کہ نئی مسجد مسجد نہیں ہے، پرانی جامع مسجد میں نماز پڑھنا چاہئے۔اس لئے لوگوں نے یعنی عوام الناس نے اس نئی مسجد کو چھوڑ کر پھر دوبارہ جامع مسجد میں نماز پڑھنا شروع کردیا۔

شرعاً کوئی ایسی وجہ نہ تھی کہ پرانی مسجد کو چھوڑیں، مثلاً جگہ بھی تھی، یعنی مسجد کے پیچھے جگہ مسجد کے لئے تھی، گو داہنی جانب سڑک تھی اور بائیں طرف کسی کا گھر تھا اور سامنے اور پیچھے جگہ تھی۔ جب پرانی مسجد میں نماز دوبارہ پڑھنی شروع ہوئی تو بعض عالموں نے فتویٰ دیا کہ مسجد نئی اتفاق سے بنی ہوئی ہے، یہی مسجد ہے اور اس میں نماز جائز ہے۔

پرانی مسجد کے جائز کرنے والوں نے عالمگیری:۲/۴۴۳: " متولی مسجد جعل منزلاً موقوفاً على المسجد، وصلى الناس فيه سنين، ثم ترك الناس الصلوة فيه، فأعيد منزلاً، جاز؛ لأنه لم يصح جعل المتولي إياه مسجداً"(۱) دکھلایا تو اس کے جواب میں نئی مسجد کے جائز کرنے والوں نے جواب دیا کہ یہ مسجد کے وقف میں ہوا اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کو کہا گیا کہ انتقالِ مسجد ایسی صورت میں جائز نہیں، انہوں نے کہا جائز ہے۔ برائے مہربانی مطلع فرمائیں کہ آیا نئی مسجد، مسجد ہے یا نہیں؟ اور انتقالِ مسجد ایسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کا اطلاق کتبِ فقہ میں جامع مسجد پر آتا ہے یا نہیں؟ والسلام

عبدالقدیم عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس تمام تحریر میں پہلی مسجد کو چھوڑنے اور دوسری مسجد بنانے کی وجہ بیان نہیں کی کہ آخر ایسا کیوں کیا؟ اگر پرانی مسجد میں جگہ موجود تھی، پھر اس کے مقابلہ یا محض نام ونمود وشہرت وفخر کے لئے دوسری مسجد بنائی گئی ہے تو اس کا بنانا درست نہ تھا، اس کے بنانے سے ثواب نہیں ہوگا:

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۲/۴۵۵، ۴۵۶، رشيديه)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه. هذا لفظه. فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا: يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً بآبائهم، و لم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". الإكليل: ٤/٢٨٤(١)۔

تاہم وہ جب کہ باقاعدہ مسجد بن گئی تو وہ شرعی مسجد ہے، اس میں نماز درست ہے۔ اگر کسی اَور وجہ سے نئی مسجد بنائی گئی ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی اَور وجہ ترجیح نہ ہو تو مسجد قدیم میں نماز افضل ہے، لیکن کسی مسجد کو بلا وجہ معطل کرنا شرعاً درست نہیں (۲)، نماز و جماعت دونوں میں ہونی چاہئے اور جس کے قریب جو مسجد ہو وہ وہاں نماز پڑھے۔

جامع مسجد پر کتب فقہ میں مسجد کا اطلاق بطریق اَولیٰ آتا ہے، وہاں نماز کی فضیلت پانچ سو نماز کے برابر حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے (۳) اور جامع مسجد میں اعتکاف کی فضیلت کتب فقہ میں صراحۃً

---

(۱) ''الإکلیل'' تلاش بسیار کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوئی، البتہ تفسیر احمدی میں اسی طرح کی عبارت موجود ہے:

"وقيل: كل مسجد بُني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه. هذا لفظه. فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا: يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدى، ص: ۴۷۸، (سورة التوبة: ۱۰۷)، حقانيه پشاور)

(وكذا في الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة =

مذکور ہے(۱)۔

"اختلفوا: هل الأفضل مسجد حيّه أم جماعة المسجد الجامع؟......... وإن استوى المسجدان فأقدمهما أفضل، فإن استويا فأقربهما، اهـ". طحطاوی، ص: ۱۵٦ (۲)۔

عبارتِ عالمگیری سے صورت مسئولہ کوکوئی تعلق نہیں، اس سے استدلال بالکل بے محل ہے اور مجیب نے اس کا جواب صحیح دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ربیع الثانی/ ٦۷ھ۔

مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا

سوال[۷۰۰٦]: مسلمانوں کی تیار کردہ مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجدِ قدیم کو نقصان پہونچانے کے لئے عداوت کی وجہ سے دوسری مسجد بنائی جائے تو اس سے

= الرجل في بيته بصلوة، وصلوته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلوةً، وصلوته في المسجد الذي يجمّع فيه بخمس مأة صلوة، وصلوته في المسجد الأقصى بخمسين ألف". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۷۲، قديمي)

(وكذا في إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب: الأبعد فالأبعد من المسجد أعظم أجراً، ص: ۵۷، قديمي)

(۱) "وفي الخلاصة: الاعتكاف في المسجد الحرام أفضل، ثم في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في المدينة، ثم في مسجد بيت المقدس، ثم في المسجد الجامع". (التاتارخانية، كتاب الصوم، الاعتكاف: ۲/ ۴۱۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۰، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

"ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ بسبقه حقيقةً وحكماً، كذا في الواقعات". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

ثواب نہیں ملے گا، ایسا کرنا شرعاً قبیح ہے(۱)،لیکن اگر شرعی طور پر وقف کر کے مسجد بنادی گئی تو اس کو آباد کرنا ضروری ہے، اس کو مسجد ضرار کہہ کر منہدم کرنا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) "قيل: كل مسجد بُني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۱/۶۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمى)

(وكذا في الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالكتاب العربى، بيروت)

(وكذا في روح المعانى: ۱۱/۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۱) "فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم".

(تفسير أحمدى، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۲) "وأما لوتمّت المسجديّة، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لايمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

الفصل الثالث فی المحراب والمنبر

(محراب اور منبر کا بیان)

مسجد میں محراب کا حکم

سوال[۷۰۰۷]: مسجدوں میں جو محراب بنائے جاتے ہیں یہ شرعاً جائز ہیں یا نہیں، یا مکروہ ہیں؟ جو بھی ہو بحوالۂ کتب جواب عنایت فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتب فقہ میں عبارات مختلف ہیں: بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے محراب کا ثبوت ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانہ سے اس کا رواج شروع ہوا ہے۔ اس طرح کتبِ تاریخ سے بھی مختلف اقوال ظاہر ہوتے ہیں: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جزب القلوب، ص: ۸۳، میں تحریر فرماتے ہیں:

"و علامتِ محراب کہ اندرونِ مساجد متعارف است او (عمر بن عبد العزیر) ساخت و پیش ازاں نبود، اھـ". (۱).

اور علامہ ابراہیم حلبی، تلمیذ شیخ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر، کبیری، ص: ۲۴۸، میں تحریر فرماتے ہیں:

"قال الشیخ کمال الدین ابن الهمام: ولا یخفی أن امتیاز الإمام مقرّرٌ مطلوبٌ فی الشرع فی حق المکان حتی کان التقدم واجب علیه، وغایته هناك کونه فی خصوص مکان ولا

---

(۱) اصل کتاب کی عبارت اس طرح ہے:

"بعد از اں ہم در موضعِ محراب کہ امروز مقرر ست متعین شد، در شان آن سر در علامتِ محراب کہ الآن در مساجد متعارف است نبود، ابتدائے آن از وقتِ عمر بن عبدالعزیز است در وقتیکہ امیرِ مدینہ منورہ بود"۔ (جذب القلوب، باب ششم، ص: ۸۷، مطبع نامی منشی دهلی)

أثر لذلك، فإنه بنى فى المساجد المحاريب من لدن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولو لم تُبن كانت السنة أن يتقدم فى محاذاة ذلك المكان؛ لأنه يحاذى وسط الصف وهو المطلوب؛ إذ قيامه فى غير محاذاته مكروه، اھ"(۱)۔

فقہاء محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانے کو تو مکروہ لکھتے ہیں، لیکن نفسِ محراب بنانے کو مکروہ نہیں لکھتے، بلکہ محراب سے باہر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے اور محراب میں سجدہ کرنے کو بھی جائز لکھتے ہیں(۲)، علیٰ ہٰذا القیاس محراب کے دوسرے احکام کو بھی ذکر فرماتے ہیں، اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں محراب بنانا جائز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/۶/۵۶ھ۔

محراب بنانے میں انہدامِ مسجد کا خطرہ ہو تو کیا کرے

سوال[۷۰۰۸]: کسی مسجد کو وسعت دینے کی وجہ سے محراب اگر درمیان میں نہ رہ پائے اور دیوار

---

(۱) (غنية المستملى شرح منية المصلى لإبراهيم الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى ما يكره فعله فى الصلوة فروع، ص: ۳۶۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

"ولا يخفى أن امتياز الإمام مقرر مطلوب فى الشرع فى حق المكان، حتى كان التقدم واجباً عليه، وغاية ماهنا كونه فى خصوص مكان، ولا أثر لذلک؛ لأنه يحاذى وسط الصف و هو المطلوب؛ إذ قيامه فى غير محاذاة مكروه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۴۵/۲، رشيديه)

(۲) "فالحاصل أن مقتضى ظاهر الرواية كراهة قيامه فى المحراب مطلقاً، سواء اشتبه حال الإمام أولا، وسواء كان المحراب من المسجد أم لا. وإنما لم يكره سجوده فى المحراب إذا كان قدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم فى مكان الصلاة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۴۶/۲، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلى و ما لا يكره: ۵۶۷/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۴۶/۱، سعيد)

توڑ کر محراب درمیان میں بنانے سے مسجد گر جانے کا اندیشہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیوار توڑ کر درمیان میں محراب بنانا مسجد کے گر جانے کے خطرہ سے دشوار ہے تو بغیر بنائے ہی امام درمیان میں کھڑا ہو جایا کرے اس طرح کہ دونوں طرف مقتدی برابر ہوں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۶ھ۔

دیوارِ پشت اور درمیانی محراب کا حکم

سوال [۷۰۰۹]: محراب کا حکمِ کراہیت، قیامِ امام تنہا مسجد کی پشت ہی کی دیوار میں ہے یا درمیانی دیوار کا بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمیان دیوار کے در میں کھڑا ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ جدارِ پشت کی محراب میں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نُصبت إلا وسط المساجد، وهي قد عينت لمقام الإمام، اهـ". (الدرالمختار). "وفي التتارخانية: و يكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي و ما لا يكره: ۲/۵۶۸، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "لا لأن يقوم في داخله، فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن أشبه مكاناً آخر، فأورث الكراهة .... والأصح ما روى عن أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين أو زاوية و ناحية المسجد أو إلى سارية؛ لأنه بخلاف عمل الأمة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد) .... =

مینار، محراب اور طاق بنانا

سوال[۷۰۱۰]: مسجد کے اندر محراب میں طاق بنانا عورتوں کے طاق بھرنے کی غرض سے کیسا ہے(۱)؟ مینار، محراب، طاق بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا طاق بھرنا مسجد کی ضرورت میں داخل نہیں (۲)، گنبد، مینار، محراب کی اگر ضرورت ہو تو ان کا بنانا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۷/۳۰ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/شعبان/۶۱ھ، صحیح: عبد اللطیف۔

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي و ما لا يكره: ۵۶۷/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۴۶/۲، رشيديه)

(۱) "طاق بھرنا: مسجد یا مزار کے طاق میں چراغ جلا کر پھول بتاشے وغیرہ چڑھانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۲، طبع فیروز سنز لاهور)

(۲) "وكرهوا إحداث الطاقات في المساجد، روی ذلک عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه. قيّم الجامع القديم اٰجر موضعاً تحت ظلة الباب لبعض الصكاكين، لايصح". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"و لا يجعل شيئاً منه مستغلاً ولاسكنى، بزازية". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، سعيد)

(۳) "ويجوز أن يبنى منارةً من غلة وقف المسجد إن احتاج إليها، ليكون أسمع للجيران. وإن كانوا يسمعون الأذان بدون المنارة، فلا، كذا في خزانة المفتيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۴۶۲/۲، رشيديه)

محرابِ مسجد بھی داخلِ مسجد ہے

سوال[۷۰۱۱]: یہاں پر ایک مسجد بن رہی ہے، کیا اس مسجد کی محراب شاملِ مسجد ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کی کثرت کے وقت امام محراب کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محراب تو داخلِ مسجد ہے، مگر اس کے باوجود امام کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ اس کے پیر پورے خارجِ محراب ہوں یا کچھ حصہ خارجِ محراب ہو، اگرچہ داخلِ محراب کھڑے ہو کر نماز پڑھانے سے بھی نماز ادا ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۸/۹۵ھ۔

محرابِ مسجد کو منتقل کرنا

سوال[۷۰۱۲]: مسجد کی سابقہ محراب کو وسعت کے لحاظ سے منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو منتقل کر سکتے ہیں، محراب بیچ میں ہونی چاہیے، تاکہ دونوں طرف کی صف برابر رہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) "إذا ضاق المسجد بمن خلف الإمام على القوم، لابأس بأن يقوم الإمام في الطاق ؛ لأنه تعذر الأمر عليه. وإن لم يضق المسجد بمن خلف الإمام، لاينبغي للإمام أن يقوم في الطاق؛ لأنه يشبه تباين المكانين .... وهو وإن كان المحراب من المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۴۶/۲، رشيديه)

"أى لأن المحراب إنما بُنى علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف كماهو السنة، لا لأن يقوم في داخله، فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن أشبه مكاناً آخر، فأورث الكراهة".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها : ۶۴۶/۱، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلوة، مايكره للمصلي ومالايكره : ۵۶۷/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "لأن المحراب إنما بُنى علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف، كما هو السنة". =

منبر کا مقام اور اس کی کیفیت

سوال[۷۰۱۳]: ۱......ایک مسجد میں مقام خطیب یعنی منبر کس جگہ موضوع ہونا چاہیے؟

۲......جس طرح مدرسہ مظاہر العلوم دارالطلبہ کی اور مدرسہ قدیم کی مسجد میں جس جگہ جس جانب منبر موضوع ہے، اسی طرح مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں اور بیت اللہ شریف میں منبر موضوع ہے کیا؟

۳......ساری دنیا کی مسجدوں کا مساجد مذکور کے منبر جہاں جہاں جس جانب موضوع ہے ویسا ہی موضوع ہونا چاہیے کیا؟

۴......مدرسہ مظاہر العلوم کی مسجد کا منبر مثلاً جس جگہ جس طرح موضوع ہے، اس موضوعیتِ مخصوصہ پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی موجود ہے کیا؟

۵......جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، نماز کے واسطے وہاں امام کی دائیں یا بائیں طرف اندر کو یعنی: جوزاویہ مسجد کے قبلہ کی طرف زیادہ کر کے بنایا جاتا ہے، اسی گوشہ کے اندر منبر موضوع کرنا عرفاً یا شرعاً کسی قسم کی مخالفت لازم آتی ہے کیا؟

۶......اس کا نقشہ یہ ہے:



۷......اور جتنی مسجدیں نظر سے گزریں ان میں منبر اس طرح موضوع ہے:



ہر ایک مسئلہ کا جواب دلیل کے ساتھ تحریر فرمادیں۔

= (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة، ومایکره فیها: ۶۴۶/۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۴۵/۲، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلوة، مایکره للمصلی ومالایکره: ۵۶۷/۱، إدارة القرآن کراچی)

۸......کیا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں؟

۹......کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں دوسری سیڑھی پر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسری پر کھڑے ہوتے تھے؟

۱۰......تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جب قبلہ کی طرف پشت کی جائے (جیسا کہ خطبہ کی حالت میں ہوتی ہے) تو منبر محراب سے بائیں جانب ہونا چاہیے:

"(قوله: المنبر) بكسر الميم، إن المنبر وهو الارتفاع دون السنة أن يخطب عليه اقتداءً بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، بحر. وأن يكون على يسار المحراب، قهستاني، اه". شامي: ۱/۷۷۰(۱)۔

۲......جی ہاں! بیت اللہ شریف میں مقامِ ابراہیم سے بائیں جانب ہے:

"وكان منبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة، اه". بذل: ۲/۱۷۸(۲)۔

۳......ساری دنیا کی مسجدوں کے منبر تو دیکھے نہیں، سنت طریقہ اوپر تحریر کر دیا گیا۔

۴......شامی: ۱/۷۷۰، اور بذل المجهود: ۲/۱۷۸، کی عبارتیں اس کی دلیل ہیں (۳)۔

۵......امام کے گوشہ میں ہونے سے امام قوم کے سامنے نہیں رہے گا، لہٰذا یہ طریقہ خلافِ سنت ہوگا (۴)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(۲) (بذل المجهود، باب موضع المنبر: ۲/۱۷۸، إمداديه ملتان)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۲، ۱)

(۴) "قلت: أى لأن المحراب إنما بنى علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

۶......اس کا جواب نمبر:۵، میں آ گیا ہے۔

۷...... یہ طریقہ مسنون ہے(۱)۔

۸......جی ہاں! تین سیڑھیاں:

"ومنبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان ثلاث درجات، اه". شامی: ۱/۷۷۰(۲)۔

"قال العينی: ثم اعلم أن المنبر لم يزل على حاله ثلاث درجات، اه". بذل: ۲/۱۷۸(۳) وفتح الباری: ۲/۳۳۱(٤)۔

۹......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی جگہ اختیار نہیں کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ اختیار نہیں کی بلکہ ایک سیڑھی اَور نیچے اترے پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ اختیار کی اور نیچے جگہ نہ رہنے اور مساوات کا احتمال نہ رہنے کی وجہ سے اوپر کی سیڑھی کو اختیار فرمالیا، هكذا فی كتب السير:

"وأخرج الطبرانی فی الأوسط عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: لم يجلس أبوبكر الصديق رضی الله تعالىٰ عنه فی مجلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على

---

(۱) "وكان منبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة، اهـ". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب موضع المنبر: ۲/۱۷۸، امداديه ملتان)

"ومن السنة أن يخطب عليه اقتداءً به -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- بحر. وأن يكون على يسار المحراب، قهستانی". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(۳) (بذل المجهود، باب اتخاذ المنبر: ۲/۱۷۸، إمداديه ملتان)

(۴) "ولم يزل المنبر على حاله ثلاث درجات حتى زاده مروان فی خلافة معاوية ست درجات من أسفله". (فتح الباری، كتاب الجمعة، باب الصلوة على المنبر والسطوح: ۲/۵۰۷، قديمی)

المنبر حتى لقى الله عزوجل، ولم يجلس عمر رضى الله تعالىٰ عنه فى مجلس أبى بكر رضى الله تعالىٰ عنه حتى لقى الله، ولم يجلس عثمان رضى الله تعالىٰ عنه فى مجلس عمر رضى الله تعالىٰ عنه حتى لقى الله، اه". تاريخ الخلفاء، ص: ۵۳(۱)۔

۱۰......اس کا جواب نمبر:۹ میں آ گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۹/۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان/۶۴ھ

مسجد میں مینار

سوال[۷۰۱۴]: ہمارے یہاں مسجد میں پہلے پرانے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں، اب اس کے بعد آگے کا برآمدہ بنانا ہے، اس کے آگے بھی میناروں کی بنیاد رکھی ہے اور وہ مینار بھی برآمدہ کے برابر یعنی چھت سے دو ڈھائی فٹ اوپر کر کے چھوڑ دیئے ہیں، اب لوگوں کا ارادہ بنانے کا ہے۔ چھ مینار ہو جائیں گے تو کچھ شریعت کے خلاف تو نہیں، آیا دو مینار توڑ دیئے جائیں؟ وہ چھوٹے ہیں، ان دو میناروں کو ان سے بڑے بڑے بنانا چاہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مینار کے متعلق شریعت کی طرف سے کوئی تحدید وتعیین نہیں، البتہ مسجد کی ہیئت ایسی ہونی چاہیے کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ مسجد ہے۔ عامۃً دو مینار بنانے کا معمول ہے، کسی مسجد میں چار اور کسی میں اس سے زائد بھی ہیں، مگر یہ سب کسی شرعی امر کی وجہ سے نہیں، نہ ممانعت ہے، البتہ بلاوجہ پیسہ خرچ نہ کیا جائے، خاص کر وقف کا

---

(۱) (تاريخ الخلفاء، فصل فى مبايعته رضى الله تعالىٰ عنه، ص:۶۳، مؤسسة الكتب الثقافية بيروت لبنان)

"لما قبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قام أبو بكر رضى الله تعالىٰ عنه على المنبر دون مقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمرقاة، ثم قام عمر رضى الله تعالىٰ عنه دون مقام أبى بكر رضى الله تعالىٰ عنه بمرقاة، ثم لما ولى عثمان رضى الله تعالىٰ عنه صعد ذروة المنبر". (نفحة العرب، ص: ۳۶، قديمى)

پیسہ کہ اس میں بہت احتیاط ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔



(۱) "و لا بأس بنقشه خلا محرابه بجصٍ وماء ذهب لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل". (الدرالمختار). "وأما من مال الوقف، فلا شک أنه لا يجوز للمتولی فعله مطلقاً؛ لعدم الفائدة فيه، خصوصاً إذا قصد به حرمان أرباب الوظائف، كما شاهدناه فی زماننا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلبٌ: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ : ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة : ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق المسجد : ۱/۱۰۹، رشيديه)

الفصل الرابع فی بیع المسجد وأوقافه

(مسجداوراس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

مسجد کی زمین کی بیع

سوال[۷۰۱۵]: کسی نے قطعۂ زمین کوکسی مسجدِ معین کے واسطے بایں شرط وقف کیا کہ اس کے متعلق جوکام درپیش ہوں اس کے منافع کواس میں خرچ کریں۔ توجب اس کودوبارہ بنوانے کی ضرورت ہوتواس کوفروخت کرکے اس کی قیمت اس میں لگاسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ وقف کے لئے تابید شرط ہے حتی کہ بعض فقہاء نے تابید کی تصریح کوبھی لازم قرار دیا ہے، جس وقف میں خلافِ تابید کوئی شرط ہووہ وقف صحیح نہیں ہوتا: إلا وقف المسجد، فإنه یصح و یبطل الشرط.

وقف کے تام اورلازم ہوجانے کے بعداس کی بیع صحیح نہیں ہوتی:

"وشرطه شرط سائر التبرعات کحریة و تکلیف، وأن یکون قربةً فی ذاته معلوماً منجزاً لا معلقاً إلا بکائن، و لامضافاً ولا موقتاً، ولا بخیار شرط، و لا ذکر معه اشتراط بیعه و صرف ثمنه لحاجته، فإن ذکره بطل وقفه، بزازیة، اهـ". در مختار:۳/۳۵۹۔ "(قوله: ولا ذکر معه اشتراط بیعه، الخ) فی الخصاف: لو قال: علی أن لی إخراجها من الوقف إلی غیره، أو علی أن أهبها وأتصدق بثمنها، أو علی أن أهبها لمن شئتُ، أو علیّ أن أرهنها متی بدأ لی، وأخرجها عن الوقف، بطل الوقف. ثم ذکر أن هذا فی غیر المسجد، أما المسجد لو اشترط إبطاله أو بیعه، صح و بطل الشرط، اهـ". شامی:۳/۳۶۰(۱)۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، سعید)

"و شرائطه أهلیة الواقف للتبرع من کونه حراً عاقلاً بالغاً، و أن یکون منجزاً غیر معلق، فإنه =

"فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار ولا يرهن، اهـ". درمختار:۳/۳۶۷۔

"(قوله: "فإذا تم ولزم) لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة، وعندهما بمجرد القول، ولكنه عند محمد رحمه الله تعالىٰ لا يتم إلا بالقبض والإفراز والتأبيد لفظاً. وعند أبی يوسف رحمه الله تعالىٰ بالتأبيد فقط ولو معنىً كما علم، لما مر. "(قوله: لايملك): أی لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملك): أی لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، اهـ". شامی: ۲/۳۶۷(۱)۔ **فقط والله سبحانہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شعبان/۶۶ھ۔

= مما لا يصلح تعليقه بالشرط .... و فی البزازية: وتعليق الوقف بالشرط باطل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

"ومنها أن لا يذكر معه اشتراط بيعه و صرف الثمن إلى حاجته، فإن قاله لم يصح الوقف فی المختار، كما فی البزازية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه : ۲/۳۵۶، رشيديه)

"وأما الذی يرجع إلى نفس الوقف فهو التأبيد ، وهو أن يكون مؤبداً، حتى لو وقّت لم يجز؛ لأنه إزالة الملك لا إلى أحد، فلا تحتمل التوقيت كالإعتاق و جعل الدار مسجداً". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة، فصل: وأما الذی يرجع إلى الموقوف: ۵/۳۲۹، رشيديه)

"إذا جعل أرضاً له مسجداً وشرط من ذلك شيئاً لنفسه، لايصحّ بالإجماع .... واتفقوا على أنه لو اتخذ مسجداً على أنه بالخيار، جاز الوقف و بطل الشرط .... فی وقف الخصاف: إذا جعل أرضه مسجداً وبناه وأشهد أن له إبطاله وبيعه، فهو شرط باطل ويكون مسجداً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما يتعلق به، الخ: ۲/۴۵۷، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف : ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف : ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف : ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف : ۶/۲۲۰، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه : ۲/۳۵۰، رشيديه)

وقف مسجد کا فروخت کرنا

سوال[۷۰۱۶]: کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں مسجد کے نام تین نوع کا وقف ہے:
نوعِ اول: کلی وقف، خواہ زراعت کی زمین ہو خواہ دوکانیں ہوں اس کی کل آمدنی مسجد میں لگاتے ہیں۔ نوعِ دوم: جزئی وقف یعنی پورا کھیت نہیں، بلکہ بسوہ دو بسوہ (۱) مسجد کے نام کل کھیت اپنے قبضہ میں، اب نہ اس قدر قلیل کہ کوئی خرید سکتا ہے اور نہ وقف کرنے والا چھوڑ سکتا ہے اور نہ اس کی کچھ آمدنی مسجد میں دیتا ہے، صرف برائے نام وقف ہے۔ سو ایسی حالت میں بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ نوعِ دوم کی وقف، وقف کرنے والے کے نام فروخت کریں اور کل آمدنی مسجد میں لگادیں تو یہ درست ہے کہ نہیں؟

سوم: تیل وغیرہ کا وقف جو وقف کرنے والے نے اس نسبت سے وقف کیا ہے کہ مسجد میں صرف ہو، اگر خرچ سے زائد ہو تو فروخت کر کے مسجد کے دوسرے کام میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین باقاعدہ وقف کردی گئی ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ واقف نے بوقتِ وقف یہ شرط کی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کے عوض دوسری زمین لیکر وقف کردی جائے تو اس کی شرط کے مطابق عمل درست ہے (۲)، جس قدر حصہ اس نے وقف کیا ہے اس کی آمدنی اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ مسجد میں صرف کرنا واجب ہے (۳)، متولی اور دیگر اہل مسجد کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔

---

(۱) ”بسوہ: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ، زمین ناپنے کا ایک پیمانہ“۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۰۴، فيروز سنز، لاهور)

(۲) ”وأجمعوا أنه إذا شرط الاستبدال لنفسه في أصل الوقف أن الشرط والوقف صحيحان و يملك الاستبدال .... و لو شرط أن يبيعها و يشتري بثمنها أرضاً أخرى ولم يزد، صح استحساناً، وصارت الثانية وقفاً بشرائطه الأولى، ولايحتاج إلى إيقافها“. (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف: ۳۹۹/۲، رشيديه)

(۳) ”وفي الفتاوى: إذا جعل أرضاً صدقةً موقوفةً على الفقراء والمساكين، فاحتاج بعض قرابته، أو احتاج الواقف، إن احتاج الواقف، لايعطي له من تلك الغلة شيء عند الكل“. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن: ۳۹۵/۲، رشيديه)

جو تیل مسجد کی ضروریات سے زائد آوے اس کو فروخت کر کے دوسری ضروریات مسجد میں صرف کرنا درست ہے(۱) بشرطیکہ تیل دینے والا اس پر رضامند ہو(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع کرنا

سوال[۷۰۱۷]: مسجد کی موقوفہ زمین بیچنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ کوئی متعین متولی نہ ہو، موضع کے بڑے بڑے لوگ نگرانی کرتے ہوں اور اگر ہے تو کون بیچ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وقف زمین کو فروخت کرنا درست نہیں اس کی بیع قطعاً ناجائز ہے(۳)، بلکہ اس زمین سے آمدنی حاصل کر کے مصالحِ مسجد پر صرف کرنا واجب ہے(۴)۔اگر واقف نے وقف نامہ میں یا زبانی کسی کو متولی نہیں

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۷۹۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، السادس في الوقف على الفقراء: ۶/۲۷۷، رشيديه)

(۱) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً. وعند أبي يوسف: يباع ذلك ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۸۴۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۳) "(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التمليك، فلما بينا من قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تصدق بأصلها، لايباع، ولا يورث، ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۴) "مسجدٌ له مستغلات و أوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو =

بنایا تو سربرآوردہ مقامی معزز دیندار مسلمان اس کی آمدنی کو مصالحِ مسجد پر صرف کریں اور اس کے محافظ رہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۵/ ۵۸ھ۔

زیادہ آمدنی کی توقع پر مسجد کی زمین فروخت کرنا

سوال[۷۰۱۸]: مسجد کے مصارف کے لئے موقوفہ زمین فروخت کرنا اور اس کی قیمت سے مسجد ہی کے مصارف کے لئے دوسری جگہ مکان یا دوکان وغیرہ بنوانا جس میں مذکورہ فروخت شدہ زمین کی آمدنی سے زیادہ آمدنی متوقع ہو جائز ہے کہ نہیں؟ نیز مذکورہ فروخت شدہ زمین میں بنائے ہوئے مکان یا اسکول وغیرہ میں اگر کبھی کسی زمانہ میں بھی کسی نے کوئی غیر اسلامی حرکت کی ہو تو موجودہ منتظمین اور فروخت کرنے والے پر مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مسجد کے مصارف کے لئے وقف ہو چکی ہے اس کی بیع ناجائز ہے، اس کی اجازت نہیں کہ اس کو فروخت کر کے اس سے زیادہ آمدنی کی زمین خریدی جائے:

"وإذا تم (أي الوقف) ولزم، لايملك ولايملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه،

= حشيشاً .... تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء وإن لم يوسع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(۱) "جعل الواقف الولاية لنفسه، جاز بالإجماع. وكذا لو لم يشترط لأحد، فالولاية له عند الثاني، وهو ظاهر المذهب .... ثم لوصيّه إن كان، وإلا فللحاكم". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۷۹، سعيد)

لاستحالة تمليكه الخارج عن ملكه، اهـ". شامی:۳/۵۰۷(۱)۔

البتہ اگر مسجد کی زمین پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہوجائے اور اس کی واگذاری کرانا ممکن نہ ہو(۲) تو مجبوراً معاوضہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۳)۔ یا اگر وقف شدہ زمین قابلِ انتفاع نہ رہے، تب بھی اجازت ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کردی جائے (۴)، پھر زمین، مکان، دوکان جو بھی مسجد کا تھا اور اس مجبوری کی وجہ سے فروخت کردیا گیا اور اب وہ مسجد کا نہیں رہا اور

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه، ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مكتبه مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) "واگذاری: چھوڑ دینا، پابندی یا شرط اٹھالینا، واپس کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۹، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "الثالثة: أن يجحده الغاصب و لا بينة: أى و أراد دفع القيمة، فللمتولى أخذها، يشترى بها بدلاً".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۵، رشيديه)

(۴) "و قد روينا عن محمد في فصل العمارة: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيّم يجد بثمنها أرضاً أخرى أكثر ريعاً، له أن يبيع هذه الأرض ويشترى. وفي المنتقى: قال هشام: سمعت محمداً رحمه الله تعالىٰ يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه و يشترى بثمنه غيره، وليس ذلک إلا للقاضى". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: من له الاستغلال لا يملک السكنى وبالعكس: ۴/۳۷۶، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

خریدار نے اس میں کوئی غیر اسلامی حرکت کی، تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے نہ کہ منتظمین (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۹/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

مسجد کے لئے وقف قطعۂ زمین کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۱۹]: محلے کی مسجد کا ذریعۂ آمدنی نہ ہونے کی بناء پر ایک صاحبِ خیر نے مسجد کی آمدنی کی غرض سے زمین کا ایک قطعہ دوکانیں بنانے کے لئے مسجد کے نام وقف کردیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صاحبِ خیر نے ایک دوسرا قطعۂ زمین خرید کر پانچ دوکانیں بنا کر اسی مسجد مذکور کے نام وقف کردی ہیں۔ اب مسجد کافی زیادہ خود کفیل ہوچکی ہے۔ اب مسجد کے متولی صاحب پہلے قطعہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت اسی مسجد کے مدرسہ کے تعلیمی فنڈ میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

کیا مسجد کی رقم تعلیمی فنڈ میں استعمال کی جاسکتی ہے، یا متولی صاحب کے لئے اس پہلے قطعۂ زمین کو فروخت کرنا جائز ہے؟ اس کی قیمت کے استعمال اور اس کو فروخت کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو قطعۂ زمین دوکانیں بنانے کے واسطے مسجد کے لئے وقف کردیا ہے، اس کو فروخت کرکے اس کی رقم کو مدرسہ کے تعلیمی کام میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ وہ مدرسہ اسی مسجد سے متعلق ہو:

"فإذا تم ولزم، لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن". درمختار۔ "أى لايكون مملوكاً لصاحبه (ولايملّك): أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". شامی، ص: ۳۶۷(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "كلٌّ يتصرف فى ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، الفصل الأول فى بعض قواعد فى أحكام الأملاک: ۱/ ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه، ولاتمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

اراضیٔ مسجد پر قبضہ کے اندیشہ سے ان کو فروخت کر کے اس رقم سے ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال[۷۰۲۰]: جامع مسجد کے نام سے اراضی معافی ریاست ٹونک کے زمانہ رہیں جس کا لگان کاشتکاروں سے وصول کر کے جامع مسجد کے مصارف میں آتا رہا۔ اب راجستھان حکومت نے اراضیات معافی پر لگان کی رقم قائم کردی جو سرکار میں داخل ہورہی ہے، جو جامع مسجد کو داخل کرنا ہوتی ہے۔ چونکہ زمانۂ معافی میں کاشتکاروں سے مقررہ رقم قدیم سے وصول ہورہی تھی اور سرکار میں کچھ نہیں دیا جاتا تھا، اس لئے پوری رقم مسجد کے مصارف میں آتی تھی اور اب اسی رقم میں سے سرکاری قائم شدہ لگان بھی دیا جاتا ہے تو کسی زمین کے لگان میں مسجد کو برائے نام بچت رہتی ہے اور کسی میں برابر اور کسی میں کمی رہ جاتی ہے۔ باوجود کوشش کے کاشتکاران زرِ اجارہ میں مسجد کے حق میں پیش کرنے کو تیار نہیں، نہ ہی زمین کو چھوڑنے پر رضامند ہوتے ہیں۔

حکومتِ راجستھان کی اراضی سے متعلق نئے نئے قانون جاری ہورہے ہیں۔ کاشتکاران قانونی رعایتوں کی وجہ سے ایسی اراضیات کو اپنی مِلک تصور کرنے لگے ہیں، اس وقت وہ تقاضوں کے باوجود وقف پر مقررہ زرِ اجارہ مسجد کو نہیں دیتے۔ ایسے حالات پیدا ہوتے جارہے ہیں کہ ایسی اراضیات کا وجود خطرہ میں پڑ جائے اور مسجد کو کچھ بھی نہ مل سکے۔ کاشتکار اتنے سرکش ہوگئے ہیں کہ بعض نے ان ارضیات کو اپنی مِلک سمجھتے ہوئے زمین پر رقم قرض لے کر دوسروں کے پاس رہن بالقبض کردیا ہے۔ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے ایسی اراضیات کا وجود مسجد کے حق میں عدمِ وجود کے برابر ہوگیا ہے۔

کیا ایسی صورت میں اراضیات متذکرہ کا بدل ہوسکتا ہے، یعنی ان اراضیات کو فروخت کر کے جو رقم مل سکے اس سے مکان، دوکانات کی خریداری یا جدید تعمیر کی جاسکتی ہے تاکہ کرایہ کی آمدنی سے مسجد کے مصارف پورے ہوسکیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صورتِ واقعہ یہی ہے تو ان اراضیات کو فروخت کر کے ان کے عوض مکانوں یا دوکانوں کی تعمیر

= (وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

کرلی جائے (۱) جس پر مسجد کا دوامی قبضہ رہے اور مسجد کو آمدنی ہوتی رہے، لیکن اربابِ رائے اور اہلِ محلّہ کو پوری صورت بتاکر سب کے مشورے سے یہ کام کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ آئندہ اوقاف کی فروختگی کا مطلقاً دروازہ کھل جائے، کیونکہ وقف کی بیع جائز نہیں، اِلّا یہ کہ وقف کے ضائع ہوجانے کا مظنہ ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۹ھ۔

مصالحِ مسجد کے لئے دی گئی زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۰۲۱]: مسجد میں وقف شدہ زمین کو مسجد تعمیر کرنے کے لئے متولی یا دوسرے لوگوں کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے کہ نہیں؟ اگر لوگوں نے مسجد کے لئے زمینیں وقف کیں ان میں سے بعض انتقال کرچکے ہیں، ان کے ورثاء موجود ہیں، بعض زندہ ہیں اور وقف کے وقت اس کی تفصیل نہ کی کہ یہ مسجد کے کس کام میں لگے گی۔ اسے بیچا جاسکتا ہے یا نہیں؟ وغیرہ کچھ تصریح نہ کیا تو اس حالت میں اب واقف کے ورثاء کی اجازت سے ان زمینوں کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ بعض لوگوں نے حال میں یہی کہہ کر زمین وقف کیا ہے کہ اس کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں لگایا جائے۔ تو اسے تعمیر کے لئے

---

(۱) "وفي الذخيرة: سئل شمس الأئمة الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطّلت وتعذر استغلالها: هل للمتولي أن يبيعها ويشتري مكانها أُخرى؟ قال: نعم......... وقد روينا عن محمد في فصل العمارة: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أرضاً أخرى أكثر ريعاً، له أن يبيع هذه الأرض ويشتري". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۵/۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۹/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"إذا غصبه غاصب، وأجرى عليه الماء حتى صار بحراً، فيضمن القيمة، ويشتري المتولي بها أرضاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "قيّم وقفٍ خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف، يبيعها ويتصدق بثمنها، وكذا كل قيم إذا خاف شيئاً من ذلك، له أن يبيع ويتصدق بثمنها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشيديه)

فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوزمین وقف کردی گئی ہے اس کوفروخت کرنے کا حق نہیں، نہ متولی کو، نہ واقف کو، نہ واقف کے ورثاء کو۔ جوزمین مصالحِ مسجد کے لئے دی گئی اس کو تعمیرِ مسجد کے لئے متولی، واقف، واقف کے ورثاء اور اہلِ محلہ سب باہمی مشورہ سے فروخت کرنا چاہیں تو اس کی اجازت ہے(۱):

"فإذا تمّ (الوقف) ولزم، لايملك ولايملك، اھ". درمختار۔ "أي لايكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملك): أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، اھ". ردالمحتار: ۳۶۷/۳(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۸ھ۔

مسجد کی نیت سے چھوڑی ہوئی زمین میں تصرف درست نہیں

سوال[۷۰۲۲]: ہمارے یہاں ایک نئی آبادی بنائی گئی ہے، وہاں ایک قطعۂ زمین مسجد بنانے کے لئے چھوڑی گئی ہے، ابھی وقف نہیں کیا اور نہ ہی ابھی تک مسجد کی بنیاد وغیرہ پڑی ہے۔ اور یہ زمین ہندو پٹواری

---

(۱) "المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر، جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد، فإن أراد المتولي أن يبيع مااشترى.......... وقال بعضهم: يجوز هذا البيع، وهو الصحيح".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۶/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۷/۳، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولاتمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

نے چھوڑی ہے، اب وہ پٹواری اس زمین میں سے نصف یا کم ایک مولوی صاحب کے نام کرنا چاہتے ہیں اور بننے والی مسجد بھی انہیں کی ماتحتی میں چلانا چاہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اس زمین میں سے مولوی صاحب کے نام کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر چہ ابھی تک وہاں مسجد نہیں بنی اور اس زمین کو وقف بھی نہیں کیا گیا، لیکن جب زمین کی منظوری مسجد کے واسطے لی گئی تو اس کو کسی اَور کے نام پھر نہ کیا جائے (۱)۔ مسجد کی تعمیر اور اس کا انتظام سب کے باہمی مشورہ

---

(۱) حکومت کی طرف سے مسجد وغیرہ کے لئے کوئی زمین وقف کرنا صحیح ہے، چاہے حکومت مسلمانوں کی ہو یا کفار کی، کیونکہ صحتِ وقف کے لئے اسلام شرط نہیں:

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

اور اسی طرح پٹواری حکومت کی طرف سے اپنے عہدے کی حدود تک نائب اور وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور وکیل کے تصرفات مؤکل کے تصرفات کی طرح ہوتے ہیں:

"والحاصل أنها في اللغة بمعنى التوكيل، وهو تفويض التصرف إلى الغير. الثاني في معناها اصطلاحاً، فهي: إقامة الإنسان غيره مقام نفسه في تصرف معلوم .... فإن فعل شيئاً خارجاً من ذلك النوع، لم ينفذ على المؤكل دون إنفاذه". (البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۲۳۵/۷، رشيديه)

اور چونکہ پٹواری نے یہاں پر مسجد کے نام سے حد بندی کر کے ایک مخصوص جگہ متعین کردی ہے کہ یہ مسجد کی جگہ ہے، لہٰذا اس صورت میں وقف تام ہوگیا:

"وفي فتاوىٰ أبي الليث: سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضاً من أرض الكورة في مسجدهم ويزيدوا فيه ويتخذوا حوانيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبوبكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوةً، جاز أمره إذا كان لايضر بالمارة". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچى)

اور جب وقف تام ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کا کسی کے نام کرنا اور اس کو تملیکاً دینا جائز نہیں۔ سوال سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ زمین سرکاری تھی اور حکومت یا تو عوام میں تقسیم کر رہی تھی یا پھر بیچ رہی تھی، اسی دوران پٹواری نے زمین مسجد کے نام کردی تھی اور اب وہ امام صاحب کے نام کرنا چاہتے ہیں، تو یہ درست نہیں: .... =

سے ایک شخص کے سپرد کریں جس کو مسجد اور نماز سے گہرا تعلق ہو، اس میں انتظام اور تولیت کی صلاحیت ہو، بلکہ ایک کمیٹی بنائی جائے تو بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

کسی کے نام ہونے سے وقف میں فرق نہیں آتا، مسجد کی دوکان قرض میں دینا

سوال[۷۰۲۳]: مسجد کے ممبران حضرات نے مسجد کی آمدنی کے لئے چندہ وصول کیا مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں، لیکن اب تک یہ کام شروع نہیں ہوا اور چندہ محفوظ ہے، مذکورہ مسجد وقف نہیں ہے، بعض ناموں کے اوپر لکھی گئی ہے، ان ناموں میں ایک شخص کا بعض تجارتی امور کی بناء پر دیوالیہ نکل گیا، مشکل یہ پیش آئی کہ کورٹ کا فیصلہ ہے کہ مسجد کی دوکان سے لیا جائے، تو کمیٹی کے سرپرست نے کورٹ والوں کو سمجھایا کہ دیوالیہ والے کے حصہ کو دوکان سے لیا جائے نہ کہ مکان مسجد کو۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ چندہ سے جو مکانوں کی تعمیر کے لئے ہے اس میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں تاکہ مسجد برقرار رہے؟ اس لئے کہ استعمال سے کمیٹی والوں کی ذمہ داری رہے گی۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی صاحب نے مسجد تعمیر کرکے اس کا راستہ الگ کردیا اور اس میں عام لوگوں کو اجازت دے دی تو

= "(فإذا تم ولزم، لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن)". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملّک: أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه".

(ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعید)

(۱) "وفی الإسعاف: لایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر، ولیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخل بالمقصود، وکذا تولیة العاجز؛ لأن المقصود لایحصل به". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی: ۳۸۰/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشیدیه)

محض کسی کے نام پر ہونے سے اس کے وقف ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا، مسجد وقف ہی شمار ہوگی (۱)، مسجد کی دوکان کو قرض کی ادائیگی میں نہیں دیا جاسکتا (۲)، اس کو واگذار کرایا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۸ھ۔

بچی ہوئی موم بتی بیچ کر امام کی تنخواہ وغیرہ میں لگانا

سوال[۷۰۲۴]: ۱...... موم بتی وغیرہ جو ضروریات مسجد سے زیادہ ہو جائے، اس کو فروخت کر کے دوسرا کام جیسے مسجد کے امام کی تنخواہ، موذن کی تنخواہ، مسجد کی چٹائی وغیرہ میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں، کیونکہ یہ کام خلافِ مقصود واقف ہیں، کیوں کہ واقف نے صرف جلنے کے لئے دیا ہے؟ دیگر یہ کہ کوئی شخص کچھ زمین مسجد کے خرچ کے لئے وقف کیا اور اس کا کوئی مصرف ذکر نہیں کیا تو اس زمین کی آمدنی سے کون کون سے کام کرنے جائز ہوں گے، صرف بنائے مسجد کے متعلق خرچ کرنا ہوگا، یا تنخواہِ امام وموذن اور مسجد کی چٹائی، بتی وغیرہ میں بھی خرچ کرنا جائز ہوگا؟

مسجد کے درخت کا پھل فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۵]: ۲...... مسجد کی آس پاس جو زمین موقوفہ علی المسجد رہتی ہے، اس میں کوئی پھل کے

---

(۱) "فلو جعل وسط داره مسجداً، وأذن للناس في الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "متولي الوقف إذا رهن الوقف بدين، لايصح. وفي جامع الفتاویٰ: وكذلك أهل الوقف إذا رهنوا، لا يجوز". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيّم في الأوقاف: ۵/۷۶۰، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

(۳) "واگذار: چھوڑ دینا، پابندی یا شرط اٹھالینا، واپس کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۹، فیروز سنز، لاہور)

درخت لگانا اس غرض سے کہ محلّہ کے لوگ اس کو کھائیں گے، یا بیچ کر مسجد کی ضرورت میں لگایا جائے گا تو مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو شخص موم بتی مسجد کیلئے دے اس سے دریافت کرلیا جائے کہ اگر مسجد کی ضرورت سے زائد ہے تو اسے فروخت کر کے مسجد کی دیگر ضروریات میں صرف کرنے کی اجازت ہے، جب وہ اجازت دیدے تو پھر کوئی اشکال نہیں (۱)۔ مسجد کی مصالح کے لئے اگر کسی نے زمین وقف کردی ہے تو اس کی آمدنی کو امام کی تنخواہ، موذن کی تنخواہ، چٹائی، موم بتی وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔

۲......مسجد کی موقوفہ زمین اگر کاشت کیلئے یا کرایہ پر دی جاسکتی ہو تو کاشت کر کے یا کرایہ پر دیکر اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں صرف کی جائے (۳)، ورنہ اس میں درخت لگا کر پھل فروخت کر کے مسجد میں

---

(۱) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن في ذلك، فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(۲) "مسجدٌ له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم، وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۲۱، رشيديه)

"ولو وقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته إلى الإمام والمؤذن والقيم". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المسجد: ۵/۳۵۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(۳) "وأن يبني بيوتاً يستغلها إذا كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر ليست للزراعة، فإن كان زراعتها =

صرف کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

زائد سامانِ مسجد کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۶]: ایک مسجد تعمیر ہوچکی ہے، اس کا زائد اور بیکار رہا سامان مثلاً کچھ لکڑیاں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں تو اس کو سب لوگوں کی رائے سے فروخت کر کے مسجد کے مصارف میں روپیہ صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، کذا فی البحر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا سامان فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۷]: اگر مسجد میں بالٹی، فرش وغیرہ زائد ہوں تو ان کو بیچ کر مسجد کے اخراجات میں لگا

= أصلح من الاستغلال، لايبنى". (فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى: ۲۴۱/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(۱) "مسجد فيه شجرة التفاح، قال بعضهم: يباح للقوم أن يفطروا بهذا التفاح، والصحيح أنه لا يباح؛ لأن ذلك صار وقفاً للمسجد يُصرف إلى عمارته". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۴۷۷/۲، رشيديه)

(۲) "وفى الحاوى: فإن خيف هلاك النقض، باعه الحاكم، وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة، فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه)

"وأما إذا اشتراه المتولى من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن فى =

سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو چیزیں مسجد کی ضرورت کے لئے مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی ہیں، ان کو مسجد کی ضرورت کے لئے فروخت کر کے مسجد ہی کے کام میں صرف کرنا درست ہے(۱)۔ اور جو چیزیں کسی نے مسجد میں دی ہیں، ان کو دینے والے کی اجازت سے فروخت کر کے مسجد کے کام میں لگانا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

مسجد کا سامان فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۸]: مسجد کی ٹین، یا چوکی، یا بانس خرید کر کے اپنے گھر میں، یا دوسری مسجد پر استعمال کرنا جائز ہے یانہیں؟ نیز اہلِ محلہ ویران یا غیر ویران مسجد کا مال یعنی ستون وغیرہ فروخت کر سکتے ہیں یانہیں؟ بینوا وتوجروا۔

= صیرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا یکون وقفاً، فللقیم أن یبیعه متی شاء لمصلحةٍ عرضت".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۷۷/۴، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۴/۶، ۲۲۵، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "وأما فیما اشتراه المتولی من مستغلات الوقف، فإنه یجوز بیعه بلا هذا الشرط؛ وهذا لأن فی صیرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا یکون وقفاً، فللقیم أن یبیعه متی شاء لمصلحةٍ عرضت". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۴/۶، ۲۲۵، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۷۷/۴، سعید)

(۲) "وکذا لو اشتری حشیشاً أو قندیلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، کان ذلک له إن کان حیاً، ولورثته إن کان میتاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۴۲۳/۵، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی مالوخرب المسجد أو غیره: ۳۵۹/۴، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۳/۳، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کا جو سامان وقف ہے اس کی بیع ناجائز ہے اور جو وقف نہیں بلکہ مسجد کے لئے وقتی ضرورت کے ماتحت کسی نے دیا ہے، یا خریدا گیا ہے، ضرورت پوری ہونے پر اس کی بیع جائز ہے۔ جو مسجد ویران ہو چکی ہے اس کے سامان کو کسی قریب کی مسجد میں صرف کر دیا جائے اور مسجد کی جگہ محفوظ کر دیا جائے کہ بے حرمتی نہ ہو:

"ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي. وعاد إلى ملك البانی أو ورثته عند محمد. وعن الثانی ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضی، و مثله فی الخلاف المذكور حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما، اهـ". درمختار. "ولو خرب المسجد وما حوله، وتفرق الناس عنه، لا يعود إلى ملك الواقف عند أبی يوسف، و يباع نقضه بإذن القاضی، ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد، اهـ". ردالمحتار: ۵۷۵/۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

پرانی مسجد کے سامان کو فروخت کرنا اور حجرۂ امام میں صرف کرنا

سوال[۷۰۲۹]: ایک کچی مسجد کو گرا کر پکا بنانا چاہتے ہیں، جو سامان اس کچی مسجد سے اترا ہے وہ پکی میں تو نہیں لگا سکتے، اس لئے جدید سامان اور عمدہ خرید کیا گیا ہے اور ایسا بیکار بھی نہیں کہ اس کو ضائع کر دیا

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

"إذا خرب و ليس له ما يعمر به، و قد استغنى الناس عنه .... قال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي. وأما الحصير و القناديل، فالصحيح من مذهب أبی يوسف أنه لايعود إلى ملك متخذه، بل يحول إلى مسجد آخر، أويبيعه قيم المسجد للمسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فی أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، کتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابی الحلبی، مصر)

جائے، بلکہ سب سامان مفید اور کارآمد ہے تو کیا اس سامان سے مسجد میں حجرہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس کی قیمت بنا کر وہ قیمت مسجد پر لگانی ضروری ہے، یا یہ کہ بغیر اس سامان کی قیمت کرنے اور مسجد پر لگانے کے حجرہ ضروریات مسجد کے لئے بنایا جاسکتا ہے؟ اور کیا طالب علم اور امام اور مؤذن مسجد کی سکونت حجرہ میں ضروریاتِ مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟

اور اگر حجرہ بنوانا جائز نہیں تو کیا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد پر لگائی جائے یا نہیں؟ اور جب فروخت کرنا جائز ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ کسی دوسری مسجد ہی کے لئے فروخت کیا جائے، یعنی کسی دوسری مسجد کے متولی اس مسجد کے اترے ہوئے سامان کو خرید کر اس کو اپنی مسجد میں لگادیں، یا ہر شخص خرید سکتا ہے، خواہ اس سے اپنا ذاتی مکان بنوائے یا کسی اَور مصرف پر خرچ کرے؟ اور اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت جائز نہ ہو اور پڑے پڑے بوسیدہ اور کہنہ ہوجاوے اور کوئی صورت اس کے کارآمد ہونے کی نہ ہو تو کیا اس میں تضییعِ مال نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ بعینہ وہی سامان مسجد میں لگایا جائے، اگر بعینہ اس کو مسجد میں لگانا دشوار ہو تو اس کو اہلِ محلّہ اور حاکم کی رائے سے فروخت کر کے اس کی قیمت سے اس کی مثل سامان خرید کر اس کو مسجد میں لگادیا جائے، خریدار کی کوئی قید نہیں کہ وہ مسجد کے لئے خریدے بلکہ اس کو ہر شخص خرید سکتا ہے، پھر وہ چاہے مسجد میں لگائے یا اپنے مکان وغیرہ میں۔

امام وغیرہ کے لئے مسجد میں حجرہ بنانا مسجد ہی کی ضروریات میں داخل ہے جیسے غسل خانہ وغیرہ مسجد کی ضروریات میں داخل ہے، سامانِ مذکور کو اس میں لگانا درست ہے، بیکار ڈال کر ضائع کردینے کی ضرورت ہرگز نہیں، نہ ایسا کرنا جائز ہے:

"ویصرف نقضه إلی عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتیاج، ولایقسمه بین مستحقی الوقف، بیانٌ لما انهدم من بناء الوقف وخشبه. و ذکر فی القاموس أولاً: أن النقض بالکسر المنقوض. وثانیاً: أنه بالضم ما انتقض من البنیان. وفاعل یصرف الحاکم .... قال فی الهدایة: وإن تعذر إعادة عینه إلی موضعه، بیع، وصرف ثمنه إلی المرمة صرفاً للبدل إلی

مصرف المبدل، وظاهره أنه لا يجوز بيعه حيث أمكن إعادته. .... وفي الحاوي: قال خيف هلاك النقض، باعه الحاكم، وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة، اهـ. فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه، اهـ". بحر بحذف: ٢١٩/٥(١)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۳/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ربیع الاول/۵۹ھ۔

انہدامِ مسجد پر اس کی اشیاء کی بیع

سوال[۷۰۳۰]: بنائے مسجد کے بعد اگر کوئی چیز زیادہ ہو، یا پرانی مسجد کو توڑ کر بنایا گیا ہو اور اس میں سے ٹوٹی پھوٹی لکڑی بال یا بٹن وغیرہ الغرض جو بچے تو ان اشیاؤں کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں اور فروخت کرنے کے بعد کیا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه. وإن استغنى عنه، أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته، فيصرفه فيها .... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". الهداية: ٦٢٢/٢(٢)۔

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٣٦٧/٥، ٣٦٨، رشيديه)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه . وإن استغنى عنه، أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته، فيصرف فيها .... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ٦٤٢/٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ٢٦٧/٤، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ٣٧٦/٤، ٣٧٧، سعيد)

(٢) (الهداية، كتاب الوقف: ٦٤٢/٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتياج .... وإلا يمسكه حتى يحتاج =

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی اشیاء کو خود، یا اگر خود کارآمد نہ ہوں، توان کی قیمت کو مسجد ہی کے کام میں مرمت وغیرہ میں صَرف کرنا چاہیے، هکذا فی الدر المختار: ۲/۳۸۲(۱)۔ واللہ اعلم۔

العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن، صحیح: عبداللطیف، ۵/۸/۵۲ھ۔

نقائضِ مسجد کی بیع

سوال[۷۰۳۱]: کسی مسجد کی لکڑیاں اور اسپلٹو وغیرہ(۲) اس کے کام میں لگنے کے نہیں یعنی ضرورت سے زائد ہیں تو کوئی ان چیزوں کو خرید کر اپنے کام میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی محبوب الدین صاحب چودھری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ محلّہ کے مشورہ سے ان زائد از ضرورت اشیاء کی بیع درست ہے اور خریدنے والے کو اپنے کام میں لگانا بھی درست ہے، قیمت مصالحِ مسجد میں صرف کردی جائے:

”سئل شیخ الإسلام عن أهل قریةٍ رحلوا، وتداعی مسجدها إلی الخراب، وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلونه إلی دورهم: هل لواحدٍ من أهل المحلة أن یبیع الخشب بأمر القاضی، و یمسك الثمن لیصرفه إلی بعض المساجد، أو إلی هذا المسجد؟

= إلیه .... وإن تعذر إعادة عینه إلی موضعه، بیع، وصرف ثمنه إلی المرمة صرفاً للبدل إلی مصرف المبدل“. (تبیین الحقائق کتاب الوقف: ۴/۲۶۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشیدیه)

(۱) ”وصرف الحاکم أو المتولی نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عینه إلی عمارته إن احتاج، وإلا حفظه لیحتاج، إلا إذا خاف ضیاعه، فیبیعه، و یمسک ثمنه، لیحتاج“. (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی الوقف إذا خرب ولم یمکن عمارته: ۴/۳۷۶، ۳۷۷، سعید)

(۲) ”اسپلٹو: لکڑی کی چپٹھیاں بنانا، لکڑی کے پتلے پتلے ٹکڑے کرنا، چپٹھی“۔ (English to English & Urdu Dictionary, Page: 887, Feroz Sons Lahore)

قال: نعم". شامی(۱)۔ "لاحرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمةٌ إذا بسط، اهـ".
عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ شعبان/ ۶۶ھ۔

مسجد کی اینٹوں کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۳۲]: زید نے کچھ اینٹ عیدگاہ بنانے کے لئے متولی ہونے کی حیثیت سے خریدی، لیکن کچھ وجوہ کی بناپر مسجد کی تعمیر رُکی ہوئی ہے، اب زید جو کہ متولی ہے لوگوں کی رائے سے چاہتا ہے کہ اینٹ بیکار رکھی ہوئی ہے، فروخت کردوں۔ چونکہ اس وقت اس کی گرانی ہے، اس لئے مسجد کا فائدہ ہوگا، کیونکہ سب رقم مسجد ہی پر لگے گی۔ تو دریافت یہ ہے کہ مسجد (عیدگاہ) کی اینٹ فروخت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

رحمت اللہ، متعلم مدرسہ انوار العلوم، بھیری بلیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ اینٹ وقف نہیں، بلکہ مسجد کے لئے خریدی گئی اور فی الحال مسجد میں ضرورت نہیں، مصالحِ مسجد کے پیشِ نظر اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہے، بحر وشامی میں صراحۃً جزئیہ موجود ہے(۳)۔ فقط۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۳۶۰/۴، سعید)
(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۵/۵، رشيديه)
(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(۳) "أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لايكون وقفاً، وللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۳۷۷/۴، سعيد) .... =

مسجد کے فرش کے ملبہ کا نیلام اور استعمال

سوال[۷۰۳۳]: مسجد کا فرش پرانا ہوگیا تھا، اس کو توڑ کر دوسرا نیا فرش لگ رہا ہے۔ فرش کا ملبہ اینٹ روڑے وغیرہ نیلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس ملبہ کو خریدنے والا بنیادوں میں یا کسی تعمیری کام میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو خریدنا اور بنیادوں وغیرہ میں استعمال کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۱/۱۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں دی ہوئی اشیاء کو بار بار نیلام کرنا

سوال[۷۰۳۴]: مرغا، انڈا، کپڑا وغیرہ لوگ مسجد میں خدا کے نام پر دیدیتے ہیں، پھر اس کی نیلامی ہوتی ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ جب کہ نیلامی چھڑا کر پھر اس چیز کو مسجد میں دیدیتے ہیں، بار بار ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نیلام کا یہ طریقہ اس چیز کو اپنی ملک بنانے کے لئے نہیں، بلکہ یہ نیلام خریدنے سے مقصود مسجد کی امداد

= "أما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحةٍ عرضت". (فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۲۴، ۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/ ۳۶۸، رشيديه)

(۱) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۶،۳۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۸، رشيديه)

کرنا ہے، اگر اس میں نام ونمود مقصود نہ ہوتو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۷ھ۔

مسجد کے تیل کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۳۵]: جو تیل مسجد میں زائد اکٹھا ہو جائے اس کا فروخت کرنا درست ہے یا نہیں اور قیمت کس جگہ صرف کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیل ڈالنے والوں کی اجازت سے فروخت کرنا اور جس جگہ وہ اجازت دیں اس جگہ قیمت صرف کرنا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کا تیل وغیرہ فروخت کرنا

سوال[۷۰۳۶]: مسلمان مسجد میں چراغ جلانے کے لئے تیل اور پنکھے اور جھاڑوئیں اور چٹائیاں، مٹکیاں، لوٹے وغیرہ لاتے ہیں، بوقتِ ضرورت مذکورہ چیزیں فروخت کر کے متولی اسی مسجد کے دوسرے

---

(۱) نام ونمود چونکہ ریا ہے اور ریا ایک مذموم امر ہے، اس سے بچنا ضروری ہے:

"وعن جندب قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع سمع الله به، ومن يُرائي يرائي الله به". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمى)

"وعن شداد بن أوس رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من صلى يرائي فقد أشرك، ومن صام يرائي فقد أشرك، ومن تصدّق يرائي فقد أشرك". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۵، قديمى)

(۲) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوارثه إن كان ميتاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۳/۴، رشيديه)

مصارف میں صَرف کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہےتو درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم،۲۶/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،یکم/رجب/۵۹ھ، صحیح:عبداللطیف،مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد ویران ہونے پراس کی جائیداداور سامان کو بیچنے اور رہن رکھنے کا حکم

سوال[۷۰۳۷]: ہماری ایک غیرآباد مسجد کی جائیدادِ غیر منقولہ کو متولی نے دوسری مسجد کے متولیوں کے ہاتھ فروخت کردیا، بعد ایک مدت کے اس مسجد کو محلّہ والوں نے آباد کیا، اب اس کے متولی دوسرے لوگ ہیں۔ضروریاتِ مصلّیوں کے لئے پانی کی ٹنکی،غسل خانہ، پیشاب خانہ وغیرہ بنائے، کچھ مسجد کی زمین اور کچھ مسجد کی اس زمین میں جو متولی اول نے دوسری مسجد کے متولیوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔اس وجہ سے دوسری مسجد کے متولیوں نے اس زمین کے قبضہ کو چھڑانے کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔عدالتِ عالیہ نے بعد تحقیقاتِ بلیغہ کے یہ فیصلہ کردیا کہ زمین درحقیقت مسجد غیرآباد کی ہے،متولی کو اس کا بیچنا صحیح نہیں۔

الغرض! دستاویز کو بھی غلط نا قابلِ عمل قراردیا،مگر چونکہ ہند کے مطابق بارہ برس سے زیادہ مدت کا قبضہ

---

(۱) "مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء. وإن لم يوسع، ولكنه وقف لبناء المسجد وعمارة المسجد، ليس للقيم أن يشتري ماذكرنا. وإن لم يعرف شرط الواقف في ذلك، ينظر هذ القيم إلى من كان قبله، فإن كانوا يشترون من أوقاف المسجد الدهن والحصير والحشيش والآجر وماذكرنا، كان للقيم أن يفعل ذلك، وإلا فلا، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه: ۴۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۸۱/۵، ۵۸۲، قديمي)

دوسری مسجد والوں کا ہے اس لئے زمین کا قبضہ دوسری مسجد والوں کو دیا جاتا ہے، اس لئے کہ دوسری مسجد والے اس کو آباد رکھنا نہیں چاہتے، بلکہ ضرار وغیرہ کا فتویٰ لے کر دوبارہ ویران کرنے کی پوری کوشش کر چکے تھے، تمام غسل خانہ، پیشاب خانے، پانی کی ٹنکی، مسجد کی سیڑھیاں وغیرہ بامداد پولیس توڑ پھوڑ کر ایک ڈھیر بنا دیا، یہاں تک کہ جس کنویں کا پانی مسجد میں لیا جاتا تھا اس میں گوبر، پاخانہ وغیرہ ڈالا اور اس میں پیشاب کیا، مسجد میں آنے کا ایک طرف کا راستہ بند کر دیا۔

یہ واقعہ ہے جو جناب کی سہولت کے لئے گوش گذار کیا گیا، اب چند امور کا استفتاء کیا جاتا ہے:

۱......ایک مسجد کی زمین دوسری مسجد میں لی جا سکتی ہے؟

۲......کیا متولیوں کو اس کو شرعاً بیچنے کا حق ہے؟

۳......ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں لینا حرام ہے یا حلال؟

۴......اگر متولیوں کو مسجد کی زمین بیچنے کا حق شرعاً نہیں ہے تو پھر مسجدِ ثانیہ کے متولیوں کو مسجد کی دوسری جائیدادِ منقولہ وغیر منقولہ کو فروخت کر کے متنازعہ فیہا زمین کے لئے مقدمہ لڑنا جائز ہے؟

۵......عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے از روئے شریعت صحیح ہے، اور فیصلہ پر عمل کرنا مسلمانوں کو جائز ہے؟

۶......عدالت نے مسجدِ اُولیٰ کے متولیوں پر مسجد ثانیہ کا خرچہ ڈالا، کیا یہ خرچہ وصول کرنا اور اس کا مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے، اگر اس رقم کا ناجائز پیسہ مسجد میں خرچ کیا جائے تو اس مسجد میں نماز مکروہ تو نہ ہوگی؟

۷......متنازع فیہا زمین مسجدِ اول کسی کو کرایہ پر نہیں دی، بالکل ویران پڑی رہی۔ اس ڈگری کے بعد مسجدِ ثانیہ کے متولی اس زمین کا کرایہ سالانہ بطور حرجانہ اتنی مدت کا جس مدت تک ویران پڑی رہی بذریعۂ عدالت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ کرایہ وصول کرنا شرعاً درست ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس بارے میں جو امداد کرے وہ کس جرم کا مستحق ہے اور یہ پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے؟

۸......جو لوگ بر بنائے عدالت مسجد اُولیٰ کی توڑ پھوڑ میں شریک ہوئے یا مشورے میں شریک رہے اور اس پر خوش ہوئے اور یوں کہا کہ ہم نے جنت خریدی، ایسے لوگ شرعاً جرم کے مستحق ہوئے، کیا ان کے ایمان میں کچھ خلل تو نہیں پیدا ہوا؟ امام اور بعض لوگ یہاں تک بدکلامی کرتے ہیں کہ ایسے مندر تو بہت توڑے گئے، کیا اس سے لوگ دائرہ اسلام میں رہ گئے ہیں اور کیا ان کی زوجہ نکاح میں رہ سکتی ہے؟

۹......کنویں میں پیشاب وغیرہ کرنا کرانا تاکہ مصلی پانی استعمال نہ کرسکے، اسی طرح ایک طرف کا راستہ مسجد میں آنے کا بند کرادینا تاکہ مصلی تکلیف اٹھا کر دوسری مسجد میں چلا آئے وغیرہ امور کے ارتکاب کرنے والے لوگ ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله﴾ الخ(۱) کے تحت داخل ہوسکتے ہیں؟ نیز آیت شریفہ کی کچھ تفصیل بھی بیان فرمائیں۔

۱۰......اگر امام مسجد اس توڑ پھوڑ اور کنویں میں پیشاب کرانے میں شریک ہو اور اس کارِ ناشائستہ کو دخولِ جنت کا ذریعہ سمجھتا ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟ کیا مسلمانوں پر ایسے امام کو امامت سے الگ کرنا واجب ہے؟ امام اور بعض لوگ اس مسجد کے مالِ غنیمت سمجھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

۱۱......چند لوگ صلح بین الفریقین کے لئے پڑے ہیں، بات یہاں تک پہنچی ہے کہ مسجد اُولیٰ کے لئے اتنی زمین چھوڑ دی جائے جس میں غسل خانہ وغیرہ بن سکے اور عدالت کا خرچہ نصف مسجد اولی دے۔ کیا یہ صلح موافقِ شرع ہے اور اس طریقہ سے مسجد کی زمین دوسری مسجد میں دی جاسکتی ہے، شرعاً کچھ قباحت تو نہیں ہے؟ اس بارے میں صلح کی پہلو شرعاً کیا ہے؟

۱۲......ایسے مصلحین شرعاً مجرم تو نہ ہوں گے؟

۱۳......مسجد کو جدید فیشن پر لانے کے لئے مسجد کی پختہ عمارت توڑنا جائز ہے؟ اس جدید فیشن سے صفوں میں بھی کمی آجاتی ہے۔

۱۴......اگر کوئی شخص اس توڑنے کی وجہ سے ناراض ہو کر قانونی چارہ جوئی سے اس کی رکاوٹ کرادے تو وہ شخص گناہ گار تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲،۳......اصل یہ ہے جب کوئی شی شرعی قواعد کے مطابق وقف ہوجائے تو اس کی بیع ناجائز ہوتی ہے، جس زمین کو شرعی مسجد بنادیا گیا، اس کی بیع کسی حال میں درست نہیں ہے(۲)، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) "فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك، ولا يعار ولا يرهن، اهـ". (الدرالمختار). "(قوله: لا يملك) أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. ولا يملّك: أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه؛ لاستحالة =

اور مسجد بن چکی۔ جائیداد منقولہ جو کہ مسجد کی مِلک ہے، وہ اس بارے میں مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔

جب مسجد غیر آباد ہو جائے اور کوئی توقع اس کی آبادی کی نہ رہے اور اس جائیداد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی بیع درست ہے(۱) اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ بعینہ اس جائیداد کو کسی قریبی مسجد میں صرف کیا جائے۔ اگر یہ دشوار ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو دوسری مسجد میں خرچ کیا جائے (۲) اور غیر آباد مسجد کا احترام باقی رکھنے کے لئے اگر اس کی چہار دیواری نہ ہو تو اس کا احاطہ بنایا جائے جو جائیداد غیر منقولہ زمین وغیرہ مسجد کے لئے خریدی گئی۔

مسجد کے غیر آباد ہونے یا ضرورت شدیدہ پیش آنے کے وقت اس کی بیع اہلِ محلّہ کی رائے سے درست ہے اور جو جائیداد غیر منقولہ خود واقف نے وقف کی ہے، اس کی بیع درست نہیں ہوئی (۳)، بلکہ مسجد کے غیر آباد ہونے کی صورت میں اس جائیداد کی آمدنی کو دوسری قریبی مسجد پر اہلِ محلّہ کی رائے سے صرف کرنا

= تملیک الخارج عن ملکه، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "وفی الذخیرة: سئل شمس الأئمة الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطّلت و تعذر استغلالها، هل للمتولی أن یبیعها و یشتری مکانها أخری ؟ قال: نعم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۵۹/۴، سعید)

(۲) "وأما الحصیر والقندیل، فالصحیح من مذهب أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه لا یعود إلی ملک متخذه، بل یحول إلی مسجد آخر، أو یبیعه قیّم المسجد للمسجد". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۳۷/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد، جنس آخذ: ۴۲۴/۴، رشیدیه)

(۳) "وإن لم یُعرف بانی المسجد وبنیٰ أهل المسجد مسجداً، ثم أجمعوا علی بیعه واستعانوا بثمنه فی حق إصلاح المسجد الآخر، لا بأس بها. وإذا عُرف، فلیس لهم أن یبیعوه". (خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد جنس آخر: ۴۲۴/۴، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۷/۵، ۸۴۸، إدارة القرآن کراچی)

درست ہے(۱)۔اس عبارت سے نمبر:۱،۲،۳ کے جوابات واضح ہوگئے۔

۴...... جب وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے تو اس کو رہن رکھنا درست نہیں ہوتا(۲)۔

۵...... عدالتِ عالیہ کے فیصلہ میں جیسا کہ آپ نے نقل کیا ہے ایک جز شریعت کے مطابق اور قابلِ عمل ہے یعنی یہ کہ ''وقف کی بیع کا متولیوں کو حق نہیں'' اور دستاویز ناقابلِ عمل ہے(۳)۔اور دوسرا جز شریعت کے خلاف ہے اور اہلِ اسلام کے حق میں ناقابلِ قبول ہے یعنی یہ کہ ''بارہ برس سے زیادہ مدت گزرجانے کی بناء پر قبضہ دوسری مسجد والوں کو دیا جاتا ہے''(۴)۔

۶...... یہ خرچہ لینا جائز نہیں ہے، واپس کرنا ضروری ہے، مگر مسجد میں اس سے نماز ممنوع نہ ہوگی(۵)۔

---

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قريةٍ رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب .... هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسک الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم .... ولاينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرةٌ، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارّة، ويحصل ذلک بالثاني، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(۲،۳) (راجع ،ص: ۴۸۱، رقم الحاشية : ۲)

(۴) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۵) "(قوله: لابأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، اهـ. ومثله في المعراج. و ظاهره أن ذلک روايةٌ ضعيفةٌ عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: و لا يفتى بهذا لمافيه من تسليط الظَلَمَة على أخذ مال الناس فيأكلونه، اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. (قوله: و فيه): أي في البحر حيث قال: وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لاأن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظَلَمَة .... و في شرح =

۷......یہ حرجانہ لینا شرعاً ناجائز ہے اور جو شخص مسئلہ معلوم ہونے کے بعد ناجائز کام میں امداد کرے گا وہ گنہگار ہوگا، اگر یہ حرجانہ وصول کرلیا ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، اس کو مسجد میں یا اپنے صرف میں لگانا جائز نہیں (۱)۔

۸......اگر وہ مسئلہ سے واقف ہیں یعنی یہ کہ شرعاً اس کو توڑنا پھوڑنا ناجائز ہے (۲)، اس میں شرکت کرنے والے سب گنہگار ہوگئے۔ اگر مسجد کی توہین اور تحقیر کی نیت سے ایسا کیا ہے تو یہ سخت خطرناک اور اسلام کے خلاف حرکت ہے۔ اسی طرح مسجد کو مندر کہنا اور اس کو شرعی مسجد سمجھتے ہوئے خانۂ خدا کی تحقیر وتذلیل کی نیت سے ایسا کیا ہے تو یہ کفر ہے (۳)، اہلِ اسلام سے اس کی توقع نہیں۔ ایسی حالت میں ایسے لوگوں کو علی الاعلان تجدیدِ ایمان وتجدید نکاح لازم ہے (۴)۔

۹......کنویں میں نجاست ڈالنا اور پیشاب کرنا خلافِ انسانیت حرکت ہے، اس کی قباحت کسی پر مخفی

= الآثار: التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب فى التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۴۸۳، رقم الحاشية: ۵)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "والاستهزاء بشىء من الشرائع كفرٌ". (الدرالمختار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۴، سعيد)

"قلت: ويظهر من هذا أن ما كان دليل الاستخفاف، يكفر به وإن لم يقصد الاستخفاف". (ردالمحتار، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

(۴) "ما يكون كفراً اتفاقاً، يبطل العمل والنكاح، و أولاده أولاد زنا. و ما فيه خلاف، يؤمر بالاستغفار والتوبة و تجديد النكاح". (الدرالمختار). "(قوله: والتوبة): أى تجديد الإسلام". (ردالمحتار، باب المرتد: ۴/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بتلقين الكفر، الخ: ۲/۲۸۳، رشيديه)

نہیں۔ مجوس اور نصاریٰ نے بیت المقدس میں نجاست ڈالی تھی اور اس کو خراب وویران کیا تھا (۱) اور مشرکینِ عرب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور اس میں نماز پڑھنے سے مقام حدیبیہ میں روک دیا (۲)، ان کی برائی اس آیت شریفہ میں نازل ہوئی کہ:

"اس سے ظالم کون ہے کہ جو اللہ کے گھر میں ذکر ہونے سے روکے اور اس کے گھر کو ویران کردے کہ لوگ وہاں سے اس کا نام نہ لے سکیں، ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے" (۳)۔

اب جو شخص خانۂ خدا کی بے حرمتی کرے اور اس کو ویران کرے اس کا حکم یہی ہے۔

۱۰...... مسجد کا مال کسی حال میں قابلِ غنیمت نہیں، جو لوگ اس کو مالِ غنیمت سمجھتے ہیں (۴) وہ گناہ عظیم

---

(۱) "قال: هم النصارى، وقال المجاهد: هم النصارى كانوا يطرحون في بيت المقدس الأذى و يمنعون الناس أن يصلوا فيه .... وقال السدى: كانوا ظاهروا بخت نصر على خراب بيت المقدس، حتى خربه، و أمر أن تطرح فيه الجيف، وإنما أعانه الروم على خرابه". (تفسير ابن كثير: ۱/۱۵۶، (سورة البقرة: ۱۱۴)، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) ﴿ومن أظلم ممن منع﴾ الخ، قال: هؤلاء المشركون الذين حالوا بين رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الحديبية .... عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه، أن قريشاً منعوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلاة عند الكعبة". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۱۶، (البقرة: ۱۱۴)، دارالسلام رياض)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ فى خرابها، أولئك ماكان لهم أن يدخلوها إلا خائفين، لهم فى الدنيا خزىٌ ولهم فى الآخرة عذاب عظيم﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) مسجد وقف ہوتی ہے اور وقف واقف کی مِلک سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی مِلک اس طرح بنتا ہے کہ اس کی نفع بندگانِ خدا تعالیٰ کو پہونچتی ہے، لہٰذا وقف کو غنیمت سمجھنا درست نہیں:

"وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولايباع ولايوهب ولايورث". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

"والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حقٌّ، قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾".

(فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابى الحلبى مصر)

میں مبتلا ہیں۔توڑ پھوڑ کرنے والوں کا حکم جواب نمبر: ۸ میں گزر چکا ہے، اس جواب میں امام ومقتدی سب کا ایک حکم ہے۔

۱۱...... جب یہ مسجد آباد ہورہی ہے تو اس کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کسی دوسری مسجد میں نہیں دی جاسکتی، اور وہ زمین جس پر مسجد تھی اس کو تو کسی دوسری مسجد میں دینے کا احتمال ہی نہیں (۱)۔ جو زمین دوسری مسجد والوں نے خریدی تھی، اس کی قیمت پہلی مسجد والے واپس کردیں اور دوسری مسجد والے وہ زمین پہلی مسجد والوں کے حوالہ کردیں (۲)۔ خرچۂ فریقین بذمۂ فریقین ہے۔

۱۲...... جواب نمبر: ۱۱ کے موافق صلح کرلینے سے مجرم ہوں گے (۳)۔

۱۳...... محض شوقیہ مسجد توڑنا ہرگز جائز نہیں (۴)۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسى". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً و لا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوى القدسى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵،رشيديه)

(۲) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۴۲/۵،رشيديه)

(۳) چونکہ یہ وقف زمین کی بیع ہے جو کہ ناجائز ہے، جب کہ انہوں نے ناجائز معاملہ کرنے والوں کے درمیان صلح کرکے ناجائز کو ناجائز ہی برقرار رکھا ہے، لہٰذا یہ اعانت علی المعصیۃ ہے اور وہ گناہ اور جرم ہے:

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۴) "﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها﴾: أى هدمها وتعطيلها". (روح المعانى: ۳۶۴/۱، (سورة البقرة: ۱۱۴)، مكتبه دارإحياء التراث العربى بيروت)

"وفى الكبرى: مسجد مبنى أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانياً أحكم من البناء الأول، ليس له ذلك؛ لأنه لاولاية له، كذا فى المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به: ۴۵۷/۲، رشيديه) .... =

۱۴......گناہ گار نہیں، بلکہ مستحقِ ثواب ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/۴/۱۹ھ۔

غیر آباد مسجد کی بنیاد کا مصرف

سوال[۷۰۳۸]: جنگل میں سیکڑوں برس سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ کچھ عمارت کی بنیادیں پختہ ہیں، اس میں ایک بنیاد بطورِ مسجد کے معلوم ہوتی ہے۔اب اس کی بنیاد نکال کر مسجد میں لگادی جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کا مسجد ہونا ظاہر ہے، یا کاغذات وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا ثبوت ہے تو اس کی بنیاد کا مسجد میں لگادینا درست ہے(۱) اور اس جگہ کو احاطہ کے ذریعہ سے محفوظ کردیا جائے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/رجب/۶۱ھ۔

= (وكذا في التاتارخانيه، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۴/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(۱) "ونقل في الذخيرة: عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

غیر آباد مسجد کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۳۹]: ہمارے یہاں سے مسلمانوں کے چلے جانے سے بہت سی مساجد ویران ہوگئی ہیں۔ عرض یہ ہے کہ کھر، پھونس(۱)، لکڑی، اسپلٹو(۲) وغیرہ سے بنائی ہوئی کچی مسجد کا گھر ہندو کے پاس فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مسلمان خریدار نہیں اور گھر پڑے رہنے میں اضاعتِ اموال اور قیمتی سامان چوری ہوتا ہے۔ بصورتِ جواز مسجد کے ایریا کی حفاظت کے لئے شرعی رائے کیا ہے؟ بعض حضرات البحر الرائق کے حوالہ سے مٹی کھود کر پھینکنے کو کہتے ہیں، مگر یہ مٹی کہاں اور کتنی پھینکی جائے، یہ نہیں بتلاتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کتاب کھول کر دیکھو۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قاضی خان میں قدِ آدم پختہ دیوار بنانے کا حکم ہے۔

حضرت والا سے دوسری گزارش یہ ہے کہ مدرسہ کی آمدنی کے لئے مہتمم مدرسہ رجسٹری کردہ موقوفہ اراضی کا مالک بوقت عدم عدم احتیاج مدرسہ کون ہے، واقف یا کمیٹی، اگر کمیٹی ہو تو مہتمم فروخت کر کے دوسرے مدرسہ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی بیع ناجائز ہے، وقف کا مالک کوئی نہیں، جو اس کو فروخت کر سکے (۳)۔ اگر مسلمان موجود نہیں رہے تو مسجد کو یا مسجد کے ذمہ دار کو فروخت کرنے کا پھر بھی اختیار نہیں، مسجد کی جگہ کو اگر محفوظ کر دیں تو بہتر ہے۔ مسجد کے وقف پر اگر غیر لوگ زبردستی قبضہ کر کے اس کا معاوضہ دیں تو معاوضہ لے کر دوسری جگہ مسجد بنالینا

---

(۱) ''پھونس: وہ لمبی گھاس جس کا چھپر بناتے ہیں، پرانی گھاس، جلد جل جانے والا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۱۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''اسپلٹو: لکڑی کی چھٹیاں بنانا، لکڑی کے پتلے پتلے ٹکڑے کرنا، چٹھی''۔

(English to english and Urdu Dictionary, Page: 887, Feroz sons Lahore)

(۳) ''إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه''. (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

درست ہے(۱)۔

غیر آباد مسجد کا سامان فروخت کرنے کے بجائے ایسی مسجد میں منتقل کردیا جائے جہاں وہ کارآمد ہو۔ مسجد کی زمین کوکھود کر مٹی کو پھینک دینے کا مسئلہ مجھے معلوم نہیں، جنہوں نے بتلایا ہے ان سے عبارت نقل کرادیں، یا باب، فصل وجلد کا حوالہ دیکر بھیجیں، تاکہ اس موقع پر تلاش کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۹۰ھ۔

غیر آباد مساجد کو کرایہ پر دینا، یا اس کے سامان کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۴۰]: ۱...... صوبہ جموں کشمیر کے کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کی مسجدیں غیر آباد ہیں اور وہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا، ان مسجدوں کی دیواریں گر گئیں اور ملبوں کا ڈھیر بن چکی ہیں اور مسجدوں کی اینٹیں، لکڑیاں اور تختے ضائع ہورہے ہیں، یا وہ غیر مسلم جو ان علاقوں میں رہتے ہیں اٹھا کر لیجاتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں مجلسِ اوقافِ اسلامیہ جموں یہ کرسکتی ہے کہ گری ہوئی مسجدوں کی اینٹوں کو اور دوسرے سامانوں کو فروخت کرکے دوسری آباد مسجدوں میں یا عام مسلمانوں کی دوسری ضروریات میں ان رقموں کو لگائے؟

۲...... ایسے علاقوں میں بعض مسجدیں ایسی بھی ہیں جہاں پر غیر مسلم پاخانہ، پیشاب اور دوسری گندگیاں کرتے ہیں اور پھیلاتے ہیں۔ کیا ایسی مسجد کسی غیر مسلم کو کرایہ، پر یا بغیر کرایہ رہائش کے لئے دینا تاکہ وہ ناپاکی سے پاک رہے اور دوسری غلاظتوں سے محفوظ رہے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر ان مسجدوں کے آباد کرنے کی کوئی صورت نہیں اور سامان ضائع ہورہا ہے تو اس سامان

---

(۱) "إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء، حتى صار بحراً، فيضمن القيمة، و يشترى المتولى بها أرضاً بدلاً. الثالثة: أن يجحد الغاصب ولا بيّنة: أى و أراد دفع القيمة، وللمتولى أخذها، يشترى بها بدلاً".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايستبدل العامر إلا فى أربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۱/۵، رشيديه)

(و كذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

کودوسری مساجد میں لگایا جائے (۱) اوران گری ہوئی مساجد کی چہار دیواری بنا کراس طرح گھیر دیا جائے کہ ان کی حفاظت ہوجائے۔ اگر چہار دیواری بنانے کے لئے پیسہ نہ ہوتو اس گرے ہوئے ملبہ اینٹ وغیرہ سے بنادیں، یا اس کوفروخت کر کے اس کی قیمت سے بنادیں (۲)، اس کی قیمت کسی دوسرے کام میں صرف نہ کریں، بلکہ مساجد ہی کی ضروریات میں صرف کریں۔

۲...... ان کو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں (۳)، حسبِ قدرت واگذار کرانے کی کوشش کی جائے (۴)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۶ھ۔



(۱) "ونقل في الذخيرة: عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا يحتاج إليه؛ لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۴) "واگذار: چھوڑا ہوا، پابندی اٹھایا ہوا، واپس کیا گیا۔ واگذار کرانا: جائیداد کوکسی کے قبضے (رہن وغیرہ) سے چھڑانا"۔

(فيروز اللغات، ص: ۶۹۲، فيروز سنز، لاهور)

الفصل الخامس فی المسجد القدیم

(پرانی مسجد کا بیان)

پرانی مسجد کو گرا کرنئی تعمیر کرنا

سوال[۷۰۴۱]: کسی محلّہ میں ایک مسجد جس کی دیواریں اور محراب پختہ ہیں اور اس کی چھت اسپلٹو کی، مگر کثرتِ مصلی کی وجہ سے اہل محلّہ نے ایک اَور حصہ اس کے متصل بڑھادیا جس کی تھونیاں لوہے کی ہیں اور بھونچال(۱) کی وجہ سے مسجدِ قدیم کی دیواریں پھٹ گئیں(۲)۔ اب یہ محلّہ والے چاہتے ہیں کہ دونوں کو توڑ کر ایک پختہ مستحکم بڑی مسجد بنادیں تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

وفی الجزء الثانی من البخاری: "عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما أخبرہ: أن المسجد کان علی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مبنیاً باللبن، وسقفہ الجرید، وعمدہ خشب النخل، فلم یزد فیہ أبو بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ شیئاً، وزاد فیہ عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وبناہ علی بنیانہ فی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم باللبن والجرید، وأعاد عمدہ خشباً، ثم غیّرہ عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، فزاد فیہ زیادۃً کثیرۃً، وبنیٰ جدارہ بالحجارۃ المنقوشۃ والقصّۃ، وجعل عمدہ من حجارۃ منقوشۃ وسقفہ بالساج"(۳)۔

قولہ: "ثم غیرہ عثمان" سے اخیر تک کس بات کا مؤید ہے؟

المستفتی: مولوی محبوب الدین صاحب چودھری۔

---

(۱) "تھونی: کھمبا، تھم، کھم، ستون، وہ لکڑی جو چھپر یا چھت کے نیچے سہارا دینے کے لئے لگاتے ہیں"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۹۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "بھونچال: زلزلہ، زمین کا لرزہ"۔(فیروز اللغات، ص: ۲۴۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) (صحیح البخاری: ۱/۶۴، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

"في الكبرىٰ: مسجدٌ مبنيٌّ أراد رجلٌ أن ينقضه و يبنيه ثانياً أحكَمَ من البناء الأول، ليس له ذلك؛ لأنه لا ولاية له، كذا في المضمرات. و في النوازل: إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، كذا في التتارخانية. وتأويله: إذا لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهل المحلة، فلهم أن يهدموا و يجدّدوا بنائه و يفرشوا الحصير ويعلقوا القناديل، لكن من مال أنفسهم، أما من مال المسجد فليس لهم ذلك إلا بأمر القاضي، كذا في الخلاصة". فتاوى عالمگیریه(۱)۔

اس عبارت سے نفسِ سوال کا جواب اور حدیث شریف کا محمل، وفقہ سے تطابق واضح ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

ویران ہوجانے کے بعد مسجد کا حکم

سوال[۷۰۴۲]: کسی جگہ کوئی مسجد تھی، بعض مصلحت کی بنا پر اس مسجد کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ بنوادی گئی تو کیا مسجدِ اول کی زمین وقف کے حکم میں ہمیشہ رہے گی، یا اس کی بیع وفروخت جائز ہوگی؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

اگر وہ باقاعدہ شرعی مسجد ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف ہے، اس کی زمین کو فروخت کرنا یا عاریت پر دینا ناجائز ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فإذا تم ولزم، لا يملك و لايملّك و لا يعار و لا

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۲/۴۵۷، رشيديه)

(و كذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد و أوقافه: ۴/۴۲۱، رشيديه)

(و كذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية ، كتاب الوقف، الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۶/۲۶۸، ۲۶۹، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

یرھن، اھـ". درمختار علی هامش ردالمحتار: ۳/۵٦٧(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جواب صحیح ہے: عبداللطیف، ۱۵/ ذی القعدہ/ ۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مسجد ویران ہونے پر دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۴۳]: چه میفرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئله که مسجدے بوجۂ تفرقِ اهلِ محله ویران شده است، نه اذان، نه چراغ. بل نوبت باینجا رسید که اسبابِ منقولش را مالِ غنیمت می شمارند، حتی که دلو فروش وغیره ازاں دزدیده شد، اغلب این است که هیچ از منقولش باقی نماند، وباقی مسجدے خود موجود است. آدمی خواهد که وَی را نقل کرده بجائے دیگر که شدید الاحتیاج الی المسجد است بنائے جدید سازد. روا باشد یا نه؟ برتقدیرِ ثانی اگر نقل کرده، بمسجدِ ثانی نماز ادا شود یا نه؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بهتر آنست که اسبابش بسوئے مسجدِ اقرب نقل کرده شود بمشورۂ اربابِ حل و عقدِ محله(۲). اگراین سهل نباشد، دربنائے مسجدِ جدید صَرف نمودن روا خواهد

---

(١) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار ، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/٦، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

(۲) "وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد) .... =

شد، و احترامِ مسجدِ قدیم نیز علی حاله خواهد ماند(۱). و مسجد جدید نماز گزاردن، وجائیے کہ آن وقف شدہ با ضابطہ حکمِ مسجدِ شرعی یافت بے دغدغہ روا خواهد شد، والأدلة فی رد المحتار: ۲/۵۷٤(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۹/۲۰ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(۱) "حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر. ولو خرب أحد المسجدين في قرية واحدة، فللقاضي صرف الخشبة إلى عمارة المسجد الآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۴، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(۲) "ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل و بقوله: جعلتُه مسجداً". (الدرالمختار). "قلت: في الذخيرة: و بالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۵، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچی)

ترجمہ سوال و جواب: علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک مسجد اہلِ محلّہ کے متفرق ہو جانے سے ویران ہوگئی ہے کہ نہ اذان نہ چراغ، بلکہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ اسباب منقولہ کو لوگ مالِ غنیمت شمار کرتے ہیں حتی کہ اس کا ڈول وغیرہ چرالئے گئے۔ اغلب یہ ہے کہ کوئی چیز اسباب منقولہ سے باقی نہیں رہی، باقی خود موجود ہے۔ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کو منتقل کر کے دوسری جگہ جہاں مسجد کی شدید حاجت ہے جدید مسجد بنائے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ برتقدیرِ ثانی اگر منتقل کرلی گئی تو مسجد ثانی میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ اس کا سامان محلّہ کے اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے قریب ترین مسجد میں منتقل کردیا جائے۔ اگر یہ سہل نہ ہو تو جدید مسجد کی تعمیر میں صَرف کرنا بھی درست ہوگا اور مسجد قدیم کا احترام بھی علیٰ حالہ باقی رہے گا اور مسجدِ جدید میں نماز ادا ہونا اور اس جگہ میں جو وقف ہو کر باقاعدہ مسجد بنے گی بے شبہ درست ہوگا۔ ردالمحتار میں دلائل موجود ہیں۔ فقط۔

مکانات کے فروخت کرنے سے ویران مسجد کا حکم

سوال[۷۰۴۴]: ۱...... ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں تقریباً دوسو سال سے مختلف قوم کے لوگ رہتے ہیں، اس میں سوڈیڑھ سو گھر مسلمانوں کے بھی ہیں۔ اس گلی میں ایک مسجد بھی ہے، کئی سال محلہ اور مسجد آباد رہی، اب کسی وجہ سے مسلمان ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو غیر قوم یعنی کفار کے ہاتھ فروخت کر کے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو مسجد ویران ہوجائے گی۔ تو مسجد کا خیال نہ کرتے ہوئے اس طرح مکانات فروخت کرنا کیسا ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اہلِ ثروت حضرات اس ویران ہونے والی مسجد کا خیال رکھ کر آباد کرنا چاہتے ہیں تو آباد کرسکتے ہیں، مثلاً زکوۃ وغیرہ کے روپے جمع کر کے اس سے فروخت شدہ مکانات واپس لیکر کرایہ پر ان کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۳...... اگر کوئی مالدار مسجد کا خیال رکھتے ہوئے اسی محلہ میں نیا گھر تعمیر کرے، یا تعمیر کرنے والوں کی امداد کرے تو کیسا ہے؟

۴...... اہلِ ثروت حضرات کو بار بار اس مسجد کی ویرانی کے اسباب سنائے جاتے ہیں، مگر کوئی ایک بھی اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں خدائی فرمان کیا ہے؟

۵...... ایک حدیث سنی گئی ہے جو حج سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ ویران ہونے والی مسجد کو آباد کیا جائے۔ یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جہاں تک جوازِ بیع کا تعلق ہے، وہ تو ظاہر ہے کہ مالک کو اپنی ملک فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)

---

(۱) "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، اهـ". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كلٌ يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق به حق الغير يمنع المالک من تصرفه لوجه الاستغلال". (شرح المجلة، الفصل الأول في بعض أحكام الأملاک: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اور بطریقِ شرعی ایجاب وقبول سے بیع صحیح ہوجائے گی (۱)، لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان کو اس کا لحاظ چاہئے کہ بغیر مجبوری کے ایسا نہ کریں، مجبوری کی حالت میں تو ہجرت بھی ثابت ہے۔

۲...... اگر وہ اپنے فروخت کردہ مکانات کو پھر خرید کر مسلمانوں کو کرایہ پر دیدیں جس سے مسجد آباد ہوجائے تو یقیناً بہت بڑا اقدام ہوگا، مگر اس کی ترغیب ہی دی جاسکتی ہے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اور زکوۃ کا روپیہ اس میں خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ غرباء کا حق ہے (۲)۔

۳...... انشاء اللہ تعالیٰ اپنی نیت کے پیشِ نظر اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا (۳)۔

۴...... ان کے لئے از خود کوئی وعید تجویز نہیں کیا جاسکتی، ترغیب دی جاسکتی ہے۔

۵...... مجھے یہ روایت محفوظ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۱/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۱/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

پرانی مسجد کو گرانا

سوال [۷۰۴۵]: کیا سابق متولی کی اجازت کے بغیر مسجد گرائی جائے، عند الشرع جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظی الماضی". (الهداية، كتاب البيوع: ۳/ ۱۸، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "لا يصرف إلى بناء مسجد ولا إلى كفن ميت و قضاء دينه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/ ۳۴۴، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف: ۱/ ۱۸۸، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة: ۲/ ۲۷۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرئٍ ما نوی". (صحيح البخاری: ۱/ ۲، باب كيف كان بدء الوحی، قديمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کیوں گرائی جائے؟ کیا پرانی ہوگئی تھی؟ یا جگہ ناکافی تھی؟ یا کوئی اَور بات ہے؟ صاف صاف لکھا جاوے تب جواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/۲/۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

پرانی مسجد کو آباد کرنا

سوال[۷۰۴۶]: میں نے تعمیرِ مکان کے لئے زمین خریدی، اس زمین کے احاطہ میں ایک گوشہ میں ایک قطعۂ زمین ۶/ فٹ لمبی ۱۵/ فٹ چوڑی مسجد کے نام سے گھری ہوئی ہے، دیواریں تین فٹ سے زائد اونچی ہیں۔ اور لوگ بتلاتے ہیں کہ کسی وقت یہاں نماز ہوا کرتی تھی، مگر سالہا سال سے اس میں اذان اور نماز قطعاً موقوف ہے، اس محلّہ میں دو مسجدیں اَور ہیں جہاں باقاعدہ نماز واذان پنجگانہ ادا ہوا کرتی ہے۔ تو اس زمین کو فروخت کر کے محلّہ کی دوسری مسجد میں اس کے روپے کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پھر مسجد کے نام سے ہی باقی رکھا جائے، یا اس کی تعمیر ضروری ہے، یا اس میں نماز ادا کرنا ہی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ معلوم ہے کہ یہاں نماز ادا ہوا کرتی تھی اور اس کی ہیئت بھی بتاتی ہے کہ یہ قطعۂ زمین جداگانہ ہے، کسی کے مکان کا جزو نہیں ہے اور تین فٹ سے زائد اونچی دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور کوئی ملک کا مدعی نہیں، اس لئے اس کو فروخت نہ کیا جائے (۱)۔ اگر اس کی تعمیر کی اہلِ محلّہ میں گنجائش نہیں تو بغیر تعمیر ہی وہاں اذان ونماز جماعت کا انتظام کیا جائے، آہستہ آہستہ اس کی تعمیر کی طرف بھی توجہ کی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "فإذا تمّ ولزم، لا یملک و لا یملّک ولا یعار ولا یرهن، اهـ". (الدر المختار). "(قوله: لا یملک): أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولا یملّک): أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

مسجد قدیم کو چھوڑ کر دوسری مسجد بنانا

سوال [۷۰۴۷]: عرصہ دس سال کا ہوا ہمارے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جس پر ہندو مسلم تنازعہ پیدا ہوا اور تعمیرِ مسجد رُک گئی، مگر اذان و نماز اور نمازِ جمعہ اس میں برابر ہو رہی ہے۔ مگر اب ہندو لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ کو چھوڑ کر تم کسی دوسری جگہ مسجد بنالو اور اس زمین کو کسی دوسرے کام میں استعمال کرلو، مثلاً اسلامیہ مدرسہ بنالو اور یہ زمین مسجد کے نام سے رجسٹری ایک مسلمان نے کرادی ہے، ایسی صورت میں اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہاں اذان و جماعت دس سال سے ہو رہی ہے تو اس اذان و جماعت کو بند نہ کریں، بدستور جاری رکھیں، وہ جگہ شرعاً مسجد ہے (۱)، اس کو کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص نہ کریں (۲)، نہ اس کے عوض دوسری جگہ مسجد بنائیں (۳)۔ اگر اس کی چہار دیواری نہیں ہے تو چہار دیواری بنا کر دروازہ لگا کر محفوظ کردیں اور پانچویں وقت اذان و جماعت کا اہتمام رکھیں۔ اتنی بات پر دوسروں کو بھی اعتراض نہیں۔

اگر فساد کا اندیشہ ہے تو ایسی پختہ مسجد نہ بنائیں، البتہ اس میں تعلیمِ قرآن شریف کا انتظام کردیں کہ وہاں تعلیم بھی ہوا کرے اور نماز بھی، حسبِ ضرورت بچوں کے بیٹھنے کے لئے سائبان وغیرہ کا انتظام کرلیں (۴)،

---

(۱) "ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، كذا في الكفاية". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۳) "والثالث: أن لا يشترط أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(۴) "ومن علم الأطفال فيه، وفي الخلاصة: تعليم الصبيان في المسجد لا بأس به، اهـ". (الدر المختار =

جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا مسجد بن جائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۸ھ۔

پرانی مسجد کی اینٹیں، پتھر، جوتے رکھنے کی جگہ لگانا

سوال [۷۰۴۸]: ایک جھوٹی سی مسجد تھی اس کو شہید کر کے بڑی مسجد بنائی گئی، اس کا فرش، صحن پتھر کا تھا، وہ پتھر نالی سے باہر جوتے اتارنے کی جگہ لگا دیا گیا، اب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جس پتھر پر سجدہ ہوتا تھا، آج وہ پتھر جوتے اتارنے کی جگہ لگا دیا ہے، جس سے بے حرمتی ہوتی ہے۔ بہر حال اس پر جوتے اتارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پتھر ایسی جگہ نہ لگائے جاتے تو بہتر تھا جہاں جوتے نکالے اور رکھے جاتے ہیں، کیوں کہ یہ خلافِ تعظیم ہے:

"ویجوز رمی برایة القلم الجدید، ولا ترمی برایة المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد وکناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم، کذا فی القنیة، اه". عالمگیری: ۹۵/٤(۱)۔

= مع ردالمحتار، فصل فی البیع: ۴۲۸/۶، سعید)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتكاف و ذكر شرعي و تعليم علم أو تعلمه وقراءة قرآن". (الأشباه والنظائر مع شرحه غمز عيون البصائر للحموی، القول فی أحکام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۴/۵، رشیدیه)

"یجوز رمی برایة القلم الجدید ولاترمی برایة القلم المستعمل، لاحترامه، کحشیش المسجد وکناسته لایُلقی فی موضعٍ یخل بالتعظیم". (الدرالمختار، کتاب الطهارة: ۱۷۸/۱، سعید)

تاہم اب جب کہ ان پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو ان کا وہ حکم نہیں جو مسجد کے فرش میں لگے ہوئے کا تھا:
"لاحرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمته إذا بسط، اھ". بحر: ۲۵۰/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۵ھ۔

پرانی مسجد چھوڑ کرنئی مسجد میں جانا

سوال[۷۰۴۹]: ایک مسجد جو تقریباً عرصہ سوسال سے قائم ہے جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ ادا کرتے چلے آئے ہیں، مگر ایک رئیس صاحب نے دوسری مسجد بنوا کر مسجدِ اول کے نمازیوں کو بہکانا شروع کردیا ہے کہ جس کے اثر سے اکثر نمازی اب مسجدِ ثانی میں نماز ادا کرتے ہیں، لہذا بہکانے والوں کو کیا کہا جائے گا اور ایسے نمازیوں کی نماز کیسی ہوگی؟ اور مسجد ثانی حکم میں مسجد کے ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد ثانی بنوانے کے اسباب کیا ہیں، اگر مسجد اول میں جگہ کی قلت اور نمازیوں کی کثرت ہے تو مسجد ثانی یقیناً مسجد ہے(۲) اور ایسی حالت میں نمازیوں کی نماز میں کوئی اشکال نہیں، البتہ نمازیوں کو بہکانا برا ہے۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۱۹/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن یتخذ المسجد فی الدور وأن تطهر و تطیب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهر المساجد وتطیبها، ص:۵۵، قدیمی)

"وعن عطاء: لما فتح الله تعالیٰ الأمصار علی ید عمر رضی الله تعالیٰ عنه، أمر المسلمین أن یبنوا المساجد، وأن لایتخذوا فی مدینة مسجدین یضار أحدهما صاحبه". (الکشاف: ۳۱۰/۲، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالکتاب العربی بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۲۱/۱۱، دارإحیاء التراث العربی بیروت) .... =

بہتر یہ ہے کہ جس نمازی کے قریب جو مسجد ہو اس میں نماز پڑھے تاکہ دونوں مسجد آباد رہیں (۱)۔ اگر کسی اَور سبب سے دوسری مسجد بنوائی گئی ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ شعبان/ ۶۱ھ۔



= (وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/ ۳۲۷، إدارہ تاليفات أشرفيه لاهور)

"أهل المحلة قسّموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد لا بأس به. والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/ ۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/ ۴۱۹، رشيديه)

(۱) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذٍ لسبقه حقيقةً وحكماً، كذا في الواقعات. وذكر قاضي خان وصاحب منية المفتي و غيرهما أن الأقدم أفضل، فإن استويا في القدم فالأقرب أفضل". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

الفصل السادس فی التوسیع فی المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

مسجد کی توسیع

سوال[۷۰۵۰]: تعمیر مسجد کے بارے میں مسجد کن کن وجوہات کی بنا پر باندھنی لازم ہوگی:

۱......سوسال پرانی مسجد آبادی کے لحاظ سے بالکل تنگ ہورہی ہے۔

۲......پرانی مسجد کے چاروں طرف بڑھانے کی جگہ نہیں، بلکہ دو جانب ہی بڑھا سکتے ہیں۔

۳......مسجد عین پبلک راستے کے کنارہ پر واقع ہے جس کے سبب بعض دفعہ مسجد کے پائے کو بیل گاڑی کے پہیوں کی ٹھوکریں لگ جاتی ہیں، گاڑیوں کی وجہ سے مسجد میں دھول ہی دھول ہو جاتی ہے(۱)۔

۴......پرانی مسجد کے آگے اتنا بڑا صحن نہیں ہے کہ حصار کمپاؤنڈ بنا سکیں تاکہ سامنے جو جنرل سڑک روڈ پر سے وضو کرتے وقت نامحرم اور ہر مذہب کی عورتیں گزرتی ہیں، ان پر نظر نہ پڑے جس کی وجہ سے وضو میں خرابی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر بستی والوں کی تکلیفیں دور کرنے کی خاطر قریب ہی پرانی مسجد ویسی ہی رکھ کر دوسری مسجد تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ پرانی مسجد کو دینی مدرسہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نمازی زیادہ ہیں اور مسجد میں نہیں سما سکتے تو مسجد کو بڑھا لیا جائے، جس طرف سے بھی جگہ ملے، جگہ لیکر مسجد کو توسیع کر لیا جائے (۲)۔ اگر گنجائش نہ ہو تو حسب ضرورت مناسب موقع پر

---

(۱) ''دھول: خاک، گرد، راکھ، مٹی''۔(فیروز اللغات، ص: ۶۶۸، فیروز اینڈ سنز، لاهور)

(۲) ''أرض وقف على مسجد، والأرض بجنب ذلك المسجد، وأرادوا أن يزيدوا في المسجد شيئاً من الأرض، جاز، لكن يرفعون الأمر إلى القاضي ليأذن لهم. ومستغل الوقف كالدار والحانوت على هذا''. =

دوسری مسجد ہی تعمیر کرلی جائے (۱)، اس طرح کہ ایک مسجد کے امام کی آواز دوسری مسجد کے امام کی آواز سے نہ ٹکرائے اور خلل پیدا نہ ہو اور دونوں نئی پرانی مسجدیں حسن وخوبی سے آباد رہیں (۲)۔

شرعی مسجد کو مستقلاً کسی دوسرے کام مثلاً تعلیم وغیرہ کے لئے تجویز ومخصوص کردینا جائز نہیں ہے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

توسیعِ مسجد کی ایک صورت

سوال [۷۰۵۱]: کشمیر میں ایک قصبہ توپیاں کے نام سے واقع ہے، اسی قصبہ میں اہلِ اسلام کی ایک جامع مسجد ہمیشہ سے آباد ہے، امتدادِ زمانہ سے یہ مسجد نہایت خستہ ہوگئی تھی، اور رمضان شریف کے جمعہ میں

= (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۶/۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه، الخ: ۴۲۱/۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ببناء المسجد فقال: "يا بني النجار! ثامنوني حائطكم هذا". قالوا: لا والله! لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عزوجل". (صحيح البخاري: ۳۸۸/۱، كتاب الوصايا، باب إذا وقف جماعة أرضاً مشاعاً، الخ، قديمي)

(۲) "أهل المحلة قسّموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد، لابأس به. والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۰/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، احكام المساجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۸/۲، رشيديه)

نمازیوں کے لئے غیر مکتفی تھی، علاقہ بھر کے مسلمان نمازی نہیں سما سکتے تھے، لہذا مقامی لوگوں نے اس مسجد کو وسعت کے ساتھ تعمیرِ نو کرنے کے متعلق فیصلہ کرلیا، مگر سوائے حصہ مغرب کے کسی طرف میں توسیع کی گنجائش نہ تھی، صرف جہتِ مغرب میں اس مسجد کا خرد برد مقبوضہ رقبہ زمین واقع تھا، لہذا مسجد کو اسی جہت آگے بڑھانے کا مشورہ پاس ہوگیا۔

کشمیر میں شاہانِ مغل کے انداز میں تعمیر کے مطابق جامع مسجد کی بھی ایک ساخت ہوتی ہے، اسی کے مطابق تعمیر جدید کا نقشہ مرتب ہوگیا کہ سابقہ مسجد کا چوتھا حصہ جہتِ مغرب سے تعمیر جدید میں شامل ہوگیا، باقی تین حصہ مسجد ہذا کے صحن کی صورت میں احکام میں مسجد بغیر بام رہ گئے، یعنی جدید تعمیر کو اگر چار حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے تین حصہ مغربی طرف کے مذکورہ مسجد پر واقع ہوئے ہیں اور باقی چوتھا حصہ سابقہ مسجد کے رہنے سے پورا ہوجاتا ہے۔ اب جہتِ مشرق کو اصل مسجد کے تین حصہ کی زمین ہے وہ اب بغیر بام (۱) مسجد بصورتِ صحن بغیر کسی انفصال کے محفوظ وموجود ہے، اس میں ہی بادل برف و بارش نہ ہونے کے وقت پر نوافل وفرائض کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس صحن میں بے غسل و بے وضو داخل ہوجانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

بدستور مسجد جامع کا اطلاق دونوں پر کیا جاتا ہے دروازہ مشرقی خاص ایسی زمین پر بنا ہوا ہے جس پر قدیم دروازہ تھا۔ نقشۂ دیوار استفتاء سے واضح ہوجائے گا۔ کیا یہ تعمیر مسجد جامع ہذا بموجبِ شریعت اسلام جائز ہے؟ اگر نا جائز ہے تو مسئلہ: "ویجوز جعل المسجد رحبةً، والرحبة مسجداً". کا کیا مفہوم ہے؟ یہ عمل تعمیر مسجد جو یہاں کے اہل اسلام نے کیا ہے اس میں ثواب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ تصرف واقف یا بانی یا اکثر اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے کیا گیا ہے اور اس سے مسجد کی مسجدیت یا اور کوئی مصلحت فوت نہیں ہوتی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بوقتِ ضرورت شرعاً ایسا تصرف جائز ہے اور باعثِ اجر وثواب ہے:

"في الكبرىٰ: مسجدٌ أراد أهله أن يجعل الرحبة مسجداً أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له باباً، وأرادوا أن يحوّلوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك، فإن اختلفوا، نظر: أيهم أكثر

---

(۱) "بام: چھت کے اوپر کے حصہ، بالا خانہ، کوٹھا، بالائی منزل"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۷۳، فیروز سنز لاہور)

وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". فتاوی عالمگیری: ۴۵۶/۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

بلاضرورت توسیعِ مسجد کے لئے برآمدہ کو مسجد میں داخل کرنا

سوال [۷۰۵۲]: ۱۹۴۶ء میں ایک مسجد بنائی، بناتے وقت میں نے یہ نیت کی کہ یہ مسجد دروازہ تک ہے، یہ مسجد کا حصہ ہے اور یہ باہر کا حصہ ہے جس کو برآمدہ کہتے ہیں، یہ مسجد سے باہر ہے مسجد نہیں۔ میں مسجد کی تعمیر کرنے والا تھا۔ آج ۳۹/ سال ہوئے، اب جماعت کے چند آدمی یہ کہتے ہیں کہ مسجد کا برآمدہ (جو باہر کا حصہ ہے) کو مسجد میں شامل کردو۔ کیا یہ ہوسکتا ہے؟ مسجد میں کچھ کمی نہیں، بہت جگہ ہے، بلاضرورت کرنا چاہتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر باہر کا حصہ مسجد میں داخل کردیا جائے تو معتکف برآمدہ میں ٹہل سکتے ہیں اور باہر کیا ہورہا ہے دیکھے اور ہواخوری کرے۔ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

محض اس مقصد کے لئے کہ معتکف اعتکاف میں رہتے ہوئے باہر کی چیزیں دیکھ لیا کرے، مسجد کی توسیع کی ضرورت نہیں، لہٰذا جو حصہ باہر کا ہے اس کو باہر ہی رہنے دیا جائے، مسجد میں داخل نہ کیا جائے۔ ہاں! اگر مسجد میں اتنی تنگی ہے کہ نمازی نہ آسکتے ہوں تو آپس کے مشورہ سے وہ حصہ داخل کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۴/۲۶ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۶/۲، رشيديه)

"سئل أبوالقاسم عن أهل مسجد أراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبةً، والرحبة مسجداً، أو يتخذوا له باباً، أو يحولوا بابه عن موضعه، وأبى البعض ذلك، قال: إذا اجتمع أكثرهم وأفضلهم، ليس للأقل منعهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(۲) "وفي الكبرى: مسجدٌ أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبةً، وأرادو أن يحدثوا له=

مسجد کے متصل جگہ کو مسجد میں داخل کرنا

سوال[۷۰۵۳]: مسجد سے ملی جلی شروع سے بنامِ مدرسہ الگ سے ایک جگہ متعین ہے، کیا اس جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مدرسہ چلایا جاسکتا ہے؟ اور بسا اوقات نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے پر مذکورہ بالا جگہ میں امام مسجد ہی کی امامت میں باجماعت نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ جگہ کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا درست ہے (۱)، اگر جداگانہ (وقف) ہے مدرسہ کے لئے، تو اس کو مسجد میں شامل نہ کیا جائے (۲)، اگر مسجد کے لئے وقف ہے تو آپس کے مشورہ سے حسبِ ضرورت مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے (۳)۔ مجمع زیادہ ہونے کے وقت اگر وہاں تک صفوف

= باباً، وأرادو أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك. فإن اختلفوا، نظر: أيّهم أكثر وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به: ۴۵٦/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۲٦۸/٦، رشيديه)

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فى تعريف المال والملك، الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ٦۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك: أي الصرف المذكور". (الدرالمختار). "ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والأخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر. وهي واقعة الفتوى، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۳٦۰/۴، ۳٦۱، سعيد)

(۳) "وفي الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له =

متصل ہیں تو امام کی اقتداء میں وہاں نماز درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۲۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

مسجد کے متصل قبروں کو مسجد میں شامل کرنا

الاستفتاء [۷۰۵۴]: مسجد کی دیوار کے باہر پختہ قبریں بنی ہیں اور مسلمان مسجد کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں تو کیا قبروں کی اینٹیں نکال کر قبروں کو برابر کر کے مسجد کو آگے بڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے اس جگہ کی قبریں برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا درست ہے(۲) اور ان قبروں کی اینٹوں کو بھی مالک کی اجازت سے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ قبریں اتنی پرانی

= باباً، و أرادو أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك، فإن اختلفوا، نظر: أيّهم أكثر وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما يتعلق به: ۲/ ۴۵۶، رشيديه)

(و كذا فی ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی جعل شیء من المسجد طريقاً: ۴/ ۳۷۸، سعيد)

(و كذا فی التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/ ۸۴۱، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا فی البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع فی المسجد وما يتصل به: ۶/ ۲۶۸، رشيديه)

(۱) "هذا إذا لم تكن الصفوف متصلةً على الطريق، أما إذا اتصلت الصفوف لا يمنع الاقتداء و لو كان على الطريق واحد لايثبت به الاتصال، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الرابع فی بيان ما يمنع صحة الاقتداء و ما لا يمنع: ۱/ ۸۷، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۳۴، رشيديه)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بنی فيها مسجد ليصلی فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد؟: ۴/ ۱۷۴، إدارة الطباعة دمشق)

ہوں کہ اب ان میں میت موجود نہ ہو، بلکہ مٹی بن چکی ہو(۱)۔ اگر وہ جگہ قبروں کے لئے وقف ہوتو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

صحنِ مسجد سے متصل قبروں کا حکم

سوال[۷۰۵۵]: ایک مسجد کے تین نمبر ہیں: نمبر:۱- سہ دری وغیرہ۔ نمبر:۲- صحن وغیرہ۔ نمبر:۳- قبریں۔ یہ شاہی زمانہ کی مسجد ہے۔ نمبر:۱، میں پانچوں وقت کی نماز ہوتی ہے، نمبر:۲، میں گرمی میں عشاء کی نماز ہوتی ہے اور عید کی نماز، نمبر:۳، کھلی جگہ ہوتی ہے اور بیڑی وغیرہ پینے کے لئے بھی بیٹھتے ہیں، متولی صاحب منع کرتے ہیں تو اس میں حصہ مسجد کون ہے اور خارج مسجد حصہ کون؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمبر:۳ کی جگہ بظاہر مسجد نہیں ہے، اس لئے کہ وہاں قبریں موجود ہیں، لہذا اس جگہ پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے، وہاں بلاغسل جانا بھی درست ہوگا(۳)۔ نماز میں اگر قبریں سامنے ہوں تو وہاں نماز پڑھنا

---

(۱) "ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ و البناء علیہ". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

(۲) "مقبرۃ قدیمۃ لمحلۃ لم یبق فیھا آثار المقبرۃ، ھل یباح لأھل المحلۃ الانتفاع بھا؟ قال أبو نصر رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یباح". (فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، فصل فی المقابر، الخ: ۳/۳۱۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مکتبہ مصطفی البابی مصر)

(۳) "أی یمنع الحیض دخول المسجد، وکذا الجنابۃ، وخرج بالمسجد غیرہ کمصلی العید والجنائز =

ممنوع ہوگا اگر چہ نماز عید ہو(۱)۔قبروں کا بھی احترام ہے، وہاں دنیا کی باتیں کرنا اور بیڑی پینا اگر چہ اس درجہ میں منع نہ ہو جس درجہ میں مسجد میں منع ہے، لیکن قبروں کے احترام کے خلاف ہے، وہاں قرآن پاک پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، موت کو یاد کر کے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔متولی صاحب کو بھی چاہئے کہ اس معاملہ میں سختی نہ کریں، بلکہ نرمی سے نصیحت کریں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۸۹ھ۔

مسجد کے صحن میں توسیع کے لئے قبر کو داخلِ مسجد کرنا

الاستفتاء [۷۰۵۶]: ایک مسجد ہے جس کا فرش چھوٹا ہے، اس کی توسیع کی ضرورت ہے، جو فرش بنا ہوا ہے اس کے آگے بڑھانے میں ایک قبر پڑتی ہے۔کیا شرعاً یہ گنجائش ہے کہ اس قبر پر ڈاٹ لگادی جائے اور اس کو صحن مسجد میں لے لی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبر مملوکہ زمین میں ہے اور اتنی پرانی ہے کہ اس میں میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو مالک کی اجازت سے اس زمین کو مسجد میں داخل کرنا درست ہے اور قبر کو بالکل ختم کر دیا جائے، اس کا کوئی نشان باقی نہ رکھا

= والمدرسة والرباط، فلا يمنعان من دخولها .... وأما في جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۷۱، سعيد)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطي و الجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن﴾ الآية. (سورة النحل: ۱۲۵)

جائے: "جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً، اهـ". درمختار(۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۹/۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے۔اور اگر قبر مسجد ہی کی زمین میں ہے تو بغیر کسی کی اجازت کے متولی اس کو فرشِ مسجد میں داخل کر سکتا ہے(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیو بند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیو بند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

مسجد میں قبریں شامل کرنا

سوال[۷۰۵۷]: ایک مسجد کا صحن کم ہے، پورب کی جانب قبریں ہیں۔کیا ان کو برابر کر کے مسجد میں شامل کر سکتے ہیں، تا کہ زیادہ لوگ آسکیں اور برابر کرنے کی کیا صورت ہے؟ بعض قبریں پختہ ہیں اور بعض خام ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قبروں کی زمین مملوکہ ہے یا وقف ہے اور یہ قبریں نئی ہیں یا پرانی کہ میت بالکل مٹی بن چکی ہے، اگر

---

(۱) (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولو بلى الميت، و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، و زرعه، و البناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۲) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعه المنيرية، دمشق)

زمین مملوک ہے اور قبریں بہت پرانی ہیں تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے(۱)۔ اور اگر قبریں اتنی پرانی نہیں تو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں، کیونکہ اس سے قبروں اور موتی کی توہین ہوتی ہے(۲)، نیز موتی کی طرف سجدہ کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر زمین وقف ہے اور قبریں پرانی نہیں تب بھی شامل کرنا جائز نہیں(۳)۔ اور اگر قبریں پرانی ہوچکیں کہ میت بالکل مٹی بن گئی، نیز وہاں اور مُردوں کو دفن نہ کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے:

"ولو بلي الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره و زرعه والبناء عليه، اهـ".

زيلعي: ۱/۲٤٦(٤)۔ "قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنىٰ قوم عليها

---

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أر فيه بأسا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(۲) "إن كان فيها ميت لم يَبْل، و ما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التى لم تَبل أربابها وإدخال أجانب عليهم، فهو من المنكر الظاهر". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۳) "مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل تباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالىٰ: لا يباح". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فى المقابر: ۳/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مكتبه مصطفى البابى مصر)

(۴) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"و لو بلى الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره و زرعه والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد، اهـ". عینی شرح بخاری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزار کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا

سوال[۷۰۵۸]: ہمارے یہاں مسجد کے اندر بخاری شاہ صاحب کا مزار ہے، وہ اتنا لمبا چوڑا ہے کہ جس کی وجہ سے نماز کے لئے بڑی دقّت ہوتی ہے اور مسجد چھوٹی ہونے کی وجہ سے نمازیوں کو پریشانی ہوتی ہے تو کیا اس مزار شریف کو کاٹ کر حسبِ ضرورت چھوٹی قبر کر سکتے ہیں یا نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر کا احترام ضروری ہے، خاص کر کسی بزرگ کی قبر کا، لیکن قبر وہی ہے جس میں مردہ ہو، جتنی مقدار قبر کی مردہ سے زائد بنادی جائے وہ قبر نہیں بلکہ مٹی کا ڈھیر ہے، اس کا حکم قبر کی طرح نہیں۔ پس اگر اتنی لمبی چوڑی ہے کہ مردہ کے قد سے بہت زیادہ ہے تو مقدارِ زائد کا کاٹ کر ختم کر دینا قبر کی بے حرمتی نہیں ہے۔ اگر قبر اتنی پرانی ہے کہ میت اس میں باقی نہ رہے، بلکہ مٹی بن کر ختم ہوجائے تو قبر کا حکم بالکل ہی ختم ہوجاتا ہے اور اس جگہ حسبِ ضرورت تعمیر وغیرہ کی بھی اجازت ہوتی ہے(۲)۔

---

(۱) (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(۲) "و لو بلى الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره و زرعه و البناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱۶۷/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد) .... =

اگر ایسی قبر مسجد میں ہوتو اس جگہ کو صاف کر کے مسجد کے کام میں بھی لایا جاسکتا ہے، لیکن تمام نمازیوں اور سمجھدار لوگوں سے مشورہ کر کے اول اہل محلّہ کو پوری طرح ذہن نشین کرادیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مزار شریف کا کوئی حصہ یا تمام توڑنے سے فتنہ پیدا ہو اور فساد کی صورت ہو کر مقدمہ بازی کی نوبت آئے اور موجودہ مسجد بھی خطرہ میں پڑ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۷ھ۔

توسیع کے لئے کچھ راستہ مسجد میں لینا

سوال [۷۰۵۹]: مسجد کے پاس عام راستہ جو پچھّم سے پورب (۱) کی طرف ہے، اس راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں لینا چاہتے ہیں۔ اگر سب کی اجازت نہ ہو اور کچھ کی اجازت ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر راستہ بڑا ہے، کچھ حصہ مسجد میں لینے سے تنگی نہیں ہوگی تو مشورہ کر کے بقدرِ ضرورت مسجد میں لے سکتے ہیں، شرعاً اجازت ہے (۲)، اس پر سب کو رضامند ہونا چاہیے۔ اتنی جگہ نہ لیں کہ راستہ تنگ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۱۱ھ۔

= "وأما المقبرة الداثرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى به، فلم أر فيه بأسا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۱۷۴/۴، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(۱) "پچھّم: مغرب، وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۸۱، فيروز سنز لاهور)

"پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۰۸، فيروز سنز لاهور)

(۲) "طريقٌ للعامة هى واسع فبنى فيه أهل المحلة مسجداً للعامة، ولايضر ذلك بالطريق، قالوا: لابأس به، وهكذا روى عن أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ؛ لأن الطريق للمسلمين والمسجد لهم أيضاً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۲/۳، ۲۹۳، رشيديه) .... =

راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں داخل کرنا

سوال[۷۰۶۰]: مسجد میں جگہ کی تنگی ہے، مسجد کے پیچھے ایک عام راستہ پڑا ہے، اگر مسجد کو کچھ بڑھا لیا جائے تو کسی کو تکلیف نہ ہوگی، سب نمازی اس پر متفق ہیں، مگر ایک شخص نے کچھ مٹی ڈال کر اس پر قبضہ جما رکھا ہے، وہ مخالف ہے۔ اس حالت میں اگر مسجد کو بڑھا لیا جائے تو اس میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ راستہ کسی کی مِلک نہیں، عام لوگوں کے چلنے کے لئے ہے اور مسجد میں تنگی ہے اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے اور اس بڑھانے سے گزرنے والوں کو تنگی اور پریشانی نہیں ہوگی، نہ کسی کا راستہ رُکے گا تو مسجد کو بقدرِ ضرورت بڑھا لیا جائے۔ اگر اس کے لئے کسی کی مملوکہ زمین مسجد میں شامل کرنا چاہیں، وہ بلا قیمت نہ دیں تو اس سے خرید کر مسجد میں شامل کر سکتے ہیں:

"جعل شيء من الطريق مسجداً لضيقه وَلم يضرّ بالمارّين، جاز. تؤخذ أرض بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً، اه". درمختار مختصراً: ۳/۳۸۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۵ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲/۵۹۵، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۶/۲۶۸، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۷، ۳۷۹، سعيد)

"قوله: (وإن جعل شئ من الطريق مسجداً، الخ) يعني إذا بنى قوم مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتّسع، فأدخلوا شيئاً من الطريق يتسع المسجد، وكان ذلك لايضر بأصحاب الطريق، جاز ذلك. وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لماروى عن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكرهٍ من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۶، رشيديه) .... =

توسیعِ مسجد کے لئے پڑوسی کی زمین لینا

سوال[۷۰۶۱]: دکھن (۱) طرف مکان ہے اور اُتر (۲) طرف مسجد ہے، مسجد کا دروازہ پورب طرف ہے (۳)، مکان اور مسجد کے درمیان زمین افتادہ ۲۴۰/ ہاتھ پڑتی ہے۔ دکھن جس کا مکان ہے اس کا صحن بھی اسی طرف ہے، وہ مکان والا چاہتا ہے کہ مکان بنائے اور ایک شخص نے وہ زمین چھ ہاتھ کھور (۴) چھوڑ کر مسجد کے لئے خرید کر چھوڑ دیا ہے جس کا اس کو اقرار ہے۔ تو اب مکان بنانے کے لئے کسی کو دی جائے تو جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مسجد کے بڑھانے کا ارادہ پہلے سے تھا، پڑی ہوئی زمین وقف ہوئی یا نہیں؟ جواب مدلل مع حوالہ عبارت عنایت ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس شخص نے خرید کر مسجد کے لئے وقف کردی ہے تو وہ مسجد کی زمین ہے، کسی دوسرے شخص کو مکان کے لئے مفت یا قیمتاً دینا جائز نہیں: "الوقف إذا تم ولزم ....لا يملك، اهـ". در مختار: ۳/۳۶۷، مطبوعه نعمانيه ديوبند(۵)۔

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۲/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۲/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "دکھن: جنوب کی سمت"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۳۲، فيروز سنز لاهور)

(۲) "اُتر: شمال"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۳، فيروز سنز لاهور)

(۳) "پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۰۸، فيروز سنز لاهور)

(۴) "کھور: مویشیوں کے کُٹی کھانے اور پانی پینے کی ناند یا نالی۔ غار، کھوہ، چھوٹی وادی، راستہ گلی، چینی، ڈھکنا، سرپوش، لحاف، رضائی"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۰۶۴، فيروز سنز لاهور)

(۵) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أصاب عمر بخيبر أرضاً فأتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: أصبت أرضاً لم أصب مالاً قط أنفَس منه، فكيف تأمرني به؟ قال: "إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها". فتصدق عمر أنه لا يباع أصلها، ولا يوهب، ولا يورث". (صحيح البخاري: =

جو زمین خرید کر وقف نہیں کی وہ مسجد کی نہیں، اس میں مالک کو تصرف کا اختیار ہے، لیکن اگر مسجد میں تنگی ہو اور اس کے بڑھانے کی ضرورت ہو تو مالک سے قیمتاً لے لی جائے، اگر چہ مالک فروخت کرنے پر رضامند نہ ہو:

"ولو ضاق المسجد على الناس، وبجنبه أرض لرجل، تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، كذا في فتاوى قاضي خان، اه". عالمگیری: ۲/۴۵٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۵/٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ٦/ جمادی الاولیٰ/٦٦ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ٦/ جمادی الاولیٰ/٦٦ھ۔

= ۱/۳۸۹، كتاب الوصايا، باب الوقف و كيف يكتب، قديمى)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/٦۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵٦، رشيديه)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس و بجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روى عن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم: لما ضاق المسجد الحرام، أخذوا أرضين بكرهٍ من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: كتاب الوقف مطلب في جعل شئ من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۹، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في المسجد وما يتصل به: ٦/۲٦۸، رشيديه)

مسجد کو راستہ بنا کر مسجد کے لئے دوسری جگہ لینا

سوال[۷۰۶۲]: پونا کارپوریشن کے اربابِ بسط وکشاد کا خیال ہے کہ جو مسجد راستہ میں آتی ہے تو کارپوریشن اس کی متبادل جگہ اپنے سرمایہ سے خرید کر آپ کے نقشہ کے مطابق تعمیر کردیتے ہیں، آپ اس میں نماز پڑھئے آپ کو پسند آئے، ہم مذکورہ مسجد جو راستہ میں پڑتی ہے اس کو توڑ کر راستہ بنائیں گے۔ تو کیا ایسا ہوسکتا ہے، جب کہ مسجد اَبدالآباد تک مسجد ہی رہے گی، یا کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اوراسی طرح بعض مسجد کا کچھ حصہ راستہ میں جاتا ہے، تو کیا کچھ حصہ کارپوریشن کو دیکر اس کا معاوضہ لے سکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجدیں سب اللہ کی ہیں، نہ کسی کو ان کے گرانے کا حق ہے، نہ بدلنے کا ﴿وأن المساجد لله﴾(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۰ھ۔

سڑک کی توسیع میں مسجد کا نصف حصہ دے دینا

سوال[۷۰۶۳]: ہمارے یہاں بازار میں لبِ سڑک ایک مسجد تعمیر شدہ ہے، یہاں کی میونسپلٹی سرکار اس سڑک کو کشادہ کرنا چاہتی ہے جس کے تحت سڑک میں آدھی مسجد چلی جائے گیا اور آدھی باقی رہ جائے گی۔ یہاں کے ایک سیٹھ نے بھی یہ مشورہ دیا ہے کہ مسجد کے شمال کی جانب ہماری جگہ ہے، جتنی جگہ مسجد کی جاتی ہے، وہ روڈ میں دے دو اور اتنی جگہ شمال کی جانب دیتا ہوں، تم لوگ شمال کی طرف کشادہ کرلو۔ اور مسجد کے جنوب کی طرف سینٹرل گورنمنٹ کے پانی کا پائپ ہے اس کا پلان چوراسی ۸۴/ فٹ کشادہ ہے۔ رام سیٹھ کا کہنا یہ ہے کہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (سورة الجن : ۱۸)

"أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدرالمختار). "وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلک البناء، فإنه لا یمکّن من ذلک". (ردالمحتار، کتاب الوقف : ۳۵۸/۴، سعید)

"وفی الفتاوی: سئل أبو القاسم: من أراد أن یهدم مسجداً ویبنیه أحکَمَ من بنائه الأول؟ قال: لیس له ذلک". (التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المسجد : ۸۴۴/۵ إدارة القرآن کراچی)

میں جوجگہ دیتا ہوں اسے بڑھاؤ تو میں یہ مشین دلا دیتا ہوں اور دو منزل یا تین منزل بناؤ۔

یہاں کے لوگوں نے بہت سے علمائے دین سے دریافت کیا، سبھوں نے جواب دیا کہ جہاں مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہوگئی تو اس کو بڑھایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی جگہ کو چھوڑ کر مسجد کو توڑ کر کم نہیں کیا جاسکتا اور نہ وہاں سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ یہ بات بھی مدِ نظر رہے کہ حکومت معلوم نہیں بعد میں کس طرح سے پیش آئے، حالانکہ پانی کے پائپ سینٹرل گورنمنٹ کی طرف سے گنجائش ہے، مگر میونسپل سرکار ادھر جانا نہیں چاہتی ہے۔ یہاں آکر مسئلہ بہت الجھ گیا ہے۔ لہٰذا جواب بہت جلد دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی مسجد میں بنادی گئی وہ ساری عمر کے لئے مسجد ہوگئی، اس کو فروخت کرنا، یا اس کا تبادلہ کرنا، یا اس کا کوئی اَور مکان، دوکان، مدرسہ، مسافر خانہ وغیرہ بنانا، یا وہاں کھیتی کرنا، مُردے دفن کرنا بالکل جائز نہیں (۱)۔ صورتِ مسئولہ میں اگر مسجد کا کچھ حصہ حکومت لینا چاہتی ہے تو اس سے بیع وغیرہ کا معاملہ نہ کیا جائے، نہ اس سے لڑائی کی جائے، نہ اشتعال انگیزی کی جائے، نہ رام سیٹھ سے تبادلہ کی بات کی جائے۔

جب حکومت اپنے منشاء کے مطابق جگہ لے لے اور رام سیٹھ اپنی زمین کی توسیع کے لئے دے دے اور وہ اس کو کارِ خیر سمجھ کر دے تو اس کو لے کر مسجد میں شامل کرلیں، بحالتِ مجبوری یہی صورت مناسب ہے: "فإذا تَمَّ (الوقف) ولزم، لایملك ولایباع ولایرهن، الخ". درمختار (۲)۔

اور بحر وغیرہ میں غیر مسلم کے وقف کی بحث بھی مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(ولوخرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، (وبه يفتى) حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد وغيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوقف، فصل: وأما حكم الوقف الجائز: ۶/۲۲۱، سعيد)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، ۳۵۳، سعيد)

(۳) "وشرطه شرط سائر التبرعات كحرمة وتكليف وأن يكون قربةً في ذلك معلوماً". (الدرالمختار). =

توسیعِ مسجد کے لئے حکومت سے امداد

سوال[۷۰۶۴]: ایک مقامی مسجد (پاکستانی مسجد) کی تعمیرِ جدید مسلمانوں کے عوامی چندہ سے مکمل ہوئی تھی، مگر اب نمازیوں کی کثرت اور روز افزوں زیادتی کی وجہ سے مسجد کی موجودہ عمارت بالکل ناکافی ہے اور مسجد کی تنگی نمازیوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہے، اس لئے مسجدِ مذکورہ کی مجلسِ انتظامیہ نے یہ طے کیا کہ مسجد کو وسیع کیا جائے، کیونکہ مسجد ہر چہار طرف سے عوامی شاہراہوں اور شہری عمارتوں میں گھری ہوئی ہے، اس لئے کسی طرف سے بھی وسیع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

بنابریں یہ طے ہوا کہ پختہ چھت ڈال کر اوپر کی طرف سے ایک اَور منزل تعمیر کی جائے، چنانچہ یہ مسئلہ سابق وزیر اعظم کے سامنے رکھا گیا، موصوف نے مسجد کی وسعت کے متعلق پورا اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ تعمیرِ جدید کے لئے نصف خرچ حکومتِ وقت سے دلا دیں گے، چنانچہ درخواست دی گئی اور موصوف کی سفارش سے موجودہ حکومت نے نصف خرچ دینا منظور کرلیا ہے، باقی نصف خرچ عوامی چندہ سے پورا کیا جائے گا۔

ملیشیا کے سربراہِ مملکت، مسلمان، وزیر اعظم اور ان کی رکنیت کے وزراء، نیز ممبرانِ پارلیمنٹ کی عظیم اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے، مگر طرزِ حکومت اور دستورِ مملکت جمہوری اور غیر اسلامی ہے۔

پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکومتِ مذکورہ کے خزانہ سے دی ہوئی رقم (جو کہ لاٹری بورڈ کے ٹیکس اور دوسری ہر قسم کی حلال وحرام اور جائز وناجائز اشیاء کے ٹیکسوں پر مشتمل ہو) مساجد کی تعمیر وتوسیع یا مرمت کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

= "أي یکون من حیث النظر إلی ذاته وصورته قربةً .... بخلاف الذمي، لما في البحر وغیره أن شرط وقف الذمي أن یکون قربةً عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس".

(الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۴۱، سعید)

"وأما الإسلام، فلیس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط کونه قربةً عندنا وعندهم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۱۶، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/ ۵۶۸، غفاریه کوئٹه)

واضح رہے کہ پورے ملک میں مذکورہ رقم سے بے شمار مساجد اور دینی مدارس تعمیر ہو چکے ہیں اور یہاں کے قابلِ ذکر اور متدین علماء نے اسے جائز اور حلال بتایا ہے۔ اس سلسلہ میں مخدومی جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مفتی پاکستان سے بھی رائے لی گئی ہے اور موصوف نے بھی اس مخلوط سرکاری رقم کو مساجد کی تعمیر وتوسیع کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ پس مسئلۂ مذکورہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ گذارش ہے کہ حضرت والا مسئلہ مذکورہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں اور حضرت والا کا فیصلہ ہی قول فیصل تصور کیا جائے گا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سرکار نے جب جائز اور ناجائز آمدنی کو مخلوط کر دیا اور اس مخلوط آمدنی سے مسجد کے لئے رقم دی تو اس کو حرام نہیں کہا جائے گا، اس کو لینا اور مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ چونکہ خلط استہلاک ہے، جب حکومت نے جائز وناجائز کو مخلوط کر دیا، اور اس پر قبضہ کرلیا تو حکومت اس کی مالک ہوگئی، اور حکومت نے جن سے غلط طریقہ پر لیا ہے ان کو ضمان دینا لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ضرورتِ مسجد کے لئے صحن کے درخت کاٹ دینا

سوال[۷۰۶۵]: ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کی، متولی نے (جبکہ مسجد کی کوئی کمیٹی نہ

---

(۱) "غالب مال المهدی إن حلالاً، لا بأس بقبول هدیته و أکل ماله، مالم یتعین أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا یقبلها ولا یأکل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی الهدیة والمیراث: ۶/۳۶۰، رشیدیه)

"اختلف الناس فی أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: یجوز مالم یعلم أنه یعطیه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالیٰ: و به نأخذ مالم نعرف شیئاً حراماً بعینه، وهو قول أبی حنیفة وأصحابه رحمهم الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا و الضیافات: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(۲) "من ملک أموالاً غیر طیبة أو غصب أموالاً وخلطها، ملکها بالخلط، ویصیر ضامناً". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب زکوة الغنم: ۲/۲۹۱، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب زکوة الغنم: ۱/۴۰۴، ۴۰۵، دارالمعرفة بیروت)

تھی) اس میں مختلف قسم کے درخت لگادیئے ہیں اور وہ جگہ مسجد میں شامل کرلی گئی تھی۔ اب ممبرانِ کمیٹی نے ان درختوں کو اکھاڑ کر موسم سرما میں دھوپ میں نماز پڑھنے کا اہتمام کردیا ہے۔ کیا یہ عمل درست ہے؟ متولی درخت اکھاڑنے پر راضی نہیں اور قوم اکھاڑنا چاہتی ہے۔ کیا ان درختوں کو اکھاڑ کر نماز کے لئے جگہ بنایا جاسکتا ہے؟ صرف ایک درخت پھلدار ہے، باقی سب بغیر پھل کے ہیں اور ان سے آمدنی کچھ بھی نہیں ہوتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا صحن نماز کے لئے ہے، وہاں درخت لگانا ہی ٹھیک نہیں، الّا یہ کہ مسجد کے مصالح کا تقاضہ ہوتو دوسری بات ہے، مثلاً وہاں پانی کا اثر ہو کہ وہ درختوں میں جذب ہوسکتا ہے، درمختار اور شامی میں اس کی تصریح ہے(۱)۔ اگر مصالحِ مسجد کا تقاضا یہ ہے کہ صحن کو درختوں سے صاف کردیا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے(۲)، اس میں کسی کو ضد نہیں کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



---

(۱) "ویکرہ .... غرس الأشجار إلا لنفع کتقلیل نز وتکون للمسجد". (الدر المختار). "قال فی الخلاصة: غرس الأشجار فی المسجد لابأس به إذا کان فیه نفع للمسجد، بأن کان المسجد ذا نز والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لایجوز". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۰، ۶۶۱، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، فصل: ویکره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، باب مایفسد الصلوة، ومایکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۶۲، رشیدیه)

(۲) "ویکره غرس الشجر فی المسجد؛ لأنه تشبیهٌ بالبیعة وشغلٌ لمکان الصلوة، إلا أن تکون فیه منفعةٌ للمسجد". (الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، فصل: کره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، فصل فی المسجد: ۱/۶۵، رشیدیه)

الفصل السابع فی التصرف والتعمیر فی المسجد

(مسجد میں تصرف اور تعمیر کرنے کا بیان)

مسجد کی خالی جگہ میں دوکان بنانا

سوال[۷۰۶۶]: ایک پرانی مسجد ہے،جس میں دیوارحرم کے آگے محرب کی دائیں بائیں جگہ خالی ہے،اس کونشہ بازقسم کے لوگ اپنے مشغلہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔مسجد کی اس خالی جگہ پرآمدنی اور مذکورہ گندگی سے صفائی کی خاطر دوکانیں بنادی جائیں تو درست ہے یانہیں؟اس مسجد کی شمالی دیوارحرم سے متصل گندی گلی ہے جس میں غلاظت کی نالی بہتی ہے،نیز دوسری سمت کے باشندے گندگی اور غلاظتیں پھینکتے ہیں،جگہ چونکہ میونسپلٹی کی ہے،اس لئے ہم کسی کو روک بھی نہیں سکتے ہیں۔

اس مسجد کی تعمیر اور توسیع کا کام ہونے والا ہے تو اگر شمالی دیوار کو اپنی جگہ پر بغیر کھڑکیوں کے اونچا کردیں اور وہاں سے نو دس فٹ جنوب سے نئے حرم کی دیوار لیں جس میں ہوا اور روشنی کے لئے کھڑکیاں وغیرہ ہوں تو اس چھوڑی ہوئی جگہ پر بھی نماز پڑھنے کا انتظام رہے گا تو ایسا کرنا درست ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کی اس خالی جگہ میں مسجد کی آمدنی کے لئے اور گندگی سے صفائی کی خاطر دوکانیں بنوادینا درست ہے(۱)،جس دیوار کو بھی مصالحِ مسجد کے لئے بلند کرنے کی ضرورت ہو بلند کرسکتے ہیں۔پھر کھڑکیوں کا اس میں رکھنا مناسب ہو تو رکھیں،نہ رکھنا مناسب ہو تو نہ رکھیں۔باہمی مشورہ بھی کرلیا جائے تاکہ کسی کو اعتراض نہ ہو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر، یرغب الناس فی استیجار بیوتها، وتکون غلة ذلک =

نیچے دوکانیں اوپر مسجد

سوال[۷۰٦۷]: زید ایک قطعۂ زمین جن کا رقبۂ اراضی سات یا سواسات بیسہ ہے(۱)، اس میں پانچ یا چھ دکانیں بنوا کر اوپر منزل پر مسجد تعمیر کراتا ہے، نیچے کی دکانوں کا کرایہ وصول کرکے اپنے صرف میں لاتا ہے اور مسجد کے واسطے کچھ نہیں دیتا، یہ کہتے ہوئے کہ میں نے مسجد کو اوپر والی منزل پر تجویز کیا ہے، نہ کہ زمین پر، حالانکہ کہ زمین خداوند تعالیٰ کی ساخت ہے، مسجد کے خرچ کی کفالت کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ مگر بکر اعتراض کرتا ہے کہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر عرش معلیٰ تک شمار ہوتی ہے اور اگر بالفرض بوجۂ حادثاتِ زمانہ چھت تباہ ہوجائے تو مسجد بھی اور مسجد کی زمین مسمّٰی بھی کالعدم ہونے کا خدشہ ہے، لہذا یہ خیال غلط ہے۔

زید کہتا ہے کہ میں نے پہلے نیت ہی ایسی کی تھی کہ نچلی دوکانیں میری ملکیت ہوں گی اور اوپر کی وقف۔ جناب مولوی صاحب! چونکہ امر متنازعہ فیہ خاص قسم کا ہے جس کے واسطے جناب سے فتویٰ پوچھنا ضروری ہے، لہذا فتویٰ بمع حوالاجات تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورت مسئولہ میں یہ مسجد شرعی نہیں ہوئی، اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، اگر یہ زمین پہلے سے مسجد کے لئے وقف تھی، زید کی ملکیت نہیں تھی تو زید کو ان دوکانوں وغیرہ کا کرایہ اپنے کام میں لانا ہرگز جائز نہیں، مسجد میں صَرف کرنا واجب ہے اور یہ دوکانیں مسجد ہی کی ہوں گی اور مسجد شرعی ہوگی:

"ومن جعل مسجداً تحته سرداب أوفوقه بيت، وجعل باب المسجد إلىٰ الطريق وعزله، فله أن يبيعه، إن مات يورث عنه. ولوكان السرداب لمصالح المسجد، جاز، كمافي

= فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(۱) "بیسہ: بیس بسوے، ایک بیگھہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵٦، فیروز سنز، لاهور)

اگلے صفحہ میں بیگھ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بیگہ: زمین کی ایک مقدار، چار کنال یا ۸۰/ مرلے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۷، فیروز سنز، لاهور) ان دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "بیسہ" ایک مرلہ کو کہتے ہیں، جو کہ "کنال" کا بیسواں حصہ ہے۔

بيت المقدس. كذافي الهداية". فتاویٰ عالمگیری: ۲/۴۵۵ (۱)۔

"وإذا كان السرداب والعلو لمصالح المسجد، أو كان وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ. شرنبلالية. قال في البحر: حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية، الخ". ردالمحتار: ۳/۵۷۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

نیچے دوکان اور اوپر مسجد

سوال [۷۰۶۸]: زید اپنی دوکان کے بالائی حصہ پر مسجد بنوانا چاہتا ہے اور وقف بھی صرف اتنے حصہ کو کیا تھا جس کے متعلق یہ معلوم ہوگیا کہ جب تک اوپر اور نیچے ہر دو حصے مسجد کے نامزد نہ ہو جائیں گے، وہ مسجد شرعی مسجد نہ ہوگی، اگرچہ نماز، جماعت صحیح ہو جایا کرے گی، مگر وہ مسجد دوامی نہ ہوگی۔ زید کو یہ داعیہ اس لئے ہوا کہ جس جگہ زید نے مسجد بنوانے کا ارادہ کیا ہے، دیگر مساجد وہاں سے فاصلہ پر ہیں جس کی وجہ سے وہاں سے قریب جو مسلمان ہیں وہ نماز میں کوتاہی کرتے ہیں۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۵، رشيديه)

"وفي الجامع الصغير: رجل جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق، وعزله عن ملكه، فإنه لا يصير مسجداً، حتى لو مات يُورث عنه، وله أن يبيعه حال حياته". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب الوقف، والمسجد، ص: ۲۲۶، ۲۲۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

"وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

نیز یہ جگہ بازار میں ہے، قریب سے روڈ گیا ہے، جس کی وجہ سے امید ہے کہ بس اڈہ بن جائے اس اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ وہاں پر ایک مسجد بن جائے کہ مسافر اور بازار والوں کو سہولت رہے اور وہاں کے قریبی مسلمان اغلب ہے کہ نمازی بن جائیں (مسجد کی تعمیر کے بارے میں انفرادیت سے اگر مضائقہ ہوتو اَور بھی لوگ چندہ دینے کے لئے بخوشی تیار ہیں)۔

اس جگہ کے علاوہ اور اِدھر اُدھر ہٹنے میں غیر مسلموں کے مکانات ہیں جو کبھی مفسدہ کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد مسجد جس دوکان پر بنوائی جائے گی، اس کی حیثیت یہ ہے کہ اس کے اندر ٹیوب ویل اور تیل کی مشین ہے جو کہ بکر کی شرکت میں ہے جس کا منتقل کرنا دشوار ہے۔ اس قضیہ کے سلجھانے کی خاطر مندرجہ ذیل صورتوں میں کیا حکم مرتب ہوگا:

الف: دوکان کے اوپر مسجد بنوا کر مسجد کے پانی اور روشنی کا انتظام خود دوکان والے کردیں گے۔

ب: دوکان والوں سے کرایہ لیں اور پھر روشنی اور پانی کا انتظام مسجد اپنے خرچ سے کرے۔

ج: تحتانی اور فوقانی دونوں حصوں کو وقف کردیں، مگر ٹیوب ویل اور مشین اپنی ہی جگہ پر رہے، جو کرایہ مناسب سمجھیں مسجد کو ادا کردیا کریں۔ جب کبھی مسجد کو ضرورت پڑے گی دوکان کو خالی کرالے گی، اگر خالی نہ کرانے کی صورت میں مسجد کو پانی اور روشنی بسہولت مہیا ہوجائے گی۔

مذکورہ معروضات واقف کی طرف سے ہوں گے یا اہلِ قصبہ کی طرف سے کہ یہاں متولی کی قائم مقامی عوامی پنچایت کرتی ہے؟ امید ہے جواب سے جلد ہی سرفراز فرمائیں گے۔

نسیم اللہ مظاہری، مدرسہ باب العلوم، باپو گنج پرتاب گڈھ (یوپی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصۂ زمین کو شرعی مسجد بنایا جائے یعنی نماز کے لئے متعین ومخصوص کیا جائے وہ بالائی وتحتانی (ثریٰ سے ثریا تک) سب ہی جگہ مسجد ہوجاتی ہے(۱)، اس طرح کہ اس سے حق العبد منقطع ہوجاتا ہے۔ نیچے دوکان

(۱) "وكره تحريماً الوطء فوقه .... لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

کرایہ پر چلے اوپر مسجد ہو، یہ ٹھیک نہیں (۱)، جب کہ نیچے کا حصہ بھی مسجد ہوگا تو وہاں خرید وفروخت اور تمام لوازمِ بیع کا صدور ہوگا (۲)، گفتگو میں بھی احترامِ مسجد باقی نہ رہے گا، پاک وناپاک ہر قسم کا آدمی بھی آئے گا۔ ناپاکی جوتوں میں، کپڑوں میں، بدن میں ہوگی، ہر ایک کی تفتیش دشوار ہوگی، آج کل کرایہ دار سے دوکان خالی کرالینا بھی آسان کام نہیں۔

الف، ب، ج: کی مصالح ومفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس اقدام سے روکا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

نیچے مسجد اوپر رہائش گاہ

سوال [۷۰۶۹]: یہاں بمبئی میں ایک دوجگہ پر کچھ اہلِ خیر حضرات نے اپنی جگہ پر مسجد قائم کرلی،

---

(۱) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراءكم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

"ويكره كل عملٍ من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: ويكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهيل اكيڈمى، لاهور)

اس میں ایک جگہ پر تو جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، مگر اشکال طلب امر یہ ہے کہ وہ دونوں مسجد کے اوپر رہائش گاہ بھی ہے، سب لوگ رہتے بھی ہیں۔ تو کیا وہ مسجد کے حکم میں مانی جائے گی؟ اور وہاں جماعتِ ثانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس پر مسجد کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟ اور جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا ہے، صرف پنجوقتہ نماز ہوتی ہے اور اس کے اوپر بھی رہائش ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک وقف کر کے اس سے ملکیت کے حق کو ختم کر کے اس کا راستہ ہی الگ نہ کر دیا جائے اور اس میں سب کو آنے اور نماز پڑھنے کا پورا اختیار نہ دے دیا جائے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی (۱)۔ اوپر کے حصہ میں خود مالکانہ حیثیت سے رہیں اور نیچے کے حصہ میں اذان و جماعت ہونے لگے، اتنی بات اس کے مسجد ہونے کے لئے کافی نہیں (۲)، وہاں جماعتِ ثانیہ کی اجازت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "من بنی مسجداً، لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویأذن بالصلوة فیه .... فلو جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس فی الدخول والصلوة فیه، إن شرط معه الطریق، صار مسجداً فی قولهم، وإلا فلا". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۴، ۴۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۵/۴۱۹، ۴۲۰، رشیدیه)

(۲) "وفی الجامع الصغیر: رجلٌ جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بیت، وجعل باب المسجد إلی الطریق وعزله عن ملکه، فإنه لایصیر مسجداً، حتی لومات یورث عنه، وله أن یبیعه حال حیاته".

(التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف، فصل: ۲/۶۴۴، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۳) "ویکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق أو مسجدٍ لا إمام له ولا مؤذن". (الدر المختار). "ولو کرر أهله بدونهما أو کان مسجد طریق، جاز إجماعاً، کما فی مسجد =

دیوارِ مسجد میں دوکان کی الماری بنانا

سوال[۷۰۷۰]: ایک مسجد لبِ سڑک ہے جس کا فرش قدِ آدم سے بھی دوفٹ زیادہ اونچا ہے، مسجد کی ایک دوکان چھوٹی سی ہے، اگر وسعت دینے کے لئے ایک چھوٹی سی الماری بنادی جائے جس میں سامان خیاطی رکھا جاسکے، یہ الماری فرشِ مسجد سے نیچے کی طرف ہوگی۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ شرعاً مسجد ہوتی ہے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہوتی ہے، دیوارِ مسجد میں اس طرح الماری بنانا کہ وہ فرشِ مسجد سے نیچے پڑتی ہو، اور اسے کرایہ پر دینا، ذریعۂ آمدنی بنانا شرعاً درست نہیں (۱)، خواہ وہ الماری خیاطی کے لئے یا کسی اَور سامان کے لئے ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۴ھ۔

حفاظت وبقائے مسجد کے لئے صحنِ مسجد میں دکانیں بنانا

سوال[۷۰۷۱]: مسجد گلزار شاہ کے کچے شرقی صحن میں سے کچھ صحن جو پاپوش اتارنے کے لئے

= لیس له إمام ولامؤذن، ویصلی الناس فیه فوجاً فوجاً". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سعید)

(۱) "قیّم المسجد لایجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسکناً، تسقط حرمته، وهذالایجوز، والفناء تبع المسجد، فیکون حکمه حکم المسجد، کذا فی محیط السرخسی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۴۶۲، رشیدیه)

"قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ: لایجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعید)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الثامن فی المتفرقات: ۶/۲۸۵، رشیدیه)

استعمال ہوتا تھا، بٹوارہ سے بہت پیشتر پتھروں سے پختہ کرکے مسجد کے فرش میں ملایا گیا تھا۔ مسجد کی ہر چہار سمت غیر مسلم آبادی سے گھری ہوئی ہے اور آس پاس بھی اس وقت کوئی مسلمان آباد نہیں۔ مسجد کی کوئی آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے روشنی اور پانی تک کا کوئی انتظام نہیں، نہ کوئی صف، نہ مؤذن، نہ امام، بٹوارہ کے بعد کچھ غیر مسلم مسجد کو رہائش گاہ بنا کر رہتے رہے۔ مسجد حُکّام کی مداخلت سے خالی ہوگئی۔

اس کس مپرسی کے عالم میں اب بھی مسجد کا غسل خانہ پائخانہ کی جگہ استعمال ہوتا رہا ہے۔ کیا مسجد کے مفاد کے لئے کچھ جگہ جو صحن غسل خانہ اور گزرگاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کی دوکان بنائی جاسکتی ہے؟ اور اس کے بعد بھی کافی صحن باقی رہتا ہے، تاکہ آمدنی کا ذریعہ ہوکر مسجد کی روشنی، پانی، صفوں اور مؤذن کا معقول انتظام ہوسکے۔ یہ دوکان ایک مسلمان کے صَرفہ سے تعمیر ہوگی جو ملکیت مسجد کی رہے گی اور وہ مسلمان محض کرایہ دار کی حیثیت سے مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار رہے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حصۂ زمین ایک دفعہ مسجد بن جائے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہتا ہے، اس کو مسجد سے خارج کرکے دوکان وغیرہ بنانا درست نہیں (۱)۔ جوتے اتارنے کی جگہ کو جو حصۂ مسجد نہیں تھا پختہ فرش میں داخل کرنا اگر واقف یا قائم مقام واقف کی اجازت سے نہیں تھا، بلکہ ویسے ہی کسی ایک یا متعدد آدمیوں نے داخل کرلیا تھا تو وہ حصہ شرعی مسجد نہیں بنا (۲)۔ مسجد کے مصالح کے لئے اصحاب الرائے حضرات کے مشورہ سے اتنا حصہ دوکان کے لئے

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسى". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذافى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيديه)

(۲) "ثم التسليم فى المسجد أن يصلى فيه بالجماعة بإذنه". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الأول: ۴۵۴/۲، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۰/۵، إدارة القرآن كراچى)

الگ کرلینا درست ہے(۱) تاکہ مسجد کے لئے آمدنی اور حفاظت کا انتظام بسہولت ہوسکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور اوپر ہال بنانا

سوال[۷۰۷۲]: ہمارے شہر اندور میں تقریباً سوسال پرانی ایک جامع مسجد کو منہدم کرکے از سرِ نو تعمیر کی گئی، مسجد کی تعمیرِ جدید کے لئے جو کمیٹی بنائی تھی اس نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا تھا کہ مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور مسجد کے اوپر وسیع ہال تعمیر کیا جائے۔ تہہ خانہ کو جماعت خانہ کے طور پر اور مسجد کی بالائی منزل کو مدرسہ کیلئے اور تقریبات: شادی بیاہ، عقیقہ وغیرہ مواقع پر لوگوں کو کھانا کھلانے اور باراتیوں کو ٹھہرانے کیلئے جن میں مرد و عورتیں، بوڑھے بچے، نمازی بے نمازی سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ نیز دیگر کاموں کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ تہہ خانہ اور بالائی منزل کا کرایہ بھی وصول کیا جائے گا، تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو۔

مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی ہے اور اب مسجد کی موجودہ شکل یہ ہے کہ نیچے ایک تہہ خانہ ہے اور درمیان میں مسجد اور مسجد کے اوپر ہال، جبکہ مسجد کی تعمیرِ جدید سے قبل اس کے نیچے کوئی تہہ خانہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اَور منزل تھی۔ مسجد کے شمال میں ایک گلی ہے، تہہ خانہ اور مسجد کی بالائی منزل کے دو راستے ہیں: ایک راستہ مسجد کے اندر سے ہے اور دوسرا راستہ باہر گلی میں ہے۔

اس کے علاوہ محلّہ میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جس کو تقریبات کے لئے، یا بطورِ جماعت خانہ کے استعمال کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں محلّہ کے لوگوں کے اذہان مختلف ہیں: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تہہ خانہ اور اوپر والے حال کو جماعت خانہ اور تقریبات کے لئے استعمال کرنا درست ہے اور چونکہ متبادل کوئی جگہ محلے میں نہیں اس لئے

---

(۱) "وسئل الخجندی عن قیّم المسجد یبیح فناء المسجد لیتّجر القوم، هل له هذه الإباحة؟ فقال: إذا كان فيه مصلحة للمسجد، فلا بأس به إن شاء الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/ ۳۲۰، رشيديه)

"قال في الخلاصة: وهذا دليل على أن المسجد إذا احتاج إلى نفقة، تؤاجر قطعةٌ منه بقدر ماينفق عليه، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۳۹، رشيديه)

مجبور بھی ہیں، لہذا بحالتِ مجبوری اجازت ملنی چاہیے۔

اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد کی اوپر والی منزل بھی مسجد کے حکم میں ہے، لہذا اس کا استعمال بطورِ جماعت خانہ اور باراتیوں کے قیام کے لئے جائز نہیں ہے، البتہ تہہ خانہ کو جماعت خانہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ تفصیل کے پیش نظر دریافت طلب امور یہ ہیں:

(الف) ازروئے شرع مسجدِ مذکور کے تہہ خانہ اور بالائی منزل کا کیا حکم ہے، وہ مسجد کے حکم میں ہیں یا خارج از مسجد؟

(ب) محلّہ میں جماعت خانہ یا تقریبات منانے کے لئے کوئی اَور جگہ نہیں ہے اور نہ مستقبل میں کوئی ایسی جگہ میسر آسکتی ہے، ایسی مجبوری کی حالت میں مسجد کے تہہ خانہ اور بالائی منزل کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں، یا بلا کرایہ تقریبات کے لئے یا باراتیوں کو ٹھہرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف، ب) جس جگہ کو مسجد بنائی جائے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہی ہوتی ہے، وہاں کوئی ایسا کام جو احترام مسجد کے خلاف ہو، وہ ممنوع ہے۔ مسجد کے بالائی حصہ یا تحتانی حصے کسی جگہ سے بھی حق العبد متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ہال تقریبات کے لئے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہل تقریبات کو اس کے استعمال کا حق ہو اور ان میں وہ کام بھی ہوں جن سے مسجد کو بچانا لازم ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں۔ تہہ خانہ مسجد کا سامان چٹائی وغیرہ رکھنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں، یہ احترام مسجد کے خلاف نہیں ہے:

"وكره تحريماً الوضوء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، اهـ".

درمختار۔ "ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه، اهـ. .... "(قوله: إلى عنان السماء) –بفتح العين– وكذا إلى تحت الثرىٰ .... ولو جعل تحته سرداباً لمصالحه، جاز".

شامی: ۱/۴۸۵(۱)۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"قوله: (والوطء فوقه والبول والتخلي): أي وكره الوطء فوق المسجد وكذا البول والتغوط؛ =

املاہ العبد محمود غفرلہ، چھتہ مسجد، دار العلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا

سوال[۷۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ:

مسجد شیخ فرخ میں جگہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے سوختہ مکانوں کی چھتوں پر رکھا جاتا ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے، متولیان نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور یہ تدبیر سوچی ہے کہ فرشِ مسجد میں جانب جنوب ایک تہہ خانہ تعمیر کردیا جائے جس سے یہ ضرورت رفع ہوجائے۔ یہ تہہ خانہ پہلے سے قائم نہیں ہے، جدید قائم کیا جائے گا، فرشِ مسجد بدستور ہموار رہے گا، محض فرش کے نیچے تصرف کیا جائے گا۔ اگر یہ صورت جائز ہوتو تحریر فرمائیں۔

فقط والمرقوم، ۱۰/ دسمبر/ ۳۸ء۔

سائل محمود حسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا تصرف ناجائز ہے، کوئی اور انتظام کیا جائے:

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح. أما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، منع. ولو قال: عنيتُ ذلك، قال: لم يصدق، تاتارخانية. فإذا كان هذا في الواقف، فكيف

= لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء بمن تحته، و لا يبطل الاعتكاف بالصعود إليه، ولايحل للجنب الوقوف عليه. والمراد بالكراهة كراهة التحريم". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/ ۶۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/ ۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

بغيره، فيجب هدمه ولوعلى جدار المسجد". درمختار: ۱/ ۵۳۷۔ "معٗ أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً. "(قوله: لو بنى فوقه بيتاً للإمام): أي وهوفي يده قبل أن يخلي بينه وبين الناس ليصلوا فيه، كذا يفاد من البحر.......... (قوله: عنيت ذلك): أي قصدت بناء البيت حال بناء المسجد". طحطاوی: ۲/ ۵۳۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ۷/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رجب/ ۵۷ھ۔

مسجد کا کچھ حصہ چھوڑ دینا

سوال [۷۰۷۴]: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے بالکل پی ڈبلیوروڈ کے متصل، پرانی مسجد کو منہدم کر کے نئی مسجد تعمیر کرتے وقت ــــ ہاتھ چھوڑ کر شمال کی طرف ڈھائی ہاتھ بڑھائی ہے۔ جدید معترین حضرات یہ کہتے ہیں کہ جب کہ ہم نئی مسجد تعمیر کرا رہے ہیں، تو کچھ بجانبِ شمال ہٹالیں تاکہ کار، موٹر، سامان وغیرہ کی آمد ورفت میں ٹھوس دھکا وغیرہ نہ لگے۔ دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ راستہ سے تین فٹ زمین گورنر کی ہے اسے چھوڑ دینا چاہئے، لیکن اس زمین کا عوض جو گورنر سے لیا جاتا ہے وہ واقفِ زمین نے نہیں لیا ہے، کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیز جو نئی مسجد تعمیر کی ہے اس میں لوہے وغیرہ سے احاطۂ مسجد بنایا ہے، محراب کا بھی نقشہ بنوا کر قدیم محراب سے شمال کی طرف ہٹوالیا، اس کو اگر پھر دوبارہ منہدم کر کے بجانبِ جنوب لیا جائے تو مسجد کا مال مزید ضائع ہوجائے گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ وجوہات کی بناء پر معترین حضرات کو یہ کام کرنا ازرُوئے شرع کیا حکم ہے؟ نیز جو دو ہاتھ ہٹا کر مسجد بنانا شروع کیا ہے اسے احاطۂ مسجد میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے، اگر اسے دیوار سے کردیں تو شرعاً مفصل جواب عنایت فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ مسجد بن چکی ہے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے، اس کو چھوڑنے اور مسجد سے علیحدہ کرنے کا حق نہیں، البتہ جو حصہ مسقّف ہو وہ کچھ صحن میں آجائے، یا اس کا عکس ہوجائے تو مضائقہ نہیں، مگر رہے مسجد ہی میں، اس

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الوقف: ۲/ ۵۳۷، دارالمعرفة بيروت لبنان)

سے خارج نہ ہو، نہ کسی اَور کام میں اس کو لایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۵/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۵/۱۱/۹۲ھ۔

مسجد کی چھت سے بجلی کے تار گذروانا

سوال[۷۰۷۵]: مسجد کے عقب میں کوئی راستہ نہیں ہے، کچھ اشخاص کی اَراضی بلا تعمیر پڑی ہوئی ہے، اگر کوئی شخص یا چند اشخاص مسجد کے شمال کی جانب بجلی محکمۂ بجلی سے لینا چاہیں اور وہ اراضی کے مالکان اجازت نہ دیں تو کیا مسجد کی چھت پر سے بجلی کے تار گذروا دیئے جائیں؟ اس کے کچھ اشخاص مخالف ہیں کہ بجلی کے تار گذروانے سے بجلی لینے والوں کو قانونی حق ہو جائے گا۔ مسجد کو دوبارہ ازسرِ نو تعمیر کرانا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افتادہ اراضی کے مالکان اجازت نہیں دیتے، قانونی حق سے تحفظ کے لئے تو یہ خطرہ مسجد کو بھی ہوگا، پھر جب کہ مسجد کو ازسرِ نو تعمیر کرانا بھی تجویز ہے تو اس کا لحاظ بھی رکھا جائے کہ تعمیر کے وقت پریشانی لاحق نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲/۷/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲/۷/۹۱ھ۔

مدرسہ والوں کے آنے جانے کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار میں دروازے بنانا

سوال[۷۰۷۶]: مسجد کے مغربی حصہ میں قبرستان تھا، وہاں پر اسلامی مدرسہ بنا تو مدرسہ والوں نے

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی، حاوی القدسي". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل في ألفاظ الوقف: ۲۸۸/۳، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

مسجد کی مغربی دیوار کو توڑ کر تین دروازہ بنایا جس سے طلباء آتے جاتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔ تو اس طرح دروازہ کرنا اور مدرسہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ مدرسہ کا اپنی آمد ورفت کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار توڑ کر تین دروازے نکالنا غلط طریقہ ہے، جو مسجد میں آنے کا عام راستہ ہے اس سے آنا جانا چاہیے، یہ تصرف غلط ہوا (۱)۔ مدرسہ مسجد کی جس سمت پر حسبِ مصلحت ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۵ھ۔

مسجد کی چھت پر مائیک کی حفاظت کے لئے حجرہ بنانا

سوال [۷۰۷۷]: مسجد کی چھت پر لاؤڈ اسپیکر کا مائک رکھا ہوا ہے اور اس کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے گنبد کے پاس تین فٹ مربع گھر بنا دیا گیا ہے تا کہ اس کی حفاظت ہو سکے۔ تو چھت پر اس قسم کا اضافہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مقصد کے لئے ایسی جگہ یہ اضافہ درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) "دارٌ لمدرس المسجد مملوكةٌ أو مستأجرةٌ متصلةٌ بحائط المسجد، هل له أن ينقب حائط المسجد ويجعل من بيته باباً إلى المسجد، وهو يشترى هذا الباب من مال نفسه؟ فقالوا: ليس له ذلك وإن شرط على نفسه ضمان نقصان ظهر فى حائط المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(۲) "لو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لايستحب ذلك، و لكنه لو جعل فى الابتداء هكذا، صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف الذى تحته". (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۱، دار الكتب العلمية بيروت) ....=

مسجد کی چھت پر لاوڈ اسپیکر کے لئے الماری بنوانا

سوال[۷۰۷۸]: مسجد کے اوپر کے حصے میں گنبد کے قریب صندوق کے طور پر اینٹ کی پختہ الماری -جس کی لمبائی چوڑائی تین تین فٹ اوراونچائی دوفٹ کے قریب ہوگی- بنوائی جائے، تاکہ لاوڈ اسپیکر کی مشین بحفاظت رکھی جاسکے اوراذان کے وقت استعمال کی جاسکے۔تعمیر کی جاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

خارجِ مسجد الماری ایسی جگہ بنائیں کہ وہاں رکھے ہوئے لاوڈ اسپیکر کواستعمال کرنے کیلئے مسجد کی چھت پر جانے کی نوبت نہ آئے تو بہتر ہے، کیونکہ فقہانے مسجد کی چھت پر بے ضرورت چڑھنے کومکروہ لکھا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۷ھ۔

دیوارِ مسجد کی مرمت کی بجائے سائبان بنانا

سوال[۷۰۷۹]: ایک مسجد ہے جس کی دیوار کچی ہے،زید کہتا ہے کہ میں اس کی دیوار میں پختہ اینٹیں لگواکر سائباں بنادوں گا جس سے مسجد مضبوط ہوجاوے گا اور میرا کام بھی ہوتا رہے گا تو کیا زید کا اس مسجد کی دیوار میں اس نیت سے اینٹیں لگوانا جائز ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کی مرمت یا پختگی اورضروریات کے پورا کرنے میں تو کوئی تردد نہیں کہ یہ سب چیزیں مستحسن اور باعثِ اجر ہیں (۲)۔اوراس کا مطلب ''میرا کام بھی ہوتا رہے گا'' سمجھ میں نہیں آتا،اس کام کی تفسیر معلوم ہونے

= "لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۱) "الصعود على سطح كل مسجد مكروه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، الخ: ۳۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "عن عكرمة قال: قال لي ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ولابنه عليّ: انطلقا إلى أبي سعيد فاسمعا =

پراس کا حکم تحریر کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف۔

احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ بنانا

سوال [۷۰۸۰]: جامع مسجد شیخ پورہ پرتگال پورہ جو کہ پانی کے بہم ہونے تک ایک کلومیٹر کا فاصلہ ہے، بوجۂ عوام کی سہولت کے مسجد شریف کے اندر طہارت خانہ عمل میں لایا گیا، ٹیوب ویل مسجد کے باہر ہے، مسجد کے دروازہ کے ساتھ ہی طہارت خانہ قائم کیا گیا ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مسجد کے اندر طہارت خانہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بنادی گئی اور نماز جماعت کے لئے مخصوص کردی گئی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن گئی، پھر اس کا کوئی بھی حصہ دوسرے کام کے لئے مخصوص ومتعین کر دینا جائز نہیں، مثلاً: طہارت خانہ، غسل خانہ بنادینا کہ وہاں نماز نہ پڑھی جاسکے درست نہیں، البتہ مسجد سے متعلق جو زمین زائد موجود ہو اگر چہ وہ اسی احاطہ میں ہو وہاں طہارت خانہ وغیرہ بنادینا درست ہے:

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضرّ؛ لأنه من المصالح. أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع. ولو قال: عنيتُ ذلك، لم يصدق، تاتارخانيه. فإذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية، اه". درمختار (۱)۔

= من حديثه، فانطلقنا، فإذا هو فى حائط يصلحه، فأخذ ردآءه، فاحتبى، ثم أنشأ يحدّثنا حتى أتى على ذكر بناء المسجد، فقال: كنا نحمل لبنةً لبنةً وعمار لبنتين لبنتين، فرآه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجعل ينفض التراب عنه، الخ". (صحيح البخارى: ۱/۶۴، كتاب الصلاة، باب التعاون فى بناء المسجد، الخ، قديمى)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"(قوله: ولو على جدار المسجد) مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً، اهـ. ونقل في البحر قبله: ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه، اهـ. قلت: وبه علم حكم مايصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره، فإنه لايحل ولو دفع الأجرة. (قوله: ولا أن يجعل، الخ) هذا ابتداء عبارة البزازية، والمراد بالمستغل أن يوجر منه شئ لأجل عمارته، وبالسكنى محلها. وعبارة البزازية على ما في البحر: ولامسكناً، وقد ردّ في الفتح مابحثه في الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة، توجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح. قلت: وبهذا علم أيضاً حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولاسيماً مايترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه، اهـ". ردالمحتار: ۲۷۱/۳ (۱)۔

اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے قریب راستہ بہت کشادہ ہو تو کچھ حصہ راستہ کا مسجد میں داخل کر لینا درست ہے جب کہ گذرنے والوں کو ضرر نہ ہو۔ اگر مسجد کشادہ ہو اور راستہ تنگ ہو تو مجبوراً مسجد میں گذرنے کی گنجائش ہے، مگر اس کی وجہ سے اس کی مسجدیت ختم نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ باقی رہے گی:

"جعل شئ: أي جعل الباني شيئاً مِنَ الطريق مسجداً لضيقه ولم يضرّ بالمارّين، جاز؛

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"لوبنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الإمام، فإنه لايضر في كونه مسجداً ؛ لأنه من المصالح. فإن قلت: لوجعل مسجداً ثم أراد أن يبني فوقه بيتاً للإمام أو غيره هل له ذلک؟ قلت: قال في التتارخانية: إذا بنى مسجداً وبنى غرفةً وهو في يده، فله ذلک. وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلک يبني، لايتركه. وفي جامع الفتاوىٰ: إذا قال: عينت ذلک، فإنه لايصدق، اهـ. فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه، ولايجوز أخذ الأجرة. وفي البزازية: ولايجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۴/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

لأنهما للمسلمين كعكسه: أى كجواز عكسه، وهوما إذا جعل فى المسجد ممرّ لتعارف أهل الأمصار فى الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمرّ فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والدواب، زيلعى. كما جاز جعل الإمام الطريق مسجداً لاعكسه، لجواز الصلوة فى الطريق لا المرور فى المسجد، اه". درمختار۔

"(قوله: لجواز الصلوة فى الطريق) فيه أن الصلوة فى الطريق مكروهة كالمرور فى المسجد، فالصواب لعدم جواز الصلوة فى الطريق، كما قدمناه عن جامع الفصولين، يعنى أن فيه ضرورةً، وهى أنهم لو أرادوا الصلوة فى الطريق، لم يجز، فكان فى جعله مسجداً ضرورة، بخلاف جعل المسجد طريقاً؛لأن المسجد لايخرج عن المسجدية أبداً، فلم يجز، اه".

ردالمحتار،ص: ٣٨٤(١)۔ *فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔*

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۵ھ۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى جعل شئ من المسجد طريقاً: ۳۷۷/۴-۳۷۹، سعيد)

"(وإن جعل شئ من الطريق مسجداً، صح كعكسه) معناه: إذا بنى قوم مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتسع، فأدخلوا شيئاً من الطريق فى المسجد، وكان ذلك لايضرّ بأصحاب الطريق، جاز ذلك. وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرضٌ، تؤخذ أرضه كرهاً، لماروى عن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم أنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكرهٍ من أصحابها بالقيمة، وزادوا فى المسجد الحرام. (وقوله كعكسه): أى كما جاز عكسه، وهوما إذا جعل فى المسجد ممرّ لتعارف أهل الأمصار فى الجوامع،وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والنفساء، لما عرف فى موضعه". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل: ومن بنى مسجداً: ۲۷۳/۴، ۲۷۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۸/۵، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، ۸۴۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، ۴۵۷، رشيديه)

مسجد کے اندر رہنے یا دفتر وغیرہ کے لئے کمرہ بنانا

سوال[۷۰۸۱]: مسجد کا اندرونی حصہ ہے، اصل میں مسجد کی زمین تین کونے والی ہے، جب مسجد بنائی گئی تو سیدھی بنائی گئی ہے، ایک کونہ اس کا بچا رہا، لیکن مسجد کے بیرونی حصہ فرش میں اس کو بھی شریک کرلیا گیا، اور جمعہ کے دن جب لوگوں کی کثرت ہوتی ہے تو اس میں بھی لوگ نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس حصہ میں مسجد کا ایک کمرہ بنا دیا گیا جس میں اب مدرسہ کے بچے رہا کریں گے، یا مدرسین رہیں گے، یا ناظم صاحب کا دفتر ہوگا جو کہ مسجد کے امام بھی ہیں۔ کیا اس کمرہ کو جو مسجد ہی کے حصہ میں بنایا گیا ہے رہنا، سونا یا دفتر بنانا جائز ہے یا نہیں، یا امام کے لئے اس حجرہ کو استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ جگہ بھی نماز کے لئے ہی وقف اور متعین کردی گئی ہے تو اب اس جگہ مستقلاً امام یا ناظم کا رہائش اختیار کرنا، یا اس میں کارِ دفتر کرنا، یا اس کو مدرسہ کے بچوں کا دارالاقامہ قرار دینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۹۶ھ۔

مسجد میں وضو کی جگہ بنانا

سوال[۷۰۸۲]: ایک مسجد میں صحن کے اندر وضو کرنے کی کوئی جگہ نہ تھی (عرصۂ دراز کے بعد جن صاحب نے مسجد کی تعمیر کی تھی) ان صاحب نے عینِ صحن کے اندر وضو کرنے کی جگہ پختہ بنوادی ہے۔ اس کا کیا حکم شرعی ہے؟

---

(۱) "لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح. أما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، مُنع. ولو قال: عنيتُ ذلك، لم يصدق، تاتر خانية. فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية. (ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، (وبه يفتي)، حاوي القدسي". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جوجگہ نماز پڑھنے کے لئے متعین کر کے وقف کردی گئی، وہاں وضو کی جگہ پختہ بنوانا جس کی وجہ سے اتنی جگہ محبوس ہوجائے کہ وہاں نماز نہ پڑھی جاسکے درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۷ھ۔

مسجد سے متعلق بیت الخلا

سوال[۷۰۸۳]: جامع مسجد کے فرش کے قریب پاخانہ کھلا ہوا ہے، یا حوض جس میں پاخانہ غلیظ عرصہ دراز تک جمع ہوتا رہتا ہے، جیسے کہ انگریزی طریقہ کے پاخانہ ہوتے ہیں۔ تو ایسے پاخانہ قریب مسجد یا قریب فرش مسجد جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں پر اجازت دی ہے؟ کیا عربی مدرسہ کے احاطہ میں بھی بیت الخلا بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں مسجد میں نالی، لوٹا، حوض، کنواں، نل، پانی، غسل خانہ، کھڑکی، پنکھا بجلی وغیرہ کسی چیز کا انتظام نہیں تھا، مسجد کی چھت بھی ایسی تھی کہ دھوپ بھی، بارش بھی اس میں کو آتی تھی، غرض بہت سادہ جگہ تھی، اس پر دری اور چٹائی بھی نہیں تھی (۲)۔ یہ سب چیزیں آہستہ

---

(۱) "ویکره الوضوء والمضمضة فی المسجد إلا أن یکون موضع فیه اتخذ للوضوء ولا یصلی فیه". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة، الخ: ۶۱/۲، رشیدیه)

"ولا یجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن یجعل شیئاً منه مستغلاً ولا سکنی". (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الثامن فی المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشیدیه)

"قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ: لا یجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشیدیه)

(۲) "قال أبو سعید رضی الله تعالیٰ عنه: کان سقف المسجد من جرید النخل، وأمر عمر ببناء =

آہستہ مسجد سے متعلق کی جاتی رہی ہیں، حتی کہ بعض علاقوں میں مہمان خانہ بھی مسجد سے متعلق ہوتا ہے، وہاں بسترے رہتے ہیں، امام اورمؤذن کے رہنے کے لئے بھی کمرہ ہوتا ہے۔ بعض جگہ مدرسہ بھی ہوتا ہے جس میں بچے تعلیم پاتے ہیں۔ بعض جگہ پیشاب خانہ اور بیت الخلا بھی نمازیوں کی سہولت کے لئے ہوتا ہے، خاص کر بڑے شہروں میں جہاں بکثرت باہر کے آدمی زیادہ آتے ہوں، اگرضرورت رفع کرنے کی جگہ وہاں نہ ہوتو ان کو بڑی دشواری ہوتی ہے۔

اگر باہر کے آدمی زیادہ نہ آتے ہوں، بلکہ عامۃً مقامی آدمی نماز پڑھتے ہوں جن کواللہ نے گھر دیا ہے اور وہاں سب ضرورت کی چیزیں موجود ہیں تو پھر محض شان وشوکت دکھانے کے لئے ایسی چیزیں مسجد سے متعلق جگہ میں نہ بنائی جائیں، اگرکسی کواتفاقیہ ضرورت پیش ہی آجاوے تو وقتی طور پر اپنی جانی پہچانی جگہ ضرورت رفع کرسکتا ہے۔ مسجد کے قریب ایسی جگہ بیت الخلاء نہ بنایا جاوے کہ بدبو مسجد میں آوے اور نمازیوں اور ملائکہ کو اذیت ہو(۱)۔ مدرسہ کے لئے جو احاطہ لیا گیا ہے اس کوکرایہ پر اٹھاسکتے ہیں تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کی ضروریات پوری کی جاسکیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۰ھ۔

= المسجد .... عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أخبره أن المسجد كان على عهد رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم مبنياً باللبن، وسقفه الجريد، وعمده خشب النخل، فلم يزد فيه أبو بكر شيئاً، وزاد فيه عمر، وبناه على بنيانه في عهد رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم باللبن والجريد، وأعاد عمده خشباً، ثم غيّره عثمان فزاد فيه زيادةً كثيرةً وبنى جداره بالحجارة المنقوشة والقصّة، وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج". (صحيح البخاری: ۶۴/۱، كتاب الصلوة، باب بنيان المسجد ، قديمی) (وسنن أبی داؤد: ۷۱/۱، باب فی بناء المساجد ، إمداديه ملتان)

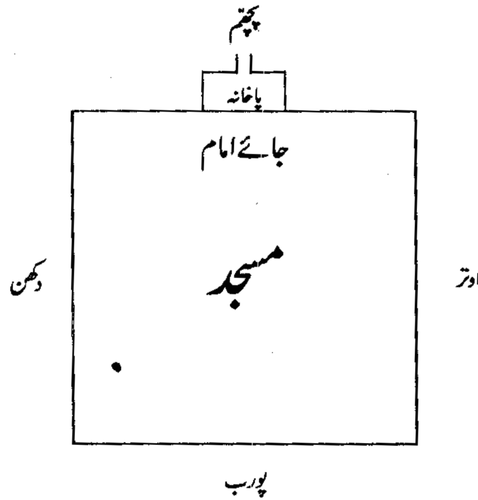
(۱) "ويحرم فيه السؤال و يكره الإعطاء .... وأكل نحو ثوم ، يمنع منه". (الدرالمختار). "(قوله: وأكل نحو ثوم): أى كبصل و نحوه مما له رائحة كريحة، للحديث الصحيح فى النهى عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد . قال الإمام العينى فى شرحه على صحيح البخارى: قلت : علة النهى أذى الملائكة وأذى المسلمين .... خلافاً لمن شذ، ويلحق بما نص عليه فى الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى الغرس فى المسجد : ۶۵۹/۱، ۶۶۱، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس فى استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق =

مسجد سے متصل بیت الخلاء

سوال[۷۰۸۴]: مسجد کے عقب پچھّم رخ (۱) ملحقہ دیوار امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، درمیان میں دیوار ہے، پاخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ دیوار میں ایسی صورت میں روشن دان بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

وحیداللہ خان امین پوری۔



الجواب حامداًومصلياً:

خارجِ مسجد پاخانہ بنانا جائز ہے (۲)، دیوار درمیان میں ہونے کے وجہ سے نماز میں بھی کوئی خرابی نہ

= غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبنى فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية الوقف وتصرف القيّم فی الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/۲۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "پچھّم: مغرب، وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۸۱، فيروز سنز لاهور)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أی المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

"إذا كان تحته شئ ينتفع به عامة المسلمين، يجوز؛ لأنه إذا انتفع به عامة المسلمين، صار ذلک لله تعالیٰ أيضاً........ لو جعل تحته حانوتاً، وجعله وقفاً علی المسجد، قيل: لايستحب ذلک، ولكنه لو جعل فی الابتداء هكذا، صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد و الوقف =

ہوگی، لیکن ایسی جگہ پاخانہ بنانا جس سے نمازیوں کو بدبو کی تکلیف ہو اور ہر وقت مسجد میں بدبو آیا کرے اور مسجد کی جانب پاخانے کا روشن دان کھولنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۱)، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اگر گنجائش ہو تو کسی دوسری جگہ مسجد سے الگ پاخانہ بنانا چاہئے اور روشندان بھی مسجد کی طرف نہ کھولنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ رجب/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۲ھ۔

مسجد کے قریب بیت الخلا بنانا

سوال [۷۰۸۵]: مسجد کی کچھ اینٹیں برآمدہ مسجد میں لگی ہوئی تھیں، مریدین نے برائے شیخ مذکورہ وہ اینٹیں اٹھا کر اندرونِ مسجد یعنی: صحن کے سامنے بیت الخلا بنایا۔ مگر انصاف پسند لوگوں نے روک ٹوک کی تو مریدین اور پیر صاحب نے التفات نہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیخ مذکور کے لئے مناسب یہ تھا کہ متولی اور نمازیوں کے مشورہ سے تصرف کرتے تاکہ کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ نمازیوں کی ضرورت کے لئے اگر مسجد کے قریب بیت الخلا بنایا جائے تو شرعاً گنجائش ہے، مگر اس کا لحاظ چاہئے کہ بدبو مسجد میں نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۸۵ھ۔

= الذی تحته". (حاشية الشلبی علی تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/ ۲۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويحرم فيه السؤال و يكره الإعطاء .... وأكل نحو ثوم، يمنع منه". (الدر المختار).

"(قوله: وأكل نحو ثوم): أی كبصل و نحوه مما له رائحة كريحة، للحديث الصحيح فی النهی عن قربان آكل الثوم والبصل فی المسجد. قال الإمام العينی فی شرحه علی صحيح البخاری: قلت: علة النهی أذی الملائكة وأذی المسلمين .... خلافاً لمن شذ. و يلحق بما نص عليه فی الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۱، سعيد)

(۲) "إذا كان تحته شیء ينتفع به عامة المسلمين، يجوز". (حاشية الشلبی علی تبيين الحقائق، كتاب=

مسجد سے متعلق جگہ میں بیت الخلا بنانا

سوال[۷۰۸۲]: ایک قطعۂ اراضی مسجد کے نام سے وقف کی گئی اور وہ بصورت ایک حجرہ کے مسجد کے جانب غرب وجنوب کے گوشہ میں واقع ہے جس کا دروازہ باہر سڑک کی جانب ہے۔اس وقف کی ہوئی جگہ جو کہ نقشہ میں ۲۶/نمبر درج ہے، بیت الخلاء بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

حجرہ نمبر۲۶/ میں کوئی روزن نہیں (۱) جس سے مسجد میں بد بو جائے، ہاں اس کی چھت کے اوپر مسجد کی دیوار میں روشندان ہے، مگر حجرہ کی چھت سے تقریباً ایک گز اوپر ہے اور تین جانب سے دیوار ہے جس کی وجہ سے وہاں بد بو نہیں پہنچ سکتی۔صرف آفتاب کی روشنی کی غرض سے روشندان کھولا گیا ہے۔

نقشہ کے نمبروں کی تفصیل یہ ہے: ۱،۲-اندرونِ مسجد، ۳-صحنِ مسجد، ۴-حجرہ امام صاحب، ۵-دیوار نالی برائے وضو، ۶-نالی برائے وضو، ۷-مُردے کی چارپائی وتختہ کی جگہ، ۸، ۹-غسلخانہ، ۱۰-کنواں، ۱۱-پختہ فرش، حمام وغسل خانہ کی طرف جانے کا راستہ ہے، ۱۲-کچا فرش، پاپوش کی جگہ، ۱۳-دروازۂ مسجد، ۱۴-وہ طہارت کرنے جگہ، ۱۵، ۱۶-وضو کرنے کی نالی، ۱۷-حمام کمرہ، ۱۸، ۱۹، غسل خانہ، ۲۰-راستہ غسل خانہ، ۲۱-کنواں، ۲۲-برآمدے جہاں نماز پڑھتے ہیں، ۲۳-جہاں نالی وضو کرنے کی، ۲۴-سائبان، ۲۵-حجرہ طالب علم، ۲۶-حجرہ، جس کا مسئلہ دریافت طلب ہے۔

= الوقف: ۴/ ۲۷۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أی المسجد، جاز کمسجد القدس". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/۳۵۷، سعید)

"و یحرم فیه السؤال و یکره الإعطاء .... وأکل نحو ثوم، یمنع منه". (الدرالمختار).

"(قوله: وأکل نحو ثوم): أی کبصل و نحوه مما له رائحة کریهة، للحدیث الصحیح فی النهی عن قربان آکل الثوم والبصل فی المسجد. قال الإمام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری: قلت: علة النهی أذی الملائکة وأذی المسلمین .... خلافاً لمن شذ. و یلحق بما نص علیه فی الحدیث کل رائحة کریهة ماکولاً أو غیره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۱، سعید)

(۱) "روزن: سوراخ، روشندان، شگاف"۔(فیروز اللغات، ص: ۷۲۷، فیروز سنز لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ جگہ مصالح مسجد کے لئے وقف ہے اوراہل مسجد کو وہاں بیت الخلاء کی ضرورت ہے، نیز اس جگہ بیت الخلاء بنانے سے مسجد کے احترام میں خلل بھی نہیں آتا اور بد بو بھی مسجد میں نہیں پہونچتی تو اس جگہ بیت الخلاء بنانا شرعاً درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۷/۶/۶۰ھ۔

وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ

سوال[۷۰۸۷]: مسجد میں وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ بنانا چاہیے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نمازیوں کی ضرورت کے لئے ہے، اگر کچھ دور ہو تو ٹھیک ہے تا کہ مسجد میں بد بو نہ آئے اور وضو کرنے والوں کو اذیت نہ ہو اور ضرورت بھی پوری ہوتی رہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "إذا كان تحته شئ ينتفع به عامة المسلمين، يجوز". (حاشية الشبلي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أى المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، سعيد)

(۲) "(وكذا يكره) .... (بول وغائط في ماء ولو جارياً) .... (وبجنب مسجد ومصلى عيد) .... (وأن يبول قائماً أو مضطجعاً أو مجرداً من ثوبه بلا عذر أو) يبول (في موضع يتوضأ) هو (أو يغتسل فيه) لحديث: "لايبولنّ أحدكم في مستحمّه، فإن عامة الوسواس منه". (الدرالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۴۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۴۲۲، رشيديه)

مسجد کے پلاٹ پر ناجائز قبضہ

سوال[۷۰۸۸]: جامع مسجد دھمتری کی وقف شدہ جائیداد کا زید کرایہ دار ہے، اس نے کمیٹی کے کرایہ پر دیئے ہوئے پلاٹ پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور یہ ناجائز زائد قبضہ عرصہ دس سال سے کئے ہوئے ہے۔ اب کمیٹی ناجائز بلا کرایہ قبضہ کو زید سے واپس اس لئے لینا چاہتی ہے کہ اس ناجائز قبضہ کے پلاٹ سے جامع مسجد کی کم وبیش سو روپے ماہانہ آمدنی بلا مبالغہ بڑھ سکتی ہے۔ اب اگر زید اس ناجائز قبضہ کے پلاٹ کو کمیٹی کے قواعد وضوابط کے تحت واپس نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا کرایہ بالمقابل دیگرے دینے کو تیار ہے اور نہ ہی ناجائز قبضہ چھوڑتا ہے تو زید پر اس معاملہ میں شرعی حکم کیا ہے اور کس قدر مجرم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو وہ کرایہ دار غاصب ہے، ظالم ہے، کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ زائد حصہ فوراً خالی کردے اور جتنے زمانہ تک اس پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اس کا کرایہ بھی ادا کردے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۵ھ۔

---

(۱) "وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولىٰ، ويجب أجر المثل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۹/۵، رشيديه)

"قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والى الوقف: أى قيم الوقف، فهو غاصب. فيخرج من يده، فإن نقص منها شيء بعد الجحود، فهو ضامن". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل العشرون فى المسائل التى تتعلق بالدعوى ....: ۸۲۰/۵، ۸۲۱، إدارة القرآن كراچى)

"ولو غصبها من الواقف أو من واليها غاصبٌ، فعليه أن يردها إلى الواقف، فإن أبى وثبت غصبه عند القاضى، حبسه حتى رد، فإن كان دخل الوقف نقص، غرم النقصان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع فى غصب الوقف: ۴۴۷/۲، رشيديه)

"ويفتى بالضمان فى غصب عقار الوقف و غصب منافعه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۶/۵، رشيديه)

مسجد کے حُجرے پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے کو نکالنا

سوال[۷۰۸۹]: ایک شخص مسجد کے حجرے پر غاصبانہ قابض ہے اور مسجد کا کوئی کام وغیرہ بھی نہیں کرتا، بلکہ بارش میں چار صفیں باہر پڑی رہ گئی تھیں، اس وقت یہ شخص موجود تھا، وہ بھیگ کر خراب ہوگئیں، لیکن اس نے ان کو اٹھایا تک نہیں۔ اور مسجد میں اگر کوئی آدمی تیل وغیرہ دینے کو کہتا ہے کہ اگر برتن وغیرہ ہو تو دے دو، تیل لاکر مسجد میں ڈالوں گا تو یہ شخص اس سے پیسہ لے کر ہضم کر جاتا ہے، تیل وغیرہ نہیں لاتا۔

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک دولہا مسجد میں سلام کرنے آیا اور اس نے امام صاحب کو سو روپیہ دیا تو اس کو لے کر خرچ کرلیا، لوگوں کو معلوم ہوتو شور کیا اور بار بار کہنے پر بڑی مشکل سے اس نے وہ سو روپے واپس دیئے، ورنہ تو وہ ہضم ہوگیا تھا۔ یہ واقعہ تو معلوم ہوگیا لیکن نہ جانے کتنے واقعات ایسے ہوئے ہیں۔ اپنا خرچ اسی طرح چلاتا ہے اور کوئی کام وغیرہ نہیں کرتا۔ اور لوگوں نے سات آٹھ بار حجرے سے نکال دیا، مگر دس پندرہ روز کے بعد پھر آجاتا ہے، حالانکہ اس کا اپنا گھر موجود ہے، وہاں اس لئے نہیں رہتا کہ وہ کام کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو مسجد میں رہنے اور سونے سے بالکل روک دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۲ھ۔

مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کو امام کا اپنے نام کرالینا

سوال[۷۰۹۰]: ایک مسجد کی کچھ زمین وقف ہے، وہ امام کے لئے ہے کہ جب تک جو شخص امام رہے گا اس کی اجرت لیتا رہے گا، لیکن موجودہ امام نے اس کو اپنے نام ریکارڈ کرالیا ہے، بستی والے کہہ رہے ہیں کہ مسجد کے نام کردیں، مگر وہ نہیں کرتے تو امام کا جبراً مسجد کی زمین اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ فعل

---

(۱) اس میں چونکہ مسجد کا نقصان ہے اور مسجد کی اشیاء کا بے جا استعمال ہے، فقہاء نے مسجد کی معمولی چیز کے استعمال کو بھی بغیر خریدے ناجائز قرار دیا ہے: "وإذا رأى حشيش المسجد فرفعه إنسانٌ، جاز إن لم يكن له قيمة، فإن كان له أدنى قيمةٍ، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي أو القاضي أو أهل المسجد أو الإمام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

ناجائز ہوتو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگروہ زمین مسجد کے لئے وقف ہےتو اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ جائز نہیں، بلکہ غصب ہے(۱)، امام اور اس کے بھائیوں کے ذمہ ضروری ہے کہ فوراً یہ مالکانہ قبضہ اٹھالیں اورزمین مسجد کے نام کردیں، ورنہ آخرت میں سخت بازپرس ہوگی اورامام صاحب کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی اوروہ امامت سے الگ کئے جانے کے قابل ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۶/۱۱/۸۹ھ۔

مسجد کی زمین پر مالکانہ قبضہ

سوال[۷۰۹۱]: مسجد کے صحن اورنمازِ جنازہ کی جگہ اورمذہبی اجتماع کی جگہ اورتعزیہ کے راستہ پر قبضہ کرکے مکان بنانا چاہتاہے۔اس کے بارے میں شرعی حکم کیاہے؟

---

(۱) "فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لایملک، ولایملّک ولایعار، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک) : أی لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملّک: أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیکه الخارج عن ملکه، اهـ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب مهم فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة وقوله فموقوفة علی فلان: ۳۵۱/۴، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۲) "ویکره إمامة عبد وأعرابی و فاسق، الخ". (الدرالمختار). "أما الفاسق، فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه، وبأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقد وجب علیهم إهانته شرعاً، بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم، لما ذکرنا". (ردالمحتار، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر مالکانہ قبضہ غصب اور حرام ہے(۱)، اس قبضہ کو ہٹا کر مسجد کے قبضہ میں دینا ضروری ہے، پھر اس کی چہار دیواری بنا کر حسبِ مصالح مسجد کے کام میں لائیں، تا کہ آئندہ ایسی نوبت نہ آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۸ھ۔

مسجد کی زمین میں امام کا حجرہ بنانا

سوال[۷۰۹۲]: ۱...... مسجد کے امام صاحب نے رہنے کے لئے صحنِ مسجد میں ایک حجرہ بنایا جس کو پہلے نماز کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

ایک مسجد کی زمین پر دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۹۳]: ۲...... ایک مسجد کی موقوفہ زمین پر خلافِ شرطِ واقف اہل محلّہ کے اتفاقِ رائے سے دوسری مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اہل محلّہ نے یہ طے کیا کہ اس دوسری مسجد کے مصلیان پہلی مسجد والے کو اس موقوفہ زمین کے عوض میں کچھ روپیہ دیں تو یہ روپیہ دینا دوسری مسجد والوں پر ضروری ہوگا یا نہیں؟ اور پہلی مسجد والے دوسری مسجد والے کو یہ زمین بلاعوض دے سکیں گے یا نہیں؟ اور روپیہ دینا طے ہونے کی صورت میں دوسری مسجد والے اگر پہلے طے شدہ روپیہ نہ دیں تو یہ دوسری مسجد کیسی ہوگی اور اس میں نماز پڑھنا کیسا ہوگا؟ اور یہ طے شدہ روپیہ دے کر دوسری مسجد بنانا صحیح ہوگا یا نہیں؟ یہ مسجد بن کر نماز ہو رہی ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "(فإذا تم ولزم، لایملک ولایملّک ولایعار ولایرهن) .... ولو سکنه المشتری أو المرتهن ثم بان أنه وقف أو الصغیر لزم أجر المثل". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملک: أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحاله تملیک الخارج عن ملکه".
(ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعید)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلی رجل وولاه القیام بذلک المدفوع إلیه، فهو غاصب یخرج الأرض من یده". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب التاسع فی غصب الوقف: ۴۴۷/۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جوجگہ نماز پڑھنے کے لئے وقف کر کے مسجد بنادی گئی ہو، وہاں امام یا کسی اَور کے لئے حجرہ بنانا درست نہیں (۱)۔

۲...... جو زمین جس مسجد کے لئے وقف کردی گئی وہاں دوسری مسجد بنانے کا حق نہیں (۲)، نہ اس کو دوسری مسجد کے لئے فروخت کیا جاسکتا ہے (۳)، نہ اس کا روپیہ لیا جاسکتا ہے۔ ہاں! اگر خدانخواستہ پہلی مسجد ویران ہوجائے، وہاں مسلمان باقی نہ رہیں اور جہاں وہ زمین ہے وہاں مسلمان موجود ہوں اور ان کو مسجد کی ضرورت ہوتو اس زمین پر دوسری مسجد بنالینا درست ہے اور وہاں نماز درست ہوگی (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلبٌ: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الواقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۳) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبہ شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۴) وفي جامع الفتاوىٰ: لهم تحويل المسجد إلى مكان آخر إن تركوه بحيث لايصلى فيه، ولهم بيع =

مسجد کی بچی ہوئی زمین پر درسگاہ اور رہائشی مکان

سوال[۷۰۹۴] : ۱...... مسجد کی بچی ہوئی زمین پر مدرسہ درسگاہیں، مدرسین وطلباء کے رہنے کے گھر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسجد کمیٹی کی ناخوشی کے باوجود ایسا کرنا

سوال[۷۰۹۵] : ۲...... اگر اس میں مسجد کی کمیٹی کی طرف سے ناراضی اور ناخوشی ظاہر ہو تو جھگڑا اور زبردستی اس پر قبضہ کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

۱...... جو جگہ مسجد کی ہے اس میں اگر طلباء کے رہنے یا تعلیم کے لئے عمارت بنائیں تو اس جگہ کا کرایہ مناسب تجویز کرلیا جائے اور مدرسہ کی طرف سے وہ مسجد کو ادا کردیا کریں (۱)۔

۲...... زبردستی قبضہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز نہیں (۲)، کمیٹی کی رضامندی سے جگہ کے کرایہ کا معاملہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۶ھ۔

= مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه في مسجد آخر، سائحاني، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۴/۵، رشيديه)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف : ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي : ۲۴۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب =

صحنِ مسجد میں کنواں بنانا

سوال[۷۰۹۶]: کیاارشادفرماتے ہیں علمائے شرع متین اس بارے میں کہ:

یہاں کی جامع مسجد میں باوجوداس کے کہ ایک سرکاری ملکہ پانی کالگاہوا ہے جوپانی دینے کے لئے کافی ہے، گرمیوں میں نلکے کا پانی تھوڑا ہو جاتا ہے تو ضرورت رفع کرنے کے لئے ایک کنواں بھی ہے۔ اندریں حالات مسجد والوں نے چاہا کہ ایک کنواں اَور کھودنا چاہیے جس میں بجلی کی مشین لگوائیں اور پانی کی بہتات ہو، اور یہ کنواں مسجد کے مال وقف کے صرفہ سے صحن مسجد میں کھودنا تجویز ہوا۔ اور درآں حالانکہ واقفِ زمین مسجد فوت ہو چکا ہے۔

یہاں کے علماء میں سے بعض نے ان کو منع فرمایا کہ مسجد ما أعد للصلوة ہے اور یہ تصرف زمینِ مسجد میں جائز نہیں۔ بعض نے عالمگیری کی كتاب الصلوة والی اور قبيل باب إحيا الموات والی روایتوں کے اختلاف کو دیکھ کر کچھ تساہل سے جواب دیا فائدہ اس تساہل سے لے کر انہوں نے کنواں کھودنا شروع کیا۔ اب سوال یہ ہے:

ا......آیا کنواں کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......اور جب کھودا گیا تو اب یہ پانی اجزائے مسجد میں سے شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ بنابر ینکہ مسجد الیٰ تحت الثریٰ مسجد ہے۔ اور آیا اس پانی کا استعمال وضو وغیرہ کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ پانی مشین کے ذریعہ سے مسجد سے باہر نکالا جائیگا اور استعمال کیا جائے گا۔

المستفتی: امام مسجد جامع نوشہرہ صدر ضلع پشاور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنا کر وقف کر دی گئی ہے، اس جگہ کو مستقلاً کسی دوسرے کام میں لانا غرضِ واقف کے خلاف ہے، ایسی جگہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، اس کا احترام لازم ہوتا ہے۔ اگر اس جگہ کنواں بنایا جائیگا تو وہ جگہ ہمیشہ کے لئے غیر صلوۃ کے کام میں محبوس رہے گی، حالانکہ وہ نماز کیلئے محبوس کی گئی تھی۔ نیز وہاں پانی لینے کے لئے طاہر و جنب سب جائیں گے اور عامۃً کنویں پر شور وشغب ہوتا ہے، پانی لینے میں نزاع ہوتا ہے،

= البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

بسا اوقات پانی لینے والے عوام کے پیر اور برتن میل کچیل میں ملوث ہوتے ہیں، یہ امور احترامِ مسجد کے خلاف اور ممنوع ہیں۔ نیز اس سے مسجد میں تنگی ہوگی اور صفوف میں تفریق ہوگی:

قال في الدر المختار في أحكام المساجد: "والوضوء إلا فيما أعد لذلك، وغرس الأشجار إلا لنفع كتقليل نزّ، اهـ". "(قوله: والوضوء) وإن ماء ه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع. ....ولا يظن أن ماحول بئر زمزم يجوز الوضوء والغسل من الجنابة فيه ؛لأن حريم زمزم يجرى .... عليه حكم المساجد، فيعامل بمعاملتها من تحريم البصاق و المكث مع الجنابة فيه.......... قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نزٍ والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لا يجوز، اهـ. وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله و لايضيق على الناس و لا يفرق الصفوف، لا بأس به. وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره، أو يفرق الصفوف، أو كان في موضعٍ تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد، يكره، اهـ .... لأن فيه شغل ما أعد للصلوة ونحوها وإن كان المسجد واسعاً، اهـ". شامي(۱)۔

قال في شرح المنية: "ولا يحفر في المسجد بئر ماء؛ لأنه لا يؤمن من دخول النساء والصبيان، فتذهب حرمة المسجد ومهابته. ولو كان البئر قديماً، يترك كبئر زمزم، اهـ"(۲) ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ،وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد : ۱/۶۶۰، ۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ : ۱/۱۱۰، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد ، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و لا يتخذ في المسجد بئر ماء؛ لأنه يخل حرمة المسجد، فإنه يدخله الجنب والحائض، وإن حفر فهو ضامن بما حفر، إلا أن ما كان قديماً فيترك كبئر زمزم في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ : ۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ : ۴۲۱/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

پانی مباح الاصل ہے، اس کا استعمال ہر شخص کو جائز ہے، پانی اجزائے مسجد میں شمار نہیں ہوگا۔ تحت الثریٰ تک مسجد ہونے سے مراد یہ ہے کہ حق العبد منقطع ہوجائے، کوئی شخص دعوائے ملک نہ کرسکے، صرح به الشامی (۱)۔ فتاوی عالمگیری کی دونوں عبارتیں بھی اس جواب کے خلاف نہیں رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ربیع الأول/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الأول/ ۷۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ربیع الأول/ ۷۰ھ۔

پرنالہ دوسرے کی جگہ میں اور مسجد کی دیوار میں ایسا تصرف جس سے کسی کی بے پردگی ہو

سوال [۷۰۹۷]: زید نے دو قطعے زمین مالکان زمین سے خریدی جس کی سرحد مسجد کے مغرب وجنوب کی دیوار تک تھی جس میں سے ایک قطعۂ زمین جانبِ مغرب افتادہ پڑتی تھی، دوسرے قطعہ جنوب کے کچھ حصہ پر مالکِ زمین نے اپنا مسکونہ مکان بنا رکھا تھا جو جانبِ مغرب ومشرق کی لمبائی میں واقع تھا۔

زید نے خریدنے کے بعد اپنی پوری زمین پر قبضہ کرانے کے لئے دونوں جانبوں میں مسجد تک اپنی دیوار بنا کر احاطہ ومکان کی شکل دے دی۔ مسجد کی جنوبی دیوار میں جھروکے (۲) بشکل روشندان بنائے تھے، جس سے زید کے صحن میں بال بچوں کی بے پردگی ہوتی تھی۔ مسجد کی جنوب کی دیوار کے بعد ایک گلی جو کہ ایک ضعیفہ کا مکان خام بنا ہوا تھا جو زید نے خریدنے کے بعد اپنا صحن بنا دیا، اور جھروکے کو اپنے صحن کی طرف سے بے پردگی کے خیال سے چاروں سوراخوں میں مٹی رکھ کر بند کر دیا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد رائے عام مصلیانِ مسجد سے بضرورتِ شدید مسجد کی ایک الماری اچھی خاصی نصب

---

(۱) "حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعيد)

(۲) "جھروکے: کھڑکی، دریچہ، روشن دان، ایسی کھڑکی جو پُر منظر، اطراف میں سیر یا نظارہ کی غرض سے رکھی گئی ہو"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۹۳، فیروز سنز، لاهور)

ہوئی جس کو لگے تقریباً ۲/ سال ہوگئے، اپنی جگہ بدستور باقی ہے اور مسجد کی مصلحت فوت نہ ہوئی، اور زید کی بے پردگی کا سوال ختم ہوگیا۔ اور یہ نہیں معلوم کہ جھروکے مالکِ زمین کی اجازت سے بنائے گئے یا افتادہ زمین کی طرف یوں ہی کھولے گئے۔

اب زید صحنِ مذکورہ کو مکان کی شکل میں تعمیر کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسجد سے ملا کر اپنی دیوار پختہ بنا کر تعمیر کرلے اور پانی جو مسجد و مذکورہ ضعیفہ کے دونوں دیواروں کے بیچ میں گرتا تھا وہ پانی زید اپنے صحن خانہ کی طرف گرائے اور زید کا مکان بسبب گلی چھوڑنے سے غیر محفوظ نہ ہو۔ زید کا کہنا ہے کہ مسجد و دیوار زید میں گلی ہوگی، مسجد کا بھی نقصان ہوگا، برسات کے پانی کے ریلے و چھینٹے دونوں دیواروں کو خراب کریں گی اور نیز چور ونقب زن کے چھپنے کا خطرہ رہے گا۔ دوسرا مجھ کو خیال یہ ہے کہ جھروکے جہاں اس وقت الماری نصب ہے بڑا سا جنگلہ لگا دیا جائے، مگر اس شکل میں بے پردگی کا مسئلہ پیش آتا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا زید کو اپنی زمین پر مکان تعمیر کرنے کا شرعاً حق ہے، یا اپنی دیوار مسجد سے نہیں ملا سکتا؟ اگر نہ ملائے تو کس قدر فصل چھوڑنا ضروری ہے؟ نیز جھروکوں کی کیا حیثیت ہے؟ آیا ان کا باقی رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو زید کے مکان کے غیر محفوظ ہونے اور بے پردگی کا کیا حل ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد یسین، قصبہ سرائے میر، محلہ قاہر خان اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اپنی زمین میں مکان صحن سب کچھ بنانے کا پورا اختیار حاصل ہے(۱)، لیکن اگر مسجد کے متصل مسجد کی مصالح کے لئے کچھ راستہ مالک نے چھوڑ دیا ہو، یا پانی گرانے کے لئے حق دیا ہو جس کو زید کے ہاتھ فروخت نہیں کیا گیا تو زید کا اس راستہ کو ختم کرنا، یا پانی گرانے کی جگہ کو ختم کر کے دوسری طرف منتقل کرنا

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء، لکن إذا تعلق به حق الغیر، یمنع المالک من تصرفه بوجه الاستغلال". (شرح المجلة، الفصل الأول فی بعض قواعد فی أحکام الأملاک: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعید)

درست نہیں (۱)۔ آج زید اس جگہ پر پانی گرانا برداشت نہیں کرتا تو کل کو زید کے ورثاء مسجد کا پانی اپنے مکان پر کیسے برداشت کریں گے؟ نزاع پیدا ہوگا، وہ کہیں گے کہ مسجد کا پانی ہمارے صحن میں نہ آئے، کسی اَور طرف راستہ کیا جائے۔

مسجد کے جنوبی دیوار کے جھروکوں سے اگر زید کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے تو زید کو چاہیے کہ وہ اپنے مکان کی دیوار بنائے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ اگر زید میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ دیوار بنا سکے تو جو الماری مسجد کے لئے اس جگہ پر بنائی گئی اس سے بے پردگی ختم ہوگی، اب جنگلہ لگا کر اس کے مکان کو بے پردہ نہ کیا جائے۔ برسات میں مسجد کے پانی کی وجہ سے اگر زید کی دیوار کو اندیشہ ہو تو اس کے تحفظ کے لئے نالی پختہ کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ادھار لگائی ہوئی اینٹوں کی واپسی

سوال[۷۰۹۸]: ایک آدمی نے اپنا مکان بنانے کے لئے آٹھ ہزار اینٹیں ۶/۴/۷۷ء، کو منگائیں تھیں، مسجد کے کچھ آدمیوں نے مشورہ کرکے وہ آٹھ ہزار اینٹیں ادھار لے کر مسجد میں لگادیں۔ اب بستی والے اینٹ واپس نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تم اپنی اینٹ مسجد سے نہیں لے سکتے، جب کہ اینٹ دیئے ہوئے تین سال ہوچکے۔ جس نے اینٹ دی ہے وہ بہت غریب اور پریشان حال ہے اور وہ اپنی مرضی سے دینا نہیں چاہتا۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے وہ اینٹیں مسجد والوں نے خرید کر لگائی ہیں تو وہ مسجد توڑ کر اینٹیں لینے کا حقدار نہیں رہا (۲)،

---

(۱) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالةٍ منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، الخ: ۶/۲۰۰، سعيد)

(۲) "إذا كان البيع لازماً نافذاً، فليس لأحد المتبائعين الرجوع عنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، =

البتہ قیمت کا حقدار ضرور ہے(۱)۔اگر قیمت میں روپیہ مقرر کیا گیا تھا تو اس کو روپیہ دیا جائے، اگر قیمت میں اینٹیں ہی تجویز کی گئی تھیں یعنی ادھار لی تھیں تو اس قسم کی اینٹیں منگا کر اس کو دی جائیں، یا اس کی قیمت دی جائے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴۰۰/۱۱/۲۸ھ۔



= کتاب البیوع: ۱/۱۱۲، (رقم المادۃ: ۳۷۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی مختصر القدوری، کتاب البیوع، ص: ۱۱۵، سعید)

(۱) "ومن باع سلعةً بثمن، قیل للمشتری: ادفع الثمن أولاً، فإذا دفع، قیل للبائع: سلم المبیع".

(مختصر القدوری، کتاب البیوع، ص: ۱۱۹، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنھر، کتاب البیوع: ۳/۳۱، ۳۲، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "والقرض شرعاً عقد مخصوص یَرِد علی دفع مال مثلی لآخر لیردّ مثله. وصح القرض فی مثلی، ھو کل مایضمن بالمثل عند الاستھلاک". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، فصل فی القرض: ۵/۱۶۱، سعید)

"الدیون تقضی بأمثالھا". (ردالمحتار، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک، مطلب: الدیون تقضی، الخ: ۳/۸۳۸، سعید)

الفصل الثامن فی السکونة فی المسجد

(مسجد میں رہائش رکھنے کا بیان)

مسجد کے بالائی حصہ پر امام صاحب کا کمرہ بنانا

سوال[۷۰۹۹]: مسجد سے ملا ہوا امام صاحب کا کمرہ ہے جو اس وقت خارجِ مسجد ہے، لیکن اب اس مسجد کی توسیع کا ارادہ ہے۔ تو امام صاحب کے حجرہ کو نیچے سے مسجد میں شامل کرلیں اور اوپر کے حصہ میں مع اہل وعیال کے رہیں۔ تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس حجرہ کو نماز کے لئے مسجد میں داخل کر کے مسجد قرار دیا جائے تو بالائی حصہ پر بھی ایسا حجرہ بنانا درست نہیں جس میں امام صاحب مع اہل وعیال قیام کریں (۱)۔ اگر اس کو مسجد بنانا مقصود نہیں، صرف یہ مقصود ہے کہ وقت ضرورت وہاں بھی نمازی کھڑے ہو جایا کریں اور اوپر والے حصہ میں امام صاحب رہیں تو یہ درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۸۵ھ۔

---

(۱) "لو بنی فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح. أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدر المختار). "قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله و علوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "يمنع الحيّض دخول المسجد، وكذا الجنابة .... و حرمة الدخول للجنب. وفناء المسجد له =

جس کوٹھڑی کی چھت کو مسجد بنالیا گیا اس میں رہائش کا حکم

سوال[۷۱۰۰]: مسجد جس کا تقریباً پانچ گز اونچا ہے اور مسجد کے بائیں جانب کو ایک حجرہ تھا بالکل مسجد کی دیوار سے ملا ہوا اور اس حجرہ کے نیچے دو کوٹھڑی ہیں، اس کوٹھڑی کو واضع نے امام کی رہائش کے لئے بنائی تھی تا کہ مع اہل وعیال کے رہے۔اب چند سال بعد حجرہ کی دیوار توڑ کر کوٹھڑی کی چھت توڑ کر کوٹھری کی چھت اور مسجد کے صحن کو ایک کرلیا گیا ہے۔اور مسجد کا حکم متولی مسجد نے لگایا ہے تا کہ صف لمبی ہو سکے۔اور اوپر سارا صحن مسجد کے حکم میں ہے اور نیچے رہائش کی کوٹھڑی آیا۔

اب امام صاحب کا اسی کوٹھڑی میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی جواز کی شکل ہو تو ضرور ارشاد فرمائیں اور اگر نہیں ہے تو اپنے تصرف میں کسی طریقہ سے لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جو اَب تک امام بغیر تحقیق کے کوٹھڑی کے اندر رہا ہے گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ مسجد قرار دے دی جائے وہ اوپر نیچے سب ہی مسجد ہے(۱)، اب امام صاحب کو ان کی کوٹھڑیوں

= حكم المسجد في حق جواز الاقتداء بالإمام وإن لم تكن الصفوف متصلةً ولا المسجد ملآناً. وأما في جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه. وأما ما في شرح الزاهدي من أن سطح المسجد و ظلة بابه في حكمه، فليس على إطلاقه، بل مقيد في الظلة بأنها حكمه في حق جواز الاقتداء لا في حرمة الدخول للجنب والحائض، كما لا يخفى". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص:۶۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى، كما في البيرى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

میں رہائش کی اجازت نہیں (۱)۔ جن کی چھت کو صحن مسجد بنادیا گیا ان میں مسجد کا سامان، صف وغیرہ رکھ سکتے ہیں (۲)۔ ناواقفیت سے جو کچھ کیا اس سے استغفار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔

امام سابق ضعیف العمر کا تعاون اور مکانِ مسجد میں ان کی رہائش

سوال[۷۱۰۱]: ضلع میرٹھ میں ایک قصبہ انچولی ہے، اس میں ایک مسجد ہے جس میں چالیس سال سے ایک امام صاحب متعین تھے، انھوں نے فرائضِ امامت بہت خوبی سے انجام دیئے، اب ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے وہ معذور ہیں، ان کی جگہ دوسرے امام متعین ہو چکے ہیں۔ دو سال تک تمام مقتدیوں نے ان کی اس طرح خدمت کی جس طرح امام ہونے کی صورت میں کرتے ہیں، مسجد کا ایک مکان ہے جس میں وہ رہتے ہیں۔

اب تنازع مابین المقتدیین یہ ہو گیا ہے کہ امامِ اول کی اعانت کی جائے یا نہ کی جائے، مقتدی تین قسم کے ہو گئے ہیں: ۱- امام اول مکان میں اسی طرح مقیم رہے جس طرح سے رہتے چلے آئے ہیں اور ان کا تعاون حسبِ حیثیت کیا جائے اور وہ لوگ تعاون کر رہے ہیں۔ ۲- امام صاحب کو فوراً مکان سے علیحدہ کر دیا جائے اور اس قسم کا تعاون ان سے روانہ رکھا جائے۔ ۳- مذبذب میں محلّہ کے مقتدی اعلان کرتے ہیں کہ امام کو کھلانا پلانا

---

(۱) "قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً".

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أي المسجد، جاز كمسجد القدس". (الدرالمختار). "صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

بالکل حرام ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ امامِ اول کا مسجد کے مکان میں رہنا اوران کی اعانت کرنا شرعاً کیسا ہے، آیا جائز ہے یا حرام؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس امام نے مدتِ دراز تک خدمت انجام دی اوراب وہ ضعیف العمر ہو، اس کا لحاظ خدماتِ دینیہ اور ضعف کی وجہ سے ضروری ہے(۱)، اہل محلّہ کو چاہیے کہ باہمی مشورہ کرکے ان کے مکان میں رہنے کا انتظام کریں، اگر مکان کو خالی کرانا ہواور مسجد کی ضرورت ہوتو ان کیلئے دوسرا مکان تجویز کردیں، ورنہ مسجد ہی کے مکان میں رہنے دیں، البتہ مکان کا کرایہ چندہ کرکے دے دیا کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کوٹھڑی میں عورت کو رکھنا

سوال[۷۱۰۲]: میں نے بڑی مشکل سے ایک مسجد کی کوٹھڑی -جس میں ایک پلنگ کی جگہ ہے- کرایہ پرلی ہے، اس کوٹھڑی کو لینے کی میری غرض صرف اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں کسی غریب بیوہ شریف دیندار سے عقد کرلوں، چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں کوشش بھی شروع کررکھی ہے، لیکن محلّہ کے کچھ لوگ اس کوٹھڑی میں زنانہ رکھنے کو ناجائز اورخلافِ شرع کہتے ہیں، اس لئے میرا عقد کرنے اور کرانے سے کتراتے ہیں اور کہتے ہیں

---

(۱) "حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله، ومن أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۲۹۱۳/۶، (رقم الحديث: ۳۶۶۰)، مكتبه نزار مصطفى رياض)

(۲) "لوكانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفُتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کہ پہلے گھر کا انتظام کرلوں پھر نکاح کا انتظام کرنا۔

مسجد کا نقشہ اس طرح پر ہے کہ جو کوٹھڑی میں نے لے رکھی ہے، اس کا دروازہ باہر کی طرف نالی سے ذرا اوپر ہے اور مسجد کا دروازہ اس کوٹھڑی کے دروازے سے دو گز چار گرہ کے فاصلہ پر ہے۔ اس دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی دو گز چار گرہ (۱) پر میری کوٹھڑی کا روشن دان نما جنگلہ ہے اور یہیں پر نمازی جوتے اتارتے ہیں اور جہاں پر نمازی جوتا اتارتے ہیں یہیں پر کوٹھڑی کی پشت ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ شرعاً عورت کو اس کوٹھڑی میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کوٹھڑی میں جانے کا دروازہ مسجد سے علیحدہ باہر سڑک کی طرف ہے تو اس میں زنانہ کے ساتھ رہنا منع نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۵/۹۰ھ۔

امام کا اہل وعیال و مویشی کو مسجد میں رکھنا

سوال[۷۱۰۳]: کیا کسی ایسے شخص کو جو کسی دوسرے مقام پر امامت کرتا ہو، وہ کسی بھی دوسری مسجد

---

(۱) ”گرہ: گز کا سولہواں حصہ، تقریباً تین انگل کی چوڑائی“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۳، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ”لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح“. (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

”(ودخول مسجد): أي يمنع الحيض دخول المسجد، وكذا الجنابة .... وأما في جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه. وأما ما في شرح الزاهدي من أن سطح المسجد و ظلة بابه في حكمه، فليس على إطلاقه، بل مقيد في الظلة بأنها حكمه في حق جواز الاقتداء لا في حرمة الدخول للجنب والحائض، كما لايخفى“. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۳۸/۱، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۳۸/۱، رشيديه)

کو اپنے اہل وعیال، مویشی، اور دیگر ضروریاتِ خانگی کے لیے استعمال کرسکتا ہے، بالفرض اس نے مسجد میں روشنی وغیرہ پر خرچ کیا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اہل وعیال کو رکھنا اور مویشی وہاں پر باندھنا جائز نہیں (۱)، مسجد نماز اور ذکر اللہ کے لئے ہے، ان کاموں کے لئے نہیں (۲)۔ ظالموں اور کافروں کی طرح خانۂ خدا پر قبضہ کرنا اور ان کو دلیلیں پیش کرنا خطرناک صورت ہے، کہیں وہی انجام نہ ہو جو اُن ظالموں کے لئے تجویز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بوقتِ ضرورت مسجد کی چھت پر امام کی رہائش گاہ بنانا کیسا ہے؟

سوال [۷۱۰۴]: ۱......ایک مسجد سہ منزلہ ہے، اس میں امام اور مؤذن کے رہنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، نیز مسجد کے احاطہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں امام اور مؤذن کے لئے کمرے برائے رہائش بنائے جاسکیں۔ ایسی صورت میں مسجد کے کم حصہ یا پوری چھت پر کمرہ یا کمرے برائے دینی مدرسہ ورہائش طلباء بنانا جائز

(۱) "قال الفقیه أبواللیث: لا یجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ :۳/۲۹۳، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعید)

(وکذا فی البزازیة، کتاب الوقف، الثامن فی المتفرقات : ۶/۲۸۵، رشیدیه)

(۲) "والمسجد خالص لله سبحانه، لیس لأحد فیه حق، وقال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ اهـ".

(فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل أحکام المسجد : ۶/۲۳۴، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

"﴿وسعی فی خرابها﴾: أی هدمها وتعطیلها .... ﴿أولئک﴾ الظالمون المانعون الساعون فی خرابها ﴿ما کان لهم أن یدخلوها إلا خائفین، لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظیم﴾، اهـ". (روح المعانی : ۱/۳۶۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

ہے یا نہیں؟

آمدنی کے لئے کرایہ لے کر مسجد کی چھت پر مسافروں کو ٹھہرانا

سوال[۷۱۰۵]: ۲......اگر مسجدِ مذکور کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جو مسجد کے اخراجات کے لئے کافی ہو تو کیا ایسی صورت میں اگر بالائی چھت پر مسافروں کے واسطے کمرے بنا دیئے جائیں اور آمدنی بڑھانے کے لئے ان مسافروں سے کرایہ وصول کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اجازت نہیں، کذا فی البحر الرائق: ۲۵۱/۵ (۱)۔

۲......اس کی بھی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۶ھ۔

ضرورتِ مسجد کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کرنا

سوال[۷۱۰۶]: مسجد کے احاطہ میں تین عدد غسل خانے اور تین استنجا گاہیں اور ایک سبیل آٹھ نلکوں پر مشتمل برابر برابر بنی ہوئی ہیں، لیکن بنائے مسجد سے ہی شرعی مسجد کے حکم سے یہ اشیاء خارج تھیں، کیونکہ

---

(۱) "لوجعل مسجداً، ثم أراد أن يبني فوقه بيتاً للإمام أوغيره، هل له ذلک؟ قلت: قال في التاتارخانية: إذا بنى غرفةً وهو في يده، فله ذلک. وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلک يبني، لايتركه. إذا قال: عينتُ ذلک، فإنه لايصدق". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۲) "ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۲، رشيديه)

"قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

قوم کے افراد نے تمام مسجد کو پختہ کیا اور نئی بنایا، لیکن مذکورہ بالا اشیاء آج تک پرانے طرز پر موجود ہیں۔ لہٰذا مسجد کی کمیٹی نے ایک رائے پیش کی، کیونکہ احاطۂ مسجد میں بچے داخل ہوکر پاک وناپاک ہاتھوں سے غسل خانوں کی جگہ سے پانی لیتے ہیں۔

دوسرے اس کنویں کے ڈول کو سبیل میں پانی بھرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بعض اوقات جماعت چھوٹنے کا باعث بن جاتی ہے، کیونکہ ماشاء اللہ مصلی زیادہ ہیں اور سبیل کافی نہیں ہوتی۔ استنجا گاہوں کو وائر مشین لگا کر وسیع کیا جائے، کیونکہ مسجد کے نام وقف کافی ہے۔ اس لئے قوم نے اس گیرج کو غسل خانوں میں تبدیل کردیا۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ مسجد کے باہر مسجد کی آمدنی استعمال نہیں کی جاسکتی، لیکن لوگوں نے جواب دیا کہ ہم یہ کام مسجد کی پاکیزگی اور صفائی کے لئے کررہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ مصالحِ مسجد کے لئے غسل خانہ باہر تعمیر کئے جاسکتے ہیں یا نہیں، یا اس کے لئے علیحدہ سے چندہ کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی پاکیزگی اور نماز باجماعت میں سہولت پیدا ہونے کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کردینا درست ہے(۱)۔ جس طرح قدیم غسل خانوں پر مسجد کا روپیہ خرچ ہوا ہے اگر اسی طرح ان غسل خانوں پر مسجد کا روپیہ خرچ ہو تو کیا اشکال ہے، تاہم اگر اشکال ہے تو کوئی بڑی بات نہیں، اس کے لئے مستقلاً چندہ کرلیا جائے۔ جب تک کوئی اشکال سامنے نہ آئے تو اس کی تفصیل کیا لکھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "قلت: وبهذا علم أيضاً حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولا سيما ماترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"(قوله: وأكل نحو ثوم) للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

حجرۂ امام کا شہتیر جدارِ مسجد پر

سوال[۷۱۰۷]: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ! شاہی مسجد سیوہارہ کی جنوب وشمال میں ہر دو جانب زمانۂ قدیم کے بنے ہوئے دو حجرے ہیں جن میں سے ایک حجرے کی قلمدانی ڈانٹ مسجد کی دیوار میں ہضم ہورہی ہے، دوسرا شمالی حجرہ سادہ بنا ہوا ہے جس کو شکستہ ہوجانے کی وجہ سے دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس تمہید کے بعد سوال یہ ہے کہ اس شمالی حجرہ کے اوپر دوسری منزل کی تعمیر کا خیال ہے اور مصلحت تعمیر کی بناء پر اس دوسری منزل کی چھت کا شہتیر ایک طرف مسجد کی دیوار میں رکھا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ تصرف جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے خاص ملحوظات یہ ہیں:

۱- یہ حجرے زمانۂ قدیم سے مسجد کے ہیں۔

۲- ان کی بالائی منزلیں بھی مسجد ہی کی ہیں۔

۳- اس مسجد کے احاطہ میں ایک مذہبی مدرسہ بھی ہے جس کی عمارت مسجد کے مملوکہ زمین پر بنائی گئی ہے۔

۴- اور ان حجروں سے حسبِ ضرورت مدرسہ کا کام لیا جارہا ہے اور مسجد کا بھی، اگرچہ تعلیم کے سلسلہ کے وقت یہ اخراجاتِ مدرسہ کی مد سے ہوتے ہیں، لیکن استعمال عمارت مشترک قسم کا ہے۔

لہٰذا دوسرا سوال یہ ہے کہ ان حجروں کے بارے میں یہ نوعیت جس کو اپنے اکابر ہمیشہ بلانکیر ملاحظہ فرماتے چلے آرہے ہیں کیسی ہے؟

احقر: ثروت حسین، سیوہارہ ضلع بجنور، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ٦٩ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تصرف شرعاً جائز نہیں: "ولا یوضع الجذع علیٰ جدار المسجد وإن کان من أوقافه، اهـ". شامی (۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ٣٥٨/٤، سعيد)

"ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ٤١٩/٥، رشيديه)

ظاہر حالات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجرے مصالحِ مسجد کے لئے وقف ہیں، مدرسہ کا کام لینا ان حجروں سے شرعاً درست ہے، مگر مسجد کا احترام ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، ۲۸/ جمادی الأولی/ ٦٩ھ۔



(۱) "أما المعلم الذى يعلم الصبيان بأجر إذا جلس فى المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر وغيره، لا يكره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون فى المسجد و ما يتصل به : ۱/ ۲۲۹، رشيديه)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، القول فى أحكام المسجد : ۴/ ٦۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ٦/ ۴۲۸، سعيد)

الفصل التاسع فی انتقال المسجد و أمتعته

(مسجداوراس کے سامان کومنتقل کرنے کا بیان)

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۷۱۰۸]: ملک بنگال میں ایک جگہ مسجد تھی جس میں جمعہ پڑھا کرتے تھے، اب اس جامع مسجد میں کوئی شخص نماز پڑھنے نہیں آتا، اگر آتے ہیں تو صرف ایک یا دو آدمی۔ اور اس سے قریب ہی ایک اَور موضع ہے جہاں بہت آدمی رہتے ہیں، وہ لوگ اس کو منتقل کرکے اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں، اور منتقل شدہ جامع مسجد میں جمعہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اب قدیم جامع مسجد کے متعلق کیا حکم ہے جب کہ وہاں سے سارا سامان اٹھالیا گیا ہے، صرف زمین مسجد کی باقی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ اس پہلی مسجد میں بعض آدمی نماز پڑھنے کے لئے اب بھی آتے ہیں تو اس کو کسی دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (۱)، البتہ اس مسجد کے قریب آبادی کم ہونے کی وجہ سے اگر نماز جمعہ دوسری مسجد میں جس کے قریب آبادی زیادہ ہو پڑھ لی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲) بشرطیکہ وہاں شرائط

---

(۱) "ولو خرب ما حوله، واستغنی عنه، يبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قيام الساعة، وبه يفتی". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثانی) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلی مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوی، حاوی القدسی". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع". (الدرالمختار). "(قوله: تغلق) لئلا تجتمع فيها=

جمعہ بھی متحقق ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/شوال/۵۷ھ۔

مسجد کو منتقل کرنا

سوال [۷۱۰۹]: کچھ عرصہ پہلے کی بنی ہوئی ایک مسجد ہے، حسبِ ذیل چند معتبر عذر درپیش ہوئے:

فی الحال جہاں مسجد قائم ہے وہاں برسات کا پانی ہو کر مسجد کے اندر اور صحن کے قریب جاتا ہے، بہت دنوں تک مسجد کے احاطہ سے باہر منتقل ہو کر نماز پڑھنی پڑی ہے، مسجد کے بناتے وقت وہاں پانی نہیں ہوا کرتا تھا۔ مسجد کے مشرقی جانب چالیس پچاس گز فاصلہ پر بہت عمدہ جگہ موجود ہے، وہاں بھی برسات کا پانی نہیں ہوا کرتا ہے اور نہ ہونے کا اندیشہ ہے اور یہاں پر مسجد ستون پر ہے اور اس کے اطراف میں دیمک کی وجہ سے ستون کی کڑی وغیرہ رکھنا بھی بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔

مذکور فاضل اونچی جگہ پر منتقل کر کے دیوار اٹھا کر ہمیشہ کے لئے مسجد کا احترام باقی رکھنے پر محلّہ کے سب لوگ متفق ہیں اور عذر یہ بھی موجود ہے کہ مصلیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں لوگ سما نہیں سکتے ہیں، مسجد کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے، لیکن مذکورہ مشرقی جانب فاصلہ نہیں، منتقل کرنے اور کسی جانب مسجد بڑھانے کی جگہ بھی نہیں۔ مذکورہ عذروں سے کوئی عذر کا دفعیہ ہوسکتا ہے۔ اور واضح رہے کہ فاضل پر انتقال کرنے سے بھی موضع سابق اسی مسجد کی منشفع میں رہے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اسی صورت مذکورہ عذروں کے سبب سے مسجد کی بنا پر مذکورہ چالیس پچاس گز کے فاصلہ پر منتقل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز نئی مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا مع حوالہ کتب۔

مستفتی ریاض الدین احمد۔

= جماعة". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، سعید)

(۱) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر، الخ". (الدرالمختار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر موجودہ مسجد باقاعدہ مسجد شرعی ہے تو جب تک وہ آباد رہے اس کے سامان کو منتقل کرنا اور کسی نئی پرانی مسجد میں خرچ کرنا درست نہیں، البتہ اگر یہ مسجد غیر آباد ہوجاوے اور لوگ اس میں نماز پڑھنا ترک کردیں، خواہ قریب آبادی بڑھنے کی وجہ سے، یا دوسری مسجد بنانے کی وجہ سے تو اس کے سامان کو دوسری مسجد میں اہل محلّہ کی رائے سے منتقل کرنا درست ہوگا اور احترام اس قدیم مسجد کا بھی واجب ہے، اس کا احاطہ بنا کر حفاظت کرنا ضروری ہے۔

جس قدر روپیہ جدید مسجد بنانے میں خرچ ہوگا، کیا ممکن نہیں کہ اس روپیہ کے ذریعہ سے مسجد میں پانی کی حفاظت اور وسعت کا انتظام کیا جاسکے، اگر ممکن ہے تو پھر جدید مسجد بنانے کی ضرورت نہیں کہ اس سے قدیم مسجد ویران ہوجاوے گی:

”ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسى. وعاد إلى الملك: أى ملك البانى أو وارثه عند محمد رحمه الله تعالىٰ. وعن الثانى: ينتقل إلى مسجد اٰخر بإذن القاضى، اهـ“. درمختار(۱)۔

”وفى فتاوىٰ النسفى: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبين يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضى، و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

”إذا خرب و ليس له ما يعمر به، وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القرية .... فإنه يعود إلى ملك الواقف أو ورثته. وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لايعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوىٰ“. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(و كذا فى خلاصة الفتاوى، الفصل الرابع فى المسجد، الخ: ۴۲۴/۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(و كذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۶/۵، إدارة القرآن كراچى)

قال: نعم". ردالمحتار: ۳/۵۷۵(۱)۔

"وصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتياج". تنوير الأبصار شامی: ۵/۴۱۹(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/۶/۵۹ھ۔

مسجد کو منتقل کرنا

سوال[۷۱۱۰]: کسی محلّہ میں زمانۂ قدیم سے ایک جگہ جامع مسجد تھی، مسجد مذکور کے متصل ایک مکتب ہے، حال ہی میں ترقی یافتہ زمانہ نے محلّہ مذکورہ کے قریب ایک چھوٹا سا ڈیلی بازار کی بنیاد ڈالی جہاں صبح وشام روزمرہ لوگوں کی آمد ورفت ہے۔ اب اگر مسجد کو بازار مذکور کے متصل لیا جائے تو مصلی اور انجان لوگوں کے لئے عبادت کے علاوہ حفاظت مسجد میں کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔ مصلحت بالا کی بنا پر اہل محلّہ مسجد کو قدیم جگہ سے اٹھا کر بازار کے متصل بنانا چاہتے ہیں۔ شرعاً مسجد کی جگہ میں تغیر وتبدل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور پرانی مسجد کی جگہ کو مکتب میں الحاق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور صورتِ ثانی میں اس جگہ کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ مسجد شرعی بنادی جائے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد رہتی ہے اب اس کو وہاں سے منتقل کرنا اور اس جگہ کو مکتب کے لئے مخصوص کرنا ہرگز جائز نہیں (۳)، بلکہ اس مسجد قدیم کو بدستور مسجد ہی رکھا جائے اور اس

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

"كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية، فرفع ذلك إلى القاضي، فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر، جاز". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۴، رشيديه)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۶، ۳۷۷، سعيد)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، =

میں اذان و جماعت کا بھی اہتمام رہے، جس طریقہ سے اب تک حفاظت رہی ہے اسی طریقہ سے آئندہ بھی حفاظت کی جائے، نہ اس کو قیمتاً دینا درست ہے، نہ کسی مکان یا زمین کے عوض دینا درست ہے:

”لو کان مسجد فی محلة، فضاق علی أهله و لا یسعهم أن یزیدوا فیه، فسألهم بعض الجیران أن یجعلوا ذلك المسجد له، لیدخله فی داره، ویعطیهم مکانه عوضاً ما هو خیرٌ له، فیسعهم فیه أهل المحلة، قال محمد رحمه الله تعالیٰ: لا یسعهم ذلك، کذا فی الذخیرة“. فتاوی عالمگیری: ۳۴۸/۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۱۳ھ۔

مسجد کا تبادلہ

سوال[۷۱۱۱]: ہمارے گاؤں میں ایک جگہ مسجد کے نام سے مشہور ہے، کاغذات پٹواری میں مسجد کے نام سے درج ہے، جگہ منہدمہ ہے، ویسے کسی کو نماز پڑھتے ہم نے نہیں دیکھا، اس کے پاس مندر بنا ہوا ہے جس میں روزانہ گھنٹی بجتی ہے، آس پاس غیر مسلموں کے مکانات ہیں، مسلمان کچھ فاصلہ پر آباد ہیں۔ اور یہاں کوئی دوسری مسجد بھی نہیں ہے، مسجد کی سخت ضرورت ہے، اس جگہ میں مسجد بنانے میں فساد کا اندیشہ ہے۔ مسلمان

= حاوی القدسی“. (الدرالمختار). ”(قوله: عند الإمام والثانی) فلا یعود میراثاً، و لا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد اٰخر، سواء کانوا یصلون فیه أولا، وهو الفتوی، حاوی القدسی“. (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد أو غیره: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به: ۴۵۷/۲، رشیدیه)

”ولو کان مسجد فی محلة ضاق علی أهله، ولا یسعهم أن یزیدوا فیه، فسألهم بعض الجیران أن یجعلوا ذلک المسجد له، لیدخل هو فی داره، ویعطیهم مکانه عوضاً ما هو خیرٌ له، أیسع لأهل المحلة؟ قال محمد رحمه الله تعالیٰ: لا یسعهم ذلک“. (التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۸۴۴/۵، إدارة القرآن کراچی)

کہتے ہیں کہ اگر اس کے بجائے اپنے جائے وقوع پر مسجد تعمیر کرلیں تو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہیں گے، غیر مسلم اس جگہ کے بجائے ہمارے جائے وقوع وسکونت پر زمین دینے کے لئے تیار ہیں۔تو کیا ہمارے لئے شرعاً اجازت ہے کہ اس کے بدلے میں جگہ یا اس کی قیمت لے لیں اور دوسری مسجد تعمیر کرائیں۔

حسین بخش، اجمیر شریف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی طرف سے زمین کا تبادلہ یا بیع کا معاملہ نہ کیا جائے اور اگر وہ زمین نہ چھوڑیں اور دوسری جگہ آپ کے مناسب زمین دیں، یا قیمت دیں، تو مجبوراً لے کر دوسری جگہ مسجد بنالیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۶/ ۸۷ھ۔

پرانی مسجد کو نئی مسجد کی طرف منتقل کرنا

سوال [۷۱۱۲]: ا......ایک محلّہ میں لوگ پہلے سے جمعہ پڑھتے چلے آئے ہیں اور یہ مسجد اس محلّہ

---

(۱) "الثالثة: أن يجحده الغاصب، ولا بينة: أى وأراد دفع القيمة، فللمتولى أخذها، ليشترى بها بدلاً".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳۰۶/۳، رشيديه)

"سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها، هل للمتولى أن يبيعها ويشترى بثمنها أخرى؟ قال: نعم". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"رجل وقف موضعاً في صحته، وأخرجه عن يده، فاستولى عليه غاصب، وحال بين الوقف وبينه، قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: يأخذ من الغاصب قيمتها ويشترى بها موضعاً آخر، فيقفه على شرائطُ الأول. قيل له: أليس بيع الوقف لايجوز؟ فقال: إذاكان الغاصب جاحداً، أوليس للوقف بينة، يصير مستهلكاً، والشئ المسبل إذاصار مستهلكاً، يجب له الاستبدال".

(فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فى وقف المنقول: ۳۱۲/۳، رشيديه)

کے کنارہ پر واقع تھی، اب لوگ دوسرے محلّہ میں جمعہ پڑھنے لگے اور پہلی مسجد کو بالکل منہدم کردیا، مگر وہاں پر عام راستہ نہیں بنایا، بلکہ اس کے چاروں طرف احاطہ کردیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کا اس جگہ سے دوسری جگہ مسجد منتقل کرنا کیسا ہے جب کہ دوسرے کنارہ پر از سرِ نو مسجد بنائی گئی اور پہلی مسجد کو بالکل منہدم کردیا ہو؟

۲......اگر یہ مسجد دوسری جگہ کسی ضرورت سے منتقل کی گئی ہے تو یہ فعل جائز ہوگا یا نہیں اور اگر بلاضرورت منتقل کردی گئی ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......ایک مسجد منہدم کرکے دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (۱)، البتہ اگر پہلی مسجد کہنہ اور غیر آباد ہو، نیز اس کی حاجت نہ رہی ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کا سامان ضائع ہوجائے گا تو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا درست ہے، کذا فی ردالمحتار: ۵۷۵/۳ (۲)۔

۲......جواب نمبر ایک سے معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدرالمختار). "(قوله: عندالإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر .... وهو الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه).

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۶/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا

سوال[۷۱۱۳]: اگر کوئی مسجد بوسیدہ ہوگئی ہو، اس کے نمازی بھی نہ رہے ہوں اور یہ بھی خطرہ ہے کہ عوام الناس اس جگہ کو گندگی سے ملوث کردیں گے۔ اگر مسجد کی دیواریں وغیرہ ختم کردی جائیں تو ایسی صورت میں مسجد کے سامان کو فروخت کر کے دوسری مسجد میں لگانا، یا اس سے دوسری جگہ مسجد بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں مسلم آبادی نہیں رہی اور مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں، نہ قفل کارآمد ہے، نہ چہاردیواری، تو خطرہ مذکورہ کے پیشِ نظر اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نقشۂ اوقاتِ نماز ایک مسجد سے دوسری مسجد میں منتقل کرنا

سوال[۷۱۱۴]: ایک شخص نے زید کی مسجد میں اپنی ذاتی آمدنی سے اوقات کا نقشہ مسجد میں لگایا اور وقف کردیا۔ عرصہ ۶/ سال سے وہ بالکل بے سود اور بیکار و بے عمل لگا ہوا ہے، یعنی اس مسجد کے امام اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں اگر وہ وقف شدہ نقشۂ اوقاتِ نماز کسی دوسری مسجد میں جہاں پابندی سے نماز ہورہی

---

(۱) "وهكذا نقل عن الشيخ الإمام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه أنه تصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

"ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۶/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ہے اور اس مسجد میں نقشہ بھی نہیں، اس مسجد سے نکال کر اس ضرورت والی مسجد میں وقف کرایا جائے تو درست ہوگا، یا پرانی مسجد میں وقف ہونے کی بناء پر مسجد میں درست نہ ہوگا؟ اور وقف کرنے والے کو بے عمل والی مسجد میں لگا رہنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اصل مالک نے متعین طور پر اسی مسجد کے لئے وقف کیا ہے اور وہ وقف صحیح بھی ہو گیا تو اس کو پھر دوسری مسجد میں منتقل کرنے کے لئے فقہاء کے دو قول ہیں، راجح یہ ہے کہ منتقل کرنا جائز نہیں، لہٰذا امام اور مقتدی کو چاہئے کہ اس نقشہ سے کام لیں تا کہ واقف کی نیت پوری ہو اور اس کے ثواب میں اضافہ ہو۔ نفسِ وقف کا ثواب بہر حال اس کو حاصل ہے۔ ہاں! اگر خدانخواستہ مسجد غیر آباد ہو جائے تو پھر دوسری مسجد میں اس کو منتقل کرنا درست ہوگا۔

قرآن کریم کو جس مسجد پر وقف کیا جائے اس کو دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا مسئلہ ردالمحتار: ۳/۵۸۰ میں مذکور ہے (۱)۔ اسی کے ذریعے صورتِ مسئولہ کا حکم تحریر کیا گیا ہے۔ اگر وہ نقشہ وقف نہیں ہوا تو اس کو منتقل

---

(۱) "وفي القنية: سبل مصحفاً في مسجد بعينه للقراءة، ليس له بعد ذلك أن يدفعوه إلى آخر من غير أهل ذلك المحلة للقراءة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم، الخ: ۴/۳۶۵، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۸، إمداديه ملتان)

"وفي وقف الحسن بن زياد: إذا اشترى مصاحف وجعلها في المسجد الحرام أو في غيره من المساجد وقفاً مؤبداً لأهل ذلك المسجد ولجيرانه ولمارة الطريق ولابن السبيل يقرؤن، فهو جائز في قول أبي يوسف". (التاتارخانية، كتاب الوقف، وقف المنقول: ۵/۷۱۳، إدارة القرآن كراچي)

"فإن وقفها على مستحقي وقفه، لم يجز نقلها". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۵، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۸، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المنتقى، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"إذا وقف كتباً وعيّن موضعها، فإن وقفها على أهل ذلك الموضع، لم يجز نقلها منه، لا لهم ولا لغيرهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل كتب الوقف من محلها: ۴/۳۶۶، سعيد)

کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگانا

سوال [۷۱۱۵]: مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ مفت ہوں یا قیمتاً، کیا صورت ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر پتھر وغیرہ کوئی چیز مسجد کیلئے خریدی گئی، پھر اس کی ضرورت نہیں رہی تو مدرسہ یا کسی دوسری مسجد میں قیمتاً اس کو لگانا درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

ایک مسجد کا پنکھا دوسری مسجد میں دینا

سوال [۷۱۱۶]: کیا واقف کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اس مسجد سے بجلی کا پنکھا نکال کر دوسرے محلّہ کی مسجد میں لگا دیں جب کہ اس مسجد میں پنکھا وقف کر دیا گیا ہے، آیا پنکھا نکالنے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جب کہ پنکھا وقف کر کے مسجد میں لگا دیا گیا ہے تو اس کو نکال کر دوسری مسجد میں لگانا

---

(۱) "أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/ ۳۷۷، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد ۶/ ۲۲۴، ۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۶۰ھ، سہارنپور۔

پرانی مسجد توڑ کر اس کا سامان نئی مسجد میں لگانا، یا فروخت کرنا

سوال[۷۱۱۷]: کسی پرانی مسجد کو توڑ کر وسعت دے کر نئی مسجد بنائی جائے اور اس پرانی مسجد کا کچھ اسباب مثلاً: اینٹ، لکڑی وغیرہ بچ جائے تو اس کا فروخت کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانی مسجد کا جو سامان نئی مسجد کی تعمیر میں کارآمد نہ ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے نئی مسجد کی تعمیر میں کارآمد سامان خرید لیا جائے۔ اور جو سامان پرانی مسجد کا فروخت کیا جائے، بہتر یہ ہے کہ کسی مسجد ہی کے کام میں اس کو لگایا جائے، کوئی شخص اس کو خرید کر اپنے رہائشی مکان میں استعمال کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

"وقال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولايجوز نقله و نقل ماله إلىٰ مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي. وفي المجتبىٰ: وأكثر المشايخ على قول أبي يوسف، ورجح في فتح القدير قول أبي يوسف بأنه الأوجه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلاحفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۸، رشيديه) .... =

پرانی مسجد کے گرکر بہہ جانے کا اندیشہ ہوتو اس کی اینٹ وغیرہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۱۱۸]: ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے جو پانی چڑھنے کی وجہ سے شہید ہونے لگی اور اندیشہ ہے کہ کچھ دن یہی حال رہا تو اینٹ وغیرہ سب پانی میں بہہ جائیں گے، لہذا اگر اینٹیں وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنادی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد منہدم ہورہی ہے اور وہاں پانی کا قبضہ ہورہا ہے اور مسجد کی اینٹ وغیرہ کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے تو وہاں سے اینٹ وغیرہ اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

دریابُرد گاؤں کی مسجد کا سامان کس مسجد میں استعمال کیا جائے؟

سوال[۷۱۱۹]: جمنا کے کنارے ایک موضع ہے جو سب دریابُرد ہوگیا ہے، صرف چند مکان اور ایک مسجد باقی ہے۔ سرکار نے اس گاؤں کو دوسری جگہ بسا دیا ہے جس میں تین مسجدیں ہیں۔ اب قدیم مسجد ویران ہے، اس کے سامان کے استعمال میں نزاع ہورہا ہے تو کون سی مسجد میں اس کو استعمال کرسکتے ہیں، یا ابھی نہیں کرسکتے؟

= "وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۲/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "و لو خرب أحد المسجدين في قرية واحدة، فللقاضي صرف خشبه إلى عمارة المسجد الآخر إذا لم يعلم بانيه و لا وارثه، وإن علم يصرفها هو بنفسه". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۴/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۴/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک قدیم مسجد موجود ہے اس کے سامان کہیں منتقل نہ کریں، بلکہ اسی مسجد کو آباد کریں (۱)۔ اور اگر کسی وقت وہ بھی دریابُرد ہوجائے اور وہاں پانی کا قبضہ ہوجائے، پھر اس کا سامان ورقوم باہمی مشورہ سے جس مسجد میں ضرورت ہو وہاں منتقل کردیں (۲)۔ اگر مشورے میں اتفاق نہ ہو، یا سب مسجدیں برابر ہوں تو پھر تینوں میں تقسیم کردیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

حویلی کی مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں لے جانے کا حکم

سوال [۷۱۲۰]: موضع بسیرہ کنور ضلع بجنور میں جب کوئی مسجد نماز ادا کرنے کے لئے نہ تھی، تو ایک صاحب نے اپنی جگہ پر چبوترہ قائم کیا، بستی کے تمام لوگ وہاں پر نماز پنجگانہ ادا کرتے رہے، اسی اثناء میں الیکشن کا دور چلا۔ ایک صاحب جو بستی کا اعتماد علم وعمل میں حاصل کئے ہوئے تھے پردھان کے سیٹ حاصل کرنے کے کھڑے ہوگئے، دوسری طرف گاؤں کا زمیندار کھڑا تھا۔ لوگوں نے اپنا ووٹ زمیندار کو کامیاب

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

"في فتاوى الحجة: لو صار أحد المسجدين قديماً، وتداعى إلى الخراب، فأراد أهل السكة بيع القديم وصرفه في المسجد الجديد، فإنه لايجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۲) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کرنے میں اپنے مستقبل کو روشن جانا اور ایسا نہ ہوتا تو قومی مفاد خطرہ میں تھا۔ اس بستی میں مسلم آبادی صفر کے دائرہ میں ہے۔

شخصِ مذکور عالم ہونے کے سبب امام بھی تھے، انہوں نے عام مسلمانوں کو اپنے چبوترہ پر نماز پڑھنے سے روک دیا اور سخت سست کہا، عام مسلمانوں نے شاہراہِ عام پر جگہ انتخاب کر کے مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ کچھ عرصہ بعد ۲،۳/ آدمیوں میں ضد کی بنا پر اس چبوترہ پر دوسری مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ چبوترہ والی مسجد حویلی کے اندر ہے اور پردہ کی حویلی ہے۔ عورتیں کبھی برا بھلا کہتی ہیں، آئندہ اَور بھی برائیاں ہوں گی۔ اور یہ جگہ آج تک وقف نہیں ہوئی۔ اب حویلی مذکور کے لوگ چاہتے ہیں کہ مسجد شہید کر کے اس کا سامان جامع مسجد میں لگا دیا جائے اور اس کا ملبہ کام میں لایا جائے۔ اگر اس کو رہائشی مکانوں میں لگا دیا جائے تو کیا کچھ حرج واقع ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ جگہ (چبوترہ والی) وقف نہیں اور مالک نے وہاں مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی اور وہ حویلی کے اندر ہے کہ سب کو وہاں نماز کے لئے جانے کی اجازت نہیں تو وہاں مسجد بنانا درست نہیں (۱)، جو سامان جن لوگوں کا ہے وہ خود لے جاسکتے ہیں (۲)، اگر چندہ کر کے خریدا ہے تو چندہ دینے والوں کی اجازت سے اس کو دوسری مسجد میں حسبِ ضرورت ومصلحت لگا سکتے ہیں (۳)۔ اگر اصل حقیقت اس کے خلاف ہو تو ظاہر ہے کہ

---

(۱) "فإن شرط الواقف التأبید، والأرض إذا کانت ملکاً لغیرہ فللمالک استردادھا، وأمرہ بنقض البناء، وکذا لو کانت ملکاً لہ فإن لورثتہ بعدہ ذلک". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلبٌ: مناظرة ابن الشحنة: ۳۹۰/۴، سعید)

"الخامس من شرائطہ: الملک وقت الوقف". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۱۴/۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشیدیہ)

(۲) "وکذا لو اشتری حشیشاً أو قندیلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنہ، کان ذلک لہ وإن کان حیاً، ولورثتہ إن کان میتاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۲۳/۴، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی مالو خرب المسجد أو غیرہ، اھـ: ۳۵۹/۴، سعید)

(۳) "ولو ضرب أحد المسجدین فی قریة واحدة، فللقاضی صرف خشبہ إلی عمارة المسجد الآخر إذا لم یعلم بانیہ ولا وارثہ، وإن علم یصرفھا ھو بنفسہ". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام =

اس کا حکم بھی یہ نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱/۱/۹۲ھ۔

مسجد کے پرانے سامان کا مصرف

سوال[۷۱۲۱]: ہمارے یہاں ایک پرانی مسجد ہے، اس کو منہدم کرکے نئی مسجد بنانا چاہتے ہیں، اب اس پرانی مسجد کے سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور حفاظت کرنا بھی مشکل ہے۔ لہٰذا اس سامان کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اس سامان کو کسی مدرسہ یا میت رکھنے کی جگہ میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ ہمارے یہاں میت رکھنے کے لئے مستقل گھر بنائے جاتے ہیں۔ نیز اس مسجد کے پتھروں کو نئی مسجد کے احاطہ بنانے میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مسجد اتنی پرانی ہوگئی کہ اس کے منہدم ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو منہدم کرکے نئی مسجد بنانا چاہتے ہیں تو اس کا جو سامان نئی مسجد میں کارآمد ہوسکتا ہے تو اس کو نئی مسجد میں لگادیں، جو سامان وہاں نہیں لگ سکتا، اس کو فروخت کرکے قیمت تعمیرِ مسجد میں خرچ کردیں یعنی اس قیمت کا نیا سامان اس مسجد میں لگادیں۔ جو شخص اس سامان پتھر وغیرہ کو خریدلے اس کو حق ہے کہ اپنے مکان میں استعمال کرے، یا مدرسہ، یا کسی دوسری مسجد کے لئے خریدلیا جائے، یا میت رکھنے کی جگہ خریدلیا جائے۔ یہ بھی درست ہے کہ نئی مسجد کے احاطہ میں استعمال کرلیا جائے، مگر یہ سب تصرف باہمی مشورہ سے کیا جائے:

"نقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه: هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم. المسجد إذا خرب واستغنی عنه أهل القریة فرفع ذلك إلی القاضی، فباع الخشب، وصرف الثمن إلی مسجد آخر، جاز". کذا فی ردالمحتار بتقدیم وتأخیر۔ "وفی فتاویٰ النسفی:

= المساجد: ۵/۴۲۴، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجد، الخ: ۲/۴۵۸، رشیدیه)

سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دارهم، هل لواحدٍ من أهل المحلة أن يبيع الخشبة بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم، اه". ردالمحتار(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره .... مطلب في نقل أنقاض المسجد الخ: ۳۵۹/۴، ۳۶۰، سعيد)

"رباط في طريق بعيد استغنى عنه المارّة، وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع رحمه الله: يصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية، فرفع ذلك إلى القاضي، فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر، جاز". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

"سئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر؟ قال: نعم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

"وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه ويمسک ثمنه ليحتاج". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، سعيد)

"سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية افترقوا، وتداعى مسجد القرية إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى ديارهم: هل لواحدٍ من أهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسک الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم. كذا في =

مسجد کا قرآن دوسری جگہ لے جانا

سوال[۷۱۲۲]: مسجد میں اگر قرآن پاک کے پارے موجود ہوں تو قرآن خوانی کی غرض سے مسجد کے علاوہ جگہ پارہ لے جانا جائز ہے یا ناجائز، اسی طرح مسجد کی کتب بھی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو پارے یا کتب جس مسجد کے لئے وقف ہوں ان کو دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

مسجد کا قرآن گھر لا کر قیمت ادا کرنا

سوال[۷۱۲۳]: ہمارے محلّہ کی مسجد میں بہت سے قرآن کریم قارئین کے لئے رکھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قرآن شریف جو کہ (۱۳۸۱ھ، قاہرہ) عربی میں ٹائپ میں چھپا ہوا ہے، مجھے تلاوتِ قرآن کا شوق ہے، اس کو تلاوت کے لئے بغیر کسی مقتدی، یا متولی مسجد سے پوچھے اپنے گھر اٹھالایا، صرف اس غرض سے کہ یہ غیر ملکی ہے اور عربی ٹائپ میں ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کی جگہ میں اپنا قرآن شریف اس مسجد میں رکھ آؤں۔

= المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی يستغنی عنها، الخ: ۲/۴۷۸، ۴۷۹، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی يستغنی عنها، الخ: ۵/۸۷۸، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وقف مصحفاً على أهل مسجد للقرأة إن يحصون، جاز، وإن وقف على المسجد جاز، و يقرأ فيه، ولا يكون محصوراً على هذا المسجد، و به عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها، والفقهاء بذلک مبتلون. فإن وقفها على مستحقی وقفه، لم يجز نقلها". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۵، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۸، رشيديه)

جواب طلب بات یہ ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا یہ چوری کے جرم میں ہے اور میرے اوپر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ اگر مجھے یہ قرآن شریف رکھنا ہو تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ براہِ کرم تفصیل سے بتائیں، کیونکہ یہ قرآن میں ضرور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ قرآن پاک جس نے مسجد میں رکھا ہے، ظاہر ہے کہ مسجد کے لئے وقف کیا ہے کہ جس شخص کا دل چاہے مسجد میں آکر تلاوت کرے، اس کو مکان لے جا کر مستقلاً رکھنے کی اجازت نہیں (۱) اگر چہ اس کے بدل میں آپ دوسرا قرآن شریف مسجد میں رکھ دیں، شئ موقوفہ پر عوض دے کر مالکانہ قبضہ کا حق نہیں (۲)۔

اگر آپ کو حاصل کرنا ہی ہے تو اس پر جو پتہ لکھا ہے وہاں سے منگوالیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ قرآن کریم اور دینی کتابیں قاہرہ وغیرہ سے منگا کر فروخت کرتے ہیں، ان کی دوکان پر ہندوستان میں بھی مل جائے گا۔ بمبئی، سورت میں ایسی دوکانیں موجود ہیں۔ نیز جو شخص حج کے لئے جائے اس سے فرمائش کر دیں، وہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، جدہ کسی جگہ سے بھی لے آئے گا، وہاں عام طور سے ملتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۹/۱۱/۱۷ھ۔

مسجد کے قرآن پاک وغیرہ مدرسہ میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۲۴]: مسجد کے لئے وقف شدہ قرآن شریف اور پارے وغیرہ کا مدرسہ کے لئے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قرآن شریف، پارے مسجد میں رکھے گئے ان کو ہر شخص مسجد میں استعمال کر سکتا ہے، چاہے وہ مدرسہ

---

(۱) (راجع المسئلة الآتية، رقم الحاشية : ۱)

(۲) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

کے طلباء ہوں چاہے دوسرے نمازی ہوں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں لے جانا

سوال[۷۱۲۵]: چھوٹی مسجدوں کا فرش جامع مسجد میں استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں نہ لے جایا جائے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

ایک مسجد کی چٹائی دوسری مسجد میں دینا

سوال[۷۱۲۶]: زید جس شہر میں رہتا ہے اس کے ایک محلّہ میں ایک مسجد ہے جس میں جائیداد کافی وقف ہے اور متولی صاحب اس کے مالک ہیں، کیونکہ وہی ساری جائیداد کے متولی ہیں۔اس میں فرش پر بچھانے

---

(۱) البتہ مسجد سے اٹھا کر مدرسہ لے جانا اور مدرسہ میں استعمال کرنا درست نہیں:

"لكن في القنية: سبل مصحفاً في مسجد بعينه للقراءة، ليس له بعد ذلك أن يدفعه إلى آخر من غير أهل تلك المحلة للقراءة.......... فما قدمه عن الخلاصة من حكاية القولين: من أنه لو وقف المصحف على مسجد: أي بلا تعيين أهله، قيل: يقرأ فيه: أي يختص بأهله المتردّدين إليه، وقيل: لايختص به: أي فيجوز نقله إلى غيره، وقد علمت تقوية القول الأول بما مرعن القنية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة، ومطلب في نقل كتب الوقف من محلها: ۴/۳۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۲، رشيديه)

(۲) "ولايجوز لقيّم شراء المصليات لتعليقها بالأساطين، ويجوز للصلوة عليها، ولكن لاتعلق بالأساطين، ولا يجوز إعارتها لمسجد آخر". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشيديه)

"ولا يجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۴، (رقم القاعدة: ۳۷) إدارة القرآن كراچی)

کیلئے چٹائیاں بہت ہیں، بعض ضرورتِ مسجد سے زائد ہیں تو کیا وہ دوسری کسی مسجد میں اس کی ضرورت کے تحت دے سکتے ہیں تو کس صورت میں؟ مفصل تحریر فرمائیں، عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر مسجد میں چٹائیاں زائد موجود ہیں اور حفاظت کی کوئی صورت نہیں، خراب اور ضائع ہورہی ہیں تو زائد چٹائیاں ایسی مساجد میں بچھانا درست ہے جہاں ضرورت ہو(۱) متولی اور دیگر اہل الرائے حضرات کے مشورہ سے دے سکتے ہیں، بلامشورہ نہ دیں تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی چیز مدرسہ کے لئے اور مدرسہ کی چیز مسجد کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۲۷]: مسجد یا مدرسہ کے لئے کوئی چیز خریدلی گئی، وہ ان میں استعمال بھی ہوتی ہے، امام، مؤذن اور مدرسہ کے بچے غیر اوقاتِ نماز میں مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں، جیسے مسجد یا مدرسہ کا پائیدان وغیرہ؟

محمد انس، ڈرائی کلینرس، تلتلیہ نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے پیسے سے جو چیز خریدی گئی وہ مدرسہ ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے، اسی طرح مسجد کے پیسہ سے خریدی ہوئی چیز مسجد ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے (۲)۔ اگر ایسی چیز جس مقصد کے لئے

---

(۱) "حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف : ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، =

خریدی گئی تھی اب وہ مقصد ختم ہوگیا، مثلاً مدرسہ کی ضرورت نہیں رہی اور مسجد کے لئے یا امام صاحب کے لئے ضرورت ہے تو مدرسہ سے خرید کر استعمال کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/ ۹۵ھ۔

مسجد غیر آباد ہوجائے تو اس پر وقف زمین کی آمدنی کا حکم

سوال[۷۱۲۸]: **الاستفتاء:** موضع بندہ کھیڑی میں مسجد کی زمین ۴۲/ بیگہ ہے، اب وہاں پر شرنارتھی آباد ہیں، مسجد غیر آباد ہے، اس کی زمین کی آمدنی کو متولی کھا رہے ہیں اور یہ زمین مسجد کے نام سے وقف ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی آمدنی کہاں خرچ کریں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ زمین اس مسجد کے نام وقف کردی تھی تو مالکانہ قبضہ درست نہیں (۱)، اس کی آمدنی اس مسجد پر خرچ کریں۔ اگر وہاں خرچ کرنے کی جگہ نہیں تو دوسرے گاؤں میں جو مسجد ضرورت مند ہو وہاں پر خرچ کریں (۲)،

= لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أى الصرف المذكور.......... ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهى واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "و كذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار). "وفى شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

"أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال، للقاضى أن يصرف فى ذلك، لكن على وجه القرض، فيكون ديناً فى مال الفىء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به: ۴۶۴/۲، رشيديه) .... =

کوئی اس کو اپنے خرچ میں نہ لائے، وہ کسی کی ملک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر آباد مسجد کا سامان مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا

استفتاء [۷۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک نئی مسجد تیار ہوئی ہے، اس کے قریب میں ایک پرانی مسجد شکستہ و برباد حالت میں ہے تو اس شکستہ مسجد کو توڑ کر اس کے ملبہ سے نئی مسجد کے قریب مدرسہ، مسافر خانہ، یا امام و موذن کے رہنے کے لئے حجرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مسجد کا ایک مکان جو مسجد کے لئے وقف ہے اور اس کی آمدنی مسجد میں خرچ ہوتی ہے۔ تو اس مکان میں اس ملبہ یا اس کی قیمت کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

بندہ: سلیمان داود یوسف۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو مسجد غیر آباد ہو چکی ہے کہ وہاں نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں رہی، اس جگہ کو محفوظ کر دیا جائے، مفتیٰ بہ قول کے مطابق وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔ اگر وہ وہاں کارآمد نہ ہو تو اربابِ حل و عقد کی رائے سے اس کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد میں صرف کر دی جائے، لیکن مسجد کا سامان بلا قیمت مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں، اگر چہ وہ مسجد کے قریب ہی ہو:

"ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عندالإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة،

= "وعند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ: یباع ذلک و یصرف ثمنه إلی حوائج المسجد، فإن استغنی عنه هذا المسجد، یحول إلی مسجد آخر". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۳/۵، رشیدیه)

(۱) "(قوله: لا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء کما نقله فی فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولاتورث". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

وبه يفتي. وعن محمد وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، وكذا الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه، اهـ". در مختارمختصراً(۱)۔

"(وقوله: ولو خرب ما حوله): أي ولو مع بقائه عامراً، وكذا لو خرب، وليس له ما يعمر به، و قد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر............ (قوله: وعن الثاني) جزم به في الإسعاف حيث قال: ولو خرب المسجد و ما حوله و تفرق الناس عنه، لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف، ويباع نقضه بإذن القاضي، ويصرف القاضي إلى بعض المساجد. (قوله: إلى أقرب مسجد أو رباط، اهـ) -لف و نشر مرتب- وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه. وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". شامی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۷۱ھ۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

"ولو خرب ما حول المسجد واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ؛ لأنه إسقاط منه، فلا يعود إلى ملكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۸/۲، رشیدیہ)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

"وهكذا نقل عن الشيخ الإمام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب و لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشیدیہ)

"سئل شمس الأئمة الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها: هل للمتولي أن يبيعها و يشتري مكانها أخرى؟ قال: نعم". (فتح القدير، كتاب الوقف، باب أحكام المساجد: =

نئی مسجد بنانے کے بعد پرانی مسجد اور اس کے وقف کا حکم

سوال[۷۱۳۰]: ۱...... ہمارے موضع میں ایک مسجد تھی جس میں باقاعدہ نماز وغیرہ ہوتی رہی بیس سال تک، اس کے بعد اس موضع میں دوسری جگہ وہ مسجد منتقل کردی گئی اور وہ جگہ چھوڑ دی گئی بیکار، ایک مکان کا فاصلہ تھا، اور قریب خراب ہونے کے بھی تھی۔ فی الحال منقولہ مسجد ایک مکان جس میں باغ لگا ہوا ہے موجود ہے اور منقول عنہ کی جگہ ویران پڑی ہے۔ اب اس میں نماز وغیرہ ہوتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۲...... پہلی مسجد کو منتقل کرنے کے بعد عدمِ حفاظت کی وجہ سے اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

۲،۱...... ایک مسجد کو منتقل کرکے دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں (۱)، اگر پہلی مسجد غیر آباد ہوجائے اور اس کے سامان کی حفاظت دشوار ہوجائے تو ضائع ہونے کے خوف سے اس کے سامان کو منتقل کرکے قریب ترین دوسری مسجد میں صرف کردینا درست ہے (۲) اور پہلی مسجد کی جگہ کو بھی پورے طور پر محفوظ کردیا جائے تاکہ اس

= ۶/۲۳۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وأما الحصير والقناديل، فالصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لا يعود إلى ملك متخذه، بل يحول إلى مسجد آخر أو يبيعه قيّم المسجد للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، احكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".
(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنهم، فلا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، فيباع نقضه بإذن القاضي، ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

میں کوئی کام خلافِ احترامِ مسجد نہ ہوسکے، بلاحفاظت اس کو چھوڑ نادرست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔



(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

الفصل العاشر فی إقامة المدرسة فی المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کا بیان)

مسجد کو مدرسہ بنانا

سوال[۷۱۳۱]: ہمارے شہر میں آج سے بارہ سال پہلے تمام مسلمان محلوں میں اعلان کرا کر حیدر علیؒ ٹیپو سلطان جامع مسجد کے نام سے ایک مسجد کا آغاز کیا گیا، اس وقت سے مسجد میں برابر پنج وقتہ نماز اور خطبۂ جمعہ بھی جاری ہے۔ اب مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے سامنے یہ تجویز آئی ہے کہ چونکہ مسجد کی جانب مسجد کے سامنے سے گزرنے والی سڑک کے اس پار غیر مسلموں نے ایک چھوٹا سا مندر بنالیا ہے، اس لئے اس مسجد کو ایک مدرسہ میں تبدیل کردیا جائے، اور اس سے دوتین قدم ہٹ کر جنوبی جانب اسی نام سے ایک نئی مسجد بنادی جائے۔

کیا از روئے شرع شریف مذکورہ تجویز پر عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر مسجد کو مدرسہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ براہ کرم دلائل شرعیہ اور حوالہ جاتِ کتبِ فقہ سے جواب بالصواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ شرعی مسجد بن گئی، اور وہاں اذان و جماعت ہورہی ہے تو اب مصالحِ مذکورہ کی وجہ سے اس کو مدرسہ بنانا اور وہاں سے مسجد ہٹا کر اس کے نام سے دوسری جگہ منتقل کردینا ہرگز جائز نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے(۱)۔ اذان و جماعت کے ساتھ اس کو آباد رکھا جائے، مندر یا کوئی بھی عمارت قریب ہونے سے نماز

---

(۱) "و لو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، و به يفتى". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثانى) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوى القدسى". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد) ....=

میں خلل نہیں آئے گا: "فإذ أتم ولزم، لا يملك و لا يملك، اهـ". در مختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

تعلیم دینے کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا جانا

سوال [۷۱۳۲]: ۱...... بھوپال کی ایک مسجد بنام "موتی مسجد" مشہور ہے، تقریباً جامع مسجد دہلی کا نقشہ ہے، اس کے تینوں طرف دالان ہے، مشرقی دالان میں چند سالوں سے ایک مدرسہ چل رہا ہے جس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور تعلیم حاصل کرنے والی نابالغ اور بالغ لڑکیاں ہیں، اوران کو پڑھانے والی بھی تقریباً جوان عورتیں ہیں، جن کا داخلہ مسجد میں آنا جانا ہر حالت میں ہوتا ہے۔ کیا شرعاً یہ صحیح ہے؟

مسجد کے دالان میں مدرسہ

سوال [۷۱۳۳]: ۲...... دوسرا مکتب "موتی مسجد" میں کئی سالوں سے قائم ہے جس میں قرآن پاک ناظرہ اور دینی تعلیم اردو، ہندی میں ہوتی ہے، اس میں صرف لڑکے پڑھتے ہیں اور مرد جو اکثر علماء ہیں پڑھاتے ہیں۔ یہ شمالی اور جنوبی دالانوں میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی شاخ کے نام سے قائم ہے، اس کو شاہی اوقاف بھوپال والے ناپسند کرتے ہیں اور ہٹانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ عمل شرعاً صحیح ہے؟

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

مسجد کے دالان کو دفتر انجمن بنانا

سوال[۷۱۳۴] : ۳...... کچھ دنوں سے جنوبی دالان کے مغربی حصہ پر جس میں مکتب قائم تھا، اس میں ایک محفوظ کوٹھری بمنظوریٔ سیکریٹری صاحب اوقاف شاہی بنائی گئی اور اس میں تجوری (۱) اور صندوقیں رکھی گئیں اور بنام انجمن اصلاح المسلمین جو بھوپال میں ایک زمانہ سے قائم ہے، اس کا دفتر پہلے ایک مکان میں تھا، وہاں سے ہٹا کر مسجد کے دالان میں وہ دفتر قائم کیا گیا، جس میں مسلمانانِ بھوپال اپنی رقومات بطورِ امانت رکھتے ہیں اور غریب مسلمان وہاں سے قرضہ لیتے ہیں۔ اس قرضہ اور امانت کی دفتری کاروائی ہوتی ہے جس میں لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے، اس میں اکثر عورتیں بھی آتی ہیں، ان کو وظیفہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ضرورت کی وجہ سے عورتیں ہر حالت میں آئیں گی۔

کیا شرعاً مسجد میں عورتوں کا ہر حالت میں آنا اور لوگوں کا اپنی دنیوی ضروریات کے لئے مسجد میں آنا جانا اور راستہ بنانا اور اس میں روپیہ بطورِ امانت رکھنا اور قرض لینا اور دفتر قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... ناپاکی کی حالت میں مسجد سے ہو کر گزرنا درست نہیں: "ولا تدخل المسجد وكذا الجنب؛ لقوله عليه الصلوة والسلام: "فإني لا أحل المسجد لحائض و لا جنب. الخ". هدايه أولين، ص: ۶۳ (۲)۔

---

(۱) "تجوری: لوہے کی الماری جس میں زر و مال اور قیمتی چیزیں حفاظت کے لئے رکھی جائیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۴۶، فیروز سنز لاهور)

(۲) (الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ۱/۶۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ومنها أنه يحرم عليهما و على الجنب الدخول في المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور. هكذا في منية المصلي. في التهذيب: لا تدخل الحائض مسجد الجماعة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض و النفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، رشيديه)

اس لئے ضروری ہے کہ مسجد سے الگ جانے آنے کے لئے راستہ بنایا جائے، تاکہ مسجد کی بےحرمتی نہ ہو۔

۲......اگر یہ واقف کے منشاء اور رضامندی سے ہے تو اس کو ہرگز نہ ہٹایا جائے (۱)، ورنہ کرایہ کا معاملہ کرلیا جائے (۲)۔

۳......جو دالان مسجد کے مصالح کے لئے وقف ہے، اس کے کسی حصہ کو کسی دوسرے کام میں لانا

---

(۱) "وماخالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه، سواء كان نصه فى الوقف نصاً أو ظاهراً، اهـ. و هذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، والحكم به حكم بلا دليل: ۴۹۵/۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به، فيجب عليه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثانى، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لايملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن) فيبطل شرط واقف الكتب الرهن شرط كما فى التدبير. ولو سكنه المشترى أو المرتهن، ثم بان أنه وقف أو الصغير، لزم أجر المثل، قنية". (الدرالمختار). "(قوله: لزم أجر المثل) بناءً على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن إذا كان وقفاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب سكن داراً ثم ظهر أنها وقف يلزمه أجرة ماسكن: ۳۵۲/۴، سعيد)

"آجر المتولى الوقفَ سَنةً، إن كان الواقف شرط أن لايؤاجر سَنةً، لا يجوز، وإن لم يشترط يجوز إلى ثلاث سنين، كذا اختاره الفقيه أبو الليث.......... وفى غيرهم لا أكثر من سنة. وقال القاضى أبو على: لاينبغى أن يفعل ولو فعل، صحت، فإذا أراد أن يصح بالإجماع، يرفعه بعد الإجارة بأكثر من ثلاث سنين إلى الحاكم، فيحكم بجوازه كما علم، فيجوز على قول الكل إن وجدت شرائط الحكم". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع فى إجارة الوقف: ۳۳/۵، رشيديه)

(وكذا فى حاشية المحقق سعد الله بن عيسى المفتى الشهير بسعدى چلبى على العناية، كتاب الإجارة: ۶۴/۹، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

درست نہیں (۱)، اگر ضرورتِ مذکورہ کے لئے استعمال کرنا ہے تو کرایہ پر لے لیا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

مسجد کے پیچھے مدرسہ بنانا

سوال[۷۱۳۵]: دینی مدرسہ بنانا کیسا ہے، جب کہ جگہ مسجد کے پیچھے ہے؟ اس میں مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہر بستی میں دینی مدرسہ ہونا بہت ضروری ہے، مسجد کے پیچھے مالک کی اجازت سے مدرسہ بنانا بالکل جائز ہے، اس سے نہ نماز میں خرابی آتی ہے نہ مدرسہ میں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "وبه صرح في الإسعاف: وإذا كان السرادب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ". قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، ۳۵۸،سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر، يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوقه غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها، بخلاف ما إذا كانت الأرض الموقوفة بعيدةً من بيوت المصر، فإن ثمة لا يكون للقيم أن يبني فيها بيوتاً يؤاجرها، كذا في فتاویٰ قاضي خان".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، والفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من جاء مسجدي هذا لم يأته إلا لخير يتعلمه أو يعلمه، فهو بمنزلة المجاهد في سبيل الله، و من جاء لغير ذلك فهو بمنزلة الرجل ينظر إلى متاع غيره". .... =

صحنِ مسجد کو مدرسہ کے لئے لینا

سوال [۷۱۳۶] : ایک اراضی بہت مدت سے پڑی ہوئی ہے، مدرسہ عربی بنانے کے لئے منتظمِ مدرسہ نے حاصل کی تھی۔ منتظم مدرسہ نے مدرسہ نہیں بنایا، بلکہ اراضی کو کرایہ پر دیدیا ہے۔ صحن، صدر دروازہ جامع مسجد پر قبضہ کر کے مدرسہ تعمیر کیا۔ یہ تصرف اور نمازِ جنازہ بھی وہاں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صحن مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر قبضہ کر کے وہاں مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کو ملکِ مدرسہ قرار دینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ غصب اور ظلم ہے (۱)۔ ہاں! اگر مدرسہ کے لئے ضرورت ہو اور مسجد کی مصالح اجازت

= و في حاشية ابن ماجة تحت هذا الحديث: "قوله: "من جاء مسجدي هذا، الخ". هذا بيان الموانع، لا أنه مخصوص بالمسجد النبوي كما في حديث مسلم: "ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله و يتدارسونه بينهم إلانزلت عليهم السكينة". الحديث (إنجاح الحاجة حاشية ابن ماجة، المقدمة، في فضل العلماء والحث على طلب العلم، (رقم الحاشية: ۷)، ص: ۲۰، قديمي)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب العلم، ص: ۳۲، قديمي)

"على أنهم صرحوا بأن مرعاة غرض الواقفين واجبة ...... وجب العمل بما أراده، ولا يجوز صرف اللفظ عن مدلوله العرفي؛ لأنه صار حقيقةً عرفيةً في هذا المعنى". (رد المحتار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً: ۴/۴۴۵، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "واعلم أن الموقوف مضمون بالإتلاف مع أنه ليس بمملوك أصلاً، صرح به في البدائع". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)

"أقول: ومقتضاه أنه إذا أمكنه رد البناء كما كان، وجب. ولم يفصل فيه بين المسجد وغيره من الوقف". (ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما لوهدم حائط: ۶/۱۸۱، سعيد) =

دیں، تو اس کو مدرسہ کے لئے کرایہ پرلیا جاسکتا ہے، تاکہ اس کا کرایہ مدرسہ مسجد کو دیتا رہے۔ تعمیر مدرسہ کی رہے اور زمین مسجد کی رہے(۱)۔

اگر وہ صحن مسجد کے لئے وقف نہیں ہے تو اہلِ محلّہ کو اعتراض کا حق نہیں، ہاں! جو شخص اس کا مالک ہو اس کو اعتراض کا حق ہے(۲) اور اہلِ مدرسہ اس سے معاملہ بیع یا وقف کا کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۰ھ۔

= وقال العلامة الرافعي تحت قوله: "(قوله: ومقتضاه أنه إذا أمكنه رد البناء كما كان، وجب، الخ) ومقتضاه أيضاً أنه يطالب أولاً برد البناء، وإن لم يمكن فالضمان". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الغصب: ۲۸۵/۶، سعيد)

"ومدرسة السليمانية فى دمشق مبنية فى أرض المرجة التى وقفها السلطان نور الدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق، والوقف يثبت بالشهرة، فتلک المدرسة خولف فى بنائها شرط وقف الأرض الذى هو كنص الشارع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى الصلوة فى الأرض المغصوبة ....: ۳۸۱/۱، سعيد)

(۱) "(قوله: لزم أجر المثل) بناءً على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن إذا كان وقفاً". (الدرالمحتار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

"ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس فى استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبنى فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى: ۲۴۱/۶، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۲) "(قوله: ويجب رد عين المغصوب) لقوله عليه الصلوة والسلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد" ولقوله عليه الصلوة والسلام: "لايحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لا عبأو لاجاداً، وإن أخذه فليرده عليه". زيلعى. وظاهره أن ردالعين هو الواجب الأصلى". (ردالمحتار، كتاب الغصب، فى ردالمغصوب: ۱۸۲/۶، سعيد)

"وأما حكمه فالإثم والمغرم عندالعلم، وإن كان بدون العلم بأن ظن أن المأخوذ ماله أو اشترى عيناً، ثم ظهر استحقاقه فالمغرم، ويجب على الغاصب رد عينه على المالک". (الفتاوىٰ العالمكيرية،=

مسجد کی جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۳۷]: ایک شخص نے اپنی زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کی اور عبادت خانہ کی صورت میں احاطہ کر کے نماز پڑھنی شروع کردی، مگر اس کا دروازہ اپنی ہی طرف رکھا، ابھی کوئی راستہ جدا نہیں کیا۔ اگر اس جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کریں اور دوسری جگہ مسجد بنالیں تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ صورت اگر لوگوں کو نماز کی اجازت دے کر اذان وجماعت ہونے لگی ہو اور آنے جانے کا راستہ بغیر رکاوٹ کے ہو، تو یہ مسجدِ شرعی ہو کر اس جگہ میں اب مدرسہ بنانا اور اس جگہ کو دوسری جگہ سے تبدیل کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱/۱۷ھ۔

= كتاب الغصب، الباب الأول: ۱۱۹/۵، رشيديه)

"ويجب رد الزيادة المنفصلة، كما يجب رد الأصل، لوجود سبب وجوب الرد فيه". (بدائع الصنائع) "اتفق الفقهاء جميعاً على وجوب رد المغصوب إلى مالكه". (التعليق على بدائع الصنائع، كتاب الغصب: ۲۴/۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استردادها". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء: ۳۹۰/۴، سعيد)

(۱) "لا يجوز نقل المسجد، وإبداله، وبيع ساحته، و جعلها سقاية، والحوانيت إلا عند تعذر الانتفاع به". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثامن: ۷۶۸۱/۱۰، رشيديه)

"و لايجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوى القدسى". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۸/۲، رشيديه)

تنخواہ لیکر مسجد میں تعلیم دینا

سوال[۷۱۳۸]: مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وعظ میں دیکھا کہ: اہل پیشہ کو مسجد میں پیشہ کرنا جائز نہیں حتی کہ جو شخص قرآن شریف کو تنخواہ پر پڑھاتا ہو اس کو بھی تعلیمِ قرآن مسجد میں جائز نہیں۔ اس مسئلہ سے یہ سمجھا کہ تعلیم دین کی تنخواہ یا کسب پر دینا مسجد میں ناجائز ہے، مگر اب سوال یہ ہے کہ سہارنپور اور دیوبند کے مدرسہ میں مدرسین کو دیکھا کہ وہ تعلیم عربی مسجد میں دیتے ہیں اور تنخواہ بھی لیتے ہیں۔ تو کیا اس میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے جواز کی گنجائش ہو، یا کچھ اور بات ہے؟ میں جس بچہ کو قرآن شریف پڑھاتا ہوں بوجہ جگہ نہ ہونے کے مسجد میں پڑھاتا ہوں تو یہ تعلیم دینا مسجد میں صحیح ہے یا نہیں اور اگر مجبوری ہو اور کوئی جگہ بیٹھنے کی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مصالحِ مسجد کے لئے مثلاً حفاظتِ مسجد کے لئے یا دوسری جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے اس کو جائز ہے(۱)۔ اور محض پیشہ بنا کر مسجد میں بیٹھنا اور تعلیم دینا ناجائز ہے اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۲)۔ سہارنپور یا دیوبند میں اگر کسی کو دیکھا ہے تو ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص کو ایسا کام کرتے

---

(۱) "أما للتذكير أو للتدريس فلا؛ لأنه ما بنى له و إن جاز فيه.......... ويجوز الدرس فى المسجد وإن كان فيه استعمال اللبواد والبوارى المسبلة لأجل المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتى بها فى المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة و اعتكاف وذكر شرعي و تعليم علم وتعلمه و قرأة قرآن".(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا فى شرح الأشباه والنظائر للحموى: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "و تكره الصناعة فيه من خياطة و كتابة بأجر و تعليم صبيان بأجر لا بغيره". (الأشباه والنظائر، القول فى أحكام المسجد: ۵۶/۴، إدارة القرآن كراچى)

"لو جوّزنا ذلک وقعت الحاجة إلى المهاياة، فتقبر فيه الموتى فى سنة، ثم تنبش فى سَنَة أخرى، و يزرع لمراعاة حق المالک، و يصلى الناس فى المسجد فى وقت، ويتخذ اصطبلاً فى وقت =

ہوئے مسجد میں دیکھا ہو کہ وہ اس کے لئے ملازم نہیں اور اس کا معاوضہ نہیں لیتا، مثلاً کوئی ملازم ہے دفتر کے لئے اور سبق مسجد میں پڑھاتا ہے، یا کوئی اَور بات ہو۔ اور اس زمانہ میں کسی کا عمل حجت ہے بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

مسجد میں غیر شرعی لباس کے ساتھ دنیوی مخلوط تعلیم

سوال [۷۱۳۹]: مسجد میں قیام مدرسہ میں ۱۲، ۱۴/ برس کی لڑکیوں کا داخلہ ہے، ایسی صورت میں جب کہ حاجتِ ضروریہ کے لئے لڑکیوں کا کوئی الگ انتظام نہیں ہے، بلکہ اسی مدرسہ کے عام پاخانہ و پیشاب خانہ میں وہ بھی جاتی ہیں، باہر آدمی کھڑا رہتا ہے، جب وہ نکلتی ہے تو مرد جاتا ہے اور عام آدمی بھی۔ دیگر یہ کہ اس مسجد کے مدرسہ میں ایک ماسٹر ہیں جو بچوں کو انگریزی تعلیم وغیرہ دینے کے لئے آتے ہیں اور کوٹ پتلون یعنی مغربی لباس میں ہوتے ہیں۔ کیا ماسٹر صاحب کا ایسے لباس میں آکر مسجد کے ایک دینی ادارہ میں درس دینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں ان لڑکیوں کا ایسے ادارہ میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں جہاں عورتوں کے ساتھ مردوں کا اختلاط ہو، اس لئے کہ اس میں وقوعِ فتنہ کا قوی اندیشہ ہے (۱)۔ نیز مسجد کے اندر علومِ دینیہ کے ماسوا

= آخر بحكم المهاياة، و ذلك ممتنع". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۳۳/۶، حبيبيه)

"إذا كان يخيط في المسجد، يكره، إلا إذا جلس لدفع الصبيان و صيانة المسجد، فحينئذٍ لا بأس به، وكذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر يكره، و بغير أجر لا. وفي إقرار العيون جعل مسئلة المعلم كمسئلة الكاتب والخياط، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثامن: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، غلق باب المسجد: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) ﴿و لا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى﴾ قال مجاهد: كانت المرأة تخرج تمشي بين يدى الرجال، =

دیگر علوم مثلاً انگریزی وغیرہ کی تعلیم درست نہیں، کما صرح به فی شرح الحموی:

"لأن المسجد ما بنی إلا لصلوة أو اعتکاف و ذکر شرعی و تعلیم علم و تعلمه و قراءة القرآن، الخ". ص: ۵۶۱(۱)۔

نیز شرٹ پتلون پہن کر مسجد میں آکر تعلیم دینے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۳۸۸ھ۔

مسجد میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۷۱۴۰]: ۱...... ہمارے یہاں ایک مسجد میں میرے ماموں امام ہیں، امامت کی انہیں مسجد کی جانب سے تنخواہ ملتی ہے، اس کے علاوہ کچھ لڑکوں اور لڑکیوں کو ماہانہ تنخواہ لے کر مسجد میں جہاں کہ عبادت ہوتی ہے عربی تعلیم دیتے ہیں اور مسجد کی ایک الماری ہے جس میں مسجد کی وقف شدہ کتابیں اور قرآن شریف، پارے اور دیگر ضروری اسباب رہتا ہے، اس الماری میں مدرس صاحب ان بچوں کی پرائیویٹ کتابیں رکھواتے ہیں، مگر ہمارے یہاں پر چند عالم اس کے متعلق کہتے ہیں کہ معاوضہ لے کر عبادت گاہ میں تعلیم دینا ناجائز ہے، چونکہ نابالغ بچوں اور بچیوں میں آدابِ مسجد اور پاکیزگی کا خیال نہیں ہوتا۔

۲...... اور مسجد کی مخصوص الماری میں عام بچوں کی کتابیں رکھوانا یہ بھی ناجائز ہے، چونکہ الماری کو قفل نہیں ہوتا، امام صاحب کو تعلیم دینی ہی ہے تو وہ مسجد کے بازو والے کمرہ میں یا مسجد کے صحن میں تعلیم دے سکتے ہیں اور دیگر کمرے میں یا دیگر الماری میں کتابیں رکھوا سکتے ہیں، مسجد کی الماری میں نہیں۔ اور چند عالم یہ کہتے ہیں

= فذلک تبرج الجاهلية". (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب: ۶۳۷/۳، مكتبه دارالسلام رياض)

"فاتخذ أهل السهل عيداً يجتمعون إليه في السَّنة، فتبرج النساء للرجال و الرجال لهن، و أن رجلاً من أهل الجبل هجم عليهم في عيدهم فرأى النساء و صباحتهن، فأتى أصحابه فأخبرهم بذلك فتحولوا إليهن، فنزلوا معهن، فظهرت الفاحشة فيهن". (روح المعاني، سورة الأحزاب: ۸/۲۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموي: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

کہ وہ بچوں سے تنخواہ لیکر مسجد میں تعلیم بھی دے سکتے ہیں اور مسجد کی مخصوص الماری میں کتابیں بھی رکھوا سکتے ہیں اور یہ دونوں امر جائز ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... مسجد میں مستقلاً تنخواہ لے کر تعلیم دینا مکروہ ہے، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مسجد کے قریب کمرہ بھی ہے جس میں تعلیم دی جاسکتی ہے (۱)۔ چھوٹے بچے جو پاکی ناپاکی کی تمیز نہیں رکھتے بلکہ ان سے اندیشہ ہو کہ مسجد کو ناپاک کردیں گے، ایسے بچوں کو مسجد میں لانا ہی منع ہے (۲)۔ صحنِ مسجد جہاں نماز و جماعت ہوتی ہے وہ بھی مسجد ہی ہے، اگر فرشِ مسجد کے علاوہ کوئی خالی جگہ ہو جہاں نماز و جماعت نہیں ہوتی، وہاں بھی تعلیم دینا درست ہے۔

۲...... مسجد کی الماری کو اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ تعلیم مسجد میں ہوتی ہے جب تعلیم مسجد میں نہیں

---

(۱) "إذا كان يخيط في المسجد، يكره، إلا إذا جلس لدفع الصبيان، وصيانة المسجد، فحينئذ لا بأس به، وكذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر، يكره، وبغير أجر لا ....وفي إقرار العيون جعل مسئلة المعلم كمسئلة الكاتب والخياط، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثامن: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، غلق باب المسجد: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل السادس والعشرون في المسجد و ما يتصل به: ۱/۲۲۹، ۲۳۰، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "لو علّم الصبيان القرآن في المسجد، لا يجوز و يأثم .... و أما الصبيان فقد قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، و مجانينكم، و شرائكم، و بيعكم و خصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم، و سلّ سيوفكم، و اتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع".

(سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۶/۴۲۸، سعيد)

"و يحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

ہوگی تو اس کی الماری کے استعمال کا سوال خود بخود ختم ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۵ھ۔

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۷۱۴۱]: کیا مسجد اور مسجد کی چھت کو مدرسہ کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں، جس میں مقامی چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں دینیات، یسرنا القرآن اور ناظرۂ قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، آیا یہ طریقۂ تعلیم فی المسجد درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا احترام لازم ہے، اکثر بچے اور بچیاں صغیر السن ہوں کہ ناپاکی کی تمیز نہ رکھتے ہوں، یا شور وشغب کرتے ہوں، یا استاذ مار پیٹ کر کے احترامِ مسجد کو ختم کر دیتے ہوں تو ایسی حالت میں ان کو وہاں تعلیم دینے کی اجازت نہیں، سوال سے یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ الأشباہ والنظائر اور اس کی شرح حموی میں "أحکام المساجد" کے عنوان سے ایسے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے(۱)۔ مسجد کی چھت پر چڑھنے کو مکروہ لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "ولا یجوز تعلیم الصبیان القرآن فی المسجد؛ للمروی: "جنّبوا مجانینکم، وصبیانکم، مساجدکم". (شرح الأشباہ والنظائر للحموی، فی أحکام المسجد: ۵۶/۴، إدارة القرآن کراچی)

(والحدیث رواہ ابن ماجة، ص: ۵۵، مکتبہ میر محمد)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۴۱۹/۵، رشیدیہ)

"و یحرم إدخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم، وإلا فیکره". (رد المحتار، کتاب الصلوة مطلب: فی أحکام المسجد: ۶۵۶/۱، سعید)

(۲) "الصعود علی سطح مسجد مکروه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۲/۵، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد: ۶۵۶/۱، سعید)

مسجد کے ایک حصہ میں بچوں کی تعلیم

سوال[۷۱۴۲]: ایک مسجد ہے، جس کے تحتانی حصہ میں نماز ہوتی ہے اور فوقانی حصہ میں بچے پڑھتے ہیں، مگر مسجد بناتے وقت اس کا کوئی خیال نہیں تھا کہ اس میں بچے پڑھیں گے، بلکہ اس کا شمار مسجد ہی میں تھا۔ اب کیا ایسی صورت میں جماعت فوقانی حصہ میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس حصہ میں بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

وہ مسجد جس طرح سے اس کے نیچے کا حصہ مسجد ہے اسی طرح اوپر کا حصہ بھی مسجد ہے (۱)، جماعتِ ثانیہ اوپر نہ کی جائے، بچوں کی تعلیم کے لئے کسی دوسری جگہ کا انتظام کیا جائے۔ اگر کوئی دوسری جگہ نہ ہوتو مجبوراً بچوں کو دینی تعلیم مسجد میں دینا درست ہے (۲)، مگر اتنے چھوٹے بچے نہ ہوں جن کو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ ہو، مثلاً گندے پیر مسجد میں رکھیں یا پیشاب کردیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ احترامِ مسجد کے خلاف وہاں کوئی کام نہ کیا جائے، مثلاً بچوں کو سخت الفاظ اور کڑک آواز سے ڈانٹنا، مارنا، سزا دینا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "قوله: "(والوطء فوقه والبول والتخلي): أي الوطء فوق المسجد، وكذا البول، والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة: ۴۲۰/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة: ۶۵۶/۱، سعيد)

(۲) "فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتكاف، وذكر شرعي، و تعليم علم و تعلمه، و قرأة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "و يحرم إدخال صبيان و مجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۶۵۶/۱، سعيد) .... =

نیچے مدرسہ اوپر مسجد

سوال[۷۱۴۳]: ایک مسجد ہے، جواوپر کی منزل پر واقع ہے اوراس کے نیچے مدرسہ کی عمارت ہے، مسجد کی سیڑھی تعمیر کے سلسلہ میں توڑ دی گئی تو سیڑھی ٹوٹنے کی حالت میں مسجد کے اوپر چڑھنا دشوار ہے، البتہ لکڑی کی سیڑھی لگا کر بآسانی چڑھا جاسکتا ہے، لیکن ضعیف قسم کے لوگ نہیں چڑھ سکتے۔ تو ایسی صورت کے اندر مسجد کو خالی چھوڑ کر نیچے کی عمارت میں جو کہ مدرسہ ہے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ضعیف لوگوں کے اس عذر کی بنا پر نیچے مدرسہ میں نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شرعی مسجد کی شان یہ ہوتی ہے کہ نیچے کی منزل اوراوپر کی منزل مسجد رہے، یہ صورت کہ نیچے کی منزل مدرسہ قرار دیا جائے اوراوپر کی منزل مسجد رہے اور لکڑی کی سیڑھی لگا کراوپر جاکر نماز ادا کی جائے شرعاً درست نہیں، شامی (۱) اور بحر میں یہ مسئلہ صاف صاف موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۱۴۰۱ھ۔

= "و لا یجوز تعلیم الصبیان القرآن فی المسجد للمرویّ: "جنّبوا مجانینکم و صبیانکم مساجدکم". (شرح الأشباه والنظائر للحموی، القول فی أحکام المسجد: ۴/۵۶، (رقم القاعدة: ۱۶)، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "(لا) یکره ما ذکر (فوق بیت) جعل (فیه مسجد) بل ولا فیه؛ لأنه لیس بمسجد شرعاً". (الدرالمختار). "(قوله: لایکره ماذکر) : أی من الوطء والبول والتغوط، نهر. (قوله: فوق بیت): أی فوق مسجد البیت: أی موضع أعد للسنن والنوافل .... فهو کما لو بال علی سطح بیت فیه مصحف وذلک لا یکره، کما فی جامع البرهانی، معراج". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد: ۱/۶۵۷، سعید)

(۲) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بیت، وجعل باب المسجد إلی الطریق، وعزله عن ملکه، فله أن یبیعه، وإن مات یورث عنه؛ لأنه لم یخلص لله تعالیٰ، لبقاء حق العبد متعلقاً به". (الهدایة)

قال ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ: "قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾. مع العلم بأن کل شیء له، فکان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به، وهو بانقطاع حق کل من سواه عنه، وهو منتف فیما ذکر ...... =

مسجد کی جگہ پر نیچے مدرسہ اوپر مسجد

سوال[۷۱۴۴]: ایک جگہ مسجد کے لئے زمیندار کاشت کار سے حاصل کر کے مسجد کی تعمیر کے لئے ٹاؤن ایریا کمیٹی زید پور سے منظوری لے کر بنیاد و مع پیش لحاق ڈالی گئی اور مسجد کی بنیادیں قدِ آدم سے زیادہ اونچی ہوگئی اور اس میں مٹی کی بھرائی و پٹائی بھی ہوگئی۔ اس کے بعد چند لوگوں نے یہ تجویز کیا کہ قریب پانچ فٹ اندر سے مٹی نکال کر اور دیواروں کو قریب پانچ فٹ اونچی کر کے نیچے عمارت میں ابتدائی دینی تعلیم بچوں کو دی جائے اور بالائی حصے پر مسجد بن جائے۔ قریب پانچ فٹ پٹائی کی مٹی مسجد کے اندر سے محمد اکبر نے نکلوا کر اور مسجد کی دیواریں کٹوا کر دروازہ پر لگوادیا۔

اس کے علاوہ مسجد کے چندہ کی دس ہزار اینٹ مبلغ تین سو روپے نقد اور قریب ایک ٹرک مورنگ (۱) جو مسجد کی تعمیر کے لئے رکھا ہوا تھا، اس کو بھی اس میں لگا کر نیچے کی عمارت تیار کر لی اور بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ اور مسجد اب تک بالائی حصہ پر مکمل نہیں ہوئی۔ پھر مزید مسجد کا چندہ لگا کر بالائی حصہ پر تھوڑی بنیاد مع پیش لحاق مسجد کی پڑی ہے، اور مسجد پر چڑھنے کے لئے زینہ بھی نہیں ہے اور مسجد کے صحن میں باورچی خانہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مسجد کی عمارت کو مدرسہ جامعہ نور العلوم قرار دے کر محمد اکبر گورنمنٹ سے الحاق کر کے مدرسہ جامع نور العلوم کے نام منظوری لے رہے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ عمارت مسجد کی ہے یا مدرسہ کی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ جگہ زمیندار کاشت کار سے مسجد کے واسطے لی گئی اور ٹاؤن ایریا کمیٹی سے مسجد کی تعمیر کی

= وأما إذا كان العلو مسجداً، فلأن أرض العلو ملك لصاحب السفل". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المجسد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۱) "مورنگ: (Mooring) جہاز کا لنگر، زنجیریں اور رسے جن سے جہاز کو ایک جگہ روک دیا جاتا ہے" (English to English & Urdu Dictionary, Page No. 546, Feroz Sons Lahore)

منظوری لے کر اس جگہ مسجد کی بنیاد رکھی گئی تو اس جگہ مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں (۱)۔ مسجد کے چندہ کی اینٹ وغیرہ مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں (۲)۔

''مسجد'' اوپر نیچے سب مسجد ہی ہوتی ہے، یہ درست نہیں کہ چھت کے اوپر تو مسجد ہو اور نیچے مدرسہ ہو (۳)، وہاں مسجد ہی بنائی جائے۔ اب یہ ہوسکتا ہے کہ مسجد دو منزلہ بنادی جائے اگر اس کی ضرورت نہ ہو یا وسعت نہ ہو، تو صرف موجودہ جگہ ہی کو مسجد بنادیا جائے اور وہاں اذان، جماعت شروع کردی جائے۔ مدرسہ کے لئے کسی اَور جگہ کا انتظام کیا جائے، اس جگہ سے باورچی خانہ، میز، کرسی اور تعلیم کا سب نظم ختم کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۹۵ھ۔

---

(۱) "أما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، مُنع". (الدرلمختار). "(قوله: أمالو تمّت المسجديّة) .... وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلك يبني، لايترك ، اهـ. وبه علم أن قوله: وأمالو تمّت المسجديّة، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لايمكّن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "والواقف لو عين إنساناً للصرف، تعين، حتى لو صرف النّاظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۳) "وكره تحريماً الوطء فوقه .... لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۶۵۶/۱، سعيد)

"وفي الجامع الصغير: رجلٌ جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه، فإنه لايصير مسجداً، حتى لومات يورث عنه، وله أن يبيعه حال حياته". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۶۴۴/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

مسجد میں تعلیم کی حدود

سوال[۷۱۴۵]: ایک صاحب جو دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، حفظ کا مدرسہ معہ دارالاقامہ چلا رہے ہیں، مدرسہ اور دارالاقامہ کے لئے ایک مکان مسجد کے اوپر (کمپونڈ میں) گاؤں والوں کی طرف سے دیا گیا ہے، لیکن طلباء کی تعداد کثیر ہونے کی وجہ سے وہ ناکافی ہے۔ چونکہ مدرسہ میں داخلہ کی کوئی حد مقرر نہیں، بایں وجہ مجبوراً مدرسہ کی عمارت سے زائد مسجد کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ طلباء کی تعلیم بھی مسجد میں ہورہی ہے، اٹھنے بیٹھنے سونے کے لئے مسجد استعمال ہورہی ہے، کپڑے، دھان، مرچ وغیرہ مسجد میں سوکھاتے ہیں، طلباء رات میں سوکر پیشاب سے ناپاک کردیتے ہیں۔

مولانا (ناظم مدرسہ) اس طرف توجہ نہیں دیتے، توجہ دلانے پر ہمیں جاہل قرار دیتے ہیں۔ مسجد کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرنا کیسا ہے، جب کہ مصلیوں کو عبادت میں تکلیف ہوتی ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر قرآن کریم اور دینی تعلیم کے لئے کوئی جگہ نہیں تو مسجد میں تعلیم کی گنجائش ہے، لیکن مسجد کا احترام لازم ہے(۱)، نہ وہاں شوروشغب کیا جائے، نہ وہاں کوئی کام خلافِ احترام مسجد کیا جائے (۲)۔ نماز کے اوقات

---

(۱) "فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي و تعليم وتعلمه و قراءة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الله قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم، و مجانينكم، و شراء كم، و بيعكم، و خصوماتكم، و رفع أصواتكم، وإقامة حدودكم، وسلّ سيوفكم. واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

متعین ہیں، وہ اوقات تعلیم کے لئے نہیں، جس وقت اوقاتِ متعینہ میں لوگ نماز پڑھتے ہوں، تعلیم کی ایسی صورت اختیار نہیں کرنا چاہئے، جس سے نماز میں خلل آئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) "وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً في المساجد و غيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ كما هو مقرر في كتب الفقه". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۱، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۲/۴۴۰، رشيديه)

الفصل الحادی عشر فی إجارة متاع المسجد

(مسجد کی چیزیں کرائے پر دینے کا بیان)

مسجد کی وقف زمین کو کرایہ پر دینا

سوال[٧١٤٦]: موقوفہ جگہ کرایہ پر دینا کسی کام کے لئے، چاہے مکان یا زراعت کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں اور مالک دینے کا کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرایہ پر دینا اور اس میں زراعت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ واقف کی غرض کے خلاف نہ ہو(١) اور کرایہ پر دینے کا حق واقف کو یا متولی کو ہے(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کرسی اونچی کر کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا

سوال[٧١٤٧]: غیر مسلموں کے محلہ میں ایک مسجد ہے، مسلمانوں کے اب چار پانچ مکان ہیں جو

---

(١) "متولی الوقف إذا آجر داراً موقوفةً على الفقراء والمساكين أكثر من سَنَة .... وهو المختار للفتوى، وكذلك المزارعة والمعاملة، كذا في المحيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ٢/٤١٩، رشيديه)

"وإذادفع أرض الوقف مزارعةً، يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر مالايتغابن الناس فيها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ٢/٤٢٣، رشيديه)

(٢) "وإنما يملك الإجارة المتولي أو القاضي". (فتح القدير، كتاب الوقف: ٦/٢٢٤، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٤٠٠، رشيديه)

کہ مسجد کے صرفہ کی کفالت نہیں کر سکتے، اس مسجد کی حالت شکستہ ہے، گرنے کے قریب ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کو از سرِ نو بنایا جائے۔ مسجد کی کرسی بہت اونچی ہے، اس کا فرش تقریباً ۳/ فٹ اور اونچا کر کے نیچے دکانیں نکلوا کر اس پر از سرِ نو مسجد کی تعمیر کرائی جائے، تاکہ اخراجات مسجد کی کفالت مسجد ہی کر سکے۔

نوٹ: مسجد کا ملبہ سب مسجد ہی میں لگا دیا جائے گا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد کے گر جانے کا اندیشہ ہو تو از سرِ نو تعمیر کر لی جائے (۱)، جو جگہ نماز کے لئے متعین ہے وہ شرعی مسجد ہے، اب کرسی کو اونچا کر کے اس کے نیچے دکان بنا کر کرایہ پر دینا درست نہیں (۲)، احترام مسجد کے خلاف ہے، کرایہ دار دکان میں اپنے کام کرے گا جن کی مسجد میں اجازت نہیں (۳) اور مسجد کو کرایہ پر دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔

---

(۱) "و تأويله إذا لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهل تلك المحلة، فلهم أن يهدموا ويجددوا بناءه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۲/۴۵۷، رشيديه)

(وكذا فی البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية ، كتاب الوقف، الرابع فی المسجد، الخ: ۶/۲۶۸، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۷، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

(۲) "و لو أن قيّم المسجد أراد أن يبنی حوانيت فی حريم المسجد و فنائه، قال الفقيه أبوالليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً ومستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله و علوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ (سورة الجن: ۱۸) (البحرالرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه) =

قدیم مسجد کومنہدم کرکے اس کی جگہ دوکانیں بناکرکرایہ پردینا

سوال[۷۱۴۸]: ہمارے محلّہ میں ایک قدیم مسجد منہدم کردی گئی اور دوسری مسجد اس کے پاس ہی بنائی گئی جو عرصہ بیس سال سے آباد ہے اور پہلی جگہ ویران غیر آباد ہے تو اس قدیم مسجد کو دوکانیں بناکرکرایہ پردینا اوراس کو جدید مسجد کے کام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب وہاں مسلمان موجود ہیں تو اس کو بھی آباد کریں، یہ طریقہ جائز نہیں تھا کہ اس کو منہدم کردیں تب دوسری جگہ مسجد بنائیں، ایسا کرنے والے گنہگار ہوئے۔اب پرانی مسجد کی جگہ دوکانیں نہ بنائیں (۱)، بلکہ وہاں بھی اذان وجماعت شروع کردیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

مسجد پربورڈلگاکرکرایہ وصول کرنا

سوال[۷۱۴۹]: ۱......اس سوال کے ہمراہ مسجد کافوٹو مرسل ہے، یہ مسجد عام شاہراہ پر ہے، اس مسجد کے اوپر دوبورڈ بغرضِ اشتہار ریڈیو لگائے گئے ہیں جس سے مسجد کی کچھ آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے، حالانکہ مسجد کا متولی ہے اور مسجد ایک کاروباری علاقہ میں واقع ہے، مسلم تاجران کافی رقم دینے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

۲......مسجد کی کھلی چھت پر اس قسم کا پہلا اشتہار ہے، آئندہ متولی نہ معلوم کس کس قسم کا بورڈ آویزاں کراکر مسجد کی بے حرمتی کریں گے، کل کو لکھا جائے گا ’’گنیش اسٹور لکشمی کمپنی‘‘۔کیا اس لادینی حکومت میں اس اشتہار بازی کو متولی روک سکتا ہے؟ ضرورت ہے کہ اس کا فوری سدباب کیا جائے۔ان حالات کے پیشِ نظریہ

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۸، رشيديه)

مساجد پر اشتہار بازی جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دوکانیں تو بنائی جاسکتی ہیں (۱)، لیکن خود مسجد کو کرایہ پر چلانا اور اس سے روپیہ کمانا جائز نہیں (۲)۔ جو کچھ وجوہِ اعتراض وہاں کے مسلمانوں نے پیش کی ہیں وہ بھی اہم ہیں، ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے مسجد کے منتظم صاحب کو چاہئے کہ وہ ہرگز ایسا معاملہ نہ کریں۔ اگر بورڈ بغرضِ اشتہار لگادیا گیا ہے تو اس کو اتار کر معاملہ ختم کردیں، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مسجد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وہاں کے اہلِ ہمت آمادہ اور خواستگار ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی حصۂ مسجد کو ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال[۷۱۵۰]: جو لوگ مسجد کے اوپر نہاتے ہیں اور نیچے کرایہ کی دوکانیں ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد بالائی منزل کو قرار دینا اور تحتانی حصہ میں دکانیں بنالینا کہ اوپر نماز ہوتی رہے، نیچے خرید وفروخت

---

(۱) "بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز؛ إذ لاملک فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب".

(البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "و لا يجوز للقيّم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً و لا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

بازاری کام ہوتا رہے، احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۱)، اوپر نیچے سب جگہ مسجد ہی ہونا چاہیے، کسی حصۂ مسجد کو آمدنی کا ذریعہ بنالینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۴ھ۔

صحنِ مسجد سے درخت کاٹ کر برآمدہ برائے کرایہ بنانا

سوال [۷۱۵۱]: مسجد کی پورب کی جانب درخت لگے تھے، انہیں صاف کر کے صحن مسجد میں شامل کردیا گیا۔ اس پر میری اور میرے بھائی کی رائے ہے کہ برآمدہ مسجد کے اندر بنا کر اوپر ایک کمرہ بنایا جائے، دوکان مسجد پر پاخانہ اور صدر دروازے کے آگے حال میں بنوائی جائے، اور ایک کرایہ دار نمازی بچے دار آباد کیا جائے۔ آبادی ہندو کی ہے۔ نمازی آدمی رکھا جائے، تاکہ مسجد میں نماز وغیرہ پابندی سے ہوا کرے۔ اس کی بابت علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس جگہ درخت تھے، اگر وہ خارجِ مسجد تھی تو محض درختوں کو کٹوا کر چبوترہ مسجد کے برابر بنوا دینے سے وہ جگہ مسجد نہیں بنی (۳)۔ اگر اس پر چھت ڈلوا کر وہاں کوئی مکان اور بیت الخلاء وغیرہ اس طرح بنوا دیا جائے کہ

---

(۱) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله و علوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". [الجن: ۱۸] (البحرالرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/ ۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "و لا يجوز أخذ الأجرة منه، و لا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد، الخ: ۶/ ۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/ ۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/ ۸۴۴، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "وعندهما لايصير مسجداً بمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم". (التاتارخانية، كتاب =

اس کا راستہ دروازہ باہر کو رہے اور بدبو وغیرہ مسجد میں نہ آئے تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔ پھر اس مکان کو کرایہ پر بھی دیا جاسکتا ہے (۱)۔ جو حصہ نماز کے لئے مخصوص ہے اس کے اوپر مکان بنانا اور کرایہ پر دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

حوض کی جگہ کرایہ کے لئے دوکان بنانا

سوال[۷۱۵۲]: یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس میں وضو کے لئے حوض بھی ہے، اس مسجد کی آمدنی کچھ نہیں ہے، متولی صاحب کل مصارف اپنی جیب سے برداشت کرتے ہیں۔ اب ان کا خیال ہے کہ حوض کی جگہ ٹونٹی لگوائیں اور حوض کو ختم کر کے ایک عمارت بنوا دیں تاکہ متولی صاحب کے بعد بھی اس کے کرایہ

= الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وأما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، مُنع .... ولايجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

"ولو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

سے مسجد کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ کیا شرعاً اس کا حق متولی کو حاصل ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر نمازیوں کو وضو کی تنگی نہ ہو اور جو کام حوض سے لیا جاتا ہے وہ سہولت سے ٹونٹی سے حاصل ہو، نیز عمارت بنانے سے مسجد کی ہوا اور روشنی میں رکاوٹ نہ ہو تو مسجد کے مفاد کے پیشِ نظر وہاں کے سمجھدار آدمیوں کے مشورہ سے ایسا کرنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں کرایہ دار کے لئے دوکان بنانا

سوال [۷۱۵۴]: ایک جگہ مسجد کی ہے اس میں کوئی دوسرا شخص دوکان بنالے اور مسجد کو سالانہ کچھ مقرر کرکے دینا چاہے، بعد وصولی رقم دوکان مسجد کی ہوجائے گی۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی صورت اس طرح کرلی جائے کہ مسجد کی زمین اس شخص کو کرایہ پر دے دی جائے اور کرایہ پیشگی لے کر اس سے دوکان بنوادی جائے (۲)، جب دوکان مکمل ہوجائے تو وہ کرایہ دار کے حوالہ کردی جائے، اس

---

(۱) "قال السندي: لكن أفتى الرملي بخلاف ما هنا في عدة أسئلة، ففي فتاواه: سئل في مدرسة احتاجت إلى نفقة لعمارة ماخرب منها، وليس هناك مايعمر به من الوقف: هل يجوز أن توجر قطعة منها بقدر ماينفق عليها أم لا؟ أجاب: مقتضى مافي الخلاصة جواز ذلك .... وهذه المسئلة دليل على أن المسجد المحتاج إلى النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه، اهـ". (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، كتاب الوقف: ۴/۸۰، سعيد)

(۲) "تلزم الأجرة بالتعجيل، يعني لو سلّم المستأجر الأجرة نقداً، ملكها الآجر، وليس للمستأجر استردادها". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني في =

طرح وہ دوکان مسجد کی ہوگی اور کرایہ دار کو اتنی مدت استعمال کا حق ہوگا جس کا کرایہ وہ پیشگی ادا کر چکا ہے(۱)۔ یہ بھی درست ہے کہ خالی زمین دے دی جائے جس کا کرایہ وہ مسجد کو ادا کرتا رہے اور کرایہ دار خود اس میں تعمیر کرلے، پھر جب مدتِ کرایہ داری ختم ہو جائے تو اپنی تعمیر ہٹالے، خالی زمین مسجد کو دے دے، یا بعینہٖ تعمیر ہی مسجد کو دے دے(۲)۔ خالی زمین کرایہ پر دیتے وقت یہ شرط نہ کی جائے کہ اس زمین کا کرایہ یہ ہے کہ اس پر دوکان تعمیر کر کے اتنی مدت بعد وہ تعمیر مسجد کو دے دے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۹ھ۔

مسجد کی جگہ سینما کے بورڈ کے لئے کرایہ پر دینا

سوال[۷۱۵۴]: ہماری مسجد کی مسجد سے الگ ایک خالی جگہ پڑی ہے، اس کو سینما والے کرایہ پر لینا چاہتے ہیں، وہ اس جگہ پر اپنی فلم کا بورڈ لگائیں گے اور تیس ۳۰/ روپیہ ماہانہ دیں گے۔ تو وہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے یا نہیں، اگر دے سکتے ہیں تو اس کا مصرف کیا ہوگا، کیا کرایہ کا روپیہ بھنگیوں کو بطورِ تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

(فلم) سینما معصیت ہے، اس کے لئے یا اس کے بورڈ کے لئے مسجد کی جگہ کرایہ پر دینا اعانتِ

= المسائل المتعلقة بلزوم الأجرة، الخ : ۱/۲۶۱، (رقم المادة: ۴۶۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجاره، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، الخ : ۴/۴۱۳، رشيديه)

(۱) "يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة ، المصدر السابق، (رقم المادة : ۴۷۳) : ۱/۲۶۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "فإن قلت: إذا استأجر أرض الوقف سنين على عقود كثيرة للبناء وحكم بصحتها، ثم بنى، فزاد إنسان عليه، هل تنقض الإجارة؟ قلت: قال في المحيط وغيره: ولو استأجر أرضاً موقوفةً وبنى فيها حانوتاً وسكنها، فأراد غيره أن يزيد في الغلة ويخرجه من الحانوت، ينظر: إن كانت أجرته مشاهرةً، إذا جاء رأس الشهر، كان للقيم فسخ الإجارة؛ لأن الإجارة إذا كانت مشاهرةً، تنعقد في رأس كل شهر. ثم ينظر: إن كان رفع البناء لايضرّ بالوقف، فله رفعه؛ لأنه ملكه، وإن كان يضرّ به، فليس له رفعه؛ لأنه وإن كان ملكه فليس له أن يضرّ بالوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۸، رشيديه)

معصیت ہے، اس سے پرہیز کیا جائے (۱)، اگر کسی قول پر گنجائش نکلتی بھی ہے تب بھی مسجد کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۸۷ھ۔

سودی کاروبار کے لئے مسجد کی دوکان کرایہ پر لینا

سوال [۷۱۵۵]: مسجد کی ملکیت میں ایک مکان ہے جس کو ایک صاحب کرایہ پر لینا چاہتے ہیں، کرایہ معقول ملے گا، مگر ان کا کاروبار خالص سود کے لین دین کا ہے۔ ان کو کرایہ پر مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ صاحب سودی کاروبار ہی کے لئے کہہ کر لیتے ہیں تو مسجد کا مکان ان کو کرایہ پر نہ دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لئے برتنوں کو کرایہ پر دینا

سوال [۷۱۵۶]: مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے اخراجات کے مکمل کرنے کے لئے مسجد کی آمدنی سے کچھ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

﴿ولا تعاونوا على الإثم﴾ وهو الذنب والمعصية، و هي كل ما منعه الشرع، أو حاك في الصدر و كرهت أن يطلع عليه الناس". (التفسير المنير: ۵/ ۶۹، طبع بيروت)

(۲) "ولا بأس بأخذ أجر على حمل خمر الذمي خلافاً لهما، رجل آجر بيتاً ليتخذ فيه ناراً وبيعةً أو كينسةً أو يباع فيه الخمر، فلا بأس به. وكذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات: ۴/ ۳۷۶، ۳۷۷، امجد اكيڈمی لاهور)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي، و يندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعاني: ۶/ ۵۷، مبحث في ﴿وتعاونو على البر والتقوى﴾، دار إحياء التراث العربي بيزوت)

برتن خریدے جوشادی اور دوسری تقاریب کے لئے کرایہ پر دیئے جاتے ہیں اور اس کا جوبھی کرایہ وصول ہوتا ہے اس سے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ تو کیا برتنوں کا اس طرح پر کرایہ وصول کرنا اور مدرسہ ومسجد کے انتظامات میں لانا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں(۱)، وہ کرایہ مذکورہ ضروریات میں صرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

ناجائز فعل کے لئے کرایہ پر برتن دے کر مسجد پر خرچ کرنا

سوال[۷۱۵۷]: مسجد کے متولی نے دیگیں، شامیانے، بچھونے، کپ، رکابی وغیرہ کرایہ پر دینے کے لئے خرید رکھی ہیں اور لوگ ان کو جائز وناجائز تقریبات مثلاً: قوالی، رنڈی وغیرہ کی تقریب میں لے جاتے ہیں۔ اس سے جو کرایہ وصول ہوتا ہے اس کو مسجد میں لگانا کیسا ہے؟ اور متولی کا کرایہ پر دینا اور کرایہ لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "القيم إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن يستغل ويباع عند الحاجة، جاز إن كان له ولاية الشراء، وإذا جازله أن يبيعه، كذا في السراجية .... الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في حال الوقف عليه: ۴۶۲/۲، ۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۸۴/۵، قديمي)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد، ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، كذلك إلى آخر المصالح". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، ۳۶۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۳۶۸/۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز آمدنی سے جو کرایہ آئے وہ مسجد میں خرچ نہ کیا جائے (۱)، نیز ناجائز تقاریب میں یہ چیزیں کرایہ پر نہ دی جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۳/۲۵ھ۔

مسجد کی اشیاء کو عاریت پر دینا

سوال [۷۱۵۸]: مسجد کی مٹکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان مسلمانوں کو عاریۃً بیاہ شادی یا غمی میں دینا یا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۳)، ان سب کو مسجد میں معطی کی شرائط کے موافق استعمال کرنا چاہیے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۲/۲۹ھ۔

---

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة: ۱/۲۷۸، دارالمعرفة بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "متولى المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا في فتاوىٰ قاضي خان........ أرض وقف على مسجد صارت بحال لاتزرع فجعلها رجل حوضاً للعامة، لايجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض، كذا في القنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره الخ: ۲/۴۶۲، ۴۶۴، رشيديه)

(۴) "فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

الفصل الثانی عشر فی استعمال أشیاء المسجد

(مسجد کی اشیاء کو استعمال کرنے کا بیان)

مسجد کی چیزوں کا ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۵۹]: مسجد کا سامان مسجد کے علاوہ تصرف کر سکتے ہیں یا نہیں، مسجد کا سامان ڈول، لوٹا، لالٹین، موم بتی وغیرہ؟ اسی طرح مسجد کی اینٹ قرض لیکر باہر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح مسجد کے صحن میں اگر خشک کرنے کی غرض سے کپڑا پھیلائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ جملہ امور ممنوع ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲/۶/۸۸ھ۔

مسجد کے لوٹے ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۶۰]: جتنے مسجد میں لوٹے رکھے ہیں نمازی اور بے نمازی ان کو تمام کاموں میں استعمال کرتے ہیں، ٹھیک ہے یا نہیں؟

---

(۱) "متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته، وله أن یحمله من البیت إلی المسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والحانات والمقابر، الخ: ۴۶۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۴/۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کے لوٹوں کوتمام کاموں میں استعمال کرنادرست نہیں،صرف وضو،استنجا،غسل میں استعمال کریں، پانی پینے، یاکہیں کوئی معمولی کپڑانماز کے لئے دھونے کی بھی گنجائش ہے،مسجد سے باہراپنے مکان وغیرہ میں لے جانااوراستعمال کرنامنع ہے(۱)۔

مسجد کامصلّٰی ،لوٹاباہرلے جاکراستعمال کرنا

سوال[۷۱۶۱]: مسجد کالوٹا،مصلّٰی وغیرہ مسجد کے باہرلے جاکراستعمال کرسکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی:محمدانس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کالوٹامسجد کے باہرنہ لے جائیں جب کہ احاطۂ مسجد میں ضرورت پوری ہونے کاانتظام ہے،مسجد کامصلّٰی بھی خارجِ مسجداستعمال نہ کریں،خاص کربیٹھ کرباتیں کرنے کے لئے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲/۴/۹۵ھ۔

مسجد کے کسی حصہ کواپنے ذاتی مفاد کے لئےمخصوص کرلینا

سوال[۷۱۶۲]: مسجد کے کسی حصہ سے اپناذاتی فائدہ حاصل کرناجائزہے یانہیں؟اس کے صحن یااس کی چھت وغیرہ پرپودے وغیرہ لگانا،اس کاپھل استعمال کرناکیساہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کے کسی حصہ کواپنے ذاتی فائدہ کیلئےمخصوص کرلیناجائزنہیں ہے(۳)،حتیٰ کہ نمازکیلئےبھی اپنی جگہ

---

(۱) (سیاتی تخریجه تحت المسئلة الآتیة آنفاً)

(۲) "متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته، وله أن یحمله من البیت إلی المسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۴۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۴، رشیدیه)

(۳) "ولا یتعین مکان مخصوص لأحد، حتی لو کان للمدرس موضع من المسجد یدرس فیه فسبقه غیره =

مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے اور نماز پڑھنے سے روکے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۰ھ۔

مسجد کا کوئی لوٹا اپنے لئے خاص کرنا

سوال[۷۱۶۳]: زید مسجد کا ایک لوٹا اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے، دوسرا کوئی استعمال کرتا ہے تو ناراض ہوتا ہے اوراس کو ناپاک سمجھتا ہے۔شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کا یہ طریقہ غلط ہے، اگر اس کو وہم ہے کہ دوسرے کے استعمال سے لوٹا ناپاک ہوجاتا ہے، اس وہم کو چھوڑ دے، اگر نہ چھوٹ سکے تو اپنا لوٹا خرید کر علیحدہ رکھے اور نماز کے وقت لے آیا کرے تا کہ دوسرے کو اس کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= إليه، ليس له إزعاجه وإقامته منه. .... في القنية أيضاً: ليس للمدرس في المسجد أن يجعل من بيته باباً إلى المسجد، وإن فعل، أدى ضمان نقصان الجدار إن وقع فيه، اهـ. وأعجب من ذلك أن بعض مدرسي الأروام يعتقد في المسجد الذي له مدرس أنه مدرسة وليس بمسجد حتى ينتهك حرمته بالمشي فيه بنعله المتنجس مع تصريح الواقف بجعله مسجداً". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(۱) "ويكره تخصيص مكان في المسجد لنفسه؛ لأنه يخل بالخشوع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) یہ لوٹا چونکہ مسجد کا ہے اس لئے اپنے لئے خاص کرنا درست نہیں ہے:"متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج =

مسجد کا لوٹا اور جگہ مخصوص کرنا

سوال[۷۱۶۴]: اگر کوئی نمازی مسجد میں اپنی وضو کے لئے ایک لوٹا مخصوص کرلے اور اپنی نماز کے لئے جگہ مخصوص کرلے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے ہر لوٹے سے ہر نمازی کو وضو کرنے کا حق ہے، اسی طرح مسجد کے ہر حصہ میں ہر نمازی کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے، اس لئے کوئی شخص کسی خاص لوٹے کے استعمال سے، یا کسی خاص حصہ میں نماز پڑھنے سے اپنی خصوصیت کی بناء پر کسی نمازی کو منع نہیں کرسکتا (۱)۔ البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ خود کسی خاص لوٹے سے اس کے اچھا یا بڑا یا کسی اَور وصف کی بناء پر وضو کیا کرے، کسی اَور لوٹے سے نہ کرے۔ بلا وجہ شرعی

= المجسد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد، وتصرف الفيم، الخ: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۴/۳، رشيديه)

(۱) "وأعجب من ذلك أنه إذا غضب على شخص يمنعه من دخول المسجد خصوصاً بسبب أمر دنيوى، وهذا كله جهل عظيم، ولا يبعد أن يكون كبيرةً، فقد قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتى بها فى المسجد .... ولا يتعين مكان مخصوص لأحد .... له فى المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره، قال الأوزاعى: له أن يزعجه، وليس له ذلك عندنا". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا فى غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، القول فى أحكام المسجد: ۶۳/۴، ۶۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى الغرس فى المسجد: ۶۶۲/۱، سعيد)

مسجد کے کسی خاص حصہ کو نماز کے لئے متعین کرنا منع ہے کہ یہ تخصیص بلا مخصص شرعی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ رجب/ ۵۸ھ۔

مسجد کی اشیاء کا امام ومؤذن کے لئے استعمال

سوال[۷۱۶۵]: مسجد کا متفرق سامان امام یا مؤذن حسبِ ضرورت استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد انس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد میں دوقسم کی چیزیں ہوتی ہیں: قسمِ اول اہلِ محلّہ دیتے ہیں، وہ اگر امام صاحب کو اپنے حجرہ میں استعمال کی اجازت دیں تو درست ہے (۲)۔ قسمِ دوم منتظمین مسجد کے لئے خریدتے ہیں، اگر وہ اجازت دیں تو ان کی اجازت سے درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/ ۴/ ۹۵ھ۔

---

(۱) "ویکره تخصیص مکان فی المسجد لنفسه؛ لأنه یخل بالخشوع". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۲/ ۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۱/ ۶۶۲، سعید)

(۲) "(قوله: اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفین علی المسجد: أحدهما علی العمارة والآخر إلی إمامه أو مؤذنه. والإمام والمؤذن لا یستقرّ لقلّة المرسوم، للحاکم الدین أن یصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلی الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/ ۳۶۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۶۲، رشیدیه)

(۳) "وإذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلی إمام المسجد أو إلی مؤذن المسجد، فلیس له ذلک، إلا إن کان الواقف شرط ذلک فی الوقف، کذا فی الذخیرة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب =

حجرۂ مسجد میں کتابت

سوال[۷۱۶۶] : اگر کوئی شخص مسجد کی حفاظت کے لئے مسجد کے حجرے میں رہتا ہے اور وہاں کتابت بھی کرتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

مولوی رحمت اللہ سیتاپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقصد حفاظتِ مسجد ہے، تو درست ہے، فتاوی عالمگیری : ۴/ ۷۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا

سوال[۷۱۶۷] : مسجد میں جہاں امام کھڑا رہتا ہے، اس دیوار ہی میں آس پاس جو محرابیں ہوتی ہیں ان میں فرش یا کچھ اور چیز لگا کر قرآن شریف ودیگر کتب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعمیرِ مسجد کو اس سے نقصان نہ پہونچے (دیوار کمزور نہ ہوجائے) تو قرآن پاک اور دینی کتب کا مطالعہ

= الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۴۶۳/۲، رشیدیه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴۲۶/۴، رشيديه)

(۱) "قالوا في الخياط: إذا جلس فيه لمصلحته من دفع الصبيان و صيانة المسجد، لا بأس به للضرورة .... والذي يكتب إن كان بأجر، يكره، وإن كان بغير أجر، لا يكره". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد : ۱۱۰/۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: يكره استقبال القبلة : ۴۲۲/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، السادس والعشرون في حكم المسجد : ۸۲/۴، رشيديه)

کے لئے وہاں رکھنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۳/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۳/۱۹ھ۔

مسجد کی الماری میں اپنا تجارتی سامان رکھنا

سوال[۷۱۶۸]: ایک مولوی صاحب مسجد میں بچوں کو پڑھاتے ہیں اوران کے پاس اپنا مکان بھی ہے، باوجود مکان ہونے کے مسجد کی الماری جوعین عبادت گاہ میں ہے تجارتی کتابیں رکھتے ہیں۔جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد میں الماری اس لیے بنائی جاتی ہے کہ اس میں مسجد کی چیزیں مثلاً: قرآن پاک، پنکھا، مصلی، وغیرہ رکھاجائے، کسی کو اپنا سامان تجارت کیلیے رکھنا مستقل طور پر اس کا حق نہیں، الماری خالی کردی جائے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۴/۲۶ھ۔

---

(۱) "ودلّ تعليلهم أن المبيع لو كان لايشغل البقعة، لايكره إحضاره كدراهم ودنانير يسيرة أو كتاب ونحوه". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۳۱، رشيديه)

"لأن إباحته في المسجد للضرورة، فلا يجاوز مواضعها". (فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۳۹۷، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكره إحضار المبيع والصمت والتكلم إلا بخير، أما الأول، فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف : ۱/ ۲۳۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف : ۲/ ۳۹۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراءكم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم. الخ". (سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

مسجد میں دینی کتابیں وغیرہ رکھنا

سوال[۷۱۶۹]: اپنی ساری دینی کتابیں اور کچھ غیر دینی مثلاً جنتری وغیرہ مسجد کی الماری میں رکھتا ہوں بوجۂ حفاظت، کیونکہ گھر میں ان کے رکھنے کیلئے جگہ نہیں ہے اور کبھی کبھی ایک جوڑا کپڑا استعمال اور ناشتہ کی چیز مثلاً: گڑ، مٹھائی اور ہمیشہ دوا، صابون، تیل، سر میں لگانے کا کنگھا (میں امام ہوں)۔ جواب دہی فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اپنا گھریلو سامان، صابون، گڑ، میٹھائی، کپڑے وغیرہ نہ رکھیں کہ یہ اعتراض کی چیز ہے(۱)، اگر مسجد میں حجرہ سہ دری، وضوخانہ وغیرہ ہوتو وہاں رکھیں جہاں مستقل رات کو سوتے ہوں۔ ایسی کتابیں جن سے نمازی بھی فائدہ اٹھائیں مسجد میں رکھ لیں تو حرج نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کتاب کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرنا

سوال[۷۱۷۰]: ایک امام مسجد نے ایسے محلّہ میں امامت کرنا شروع کی کہ جس محلّہ کے مسلمان امور غیر شرعی میں زیادہ مبتلا تھے، امام کا دل غیر شرعی امور میں مسلمانوں کو دیکھ کر کڑھتا، مگر مجبور تھا کہ ان کی اصلاح کیسے کی جائے۔ جب ان کو مسئلہ بتاتا تو لوگ ثبوت طلب کرتے، مگر امام صاحب کے پاس کوئی ایسی کتاب مستند نہیں تھی جو ان کو دکھا سکے۔ امام صاحب نے چندہ جمع کر کے ایک قرآن مترجم حضرت شیخ الہندؒ کا خرید لیا اور تفسیر حقانی بھی خریدی۔ امام صاحب مذکورہ کتابیں مکان میں رکھ کر مطالعہ کر کے لوگوں کو سناتا ہے، ثبوت کے لئے ان

---

(۱) "وكره إحضار المبيع والصمت والتكلم إلا بخير، أما الأول فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد، وفيه شغله بها". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۲۳۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "لا يكره إحضاره كدراهم و دنانير يسيرة أو كتاب ونحوه". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۱، رشيديه)

کو کتابیں دکھاتا ہے جس سے مسلمانوں کی کافی اصلاح ہوتی جارہی ہے۔ کیا یہ کتابیں امام مکان میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس شکل میں کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ دینے والوں کو اطلاع کردے کہ میں نے آپ کے دیئے ہوئے پیسوں سے کتابیں خریدی ہیں، ان کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرتا ہوں، ان کو اعتراض نہ ہو تو بس کافی ہے۔ اگر ان لوگوں نے امام کو پیسے کا مالک بنا دیا تھا تو پھر کسی قسم کا بھی اعتراض نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

مسجد کا تیل یا ڈھیلا اپنے ساتھ لے جانا

سوال [۷۱۷۱]: بہت سے آدمی مسجد کے چراغ میں سے ہاتھ پیروں میں تیل لگاتے ہیں اور بہت سے آدمی مسجد کے اندر سے ڈھیلے لے جاکر گھر پر رکھ دیتے ہیں، وہیں پر استنجا میں استعمال کرتے ہیں۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں باتوں کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة، لسليم رستم باز : ۱/ ۶۱، (رقم المادة : ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الخامس في حكمها، فمنه ثبوت ولاية التصرف الذي تناوله التوكيل، ومنه أن لا يوكل إلا بإذن أو تعميم، و منه أنه أمين فيما في يده". (البحر الرائق، كتاب الوكالة : ۷/ ۲۳۸، رشيديه)

(۲) "وفي الإسعاف: وليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد إلى بيته". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد : ۵/ ۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/ ۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار : ۵/ ۸۵۱، إدارة القرآن كراچی)

حمام کے کوئلہ سے امام کو چائے بنانا

سوال[۷۱۷۲]: جس جگہ لکڑی بافراغت ملتی ہے تو حمام کے لئے جو کوئلہ وغیرہ دیا جاتا ہے تو امام اس سے چائے وغیرہ پکا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن لوگوں نے لکڑی دی ہے، اگر وہ اجازت دیدیں کہ امام اپنے استعمال میں بھی لائے تو امام کیلئے اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

متولی کی اجازت سے مسجد کا تیل امام ومؤذن کے لئے

سوال[۷۱۷۳]: مسجد میں جو عموماً عام لوگ تیل ڈال جاتے ہیں، آیا اس تیل کو امام ومؤذن مسجد ہٰذا اپنے حجرہ میں باذنِ متولی جلا سکتا ہے یا نہیں اور اس کا یہ اذن ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تیل دینے والوں کی بھی اجازت ورضامندی ہے تو جائز ہے اور متولی کا اذن بھی معتبر ہے ورنہ نہیں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کا تیل امام کے لئے

سوال[۷۱۷۴]: امام کو کوئی شی مسجد کی اپنے تصرف میں لانا مثلِ تیل وغیرہ شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) "بعث شمعاً فی شهر رمضان إلی مسجد، فاحترق، وبقی منه ثلثه أودونه، لیس للإمام ولا للمؤذن أن یأخذ بغیر إذن الدافع. ولو کان العرف فی ذلک الموضع أن الإمام والمؤذن یأخذه من غیر صریح الإذن من ذلک، فله ذلک". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۱۹، رشیدیه)

(۲) (سیأتی تخریجه تحت المسئلة الآتیة فانظرها لزاماً)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر واقف نے اس کے متعلق امام کو اجازت دی ہے اور اس کی مقدار متعین کردی ہے اور امام غریب ہے تو امام کو بقدرِ تعینِ واقف اس کا صرف کرنا درست ہے۔ اور اگر واقف نے تو اجازت نہیں دی، لیکن امام کی تنخواہ کا جز قرار دیا ہے، مثلاً ہر ماہ اتنے روپیہ اور اتنا تیل تنخواہ مقرر کی گئی ہے تب بھی امام کو اس تعین کے ماتحت اس میں تصرف کرنا درست ہے۔ اگر کوئی معاملہ واقف سے یا ملازم رکھنے والے سے نہیں کیا گیا تو امام کو مسجد کے چراغ سے مسجد میں رہتے ہوئے فائدہ اٹھانا جن اوقات میں مسجد کی ضرورت کے لئے چراغ روشن کیا جاتا ہے دیگر سب نمازیوں کی طرح درست ہے، تیل کو فروخت کرنا، اپنے گھر لے جا کر جلانا وغیرہ درست نہیں:

"وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك في الوقف، كذا في الذخيرة. ولو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد وبيّن قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً، وإن كان غنياً لايحل، وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين. كذا في الخلاصة"(١)۔

وفي الفتاوىٰ الهندية: "إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب في سراج المسجد، إن كان سراج المسجد موضوعاً في المسجد للصلوة، قيل: لابأس به. وإن كان مؤضوعاً في المسجد لا للصلوة بأن فرغ القوم من صلاتهم وذهبوا إلى بيوتهم وبقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على الثلث لايكون له حق التدريس، كذا في فتاوىٰ

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم، الخ: ٢/٤٦٣، رشيديه)

"ولو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد، وبيّن قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً، وإن كان غنياً لايحل له، وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ٤/٤٢٦، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ٥/٨٥٧، ٨٥٨، إدارة القرآن كراچي)

قاضی خان، اھ". عالم گیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ الاحد۔

صحیح: عبد اللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ۔

مسجد کا تیل وغیرہ امام کو استعمال کرنا

سوال[۷۱۷۵]: ا......پیشِ امام اور مؤذن وغیرہ کو تنخواہ میں جو کہ چار یا پانچ روپیہ کی ہوتی ہے یا علاوہ تنخواہ کے ضرورت سمجھ کر ویسے ہی مذکورہ اشیاء یا ان کے دام متولی ان کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

۲......اور یہاں اکثر مسجدوں میں پیشِ امام وغیرہ کی تنخواہ نہیں ہے اور اکثر پیشِ امام مذکورہ چیزیں اپنا حق سمجھ کر اپنے گھر میں خرچ کرتے ہیں اور ان پر اکثر مقتدی و متولی کچھ بھی اعتراض نہیں کرتے، بلکہ اکثر کہہ بھی دیتے ہیں کہ یہ آپ کا حق ہے، آپ لے جایا کریں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......اگر مسجد میں دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو درست ہے۔

۲......اگر مسجد میں دینے والے یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ یہ اشیاء ہم نے آپ کو دی ہیں، آپ اپنے گھر لے

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول فیما یصیر به مسجداً، الخ: ۲/۴۵۹، رشیدیه)

"فإذا أراد إنسان أن یدرس الکتاب بسراج المسجد إن کان السراج موضوعاً فی المسجد للصلوة، قیل: لابأس، وإن کان موضوعاً فی المسجد لا للصلوة بأن فرغ القوم عن صلاتهم وذهبوا إلی بیوتهم وبقی السراج فی المسجد، قالوا: لابأس بأن یدرس به إلی ثلث اللیل .... وفیما زاد علی ثلث اللیل، لیس لهم تأخیر الصلوة، فلا یکون لهم حق الدرس". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۹، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۰، رشیدیه)

جا کر استعمال کرلیں تو امام کو ایسا کرنا درست ہے(۱) اور دینے والے کے علاوہ اگر دوسرے مقتدی اجازت دیتے ہیں تو ان کی اجازت غیر معتبر ہے۔ اگر دینے والے دیتے ہیں مسجد میں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد کی اشیاء میں امام کو شرعاً اس قسم کا حق حاصل ہوتا ہے تو ان کا یہ خیال غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ رجب/ ۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد کا کنواں، نل، ڈول رسی استعمال کرنا

سوال[۷۱۷۶]: اگر مسجد میں کنواں یا نل لگا ہوا ہو تو اس کنویں سے پانی فقط وضو برائے نماز، نمازی ہی کام میں لاسکتے ہیں، یا دیگر آدمی محلہ کے باشندے سے خرچہ ضروری میں لاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے کنویں کا پانی علاوہ نماز کے دوسرے کام میں بھی لانا درست ہے(۲)، لیکن احتیاط ضروری ہے، یعنی وہ کنواں اگر مسجد کے فرش پر ہے تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مسجد کا فرش نجاست سے ملوث نہ ہو(۳)، نیز مسجد کے ڈول رسی کا استعمال ہے(۴)۔ اور مسجد کے نل کو اتنا زیادہ اور زور سے استعمال نہ کیا جائے کہ جلد خراب ہوجائے اور اگر مسجد کی آمدنی سے لگایا ہے تو ضروریاتِ نماز کے علاوہ استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۵/۵۶ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المارّة فراجعها وطالعها)

(۲) "ولا بأس أن يشرب من الحوض والبئر، ويسقي دابته، ويتوضأ منه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(۳) "لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

(۴) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق و بقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع. ولو كان العرف في ذلک الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن من ذلک، فله ذلک". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

مسجد کے چراغ میں اپنا وظیفہ پڑھنا

سوال[۷۱۷۷]. تیل وغیرہ یا اَور روشنی جو مسجد میں ہو، اس سے فقط جس وقت تک عشاء کی نماز ختم ہونے کا وقت ہو، نماز ہی کے کام میں لا سکتے ہیں، یا نمازی و امام مسجد یا کوئی دوسرا آدمی اس روشنی سے قرآن مجید یا وظیفہ وظائف کے پڑھنے کے وقت کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز کے لئے جب تک روشنی رہنے کا معمول ہو اس وقت اس روشنی میں قرآن شریف اور وظیفہ وغیرہ پڑھنا بلاشبہ درست ہے اور اس کے بعد یعنی جب روشنی چراغ گل کر دیا جاتا ہو، اس وقت تیل دینے والے کی اجازت سے روشنی کرنا اور اس میں قرآن شریف وغیرہ پڑھنا درست ہے، بلا اجازت نہیں چاہیے۔ اور اگر تیل وقف کی آمدنی سے خریدا گیا ہے، مگر واقف نے یہ شرط نہیں کی کہ تمام رات مسجد میں چراغ روشن رہے تب بھی قرآن شریف وغیرہ پڑھنے کے لئے علاوہ وقتِ نماز کے چراغ کو روشن کرنا درست نہیں، کذا فی الهندية، ص: ۱۰۳۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۵/۳۰ھ۔

مسجد میں چراغ کب تک جلے

سوال[۷۱۷۸]: ایک مسجد میں چراغ تیل سے بھر کر مغرب کی نماز سے پہلے جلا دیا جائے اور پھر عشاء کی نماز ختم ہونے پر جب کہ نمازیوں کے آنے کی امید نہ رہے تو کیا چراغ بجھا دینا بہتر ہے یا نہیں یا صبح تک اس کا بجھانا مناسب ہے یا نہیں؟ فقط۔

معرفت: نصیر الدین، کتب خانہ یحیوی،

سہارنپور، ۲۴/ جولائی/ ۳۶ء۔

---

(۱) (سیأتي تخريجه تحت عنوان: ''مسجد میں چراغ کب تک جلے'' رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب آدمیوں کے آنے کی توقع نہ رہے تو چراغ بجھا دینا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

مسجد کا چراغ کب تک جلے اور فرش کب تک بچھے

سوال[۷۱۷۹]: مسجد میں تیل جو جمع رہتا ہے اس کا کسی چراغ میں جلانے کا کیا حکم ہے اور کتنی دیر تک حکم ہے، یا کہ حجرہ اور پیر صاحب کا راستہ میں آنے جانے کی سہولت کے لئے چراغ جلانے درست ہیں اور تمام رات جلتے رہتے ہیں اور مسجد کے فرش وفروش عام لوگوں کی مجلس جمانے کیلئے بچھانے درست ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب تک عامۃً لوگ نماز پڑھتے ہوں مسجد میں چراغ جلایا جائے (۲)، وضوخانہ اور غسل خانہ وغیرہ اور

---

(۱) "و لا بأس بأن يترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى وقت العشاء، ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضعٍ جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ومسجد الحرام، أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة في زماننا". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد : ۵/۴۲۰، رشيديه)

"ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الفصل الأول ۲/۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد و ما يتصل به : ۶/۲۶۹، رشيديه)

(۲) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيديه) =

راستہ میں بھی حسبِ ضرورت چراغ جلایا جاسکتا ہے۔ مسجد کے فرش نماز و جماعت کیلئے بچھانا درست ہے، اگر فرش ہروقت بچھا رہتا ہو اور پیر صاحب اور ان کے مریدین مجلس جما کر اس پر بیٹھ جائیں تو مضائقہ نہیں۔ اگر نماز کے بعد فرش کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہو تو پھر ایسے وقت میں مجلس جما کر بیٹھنے کے لئے مستقلاً فرش مسجد کو استعمال نہ کیا جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۰ھ۔

مسافر کیلئے مسجد کی چٹائی کا استعمال کرنا

سوال [۷۱۸۰]: مسافر اگر مسجد کی چٹائی لیٹنے کیلئے استعمال کرے تو کیا یہ فتویٰ کی رو سے درست ہے، اور تقویٰ کی رو سے ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتویٰ کی رو سے درست ہے اور تقویٰ کی رو سے احتیاط اولیٰ ہے، حرام نہیں (۱)۔

تبلیغی جماعت کیلئے اشیائے مسجد کا استعمال

سوال [۷۱۸۱]: ۱..... یہاں جامع مسجد شہر علی گڑھ میں تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں اور اپنا قیام مسجد میں کرتی ہیں، اور اپنا اجتماع مسجد میں کرتی ہیں۔ نماز ظہر کی جماعت اور سنت ونوافل کے بعد وہ اپنی کتاب پڑھنا، دین کی باتیں کرنا شروع کرتیں ہیں۔ اسی درمیان میں وہ مسجد کا پنکھا بھی چلاتی ہیں، بجلی خرچ کرتی ہیں اور مسجد کا

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴۲۲/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

(۱) "وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوي الاعتكاف، ليخرج من الخلاف". (الحلبي الكبير، ص: ۶۱۲، فصل في أحكام المسجد، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

پنکھا استعمال کرتی ہیں، اس کا خرچ بھی مسجد کے وقف پر پڑتا ہے جب کہ مسجد کے وقف کی انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے صرف اوقات جماعت میں پنکھا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ان جماعتوں کو اپنے اوقات میں مسجد کا پنکھا بجلی وغیرہ استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲...... کیا مسجد کے وقف کی انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ اس قسم سے اخراجات مسجد کی وقف آمدنی پر ڈالیں؟

۳...... کیا مسجد کی وقف انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ وہ کسی بھی فرد یا جماعت کو غیر اوقات فرض نماز باجماعت میں مسجد کی املاک استعمال کرنے کی اجازت دے؟

۴...... کیا یہ شرعاً جائز ہے کہ کوئی فرد یا جماعت کوئی کتاب پڑھتے وقت بجلی کا پنکھا استعمال کرے اور بجلی کا خرچہ اپنی جیب سے ادا کرے یا اپنے ٹھہرنے اور سونے کے لئے بجلی کا پنکھا استعمال کرے؟

۵...... کیا مسجد کی املاک کو غیر نماز کے مقصد میں استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وقف مسجد کا پیسہ مسجد کی اور وقف کے تحت وقف کی انتظامیہ کمیٹی کی نگرانی وتجویز سے صرف کیا جاتا ہے(۱)، منشائے واقف کے خلاف خرچ کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ کمیٹی کو بھی حق نہیں کہ وہ اجازت دے(۲)۔

---

(۱) "و يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: ثم ما هو أقرب لعمارته) والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف: أى من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيّناً، فإن كان الوقف معيّناً على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف : ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد) .... =

۱......جائز نہیں (۱)۔

۲......اجازت نہیں (۲)۔

۳......صرف اوقاتِ جماعت تک محدود نہ رکھے، بلکہ جماعت سے قبل اور بعد کی سنتوں ونفلوں، نیز مسبوق کی نماز پوری ہونے تک کی گنجائش دیدی جائے، معمولی تاخیر ہوجائے تو قابل تسامح ہے (۳)۔

۴...... یہ جماعتیں دینی کام نماز وغیرہ ہی کے لئے نکلتی ہیں اور مساجد میں قیام کرتی ہیں اوران کے اس کام سے بہت بڑا نفع ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان جماعتوں کو مسجد میں رہنے، ٹھہرنے، اپنی کتاب سنانے کی اجازت دے دی جائے اوران کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔ جماعتیں اوقاتِ نماز وجماعت کے علاوہ بجلی کو استعمال کریں اوراس کا صرفہ دیدیں، یہ صرفہ مسجد پر نہ ڈالیں، انتظامیہ کمیٹی کو وہ صرفہ ان جماعتوں سے قبول

= (وکذا فی الأشباہ والنظائر، کتاب الوقف: ۲/۱۰٦، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "ولو وقف علی دهن السراج للمسجد، لا یجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین، ویجوز إلی ثلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلاة فیه، ولا یجوز أن یترک فیه کل اللیل إلا فی موضعٍ جرت العادة فیه بذلک .... أو شرط الواقف ترکه فیه کل اللیل کما جرت العادة به فی زماننا .... إن أراد إنسان أن یدرس الکتاب بسراج المسجد للصلاة، قیل: لا بأس به. وإن کان موضوعاً فی المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم و ذهبوا إلی بیوتهم و بقی السراج فی المسجد، قالوا: لا بأس بأن یدرس به إلی ثلث اللیل، و فیما زاد علی الثلث لا یکون له حق التدریس، کذا فی فتاوی قاضیخان". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۲/۴٥۹، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ٥/۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۹، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ٥/۸٥۱، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

(۳) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

کرلینا چاہیے۔

۵......ان جماعتوں کا قیام نماز کیلئے ہے، مقصدِ نماز کے خلاف کسی غلط یا غیر مقصود کے لئے نہیں، اس لئے اگر یہ مسجد کا لوٹا، چٹائی، نل، ڈول، رسی، استعمال کریں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے (۱)، البتہ جو مصارف زیادہ ہوں بجلی کیلئے، وہ ان سے وصول کر لئے جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۹۰ھ۔

بجلی کا ہیٹر اپنی ضروریات یا تلاوت کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۸۲]: بجلی کا ہیٹر نمازی یا منتظمِ مسجد استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا تلاوت کے وقت استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

منتظمین یا عام نمازی جس وقت عام ضرورت کے وقت استعمال کریں تو درست ہے، خاص کر آدمی اپنی تلاوت کے لئے استعمال نہ کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) "ویجوز الدرس فی المسجد وإن کان فیه استعمال اللبود و البواری المسبلة لأجل المسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۱۹/۵، رشیدیه)

(۲) "هل یجوز أن یدرس الکتاب بسراج المسجد؟ والجواب فیه أنه إن کان موضوعاً للصلاة، فلا بأس به. وإن وضع لا للصلاة بأن فرغوا من الصلاة و ذهبوا، فإن أخر إلی ثلث اللیل، لا بأس به. وإن أخر أکثر من ثلث اللیل، لیس له ذلک، کذا فی المضمرات فی کتاب الهبة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۲/۵، رشیدیه)

(۳) "ولو وقف علی دهن السراج للمسجد، لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین، ویجوز إلی ثلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلوة فیه، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشیدیه) =

بجلی کا پنکھا غیر اوقاتِ نماز میں چالو کرنا

سوال[۷۱۸۳]: مسجدوں میں بجلی اور پنکھے وغیرہ لگے ہوئے ہیں، نماز کے علاوہ دوسری ضروریات کے واسطے ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں، جیسے تلاوت کلام پاک، مطالعۂ کتب، تبلیغ تعلیم وغیرہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنکھے چونکہ نماز کے وقت استعمال کرنے کیلئے لگائے گئے ہیں، ان کو دیگر اوقات میں استعمال کی اجازت نہیں (۱)، اوقاتِ نماز میں جب نماز کیلئے کھولے جائیں تو مطالعہ کی بھی اجازت ہے (۲) "شرط الواقف کنص الشارع" (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۱ھ۔

= (وكذا في التاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/ ۸۵۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۹، رشيديه)

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/ ۴۵۹، رشيديه)

(۲) "يجوز ترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى العشاء لا كل الليل، إلا إذا جرت العادة بذلك كمسجد سيدنا عليه السلام. والتدريس بسراجه إذا وضعوه إلى ثلث الليل للصلاة أو لغيره لا بأس به". (البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۶/ ۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/ ۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/ ۸۵۱، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۴۳۳، سعيد)

مسجد میں بجلی کا پنکھا

سوال[۷۱۸۴]: مسجد میں بجلی کی روشنی وبجلی کا پنکھا نماز باجماعت کی حالت میں یا اوقاتِ نماز میں پنکھے کا چلنا کیسا ہے، جب کہ نمازیوں ہی نے اپنے پاس سے بجلی وبجلی کا پنکھا مسجد میں لگوایا ہے؟ اور اس کا ماہواری خرچ بھی نمازی ہی اپنے پاس سے ادا کرتے ہیں اور متولی یا مسجد کی آمدنی سے ایک پائی خرچ نہیں کیا جاتا ہے، ایسی حالت میں پنکھے کا چلنا نا جائز ہے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی، یا نماز میں اس سے کچھ فساد آتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرمی کے وقت نمازیوں کی راحت واطمینان کے لئے بجلی کا پنکھا مسجد میں چلنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا، بلا تردد نماز درست ہوگی اور ایسی منفعت وراحت کا انتظام کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔ بجلی کی روشنی سے بھی نماز میں خرابی نہیں آتی، زمانۂ سلف میں یہ دونوں چیزیں موجود نہیں تھیں، مگر چراغ کی روشنی کا عام دستور تھا حتی کہ زیادہ تاریکی میں کہ سمتِ قبلہ کا صحیح پتہ نہ چل سکے فقہاء نے نماز کو مکروہ لکھا ہے۔ دستی پنکھے بھی مساجد میں موجود رہتے تھے، فرشی پنکھے کو مجموعہ فتاویٰ میں مولانا عبدالحیٔ نے مباح لکھا ہے(۱)۔ کوکب دری میں ہے: ۱/۹۹:

"(قوله: بالقنو والقنوين) فيعلقه، فيه دلالة على تعليق المراوح في المساجد لِمَا أنها ليست بأقل نفعاً من القنو مع مافي القنو من الشغل والتلويث ماليس في المروحة، اهـ"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، سہارنپور، ۶۰ھ۔

مسجد کے پنکھے کا استعمال

سوال[۷۱۸۵]: ا...... ہماری مسجد کے امام صاحب دس بجے شب میں اعتکاف کی نیت کرتے ہیں

---

(۱) "مسجد میں فی نفسہ فرشی پنکھا لگانا مباح ہے، کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں ہے اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ اس میں نظر سے گذری"۔ (محموعة الفتاویٰ، لعبدالحیٔ (اردو) کتاب المساجد: ۱/۱۷۷، سعید)

(۲) (الکوکب الدری: ۴/۸۴، أبواب التفسیر، الصلوة الوسطی، القنو یعلق فی المسجد، إدارة القرآن کراچی)

اور مسجد میں سو جاتے ہیں اور مسجد کے پنکھے استعمال کرتے ہیں اور امام صاحب دو بجے شب میں اعتکاف ختم کردیتے ہیں۔ پنکھوں کا چلانا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... چند روزہ دار حضرات مسجد کا پنکھا استعمال کرتے ہیں اور مسجد میں سو جاتے ہیں۔ ویسے تو روزہ خود عبادت ہے، فرض ہے تو ان لوگوں کو پنکھے کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... مسجد کا پنکھا چلا کر کلامِ پاک کا دَور کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور مسجد میں سونا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا...... جس نے مسجد کے لئے پنکھا دیا ہے، اگر پنجگانہ نماز کے لئے دیا ہے تو دیگر اوقات میں اس پنکھے کو استعمال نہ کیا جائے (ا)، امام اور دوسرے لوگ اس میں سب برابر ہیں۔

۲...... اس کا جواب بھی جواب نمبر: ا، سے ظاہر ہے۔

۳...... اس کا حال بھی یہی ہے۔

تنبیہ: بہتر یہ ہے کہ یہ پنکھا استعمال کرنے والے حضرات مسجد کو پنکھا استعمال کرنے کی وجہ سے جس قدر مصارف زیادہ ہوں وہ دے دیں (۲)۔ اور جس نے مسجد کو پنکھا دیا ہے وہ بھی دوسرے اوقات میں استعمال

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لايجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثُلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلوة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(وكذا فى البزازية، كتاب الوقف، الرابع فى المسجد ومايتصل به: ۲۶۹/۲، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "ولا بأس بالجلوس فى المسجد لغير الصلوة، لكن لو تلف به شئ، يضمن". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فى المسجد: ۶۲/۱، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: يكره باب غلق المسجد، الخ: ۱۱۰/۱، رشيديه)

کرنے کی اجازت دے دے۔ غرض نہ مسجد پر مصارف زیادہ پڑیں، نہ پنکھا دینے والے کے منشاء کے خلاف ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۱۳۹۹ھ۔

غسل خانہ وغیرہ میں روشنی کا انتظام

سوال[۷۱۸۶]: زید کے چھوٹے بھائی نے اپنے صرفہ سے مسجد میں بجلی لگوائی اور وہی بل ادا کرتا ہے۔ صرف دو بلب اندر باہر لگے ہوئے ہیں، غسلخانہ میں کوئی روشنی نہیں۔ زید جب خود فارغ ہو جاتا ہے تو بجلی بند کر دیتا ہے، حالانکہ اور نمازی مشغول رہتے ہیں۔ اگر کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم ہی نے تو بجلی لگوائی ہے، بل زیادہ آئے گا، اگر کہا جاتا ہے کہ تم صرفہ لے لو تو انکار کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بجلی کافی نہیں ہے تو جہاں جہاں ضرورت ہو مسجد والے وہاں وہاں روشنی کا انتظام کرلیں، خواہ چراغ سے ہو یا بجلی سے (۲)، ان صورتوں میں جس قدر زائد بجلی خرچ ہو وہ مسجد والے دیدیا کریں۔ جس نے

---

(۱) "ولا بأس بأن يترك سراج المسجد في المسجد إلى ثلث الليل، ولا يترك أكثر من ذلك، إلا إذا شرط الواقف ذلك، أو كان ذلك معتاداً في ذلك الموضع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(۲) "ولهم أيضاً أن يفرشوا بالآجر و الحصير و يعلقوا القنديل، لكن من مال أنفسهم لا من مال المسجد إلا بأمر الحاكم". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۶/۲۶۸، ۲۶۹، رشيديه)

"أراد أن يشتري للمسجد دهناً أو حصيراً، فإن كان المسجد مستغنياً عن الدهن محتاجاً إلى الحصير، فالحصير أفضل، وإن كان على العكس فشراء الدهن أفضل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات: ۲/۴۸۲، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

ثواب کے لئے بجلی لگوائی ہے اس کو ضرور ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ٦/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد کی بجلی دوسرے کو دینا

سوال[۷۱۸۷]: کیا مسجد سے دوسرے شخص کو بجلی اور روشنی دی جاسکتی ہے جبکہ کوئی نقصان نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جہاں تک ہو سکے مسجد کی بجلی کا تعلق دوسرے سے نہ ہونا چاہیے (۱) اگر چہ اس میں مسجد کی بجلی پر کوئی فرق نہ آوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ٦/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد کی جائے نماز وغیرہ کا محافظ کون ہے؟ اور تقریبات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں

سوال[۷۱۸۸]: مسجد کا مصلّٰی ودیگر جائے نماز جو کہ چندے کا ہے، وہ امام کی ذمہ داری میں رہنا چاہیے یا کسی اَور کی، یہاں پر لوگ اپنے مکان میں رکھتے ہیں، مسجد میں نہیں لاتے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نوکر تھوڑی ہیں جو لاد کر لاویں اور لے جاویں۔ مسجد کے جائے نماز شادی کی تقریبات، بستر وغیرہ کے بچھانے کے استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا في قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم الخ: ۲/ ٤٦۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ٤۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹٤، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی حفاظت کے لئے ملازم رکھا جائے (۱)، مثلاً موذن اذان بھی کہے، مسجد کی صفائی اور حفاظت بھی کرے (۲)، اس کی تحویل ونگرانی میں سامان رکھا جائے اور نماز وغیرہ بھی رہے کہ مسجد کی چیز صحیح جگہ پر خرچ ہو اور نمازیوں کو بھی تکلیف نہ ہو۔ مسجد کی جائے نماز شادی کی تقریبات وغیرہ میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "وللمتولی أن یستأجر من یخدم المسجد یکنسه و نحو ذلک بأجر مثله". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، الخ: ۲/ ۴۶۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۰۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/ ۲۴۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "المتولی إذا أمر المؤذن أن یخدم المسجد، وسمی له أجراً معلوماً لکل سَنَة. قال الشیخ الإمام أبو بکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالیٰ: تصح الإجارة؛ لأنه یملک الاستیجار لخدمة المسجد".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۰۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۳، ۲۹۴، رشیدیه)

(۳) "متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته، وله أن یحمله من البیت إلی المسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، الفصل الثانی فی الوقف وتصرف القیم الخ: ۲/ ۴۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۴، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/ ۸۵۱، إدارة القرآن کراچی)

مسجد کا سامان اور مکان جو استعمال کرے وہ کرایہ دے

سوال[۷۱۸۹]: مسجد کے مکانات اس کے درودیوار کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہے؟ امامِ مسجد، مؤذن اور متولی میں سے زیادہ حق کس کو ہے، مثلاً سیڑھی اور دوسری اشیاء کے متعلق، امام، مؤذن اور متولی کا کیا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے مکانات کے استعمال کی کسی کو بھی اجازت نہیں، جو استعمال کرے معاوضہ دے۔ امام یا مؤذن کو اگر کوئی مکان یا کمرہ دیا جائے تو وہ حق الخدمت میں دیا جائے، یعنی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ آپ کو اتنی تنخواہ ملے گی اور رہنے کے لئے کمرہ ملے گا(۱)۔ متولی اگر استعمال کریں تو وہ بھی کرایہ ادا کریں (۲)۔ سیڑھی اور دیگر اشیائے مسجد کو بھی بلا معاوضہ کسی کو استعمال کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۵/۶/۳ھ۔

مسجد کی چھت سے گری ہوئی لکڑی کو پانی گرم کرنے کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۹۰]: مسجد کی چھت سے اتری ہوئی لکڑی وغیرہ سے مسجد کے نمازیوں کے لئے پانی گرم

---

(۱) "وللمؤذن أن يسكن في بيت هو وقف على المسجد، كذا في الغرائب". (الفتاویٰ العالمگیریة، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۰/۵، رشيديه)

(۲) "حتى لو آجر الوقف من نفسه أو سكنه بأجرة المثل، لايجوز، وكذا إذا آجره س ابنه .... للتهمة، ولا نظر معها، كذا في الإسعاف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۴/۵، رشيديه)

"ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيّم في الأوقاف، الخ: ۴۱۹/۲، رشيديه)

"ولا تجوز إعارة الوقف والإسكان فيه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، المصدر السابق، رشيديه)

"وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولى، ويجب أجر المثل، كما قد مناه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۹/۵، رشيديه)

کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سامان بیکار ہے، لکڑی وغیرہ تو مسجد کی ضرورت کیلئے ہے اس سے پانی گرم کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۷ھ۔

مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا

سوال[۷۱۹۱]: ایک شخص اہل محلّہ سے کچھ چندہ لیکر اور اپنا زرِ کثیر خرچ کر کے ایک مسجد تعمیر کرے اور پھر مسجد کے مخصوص ضروریات کے لئے یعنی: فقط بوریے، تیل، لوٹے اور مرمت مسجد کیلئے مکان اور دوکان وقف کردی ہے، اس کی آمدنی ہمیشہ مذکورہ ضروریاتِ مسجد پر خرچ ہوتی ہے۔اہل محلّہ تقاضہ کرتے ہیں کہ اس کی آمدنی کو گرم پانی کے مصارف پر خرچ کیا جائے اور صاحبِ وقف کہتا ہے کہ مذکورہ مخصوص ضروریات کیلئے وقف کیا ہے۔اس صورت میں کیا حکم ہے؟

علاوہ ازیں یہ بھی دریافت طلب چیز ہے کہ رواج ٹھہر گیا ہے کہ اہل محلّہ مسجد میں پانی گرم کرتے ہیں نمازیوں کیلئے، ہر بے نماز اس سے غسل کرتا ہے اور گھروں میں لے جاتے ہیں۔ بے نماز کا غسل کرنا اور گھر عورتوں اور مَردوں کا-نمازی ہو یا غیر نمازی ہو-گھروں میں لیجانا جائز ہے یا نہیں؟

الراقم: دین محمد۔

---

(۱) بے کار سامان کا جس طرح بیچنا جائز ہے، اسی طرح مسجد کی ضروریات میں استعمال کرنا بھی جائز ہے:

"سئل عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقف تهدم و لم يكن له شيء يعمر منه و لا أمكن إجارته ولا تعميره: هل تباع أنقاضه من حجر وطوب و خشب؟ أجاب: إن كان الأمر كذلک، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يكن عمارته : ۳۷۶/۴، ۳۷۷ سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۲/۲، شركت علميه ملتان)

الجواب حامداًومصلياً:

جب واقف پانی گرم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صراحۃً منع کرتا ہے تو "نص الواقف کنص الشارع" کے ماتحت پانی گرم کرنے میں اس آمدنی کوخرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ ہاں! اگر واقف اجازت دیدے تو جائز ہے۔ جولوگ اپنے دام خرچ کر کے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرتے ہیں، ان کو اختیار ہے کہ وہ کسی بے نمازی کو استعمال نہ کرنے دیں (۲)، نیز کسی کو اپنے گھر نہ لے جانے دیں۔ جوشخص بلا ان کی اجازت اپنے گھر لے جائے گا گنہ گار ہوگا، کیونکہ یہ پانی مسجد کے روپے سے گرم نہیں ہوتا، بلکہ اہلِ محلّہ خود گرم کرتے ہیں، دارومدار اہل محلّہ کی اجازت پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

بے نمازیوں کا مسجد کا گرم پانی استعمال کرنا

سوال [۷۱۹۲]: مسجد کا گرم پانی جو وضو کے لئے ہوتا ہے، اس سے بے نمازی کا غسل کرنا، ہاتھ منہ دھونا، کپڑا دھونا کیسا ہے، جب کہ عشاء کے بعد اگر اس کو استعمال نہ کیا تو فجر میں وہ خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا؟

محمد انس ڈرائی کلینرس، تلتلیہ نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو پانی مسجد میں نمازیوں کے لئے گرم کیا جائے بے نمازیوں کا اس کو منہ دھونے یا کپڑے دھونے

---

(۱) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف. ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء و لو كان الوضع في كلهم قربةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

کے لئے استعمال کرنا درست نہیں، بہت بے غیرتی ہے، مکان پر بھی نہ لے جائیں (۱)، احاطۂ مسجد ہی میں وضو کریں۔ عشاء کے بعد بچا ہوا گرم پانی بھی کسی دوسرے کام میں استعمال نہ کریں، اگرچہ وہ صبح تک ٹھنڈا ہو جائے گا، پھر گرم کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ گرم پانی تحصیلِ طہارت کے لئے ہے خواہ جسم کی طہارت ہو یا کپڑے کی، پس اگر کپڑے پر نجاست لگ گئی تو غسل کے ساتھ اس کو بھی دھونے کی اجازت ہے، مستقلاً کپڑے اس پانی سے نہ صاف کریں۔

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اپنے گھر سے وضو کر کے آئیں، لیکن ہر ایک کے لئے اس کا انتظام آسان نہیں، نیز مسجد میں پانی گرم اور وضو وغسل کے نظم کا عُرف عام ہو چکا ہے، اس لئے مسجد کی طرف سے انتظام کرنا بھی غلط نہیں ہے، بلکہ نمازیوں کے لئے سہولت کا ذریعہ ہے جس سے ان کی نماز وجماعت کی پابندی ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

مسجد کی سیڑھی وغیرہ اپنے گھر لے جا کر استعمال کرنا

سوال[۷۱۹۳]: متولی مسجد کی اجازت سے کوئی شخص مسجد کی سیڑھی، تپائی گھر لے جا کر استعمال کرے، یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز مسجد کے پیسے سے خریدی گئی، اور دوسرے لوگ اپنی ضرورت کے لئے مسجد سے مانگتے ہیں تو اس

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن یجعل ماله حیث شاء مالم یکن معصیةً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۳۴۳/۴، سعید)

"لایجوز الوضوء، من الحیاض المعدة للشرب فی الصحیح، ویمنع من الوضوء منه، وفیه. وحمله لأهله إن مأذوناً به، جاز، وإلا لا". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۲۷/۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۶۵/۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۷/۵، رشیدیه)

کو عام طور پر وہ چیز نہ دی جائے (۱)، ہاں! اگر مسجد کی مصالح کا تقاضہ ہے تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۱ھ۔

مسجد کا سامان مانگنا

سوال[۷۱۹۴]: مسجد کا سامان مثلاً سیمنٹ، قلعی، روغن، وغیرہ اگر چھٹانک دو چھٹانک مانگ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی چیز بلا اجرت اور بلا قیمت لینے کا حق نہیں، نہ اجازت سے نہ بلا اجازت (۲)۔ جو چیز اُجرت پر دینے کے لئے ہو اس کو اجرت پر لینا درست ہے (۳) اور جو چیز فروخت کرنے کے لئے ہو اس کی قیمت دیکر اس

---

(۱) "ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول فی أحكام المسجد: ۴/۶۴، (رقم المادة: ۳۷)، إدارة القرآن كراچی)

"متولی المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا فی فتاویٰ قاضی خان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومايتعلق به، الفصل الثانی فی وقف المسجد وتصرف القيم الخ: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المساجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "فإذا تم لزم، لايملک ولايملک ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(ولا يعار و لا يرهن) لاقتضائهما الملک". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولی". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشيديه)

(۳) "و لاتجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية الوقف وتصرف القيم فی الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۹، رشديه)

کالینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۴ھ۔

مسجد کے ٹانکہ سے محلّہ والوں کا پانی لے جانا

سوال[۷۱۹۵]: مسجد میں ٹانکہ ہے اس میں نل لگے ہیں، شہر سے بذریعۂ نل پانی ٹانکہ میں آتا ہے، پانی کا ٹیکس مسجد کی کمیٹی ادا کرتی ہے، محلّہ کے لوگ آکر اپنی ضروریات کا پانی لے جاتے ہیں۔ وضو کرنے کی جگہ مسجد کے اندر ہے، اس جگہ پر باوضو مصلی حضرات پیر رکھ کر مسجد میں آتے ہیں۔ باہر کے بچے مسجد کے اندر نل سے پانی لے جاتے ہیں، باہر کی خراب مٹی مسجد میں بھرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسجد کے ٹانکے سے محلّہ کے لوگ اپنی ضروریات کے لئے پانی لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پانی کنویں کے پانی کی طرح نہیں ہے کہ ہر شخص کو لینے کا اختیار ہو، بلکہ یہ گھڑے میں رکھے ہوئے پانی کی طرح ہے کہ مالک نے اپنی ضرورت کے لئے گھڑے میں بھر رکھا ہے، وہ اس پانی کا مالک ہوگیا، کسی شخص کو بغیر اس کی اجازت کے لینے کا حق نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۹/۲۹ھ۔

---

(۱) "وإذا رأى حشيش المسجد فدفعه إنسان، جاز إن لم يكن له قيمة، فإن كان له أدنى قيمة، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي أو القاضي أو أهل المسجد أو الإمام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

"وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوَرثته إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف: يباع ذلك، ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۳/۵، رشيديه)

(۲) "(وله سقي شجرٍ أو خضرٍ زرع في داره حملاً إليه بجراره) وأوانيه (في الأصح)، وقيل: لا إلا بإذنه (والمحرز في كوز وحب) بمهملة مضمومة، الخانية. (لاينتفع به إلا بإذن صاحبه) لملكه بإحرازه". =

مسجد کے نل سے اہلِ محلّہ کا پانی لے جانا

سوال[۷۱۹۶]: ہمارے یہاں مسجد میں جو نل (ہینڈ پمپ) لگا ہوا ہے، محلّہ کے چھ مکانات کے لوگ اس نل سے اپنی ضروریات کیلئے پانی استعمال کرتے ہیں، اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نل سے اہل محلّہ کو پانی لینا درست ہے، مگر احتیاط سے استعمال کریں (۱)، اگر خراب ہو جائے تو اس کی اصلاح بھی کرادیا کریں، یہ بات نہ ہو کہ پانی تو اہل محلّہ بھریں اور مرمت مسجد کے ذمہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

درختِ مسجد کے پھل کا استعمال

سوال[۷۱۹۷]: ایک مسجد ہے اور اس مسجد کے اندر درخت ہے اور اس درخت میں پھل لگا ہے اور پھل پک چکا ہے۔ تو کیا یہ پھل کسی شخص کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس مسجد میں کوئی تبلیغی جماعت پہونچ جائے تو یہ پھل اس جماعت والوں کو کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

= (الدرالمختار، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب: ۶/۴۳۹، سعيد)

"وفي التوضؤ من السقاية إذا اتخذها للشرب اختلافُ المشايخ، ولو اتخذها للتوضؤ، لا يجوز الشرب منه بالإجماع". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: ۲/۴۶۵، رشيديه)

(۱) "و لايجوز الوضوء من الحياض المُعدّة للشرب في الصحيح، ويمنع من الوضوء منه، وفيه. وحمله لأهله إن ماذوناً به، جاز، وإلا لا". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/۴۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہے کہ وہ درخت مسجد کا ہے، پھل کی قیمت مسجد میں دے دی جائے، پھر جس کو دل چاہے کھلا دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی طرف سے مسجد میں اعلان آویزاں کرنا

سوال[۷۱۹۸]: مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے نظم ونسق باقی رکھنے کے لئے مسجد میں ہر وقت کے شوراور ہنگامہ کو بچانے کے لئے مندرجہ ذیل اعلان اویزاں کیا ہے:

۱- بجلی کے پنکھے اذان کے وقت کھولیں جائیں گے اور بعد فراغت نماز بند کردئے جائیں گے۔

۲- پانچوں وقت کی اذان، نماز مسجد کی گھڑی سے ہوگی۔

۳- امام مسجد کے علاوہ مسجد میں کسی دوسرے کو بغیر اجازت تقریر کرنا منع ہے۔

۴- مقرر کو ضروری ہوگا کہ آدابِ مسجد کا خیال کرتے ہوئے تقریر فرمائیں اور کسی کے اختلافی مسائل کو بیان نہ کریں نہ ہی کوئی اشتعال انگیز تقریر فرمائیں۔

۵- مسجد کا کوئی سامان بغیر اجازت استعمال کرنا منع ہے۔

۶- مسجد کی دیواروں پر اشتہار چسپاں کرنا منع ہے۔

۷- مسجد کے نل سے بغیر اجازت پانی بھرنا منع ہے۔

۸- مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا منع ہے۔

۹- امام یا مؤذن کے متعلق کوئی شکایت ہو تو اس کو لکھ کر مسجد کمیٹی کو دیں۔

۱۰- مسجد میں نماز اور نمازیوں کا خیال رکھتے ہوئے سلام آہستہ کریں تاکہ نماز میں خلل واقع نہ ہو۔

---

(۱) "غرس في المسجد أشجاراً تثمر إن غرس للسبيل، فلكل مسلم الأكل، وإلا فتباع لمصالح المسجد". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۲، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، مطلب: الکلام علی الأشجار في المقبرة وغیر ذلک: ۲/۴۷۷، رشیدیه)

اس طرح کا اعلان مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

انتظام صحیح رکھنے اور خلفشار سے بچانے کیلئے یہ اعلان مناسب ہے، لیکن اگر پانی لینے کا کوئی اَور انتظام قریب نہ ہو تو مسجد کے نل سے پانی بھرنے میں کچھ سہولت دینے کی ضرورت ہے (۱)، البتہ اگر مشین سے مسجد کی ٹینکی یا حوض میں پانی جمع کرلیا گیا ہے تو اس کو بھر کر اپنے گھر نہ لے جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

مسجد کے صحن میں کاروباری اشتہار

سوال [۷۱۹۹]: ۱..... مسجد کے صحن کے اندر یا مسجد کے کسی حصہ میں کاروباری اشتہار لگانا کیسا ہے؟

نقشۂ افطار وسحر میں دوکان کا اشتہار

سوال [۷۲۰۰]: ۲..... ایک شخص رمضان المبارک کے افطار وسحر کے نقشہ میں نیچے کے حصہ میں اپنی دوکان کی مشتہری کے لئے اشتہار لکھوالے اور اس نقشہ کو مسجد کے صحن یا مسجد کے کسی حصہ میں لگائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مسجد (جہاں نماز پڑھی جاتی ہے) کے صحن یا کسی بھی حصہ کو تجارت گاہ نہ بنایا جائے، کاروباری اشتہار وہاں نہ رکھے جائیں (۳)۔

---

(۱) "و لا بأس أن يشرب من الحوض والبئر، ويسقي دابته و يتوضأ منه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(۲) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في وقف المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(۳) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنبوا =

۲......ایسا نقشہ مسجد کے بیرونی دروازے اور دیوار پر لگادیا جائے تو مضائقہ نہیں، تاکہ افطار وسحر کا علم بھی اس سے ہوسکے اور دوکان کی مشتہری بھی ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۵ھ۔



= مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشراء کم ورفع أصواتکم". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مایکره فی المساجد، ص: ۵۴، قدیمی)

"وکره إحضار المبیع والصمت والتکلم إلا بخیر، أما الأول، فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد، وفیه شغله". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۵۳۱/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۴۴۸/۲، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳۹۷/۲، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی